وارث

امجد اسلام امجد

غالب پبلشرز — لاہور

ناشر : اسد اللہ غالب
پہلا ایڈیشن : اپریل ۱۹۸۰ء
تعداد : دو ہزار
مطبع : محبوب پرنٹنگ کارپوریشن لاہور

غالب پبلشرز
۲۲۷۔ منظور مارکیٹ متصل ڈاکخانہ انارکلی۔ لاہور

پاکستان کے اُس خوبصورت خواب کے نام
جو ہم سب میں اپنی تعبیر ڈھونڈ رہا ہے

وارث

گزشتہ چند مہینوں میں مجھ سے بارہا یہ سوال کیا گیا ہے کہ "وارث" کا آئیڈیا میرے ذہن میں کیسے آیا؟ اور یہ کہ کیا اس کے کردار حقیقی ہیں؟ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے مختصر الفاظ میں اس سوال کے ان دونوں پہلوؤں کی کچھ وضاحت کر دوں۔

"وارث" کا آئیڈیا یا تھیم حقائق سے زیادہ حقیقت پسندی اور حقیقت نگاری سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ایسے خواب کی تفسیر ہیں جسے آسانی کے لیے ہم نظریۂ حیات کا نام دے سکتے ہیں۔ یہ خواب ایک آزاد، فعّال، زندہ اور بامقصد معاشرے کا خواب ہے جس میں معاشرتی اور معاشی استحصال کی گنجائش نہ ہو اور جہاں ہر شخص خدا کی بنائی ہوئی زمین پر سربلندی سے جی سکے اور اس کے پیدا کیے ہوئے رزق میں سے اپنا جائز حصّہ عزت کے ساتھ حاصل کر سکے۔ مجھے مصلح، لیڈر یا رضاکار، کچھ بھی بننے کا شوق نہیں ہے۔ مَیں اس معاشرے کا ایک عام، ایک بہت معمولی فرد ہوں، لیکن میری خواہش ہے کہ مَیں اپنے قلم سے ایسی باتیں لکھوں جس میں میرے مُلک و قوم اور ہم وطنوں کی بھلائی ہو۔ معاشرے میں اُوپر سے نیچے تک پھیلی ہوئی اس نفسانفسی

مردم آزاری ، بے جہتی اور بے مقصدیت میں کمی ہو اور اس کے اسباب کی وضاحت کی جائے ۔ پاکستان یو این او کے ممبر ممالک میں محض ایک مُلک کا اضافہ کرنے کے لیے نہیں بنا تھا ۔ یہ برّصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کا ایک دارالامان تھا ، ایک ایسا خطّہٴ پاک تھا جہاں ایک قوم اپنے ملّی وجود کی بھرپور صلاحیتوں کو آشکار کرنا چاہتی تھی ۔ ڈیڑھ سو سالہ غلامی کا داغ ماتھے سے دھونے کے بعد ایک منوّر اور مستحکم پیشانی کے ساتھ دُنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا چاہتی تھی ، انسانی مساوات کے اس عظیم تصوّر کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتی تھی جس نے حبشی غلاموں کو قریشِ مکہّ کی ٹھوکروں سے اُٹھا کر ان کے برابر لا کھڑا کیا تھا ۔

ہم اپنی تاریخ ، اسلاف ، عظمتِ رفتہ اور روایات وغیرہ کا ڈھنڈورا تو بہت پیٹتے ہیں ، لیکن غور سے دیکھیں تو ہماری حالت بلے میں بھٹکنے والی چیونٹیوں سے بہتر نہیں ہے ۔ ہمارا ماضی ریگستان کی طرح ہے جس میں کہیں کہیں نخلستان اور میٹھے چشمے ہیں ، لیکن ان کے چاروں طرف گرد و غبار اور دھند کا ایک جال سا تنا ہے ۔ قدم قدم پر سراب اور گرداب ہیں ۔ بعض بہت خوشنما درختوں میں زہریلے پھل ہیں اور کئی خاردار جھاڑیوں میں پھول مہک رہے ہیں ۔ ان سب باتوں کو سمجھنا ، ان کا مطالعہ ، مشاہدہ اور تجربہ کرنا ، ماضی کے زندہ حصّے کی شناخت اور اسے مستقبل کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ہر اہلِ قلم اور اہلِ علم کا فرض ہے ۔ مجھے احساس ہے کہ یہ ایک مشکل ، بہت مشکل اور انتہائی

محنت طلب کام ہے، لیکن اگر ہمیں ایک زندہ قوم کی طرح رہنا ہے تو اس چیلنج کو قبول کرنا ہوگا۔ "وارث" کی تقسیم یا آئیڈیا تاریخ کی اسی رہگزر کی ایک منزل سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس کا مرکزی خیال معاشرے کے ایک محدود گروہ کا غیر انسانی اور منفی طرزِ فکر ہے۔ یہ گروہ ان لوگوں کا ہے جو اپنی دولت، وسائل، قوت اور رسوخ کی وجہ سے معاشرے میں بلند مقامات پر فائز ہیں۔ اُن کا احساسِ برتری انہیں عام لوگوں سے دُور رکھتا ہے۔ وہ اپنے وسائل کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں اور یوں ہر طرح کے استحصال کو روا رکھتے ہیں، قومی اور اجتماعی مفاد پر ذاتی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں اور معاشرے میں برپا ہونے والی ہر ایسی تبدیلی کی راہ میں حائل ہوتے ہیں جو عوام کو باشعور بنائے اور انہیں اپنے ہونے کے شرف سے آگاہ کرے، کیونکہ اس میں اس طبقے کے بنائے ہوئے غیر انسانی نظام کی موت پوشیدہ ہے۔ یہ طبقہ دیہاتوں تک محدود نہیں، شہر کا نیا سرمایہ دار شاید "وارث" کے حشمت خاں سے زیادہ ظالم، انسان کش، خود غرض اور ارتقاء دشمن ہے اور اس میں وہ انسانی صفات بھی نہیں جو حشمت خاں کی تمام تر برائیوں کے باوجود ایک طویل تہذیبی سفر کی وساطت سے اس کی شخصیت میں رچی بسی ہوئی ہیں، لیکن میں نے "وارث" میں بنیادی استعارہ حشمت خاں کو اس لیے بنایا ہے کہ پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے، زیادہ تر آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے، جہاں تعلیم کی اوسط شرح شہروں سے بھی کم ہے، ان تک اپنی بات پہنچانے کے لیے ضروری تھا کہ ایسے کردار تشکیل دیے جائیں جو اُن کے ماحول سے متعلق ہوں اور وہ

اپنے آپ کو کسی نہ کسی طرح ان سے IDENTIFY کر سکیں۔ حشمت خاں اس زوال پذیر جاگیرداری نظام کی علامت بن کر سامنے آیا ہے جسے کسی نہ کسی شکل میں ہم سب جانتے ہیں۔

ولاور اور مولاداد کے کردار غصّے، نفرت، انتقام اور مجبوری کے دائروں میں گھومتے ہیں اور اس امر کے غمّاز ہیں کہ کوئی انسان مکمّل بُرا نہیں ہوتا، حالات کے دباؤ تلے اکثر لوگوں کے اصل چہرے مسخ ہو جاتے ہیں، لیکن انسانیت کی چنگاری ان کُچلی ہوُئی شخصیتّوں کے خس و خاشاک تلے کہیں نہ کہیں موجود ہوتی ہے۔ اگر اسے ہوا دی جائے تو لوہے کی باڑ پر بھی پھُول کھِل سکتے ہیں۔

شیر محمد ایک آئیڈیل پاکستانی شہری ہے۔ ایک ایسا شخص جو اپنی قوم اور وطن کو ہر چیز پر مقدم رکھتا ہے، دُنیا کی کوئی تحریص، کوئی لالچ، کوئی دباؤ، کوئی تشدّد اسے اپنے راستے سے نہیں ہٹا سکتا۔ وہ کوئی غیر معمولی انسان نہیں ہے۔ اس کے جذبۂ حبّ الوطنی اور انصاف پرستی نے اُسے غیر معمولی بنا دیا ہے۔

چودھری یعقوب، حشمت خاں کی اُس سے بھی زیادہ مسخ شکل ہے۔ حشمت کی شخصیت میں تہذیب کا ایک آشوب ہے جس میں وہ "مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو" والی صُورتِ حال میں مُبتلا نظر آتا ہے، مگر یعقوب صرف اپنی ذات کا غلام ہے۔ اپنے مفاد کے حصُول کے لیے وہ ہر چیز کا سودا کر سکتا ہے۔ نیاز علی اپنے زوال آمادہ طبقے کا ایک روشن دماغ اور انسان دوست فرد ہے جو اپنے طبقے کی روایات کے طلسمی محل میں قید ہے۔ اس محل کی غیر مرئی دیواروں نے اس کی شخصیت کو ایک عفریت کی طرح اپنے پنجے

میں لے رکھا ہے۔ اس کا وجود اپنے ریزہ ریزہ اعضا کو مجتمع کرنے کی ایک جانکاہ اذیت میں مبتلا ہے جب کہ اس کا بھائی انور اپنے دادا کی طرح ایک انسان دشمن احساسِ برتری میں مگن اور مخمور ہے۔

"وارث" کے باقی اہم کردار بھی مختلف معاشرتی رویوں، فطرتوں اور طرزِ فکر کے عکاس ہیں اور میرے نزدیک اس کی کہانی اور کرداروں کی یہی حقیقت پسندی اس کی غیر معمولی مقبولیت کا بنیادی سبب ہیں۔

ڈرامہ اور خصوصاً ٹی وی ڈرامہ مطالعے کے اعتبار سے نسبتاً مشکل اور وقت طلب ہوتا ہے۔ مکالمہ اس صنفِ ادب کا اہم ترین جزو ہونے کے باوجود ایک جزو ہوتا ہے۔ ٹی وی ڈرامے میں مکالمے کے علاوہ آواز اور چہرے کا اُتار چڑھاؤ، ملبوسات، میک اپ، سیٹ کیمروں کا ماہرانہ استعمال، صوتی اثرات، کردار نگاری، پرفارمنس اور پروڈکشن بھی بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ مکالموں کا انداز، سین، کردار اور پلاٹ کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔ ٹی وی سکرپٹ میں AUDIO-VISUAL یعنی صوتی اور بصری دونوں تقاضوں کو مدِ نظر رکھنا پڑتا ہے۔ اس اعتبار سے اسے پڑھنا ایک خاص قسم کی تربیت مانگتا ہے۔ ممکن ہے شروع شروع میں آپ خاصی دقت محسوس کریں، لیکن مجھے یقین ہے جب قارئین اس سے مانوس ہو جائیں گے تو انہیں اسی طرح لطف آئے گا جیسے وہ بیانیہ انداز میں لکھی ہوئی کوئی تحریر پڑھ رہے ہیں۔ کہیں کہیں چند ٹیکنیکل الفاظ مثلاً O/L (OVER LAP)، S/I (SUPER IMPOSE) CUT - DISSOLVE - FLASH BACK - زوم اِن، زوم آؤٹ، فریم وغیرہ نظر آئیں گے۔ جو قارئین ان کے مفہوم سے آگاہ نہیں ہیں اُمید ہے وہ قرائن

سے ان کے مطالب کا اندازہ کرلیں گے۔

"وارث" اکتوبر ۱۹۷۹ء سے مارچ ۱۹۸۰ء تک (۲۳) تئیس قسطوں میں پیش کیا گیا۔ اس کی پہلی سات قسطیں ۶۵ منٹ دورانیے کی تھیں جبکہ آخری سولہ قسطیں ۵۰ منٹ پر محیط تھیں۔ دورانیے کی یہ تبدیلی ناظرین کے پُر زور اصرار پر عمل میں لائی گئی تھی اور یوں "وارث" پاکستان ٹی وی کا پہلا پروگرام ہے جس کا دورانیہ درمیان میں تبدیل کیا گیا ہے۔ پہلی تین قسطیں غضنفر علی نے اور باقی کی بیس اقساط نصرت ٹھاکر نے پیش کیں۔ اس کتاب میں آپ کو چند ایک ایسے سین بھی نظر آئیں گے جو بوجوہ ٹیلی کاسٹ یا ریکارڈ نہیں ہو سکے۔ اس کے علاوہ فنی ضروریات کے پیشِ نظر چند سینوں میں جزوی تبدیلیاں بھی کی گئی تھیں۔

"وارث" کی پُورے مُلک میں جو پذیرائی ہوئی ہے اور عوام کے ہر طبقے نے جس طرح دل کھول کر مجھے اور وارث ٹیم کے فنکاروں کو داد دی ہے، اس کے لیے ہم سب سراپا سپاس ہیں۔ کسی بھی فنکار کے لیے اس کے فن کی پذیرائی سب سے بڑا انعام ہوتی ہے۔ میرے ہم وطنوں نے پریس، مختلف تقریبات، نجی ملاقاتوں، خطوط اور پروگرام "اپنی بات" کے ذریعے جن نیک تمناؤں اور توصیفی جذبات و کلمات کا اظہار کیا ہے، ان سے میرے اعتماد میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ مَیں اپنے آپ کو بے حد خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ مجھے اپنے فن کی داد پانے کے لیے مستقبل کا انتظار نہیں کرنا پڑا ہے۔ اس ڈرامے کے ناظرین نے اپنی بے پناہ پسندیدگی سے مجھے یہ احساس عطا کیا ہے کہ میں نے اپنی اس کاوش سے نہ صرف ان کی زندگیوں میں چند اچھے اور پُرمسرت لمحے تخلیق کیے ہیں، بلکہ بہت چھوٹے پیمانے پر ہی سہی اپنے معاشرے

کے ایک آشوب کی عکاسی اور ایک ایسی جہت کی تصویر کشی کی ہے جہاں قومی وقار، شخصی اعتماد اور استحصال سے پاک معاشرے کی روشن منزل ہمارے لیے باہیں پھیلائے کھڑی ہے۔

آخر میں میں اپنے ٹی۔وی کے دوستوں ضیا جالندھری، کنور آفتاب احمد، یونس منصور، یاور حیات، نصرت ٹھاکر، غضنفر علی اور وارث ٹیم کے تمام فنکاروں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اپنے مشوروں، فنی استعداد اور بھرپور محنت سے "وارث" کے سکرپٹ کو ٹی وی سکرین پر لانے میں میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا ہے اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آئندہ زندگی میں اس سے بھی بہتر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

امجد اسلام امجد

۱۸۔ اپریل ۱۹۸۰ء

کردار اور فنکار

۱	چوہدری حشمت خاں	—	محبوب عالم
۲	دلاور	—	عابد علی
۳	مولاداد	—	شجاعت ہاشمی
۴	یعقوب	—	منور سعید
۵	ذکیہ	—	عظمیٰ گیلانی
۶	نیاز علی	—	اورنگ زیب لغاری
۷	انور	—	فردوس جمال
۸	صغراں	—	ثمینہ احمد
۹	زبیدہ	—	نگہت بٹ
۱۰	ماسٹر منظور	—	ایوب خاں
۱۱	شیر محمد	—	سجاد کشور
۱۲	زہرہ	—	رینا
۱۳	نتھو	—	نذیر حسینی
۱۴	علما کمہار	—	لطیفی
۱۵	رشید	—	عاصم
۱۶	مہنگا	—	ملک انوکھا
۱۷	بخشو	—	ممتاز علی
۱۸	حیات محمد	—	غیور اختر
۱۹	جیلا	—	ایم عالم
۲۰	پری پیکر	—	ایم شریف
۲۱	جمیل	—	جمیل فخری
۲۲	صولت مرزا	—	غضنفر بیگ
۲۳	فرخ	—	آغا سکندر
۲۴	سیمیں	—	طاہرہ نقوی
۲۵	سیمیں کا باپ	—	الطاف الرحمٰن
۲۶	سیمیں کی ماں	—	خورشید جبیں
۲۷	شکیلہ	—	نفیسہ
۲۸	سید گل	—	ایم اے خان
۲۹	رجما	—	عابد کشمیری
۳۰	ریاست علی	—	بدیع الزماں
۳۱	سکندر	—	عابد بٹ
۳۲	دلاور کی ماں	—	طلعت صدیقی

اور

بہت سے دوسرے

ثمینہ (صغریٰ)

فردوس جمال (انور)

رینا (زہرہ)

نصرت ٹھاکر (ہدایت کار)

طاہرہ نقوی (سیمی)
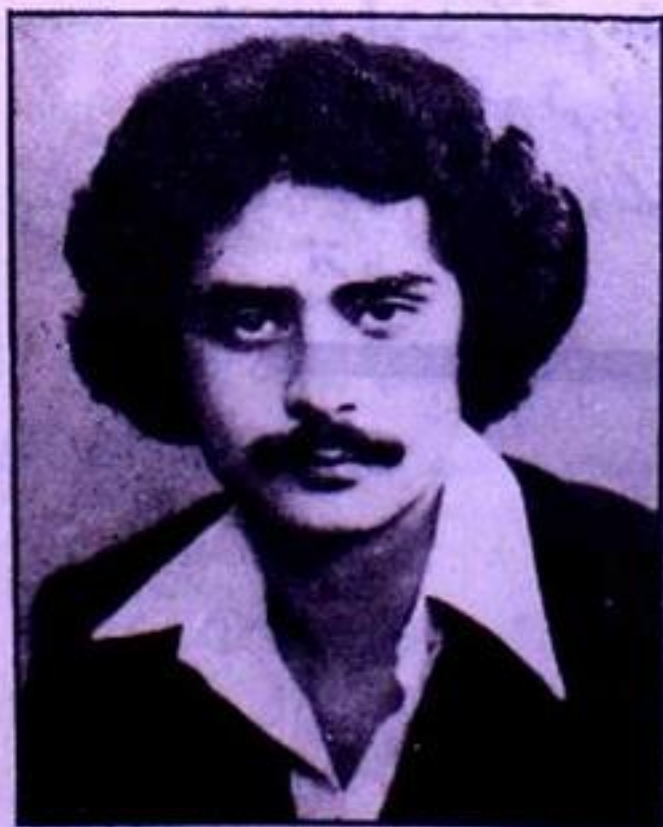
آغا سکندر (فرخ)

اس ڈرامے کے تمام واقعات، مقامات اور کردار
فرضی ہیں۔ کسی قسم کی مشابہت یا مطابقت محض
اتفاقی امر ہو گی جس کے لیے مصنّف یا پبلشر
ذمّہ دار نہ ہوں گے۔

قسط نمبرا
سین نمبرا

(متوسط طبقے کا صاف ستھرا گھر، فرخ زماں بیسن کے ساتھ کھڑا شیو بنا رہا ہے۔ شلوار قمیض میں ملبوس ہے۔ مختصر کمرے میں ماں جی ایک چھوٹی میز پر ناشتے کا سامان رکھ رہی ہے۔ فرخ تنقیدی نظروں سے آئینے میں اپنا جائزہ لیتا ہے۔ تھیو کے بچے کھچے بال صاف کرتا ہے، کچھ گنگنا رہا ہے۔ ماں جی کی آواز آتی ہے)

ماں جی: ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے بیٹے۔

فرخ زماں: آ رہا ہوں امی۔ (جلدی جلدی منہ پر دو چھینٹے مارتا ہے تولیے سے منہ صاف کرتا ہوا آتا ہے) ایک تو یہ جو آپ صبح صبح اُٹھا دیتی ہیں نا اس سے میری جان نکلی جاتی ہے۔ ابھی سات بھی نہیں بجے اور میری کلاس نو بجے شروع ہوتی ہے۔

ماں جی: صبح اٹھنے میں بڑی برکت ہوتی ہے بیٹا۔ آدمی دن بھر تر و تازہ رہتا ہے رات کو نیند اچھی طرح آتی ہے۔

فرخ زماں: خاک اچھی آتی ہے ادھر آنکھ لگتی ہے اُدھر آپ جگانا شروع کر دیتی ہیں اٹھو اٹھو صبح ہو گئی ہے (لاڈ بھرے انداز میں ہنستا ہے ماں بھی ہنستی ہے) اُسے کندھوں سے پکڑ کر کرسی پہ بٹھاتی ہے۔

ماں: اچھا چلو اب ناشتہ کر دو پھر کہو گے یہ چیز ٹھنڈی ہے وہ چیز ٹھنڈی ہے۔

فرخ زماں: (جلدی سے چائے کا ایک گھونٹ لیکر ٹیڑھا سا منہ بناتا ہے) اوہو امی یہ تو ایک دم برف ہو رہی ہے ——

ماں جی: (ماں چائے دانی اٹھا کر جانے لگتی ہے) اسی لئے تو کہہ رہی ہوں جلدی جلدی کرو۔

فرخ: (ماں کے ہاتھ سے چھینک لے کر دیکھتا ہے۔ ہنستا ہے) ارے ارے میں تو مذاق کر رہا تھا۔ ٹھیک ٹھاک گرم ہے۔

ماں جی: اللہ بخشے تمہارے ابا جی بھی بہت گرم چائے پیا کرتے تھے۔ ساری ان کی عادتیں ہیں تم میں۔

(دروازے پر دستک کی آواز جس کے ساتھ چوہدری یعقوب کی آواز آتی ہے

جو بُنتا ہوا اندر آتا ہے)

بچا : اسلام علیکم ۔ بھابھی ۔

ماں جی : وعلیکم اسلام ۔

فرخ : سلام علیکم انکل (اٹھنے کی کوشش کرتا ہے) آپ پھر واک دے کر آئے ہیں ۔

بچا : (شفقت سے کندھا تھپتھپاتے ہوئے) جیتے رہو بیٹھو بیٹھو بھئی کیا کروں تمہاری عمر جتنی پرانی عادت ہے ۔

ماں جی : (پلیٹ آگے رکھتے ہوئے) آیئے بیٹھیں ناشتہ کریں ۔

بچا : نہ بھابھی ۔ ناشتہ تو میں کر کے آیا ہوں ۔ آپ کو تو پتہ ہے ۔ میں صبح نماز کے بعد سب سے پہلا کام یہی کرتا ہوں ۔

فرخ : چلیئے چائے ہی پی لیں ایک کپ ۔

بچا : بھئی ہم ٹھہرے لسّی پینے والے ۔ یہ چائے ۔ اچھا تم کہتے ہو تو پی لیتے ہیں ۔ سناؤ پڑھائی وڑھائی کیسی جا رہی ہے ۔

ماں جی : (محبت کے انداز میں) مجھے تو یہ پاس ہوتا نظر نہیں آتا ۔ سارا سارا دن پتا نہیں کہاں کہاں پھرتا رہتا ہے ۔ گیارہ بجے تک ٹی وی دیکھتا ہے پھر سو جاتا ہے ۔

بچا : (ماں کے شرارت بھرے انداز کو سمجھتے ہوئے) کیوں بھئی برخوردار یہ کیا چکر ہے ۔

فرخ : بات دراصل یہ ہے انکل کہ اب زمانہ بدل گیا ہے ۔ امی ذرا پرانے خیالات کی ہیں نا اس ٹائپ کی کہ کھمبے کے نیچے بیٹھ کر پڑھو تو پتہ نہیں کیا ہو جاتا ہے ۔ میں نے ایک دفعہ کوشش کی تھی ایک تو لائٹ اتنی کم تھی اوپر سے مچھر اتنے تھے کہ خدا کی پناہ ۔ ویسے امی آج کل لائبریریوں میں بیٹھ کر پڑھتے ہیں (پڑھنے کا انداز بتاتا ہے)

(تینوں ہنستے ہیں)

بچا : اچھا یہ تو تم نے پوچھا ہی نہیں کہ میں اتنی صبح صبح کیوں آیا ہوں ۔

فرخ : یہ آپ کا اپنا گھر ہے انکل اینی ٹائم از یور ٹائم ۔

بچا : وہ تو ٹھیک ہے مگر اس وقت آنے کی ایک خاص وجہ بھی ہے ۔ ذرا — اچھا میں تمہیں ایک اشارہ دیتا ہوں ۔ اس کا تعلق ۔ اس کا تعلق دو پہیوں والی ایک چیز سے ہے ۔

فرخ : دو پہیوں والی چیز سے (سوچتے ہوئے) کیا ہو سکتی ہے (ایک دم چہرے پر خوشی) سچ انکل ۔ کہاں ہے ۔

بچا : (ایک چابی نکال کر میز پر رکھتا ہے ۔ فرخ جلدی سے چابی اٹھاتا ہے ۔ اگر میں یہ کہوں کہ اس وقت تمہارے دروازے پر تمہارا انتظار کر رہی ہے ۔ پھر

فرخ : (محبت سے اس کا ہاتھ دبا کر) اوہ انکل آپ کتنے سویٹ ہیں (چابی لے کر دوڑتا جاتا ہے) میں ابھی آیا ۔

ماں جی : (چچا محبت سے مسکراتے ہوئے اُسے جاتے دیکھتا ہے) آپ کیوں اس کی عادتیں بگاڑ رہے ہیں یعقوب بھائی ۔

بچا : یہ میرا خون ہے بھابی ۔ خدا کی قسم اگر مجھے ابا جان کا ڈر نہ ہوتا تو میں کبھی اسے ان حالوں میں نہ رہنے دیتا ۔

ماں جی : آپ ہم لوگوں کا اتنا خیال رکھتے ہیں یہ کیا کم ہے ۔

چچا : یہ تو میرا فرض ہے بھائی ۔ اور پھر یہ آپ کا حق ہے ۔

فرخ : (خوش خوش اندر آتا ہے) ایکسیلنٹ انکل بہت اچھی ہے ۔

چچا : پسند آئی ہے ۔

فرخ : بہت زیادہ اور کلر بھی آپ نے بالکل میری پسند کا لیا ہے ۔ تھینک یو ویری مچ ۔

ماں جی : اب برائے مہربانی ذرا احتیاط سے چلانا ۔ پندرہ بیس میل سے زیادہ تیز نہ ہو ۔

فرخ : امی ! یہ موٹر سائیکل ہے ــــ بیل گاڑی نہیں ۔

سین نمبر ۲

(فرخ اپنی نئی موٹر سائیکل پر تیزی سے جا رہا ہے دو تین سڑکیں گزر کر یونیورسٹی اولڈ کیمپس میں آتا ہے لڑکیاں لڑکے آ جا رہے ہیں آہستہ آہستہ موٹر سائیکل چلا رہا ہے ایک لڑکا آواز دیتا ہے ۔ رکتا ہے ۔ لڑکا قریب آ کر موٹر سائیکل کو دیکھتے ہوئے)

لڑکا : کس کی ہے یہ ۔ ۔ ۔ ۔

فرخ : (فخر سے) ابے اپنی ہے اور کس کی ہے ۔

لڑکا : کب لی ۔

فرخ : آج ہی سمجھو ۔

لڑکا : چائے کب پلا رہے ہو اس کی ۔

فرخ : جب کہو ۔

لڑکا : کیا بات ہے آج بڑے موڈ میں ہو ۔

فرخ : (نیم مزاحیہ انداز میں) تم جیسے غریب غربا کی پرورش تو ہم پہلے بھی کرتے رہتے ہیں ۔

لڑکا : (ہنستے ہوئے) کیوں نہیں مائی باپ آپ کے سموسوں کبابوں، پیٹیز، پیسٹریوں اور آملیٹوں کے سہارے ہی تو ہم زندہ ہیں ۔

فرخ : اب زیادہ بکواس نہیں کرو ۔ ایک کپ چائے اور ایک سموسہ ، بس ، اور کچھ نہیں ملے گا ۔

لڑکا : لگتا ہے آپ کی حکومت کسی مالی بحران کا شکار ہے عالی جاہ ، اکونومک کرائسز آئی مین ۔ ۔ ۔ ۔

(دونوں ہنستے ہیں ۔ لڑکا موٹر سائیکل کو تعریفی نظروں سے دیکھتا ہے)

لڑکا : ویسے یار چیز عمدہ ہے ۔

فرخ : ہاں (ایکدم چونک کر دیکھتا ہے) اچھا اب تم کھسکو گیارہ بجے کیفیٹریا میں ملاقات ہو گی ۔

لڑکا : ابھی چلتے ہیں ۔

فرخ : ابھی مجھے کچھ کام ہے ۔

(دوبارہ لڑکے کے پیچھے دور سے آتی ہوئی یاسمین کو دیکھتا ہے لڑکا بھی مڑ کر دیکھتا ہے)

لڑکا : اوہ آئی سی۔ ظاہر ہے یہ بھی اب ہماری گنجائش کیسے نکل سکتی ہے۔ او۔کے۔ پھر گیارہ بجے ملاقات ہوگی۔ بیسٹ آف لک۔

(لڑکا جاتا ہے یاسمین آتی ہے۔ فرخ سٹائل سے دونوں پاؤں موٹر سائیکل پر ٹکا کر بیٹھ جاتا ہے۔ یاسمین اس کے قریب آکر رکتی ہے فرخ جان بوجھ کر انجان بن جاتا ہے موٹر سائیکل پر ہاتھ پھیرتا ہے یاسمین کچھ لمحے اسے مسکراتے ہوئے دیکھتی ہے)

یاسمین : کیوں بھئی رکشے والے رکشہ خالی ہے؟

فرخ : (مصنوعی غصے میں) یہ تمہیں رکشہ نظر آرہا ہے۔ (موٹر سائیکل سٹارٹ کرتا ہے۔ موڑتا ہے۔ ہنستا ہے یاسمین بھی ہنستی ہے) چلو جلدی سے بیٹھو۔

یاسمین : (پیچھے ہٹتے ہوئے) مگر۔۔۔ کہاں بھئی۔ ایسے ہی چلو۔

فرخ : کہیں بھی۔ آج سیر کریں گے (بازو سے پکڑتا ہے) نئی موٹر سائیکل کی خوشی ہیں۔

یاسمین : ارے بابا میری کلاس ہے۔

فرخ : کلاس کو گولی مارو۔ ساری عمر پڑی ہے پڑھنے کے لئے۔

یاسمین : اپنی طرح نالائق سمجھ رکھا ہے مجھے بھی۔

فرخ : بیٹھ جاؤ۔ نہیں تو میں کسی اور کو بٹھا لوں گا۔ پھر نہ کہنا۔

یاسمین : (بیٹھتے ہوئے) اوہو ارے بھئی کیا مصیبت ہے۔ کلاس کے بعد سہی ـــ دیکھو وہ روبینہ ہمیں کیسے گھور رہی ہے۔

فرخ : اللہ نے چاہا تو اس کی آنکھوں میں ککرے پڑیں گے۔

(دونوں ہنستے ہیں۔ فرخ موٹر سائیکل چلاتا ہوا جاتا ہے روبینہ انہیں حیرت اور غصے سے دیکھتی ہے)

سین نمبر ۳

(چوہدری یعقوب کی کوٹھی کے گیٹ میں ایک جیپ داخل ہوتی ہے اس کے پیچھے ایک بڑی سی کار ہے جس کی کھڑکیوں پر پردے پڑے ہیں پیچھے ایک اور جیپ ہے جیپوں سے پانچ چھ دیہاتی جلدی جلدی اترتے ہیں۔ بخشو اور ہنگے کے ہاتھ میں ڈانگیں ہیں رب نواز اور عمر الہٰی رائفلوں سے مسلح ہیں، سید گل نے ریوالور رکھا ہے ہنگا اور بخشو بڑھ کر کار کا دروازہ کھولتے ہیں چوہدری حشمت خان ستر سالہ بوڑھا ہے۔ مگر خانوں والے طمطراق کے ساتھ گاڑی سے نکلتا ہے۔ اس کے بعد سید گل باہر آتا ہے۔ رب نواز اور عمر الہٰی کے ہاتھوں میں کتوں کی زنجیریں ہیں جن سے کتے بندھے ہوئے ہیں کوٹھی کی طرف چوہدری یعقوب تیز تیز چلتا ہوا آتا ہے)

چچا : اباجی آپ ۔ اتنی صبح صبح ۔ خیر تو ہے ۔ آؤ اندر آؤ۔

سید گل : (ایک مڑا تڑا اخبار دیتے ہوئے) جی چوہدری جی ۔

(حشمت خان اخبار کے صفحے الٹ کر ایک تصویر نکالتا ہے)

حشمت خان : یہ دیکھو۔

(یعقوب تصویر دیکھنے لگتا ہے ۔ بخشو اور منگا اپنی ٹانگیں جوڑ کر یعقوب کی کار ناپ رہے ہیں کچھ دیر حساب کرتے ہیں پھر یعقوب کی طرف آتے ہیں جو اخبار پڑھ رہا ہے)

چچا : یہ نمائش تو ہو چکی ہے اباجی ۔

حشمت : تیرے خیال میں مجھ کو پڑھنا نہیں آتا ۔ یہ تصویر دیکھی ہے اوّل آنے والے کتے کی ۔ یہ کرسٹل کی ۔ واہ مولا کیا نام رکھا ہے رکھنے والے نے ۔ کرسٹل ۔ میں کہتا ہوں یہ تمیز انگریز کے علاوہ کسی کو نہیں ۔ کتے کا نام ایسا چن کر رکھتے ہیں کر روح خوش ہو جاتی ہے ۔

بخشو : ہمارے یہاں تو اولاد کے نام بھی اچھے نہیں رکھتے جی ۔ اب دیکھو میرا کوئی نام ہے ۔

چچا : (حشمت اور یعقوب دونوں ہنستے ہیں) تو بڑی بکواس کرتا ہے بخشو۔

بخشو : آپ کے چاکر ہیں ، مائی باپ ۔ چوہدری صاحب ایک بات تو بتاؤ ۔ یہ آپ کی گڈی تو پہلی والی سے بڑی ہے ۔

چچا : ہاں یہ میں نے نئی لی ہے ۔

بخشو : تو لمبی لینی تھی نا ۔ چوہدری صاحب ۔ اُدھر چک ۴۲ میں گیلانیوں نے چار ٹانگوں سے بھی لمبی موٹر لی ہے کیوں منگے ٹھیک کہہ رہا نا میں (منگا اثبات میں سر ہلاتا ہے)

یعقوب : (حشمت سے) تو آپ گاڑی خریدنے آئے ہیں ۔

حشمت : گاڑی نہیں پتر ۔ میں اس کرسٹل کا سودا کرنے آیا ہوں ۔

سین نمبر ۴

(یعقوب کا ڈرائنگ روم ۔ حشمت اور یعقوب بیٹھے ہیں ۔ باقی لوگ کمرے میں ادھر اُدھر کھڑے ہیں ۔ ایک طرف دلاور بھی شلوار قمیض میں ملبوس بڑھے ہوئے شیو کے ساتھ خاموش کھڑا ہے ۔ حشمت اپنے بیٹے پر ناراض ہو رہا ہے)

حشمت : پتہ نہیں شہر میں آکر لوگوں کو کیا ہو جاتا ہے ۔ تم میرے پتر ہو ۔ میرے گھر کے چشم و چراغ ہو اپنے باپ کے لئے ایک کتا نہیں حاصل کر سکتے تم ۔

چچا : اباجی آپ کے سامنے میں نے اتنی کوشش کی ہے ۔ اب جس کی چیز ہے وہ بیچنا ہی نہیں چاہتا تو میں کیا کروں ۔

حشمت : تم چوڑیاں ڈال کر گھر میں بیٹھو اور کیا کرنا ہے تم نے ۔ چوہدری حشمت خان کا بیٹا شہر کا بڑا کھڑپینچ بنا پھرتا ہے پر ایک کتا نہیں لا سکتا ۔ لعنت ہے چوہدری حشمت خان تم پر ۔ یہ اولاد پیدا کی ہے ۔

چچا : اباجی ۔ آپ میری بات تو سنیں ۔ یہ شہر ہے ۔ یہاں معاملات کچھ اور طرح کے ہیں ۔ اپنا علاقہ ہو تو اور بات ہے

ہے میں پھر کوشش کرتا ہوں۔ کوئی واقف ڈھونڈتا ہوں صولت مرزا کا۔

(ٹیلی فون ڈائرکٹری اُٹھا کر کھولتا ہے)

حشمت : جو مرضی کرو۔ مجھے کرسٹل چاہیئے۔ ہر قیمت پر، ہر حالت میں۔

(دلاور سے)

ادے کیا نام ہے تیرا۔

بچا : یہ دلاور ہے۔

حشمت : نیار کھا ہے۔

بچا : جی۔

حشمت : ادھر آ ــ

(دلاور بغیر کسی تاثر کے آہستہ آہستہ چلتا ہوا حشمت کے قریب آتا ہے۔ حشمت اُسے سر سے پاؤں دیکھتا ہے۔ دلاور اس کی نظروں کی تاب نہ لا کر آنکھیں نیچی کر لیتا ہے)

حشمت : پانی پلا مجھے۔

(دلاور خاموشی سے پیچھے ہٹتا ہے اور کمرے سے نکلتا ہے)

حشمت : غیر آدمی پر زیادہ اعتبار نہیں کرنا چاہیئے یعقوب۔ آدمی کے سو سجن سو دشمن ہوتے ہیں۔

بچا : یہ بڑا مسکین سا آدمی ہے ابا جی۔

(دلاور ایک ٹرے میں جگ اور پانی لاتا ہے۔ حشمت اسے دیکھ کر بات کرتا ہے جیسے اسی کو سنا رہا ہو)

حشمت : شکل سے تو سانپ بھی بڑا مسکین لگتا ہے کیا نام بتایا تھا اس کا۔

بچا : دلاور

حشمت : ادے دلاور ــ ادھر آ۔۔۔

(پاؤں آگے کرتا ہے)

ٹانگیں دبا دُنا۔

(دلاور خاموشی سے بیٹھ کر ٹانگیں دبانے لگتا ہے۔ حشمت کے ملازم کنکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہیں۔ دلاور کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں۔ حشمت چند لمحے یعقوب کو دیکھتا ہے جو ڈائرکٹری کے صفحات الٹ پلٹ رہا ہے۔)

حشمت : یہ تم ڈائرکٹری سے کیا نکال رہے ہو؟

بچا : (شرمندہ سا ہو کر) نہیں ابا جی، وہ میں کوئی ایسا IMPORTANT آدمی ڈھونڈ رہا تھا جو صولت مرزا سے بات کر سکے۔

(حشمت چادر کے نیچے ڈبے میں رکھے ہوئے نوٹ دکھاتا ہے)

حشمت: بات کرنے کے لئے میں یہ جو لایا ہوں لاؤڈ سپیکر۔

چچا: آپ سمجھتے کی۔۔۔۔۔

(حشمت کی نظروں سے گھبرا کر بات بدل جاتا ہے)

میرا مطلب ہے صولت مرزا خود بہت امیر آدمی ہے اور میں نے سنا ہے وہ ضدی بھی بہت ہے۔

حشمت: تم مجھے ایک بار اس کے پاس لے چلو۔ باقی بات میں خود کروں گا۔

چچا: مگر ابا جی۔

حشمت: (غصے سے اٹھتے ہوئے) تو میرا پتر کہلانے کے لائق نہیں ہے یعقوب۔ آگر آج تیرا بھائی زندہ ہوتا تو کرسٹل اس وقت یہاں ہوتا اس کمرے میں۔ اوئے بختو۔ ڈرائیور کو کہہ گاڑی سٹارٹ کرے۔ مجھ سے اب یہاں نہیں ٹھہرا جاتا۔

چچا: ابا جی۔۔۔ خدا کے لئے آپ۔۔۔۔۔

سین نمبر ۵

(صولت مرزا کا ڈرائنگ روم۔ کیمرہ ایک شاندار ڈرائنگ روم میں میز پر پڑی ہوئی نوٹوں کی گڈیوں پر اوپن ہوتا ہے۔ جس پر صولت مرزا کی آواز O/S کرتی ہے۔ ایک طرف سیدگل اور دلاور خاموش کھڑے ہیں)

صولت: میں نے آپ کو بتایا ہے چوہدری صاحب کرسٹل از ناٹ فار سیل۔ کرسٹل بیچنے کے لئے نہیں ہے میں نے تین سال لگائے ہیں اس کی تلاش میں۔

حشمت: میں پچھلے چالیس سال سے اس کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ دوسری عالمگیر جنگ میں اس نسل کا ایک شہزادہ میرے کمپنی کمانڈر کرنل برڈس کے پاس تھا۔ اب دوسرا یہ نظر آیا ہے۔

(نوٹوں کی دو اور گڈیاں نکال کر رکھتا ہے)

یہ لو اب ساٹھ ہزار ہو گئے ہیں۔

صولت: (غصے سے) ساٹھ لاکھ بھی ہوں تو میں نہیں لوں گا۔ سمجھے آپ۔ یعقوب صاحب آپ سمجھاتے کیوں نہیں اپنے والد صاحب کو۔

چچا: دراصل مرزا صاحب یہ وہ۔۔۔۔

صولت: (اٹھتے ہوئے) بہتر یہ RUBBIRH اٹھائیں یہاں سے SORRY I am۔ میری ایک APPOINTMENT ہے دس بجے کی۔ میں اجازت چاہوں گا آپ سے۔

چچا: جی بہتر۔ آیئے ابا جان۔

حشمت: میں نے جب بھی بولی لگائی ہے۔ سودا لیکر ہی اٹھا ہوں پتر۔ ان سے پوچھو۔۔۔ یہ کیا مانگتے ہیں۔

چچا: (آواز دبا کر) وہ کہتے ہیں میں نے کسی قیمت پر نہیں بیچنا۔

حشمت: کیسی باتیں کرتے ہو بیٹر۔ کرسٹل تو پھر کتا ہے قیمت معقول ہو تو بڑے بڑے آدمیوں کا سودا ہو جاتا ہے۔

صولت: (بے چینی سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے) I THINK TAHT IS ENOUGH

سین نمبر ۶

(یعقوب کا ڈرائینگ روم)

حشمت: یہ داغ سینے میں لے کر مروں گا یعقوب۔ اس کو ٹیلی فون کر۔ اگر وہ پیسے نہیں لیتا تو میں ایک کرسٹل کے بدلے اُسے ستر کتے دینے کو تیار ہوں۔ اُسے بتا میرے پاس کس کس ذات کا کتا ہے۔

چچا: میں کوشش کروں گا ابا جی۔ اس وقت اُسے کہنا ٹھیک نہیں۔ وہ ضد میں آیا ہوا ہے۔

حشمت: میں مر گیا تو پھر میرے کس کام کا۔ اب میں حویلی کس منہ سے جاؤں گا۔

بخشو: (ایک خوب صورت زنجیر دکھاتے ہوئے) میں تو زنجیر بھی بنوا لایا ہوں جی۔ اصلی چاندی کی۔

حشمت: (اخبار پر انگلی رکھ کر) دیکھ کتنا ظلم ہے یہ شاہی نسل کا کتا اور کس گھر میں پڑا ہے۔ کان دیکھ اس کے ذرا پورا شہزادہ لگتا ہے کہ نہیں۔

(دروازے سے تیز تیز چلتا ہوا دلاور اندر آتا ہے۔ یعقوب اُسے دیکھ کر کہتا ہے)

چچا: تم کہاں تھے۔

(دلاور بغیر جواب دیئے آگے آتا ہے حشمت کے قریب دو زانو ہو کر چادر کی پکل کھولتا ہے جس میں ایک چھوٹا بہت خوب صورت کتا ہے۔ حشمت کو ایک دم سکتہ ہو جاتا ہے۔ سب کتے کو حیرت سے دیکھتے ہیں)

حشمت: یہ۔ یہ۔ ۔ ۔ ۔ یہ کرسٹل ہے نا۔

(دلاور اثبات میں سر ہلاتا ہے۔ حشمت ایک دم جھپٹ کر کتے کو گود میں لیتا ہے۔ اُسے سینے سے لگاتا ہے)

حشمت: کہاں سے لائے ہو اسے۔

دلاور: آپ کو پسند تھا نہ جی یہ۔ میں لے آیا ہوں۔

حشمت: شاباش جوان۔ دیکھ یعقوب۔ اس کو کہتے ہیں مرد۔ کیا نام بتایا تھا تو نے اپنا۔

دلاور: دلاور۔

حشمت: تو واقعی دلاور ہے۔ جی دار کی یہی شان ہے جو چیز ہاتھ نہ آئے اسے بڑھ کر چھین لے۔ اسی کا نام زندگی ہے۔

چچا: (حیرت پر قابو پاتے ہوئے) تم اسے اٹھا لائے ہو۔

دلاور: جی۔

چچا: مگر۔ ۔ ۔

حشمت: اب کر دو شروع اپنی تقریر۔ پڑھاؤ اُسے قانون کے سبق۔ تجھے شہر نے مار دیا ہے یعقوب تو حشمت خان

کا نہیں اس شہر کا بیٹا ہے۔ بزدل ڈرا کل۔

(دلاور سے)

مانگ جوان کیا مانگتا ہے۔

دلاور: کچھ نہیں چوہدری صاحب۔ میں آپ کے خاندان کا نمک کھاتا ہوں۔ آپ کی خوشی ہی میرا انعام ہے۔

حشمت: نہیں جوان، اس کارنامے پر تو میں تجھے منہ مانگا انعام دوں گا۔ بول کیا چاہیئے۔

(دلاور چند لمحے خاموش رہتا ہے پھر سید گل کے گلے میں لٹکی ہوئی پستول کی طرف دیکھتا ہے۔ ایک دم اس کی آنکھیں چمک اٹھتی ہیں۔)

دلاور: میں۔۔۔ مجھے۔۔۔ مجھے یہ پستول دیدیں چوہدری صاحب۔

حشمت: یہ پستول۔ یہ تو کوئی انعام نہ ہوا جوان۔ میں تو اس شہزادے کے لئے اُسے ساٹھ ہزار دے رہا تھا یہ پستول تو زیادہ سے زیادہ ہزار بارہ سو کا ہوگا۔

دلاور: مجھے یہی چاہیئے چوہدری صاحب۔

(سب حیرت سے اُس کی طرف دیکھتے ہیں۔ حشمت چند لمحے سوچتا ہے۔ پھر آنکھ سے سید گل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سید گل خاموشی سے پستول کھولنے لگتا ہے)

دلاور: یہ پیٹی بھی دیدو۔

(سید گل حشمت کی طرف دیکھتا ہے۔ جو اشارہ کرتا ہے کہ دیدو۔ سید گل پستول اور پیٹی حشمت کے پاس رکھتا ہے جو اسے اُٹھا کر دلاور کو دیتا ہے۔ دلاور اس طرح پستول کو پکڑتا ہے جیسے اُسے کوئی بہت بڑا خزانہ مل گیا ہو۔ اُسے گلے سے لگاتا ہے)

حشمت: کبھی چلائی بھی ہے پستول، ادھر دکھا مجھے۔

(پستول ہاتھ میں تولتا ہے)

یہ کیا ہتھیار ہیں آج کل کے۔۔۔ بچوں کے کھلونے لگتے ہیں۔ اوئے سید گل۔

(دلچسپ ڈرنے کی ایکٹنگ کرتا ہے۔)

اسکو خالی کیوں رکھا ہوا ہے بے وقوف کے پُتر۔ تیرا خیال ہے دشمن تجھے دو دن کا ٹائم دے کر آئے گا۔ ونسی ہے نا اس کا۔

(سید گل اثبات میں سر ہلاتا ہے)

وہ بھی دے دے اسے۔

دلاور: اس کی کوئی ضرورت نہیں چوہدری صاحب!

حشمت: پڑ جاتی ہے ضرورت جوان۔ رکھ لے۔ وقت پڑے تو سید گل بن جانا۔

(منگا گھبرایا ہوا اندر آتا ہے اور سرگوشی کے انداز میں بولتا ہے)

منگا : باہر پولیس آئی ہے چوہدری صاحب۔

چچا : اوہ۔ اب کیا ہوگا۔

حشمت : کیا ہوگا۔

(کتا دلاور کو دیتے ہوئے)

اس کو اسی طرح بغل مارے اور سید گل کے ساتھ گاؤں کو نکل جا۔ ادھر سے جاتا۔ پچھلی طرف سے۔ اوئے رب نواز تو اپنی جیپ لیکر ان کے ساتھ جا۔۔۔۔ چلو بھاگو۔

(تینوں تیزی سے جاتے ہیں)

تیری پُلس کو مدعا چاہیئے نا۔ وہ تو غائب ہو گیا۔ جا اب انہیں اندر لے آ۔

(مکاری سے ہنستا ہے۔)

سین نمبر ۷

(جیپ میں رب نواز۔ سید گل اور دلاور جا رہے ہیں۔ دلاور کا کلوز جو گہری سوچ میں ہے۔ اس کی انگلیاں بے خیالی میں ریوالور سے کھیل رہی ہیں۔ رخساروں کی ہڈیاں کسی اندرونی جذبے سے تنی ہوئی ہیں۔ پستول کو زور سے مسلتا ہے۔)

قسط نمبر ۲

سین ۱

(چلتی ہوئی جیپ کا شاٹ۔ دلاور کتے اور پستول کو بغل میں لیے ہوئے بیٹھا ہے۔ سید گل جیپ روکتا ہے سو دلاور اپنے خیالات میں محو ہے۔ سید گل چند لمحے اسکی طرف دیکھتا ہے)

سید گل (پانی پینا ہے تو آجا جوان (دلاور آہستگی سے اسکی طرف دیکھتا ہے نفی میں سر ہلاتا ہے) اس چشمے سے تو دور دور سے لوگ پانی پینے آتے ہیں۔ برف کی طرح ٹھنڈا اور شہد کی طرح میٹھا ہے۔

دلاور : میرے اندر اتنی گرمی اور کڑواہٹ ہے بھائی سید گل کر دنیا کی تمام ٹھنڈک اور ساری مٹھاس مل کر بھی اسے دور نہیں کر سکتیں۔

(سید گل کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں کندھے جھٹک کر جاتا ہے۔ دلاور پھر کسی نامعلوم نقطے پر اپنی انگارہ سی آنکھیں جما کر دیکھتا ہے۔)

سین ۲

(چوہدری یعقوب کا ڈرائنگ روم انسپکٹر پولیس، صولت مرزا، یعقوب اور چوہدری حشمت۔ چوہدری حشمت انسپکٹر پر ناراض ہو رہا ہے۔ صولت مرزا پریشانی اور بے تکلفی کے ملے جلے انداز میں کھڑا ہے۔)

حشمت : انگریز کے راج میں دربار میں کرسی ملتی تھی ہمارے بندوں کو.... تین وائسرائے، چودہ لفٹیننٹ گورنر اور خدا جھوٹ نہ بلوائے، کوئی تین سو کے قریب ڈپٹی کمشنر اور کمشنر ہماری حویلی میں مہمان ٹھہر چکے ہیں۔ ہم خاندانی لوگ ہیں۔ پر تم شہر والوں کے پتہ نہیں کیسے قانون ہیں جس کے گھر میں جی چاہے منہ اٹھا کر گھس آتے ہو۔

انسپکٹر : دراصل قصہ یہ ہے چوہدری صاحب۔

حشمت : قصے کہانیاں تو مجھ کو بھی بڑی آتی ہیں۔ بہتر بھانیدار — بات پوچھنے والی یہ ہے کہ تم کس حساب میں کس اتھارٹی کے ساتھ اس گھر میں داخل ہوئے ہو.... وارنٹ ہے تلاشی کا تمہارے پاس۔

انسپکٹر : آپ یونہی ناراض ہو رہے ہیں چوہدری صاحب۔ میں نے تو تلاشی کا نام بھی نہیں لیا۔

حشمت : نام لینے نہ لینے سے کیا ہوتا ہے۔ آئے تو تم کسی لئے ہونا (صولت مرزا) آپکا کیا خیال ہے۔ میں نے آپکا کتا چرالیا ہے۔ چوہدری حشمت خان نے کہا۔

صولت مرزا : میں نے آپ پر کوئی الزام نہیں لگایا۔ چوہدری صاحب۔ میرا ایک بہت قیمتی کتا چوری ہو گیا ہے اور مجھے پورا حق ہے کہ جہاں جہاں مجھے شک ہے میں تفتیش کراؤں۔

حشمت : تو جاؤ پھر ڈھونڈو۔ یعقوب ان کو ساتھ لے جا اور سارا گھر دکھا دے۔ پر ایک بات یاد رکھنا۔ کیا نام ہے آپ کا۔

صولت : صولت مرزا۔

حشمت : صولت مرزا صاحب کہ اگر کتا یہاں سے نہ نکلا تو آپکی ساری عمر کچہریوں میں پیشیاں بھگتتے گزر جائے گی۔

صولت : (گھبرا کر) مگر — میں — میرا مطلب ہے۔

حشمت : تو بھی سوچ لے پُتّر تھانیدار۔

انسپکٹر : (صولت کی طرف دیکھتا ہے جو اس صورتِ حال سے گھبرایا ہوا ہے۔ بات ٹالنے کی کوشش کرتا ہے۔) ایسی کوئی بات نہیں ہے چوہدری صاحب۔ صولت مرزا صاحب کو دراصل خیال تھا (حشمت گھور کر دیکھتا ہے۔ انسپکٹر اس کے انداز سے پریشان ہو کر آنکھیں چراتا ہے) ان کا خیال تھا کہ آپ کا کوئی آدمی غلطی سے کرسٹل کو نہ اٹھا لایا ہو۔ خیر جو کچھ ہوا میں اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ کیا خیال ہے مرزا صاحب۔ چلیں۔ (صولت مرزا اشارے سے ہاں کرتا ہے۔ انسپکٹر یعقوب سے مخاطب ہوتا ہے) اچھا یعقوب صاحب، میں ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں۔

یعقوب : کوئی بات نہیں یہ تو آپکا فرض تھا۔

انسپکٹر : اچھا تو پھر اجازت۔

یعقوب : فی امان اللہ۔

صولت مرزا : (دروازے کے پاس رک کر) آئی ایم سوری مسٹر یعقوب۔

یعقوب : اٹس آل رائیٹ مرزا صاحب۔

(دروازے تک انہیں چھوڑ کر پلٹتا ہے حشمت خان فتحمندی کا ایک بھرپور قہقہہ لگاتا ہے۔ یعقوب بھی پھیکی ہنسی ہنستا ہے۔)

حشمت : (ہنستے ہوئے) تو بڑا بزدل ہے یعقوب۔

یعقوب : آپکو نہیں پتہ ابا جی اگر کتا یہاں سے برآمد ہو جاتا تو ہم دونوں نے اندر ہونا تھا اور بدنامی الگ ہونی تھی۔ صولت مرزا بڑا بارسوخ آدمی ہے۔

حشمت : (تیز نظروں سے اسکی طرف دیکھتا ہے) شیر کی طرح جینا سیکھ یعقوب۔ شیر کی طرح۔ دریا کا پتہ کنڈے پر کھڑے ہو کر لہریں گننے سے نہیں چلتا۔ اس کے لیے اُس کے اندر چھلانگ لگانی پڑتی ہے۔

یعقوب : (شرمندگی سے) آپ بڑے ضدی ہیں ابا جان۔

حشمت : میرا جی چاہتا ہے میں اڑ کر گاؤں پہنچ جاؤں۔ کرسٹل میرا انتظار کر رہا ہو گا۔ اور ہاں تیرا یہ آدمی دلاور مجھے پسند آگیا ہے ...... یہ وہیں رہے گا۔

یعقوب : جی اچھا۔ (حشمت اٹھ کر جانے کی تیاری کرتا ہے۔ یعقوب کچھ سوچ کر اسکی طرف آتا ہے) ابا جی۔ وہ میں نے آپ سے .... کچھ روپے چاہئیں تھے مجھے۔

حشمت : وہ جو تو بتا رہا ہے کیا کہتے ہیں اُسے۔ مارکیٹ۔

یعقوب : نہیں ابا جی مارکیٹ نہیں شاپنگ پلازا ہے۔ لفٹیں۔ فُلی ایر کنڈیشنڈ۔ مالکانہ.....

حشمت : (بات کاٹتے ہوئے) وہی بات ہوئی نا۔ کتنے میں گزارا ہو گا تیرا۔

یعقوب : آپ بس پانچ لاکھ کر دیں باقی کا انتظام میں نے کر لیا ہے۔

حشمت : (سوچتے ہوئے) پانچ لا۔۔ پانچ تو مشکل ہے۔

یعقوب : (ڈرتے ڈرتے) آ۔۔ آپ میرے حصے کی زمین بیچ دیں جھنگ والی۔

حشمت : (گھور کر اُسے دیکھتا ہے) وہ بھی چلی گئی تو کیا رہ جائے گا۔ تیرے پاس پہلے ہی ساری زمینیں بیچ کر تو نے فیکٹریوں اور مارکیٹوں میں لگا دی ہیں۔

یعقوب : گاؤں کی زمین تو بِک نہیں سکتی۔ جب سے یہ ڈیم کا چکر چلا ہے کوئی اُدھر کا رُخ نہیں کرتا۔

حشمت : اُس کے متعلق بھی بات کی تھی میں نے چوہدری ریاست علی سے میں نے بہت لتاڑا اُسے۔ میں نے کہا اوے تم کیسے وزیر ہو کیسے نمائندے ہو ہمارے۔ تم سے ایک ڈیم اِدھر سے اُدھر نہیں ہوتا۔

یعقوب : پھر؟

حشمت : پھر کیا۔ لگا اِدھر اُدھر کی مارنے۔ حکومت کا فیصلہ ہے۔ یُو این او سے امداد ملنی ہے انہوں نے شرط عاید کر دی ہے کہ ڈیم اسی جگہ پر بنے گا۔ بھلا پوچھو یُو این او کو کیا تکلف ہے بھئی۔

سین ۳

(فرخ یاسمین کے لیے پوز کر رہا ہے۔ جو اُس کا پورٹریٹ بنا رہی ہے۔ فرخ شرارت سے برے برے منہ بناتا ہے یاسمین تصویر بناتے بناتے رک جاتی ہے بصنوعی غصے سے اسکی طرف دیکھتی ہے۔)

یاسمین : منہ کیوں بگاڑ رہے ہو۔ پہلے تمہاری شکل کونسی اچھی ہے۔

فرخ : میری شکل اچھی نہیں اری تمہاری آدھی سے زیادہ سہیلیاں مرتی ہیں مجھ پر۔

یاسمین : وہ اس لیے کہ تمہاری دہشت بہت ہے۔

فرخ : (اٹھتے ہوئے) یہ بات ہے۔ ٹھیک ہے۔ اٹھاؤ یہ اپنا سامان واماں کوئی اور ماڈل ڈھونڈ لو۔

یاسمین : (شرارت سے) تمہارا اسٹیچیوٹ مشکل ہے بہت ..... دراصل تم کیمپس کے پلیس ہو۔ اچھا پلیز۔ اب ذرا بیٹھ جاؤ۔ بس تھوڑا سا کام اور ہے ....

فرخ : (مصنوعی غصے سے) سوری۔ یہ خدمت مجھ سے نہیں ہو سکتی۔

یاسمین : پلیز فرخ ــــ بس پندرہ منٹ اور۔ کافی پلواؤنگی تمہیں۔

فرخ : میری گردن اکڑ گئی ہے یار (گردن کو ادھر ادھر گھماتا ہے) چلو کافی پلواؤ۔ باقی کل۔

یاسمین : خدا کے لیے کل میں نے اسے سبمٹ کرنا ہے۔ پورے سیمسٹر کا رزلٹ ڈیپنڈ کرتا ہے اس پر۔ چلو بیٹھ جاؤ پلیز۔ شاباش۔

فرخ : تم خود بیٹھ جاؤ۔

یاسمین : پلیز فرخ۔ تنگ نہ کرو۔ (فرخ کرسی پر بیٹھ کر ایک مضحکہ خیز پوز بناتا ہے یاسمین قریب آکر اس کا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑتی ہے۔ فرخ اُس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ ارے بابا میرا ہاتھ چھوڑو۔

فرخ : (مزاحیہ فلمی انداز میں) ہم نے یہ ہاتھ پکڑنے کے لیے ــــ معاف کرنا چھوڑنے کے لیے نہیں پکڑا۔ نادان لڑکی، عرف بھولی بھالی مصوّر حسینہ (دونوں ہنستے ہیں)۔

سین ۴

(حشمت اپنی کار کے قریب کھڑا ہے بخشو اور مہنگا دروازہ کھولے اُس کے بیٹھنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ حشمت یعقوب سے باتیں کر رہا ہے۔

حشمت : یہ تو ٹھیک ہے پُتر، پر یہ تیرے بھتیجوں کا حق ہے، میں نیاز علی سے بات کروں گا۔

یعقوب : (دبے دبے غصے سے) یہ جائیداد آپ کی ہے ابا جی ..... نیاز علی ہمارا بیٹا ہے۔ ہم سے چھوٹا ہے اُس سے بات کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

حشمت : ہے، پتر، ہے ..... زمینوں کا سارا انتظام اور حساب کتاب اُسی کے ذمے ہے۔

یعقوب : میں نے آپ سے اللہ بخشے بھائی غلام علی کی زندگی میں بھی کہا تھا کہ آپ کے ہوتے ہوئے حساب کتاب کسی اور کے پاس ہو یہ مجھے اچھا نہیں لگتا مگر آپ نے میری ایک نہیں سُنی۔ اب آپ نے نیاز علی کو سارے سفید سیاہ کا مالک بنا دیا ہے ..... آخر ..... (منہ پھیر کر) میں بھی تو آپ کا بیٹا ہوں۔

حشمت : (کندھا تھپکتے ہوئے) فکر نہ کر، رقم تجھے دو تین دن میں پہنچ جائے گی ..... چل اب دل چھوٹا نہ کر ..... نیاز علی کوئی غیر نہیں تیرا بھتیجا ہے ..... تیرا اپنا خون ہے۔

یعقوب : وہ تو ٹھیک ہے ابا جی ..... پر آپ اُس کو یہ نہ بتائیں کہ یہ روپیہ میں نے آپ سے مانگا

ہے.....

حشمت : اچھا بھئی جو انا..... نہیں بتاؤں گا..... بڑی اکڑ ہے تجھ میں..... آخر یہ ہے کس کا ہے۔ (فخر سے ہنستا ہے..... جب بھی وہ گفتگو کے دوران کار کی طرف مڑتا ہے بخشو اور منگا دروازے کی طرف بڑھتے ہیں، لیکن حشمت پھر یعقوب سے باتیں کرنے لگتا ہے جس پر وہ دونوں مایوس ہو کر پیچھے ہٹتے ہیں) پر میری ایک بات یاد رکھنا..... تو نے شہر آ کر اچھا نہیں..... کیا کمی تھی تجھے وہاں..... پتہ نہیں شہر میں تیرا گزارا کیسے ہو جاتا ہے..... میرا تو سانس رکنے لگتا ہے۔ یہاں کی بھیڑ میں..... اتنا آدم زاد ہے اور کوئی سلام کرنے والا نہیں..... یہ بھی کوئی جگہ ہے۔ (موٹر میں بیٹھتا ہے) اچھا رب راکھا۔

(موٹر چلتی ہے دروازے سے باہر نکلتی ہے۔ یعقوب کے چہرے پر
اطمینان کے آثار نمودار ہوتے ہیں مڑتا ہے برآمدے میں اسکی بیوی
زبیدہ کھڑی ہے —— یعقوب اسکی صورت دیکھ کر مسکراتا ہے۔
زبیدہ بھی مسکراتی ہے دونوں اندر کمرے کی طرف آتے ہیں)

زبیدہ : کام ہو گیا۔

یعقوب : بس ہوا ہی سمجھو۔ اباجی کے منہ سے ایک دفعہ ہاں نکل جائے تو پھر اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ تم دیکھتی جاؤ اگر ساری زمین میں نے بکوا نہ دی تو میرا نام بھی چوہدری یعقوب نہیں۔

زبیدہ : کہیں نیاز علی کچھ گڑبڑ نہ کر دے۔

یعقوب : اباجی کے آگے کس کی مجال ہے جو دم مار سکے..... نیاز علی.....

(شاطرانہ انداز میں مسکراتا ہے۔)

سین ۵

(نیاز علی شکار کے لباس میں ملبوس ایک شکاری بندوق کا جائزہ لے
رہا ہے دروازے پر سید گل نمودار ہوتا ہے۔)

سید گل : اسلام علیکم چوہدری صاحب۔

نیاز علی : وعلیکم السلام..... (جلدی سے بندوق رکھ کر آگے بڑھتا ہے) بڑے چوہدری صاحب آ گئے ہیں سید گل.....

سید گل : وہ تو نہیں آئے جی..... ایک چیز بھیجی ہے انہوں نے..... کہتے تھے نیاز علی کو کہنا میرے آنے تک اسے بڑی حفاظت سے رکھے اور کسی سے اس کے متعلق بات نہ کرے.....

نیاز : کیا ہے۔؟

سیّد گل : (باہر کی طرف منہ کر کے آواز دیتے ہوئے) اندر آجاؤ دِلاور۔

(دلاور بغل میں کرسٹل کو لئے آتا ہے۔ ہاتھ سے اشارے سے سلام کرتا ہے۔ نیاز علی چند لمحے تنقیدی نظروں سے اُس کا جائزہ لیتا ہے۔)

نیاز : یہ چیز بھیجی ہے بڑے چوہدری صاحب نے۔

سیّد گل : (بے ساختگی میں ہنستا ہے پھر نیاز کے ڈر سے خاموش ہو جاتا ہے) جی...... یہ تو دلاور ہے..... چوہدری صاحب کو کتا دکھاؤ دلاور۔

(دلاور بغل میں سے کرسٹل کو نکال کر نیاز کے سامنے رکھتا ہے۔ نیاز چند لمحے تعریفی انداز میں کتے کو دیکھتا ہے۔ اُس کے کان چیک کرتا ہے)

نیاز : کسی بڑھیا نسل کا معلوم ہوتا ہے۔ کہاں سے لیا ہے۔

سیّد گل : اصلی کہانی کا تو بڑے چوہدری صاحب ہی کو پتہ ہے جی.... ہمیں تو اتنا حکم ملا تھا کہ اس کو لے کر فوراً گاؤں پہنچیں اور چوہدری صاحب کی واپسی کا انتظار کریں۔ ویسے اس کو اٹھا کر یہ دلاور لایا تھا۔

نیاز : یہ کون ہے۔

سیّد گل : یہ چوہدری یعقوب صاحب کا ملازم ہے جی..... پر اب یہیں رہے گا۔

نیاز : اوہ۔ (دلاور سے) پڑھے لکھے ہو کچھ۔

دلاور : جی.... تھوڑا بہت.....

نیاز : (اس کے بارے میں جیسے کوئی فیصلہ کرتے کرتے رک جاتا ہے) اچھا تم فی الحال مہمان خانے میں رہو۔ چوہدری صاحب سے بات کر کے تمہارے بارے میں فیصلہ کریں گے.... اسے لے جاؤ سیّد گل۔

سیّد گل : جی بہتر۔

نیاز : میں سلطان پور کے چوہدری شہادت کے ساتھ شکار پر جا رہا ہوں بڑے چوہدری صاحب آئیں تو انہیں بتا دینا..... واپسی..... کل شام کو ہوگی۔

سین ۶

(گاؤں کے ایک پکے مکان کا صحن۔ سیّد گل اور دلاور چارپائی پر بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں۔ سیّد گل کی بیوی لمبا سا گھونگھٹ کاڑھے پانی کا جگ اور گلاس لے کر آتی ہے۔ جگ چارپائی پر رکھتی ہے۔ دلاور جگ اٹھا کر گلاس میں پانی ڈالتا ہے۔ تعریفی انداز میں چینی کے جگ کی طرف دیکھتا ہے)

سیدگل : یہ میرا چھوٹا بھائی لایا تھا کراچی سے ۔ اُسے بڑا شوق تھا چینی کے برتن اکٹھے کرنے کا ۔ جب آتا تھا دو چار چھ برتن لے کر آتا تھا ۔ اچھا ہے نا ۔

دلاور : بہت خوبصورت ہے ۔ ۔ ۔

سیدگل : اب دو سال سے مسقط گیا ہوا ہے ۔

دلاور : مسقط ۔

سیدگل : وہی وہی ۔ ۔ ۔ یہ لفظ میری زبان پر چڑھتا ہی نہیں ۔ ویلڈنگ کا کام کرتا ہے وہاں ۔

دلاور : (سرسری دل چسپی سے) اچھا ۔

سیدگل : بڑا سیدھا اور اللہ لوک لڑکا ہے ۔ مہینے کے ساڑھے چار ہزار روپے کما لیتا ہے اوور ٹائم ملا کے ۔ دسمبر میں آئے گا چھٹی پر ۔ ۔ ۔ تم سے ملاقات کراؤں گا ۔ بڑا اندر لگا رہا ہے کہ میں بھی دیس آجاؤں مسقط میں ۔

دلاور : تم کیا کرو گے وہاں جا کر ۔

سیدگل : کچھ بھی کر لوں گا ۔ ۔ ۔ وہاں تو دہاڑی دار مزدور بھی مہینے کے تین ہزار روپے کما لیتا ہے ۔ مجھ کو تو لکڑی کا کام بھی آتا ہے تھوڑا بہت ۔ ۔ ۔

دلاور : تو پھر جاتے کیوں نہیں ۔

سیدگل : ہم چار پانچ پشتوں سے چوہدریوں کے ذاتی ملازم ہیں ۔ اول تو وہ ہی نہیں جانے دیں گے اور اگر میں چلا بھی جاؤں تو پیچھے بیوی بچوں کی دیکھ بھال کون کرے گا ۔

دلاور : اتنا بھی اپڑا اگاؤں ہے ۔ بہت سے رشتے دار ہوں گے تمہارے یہاں ۔

سیدگل : چوہدری حشمت خاں جس کے خلاف ہو جائے اُس کا کوئی رشتہ دار نہیں رہتا ۔ یہ سارا علاقہ اُن کا ہے ۔

دلاور : مگر یہ تو ظلم ہے ۔ تم کوئی چوہدری صاحب کے زر خرید غلام تو نہیں ہو ۔ اور پھر یہ علاقہ چوہدری صاحب کا سہی مگر حکومت تو ۔ ۔ ۔ کسی کو تم پر زبردستی کا حق نہیں ہونا چاہیئے ۔

سیدگل : تم شہر سے آئے ہو نا اس لیے ۔ ۔ ۔ کیا ہونا چاہیئے اور کیا نہیں ہونا چاہیئے اس کا فیصلہ کتابوں میں پتہ نہیں کون لکھتا ہے پر یہاں سارے فیصلے چوہدری حشمت خان صاحب کرتے ہیں ۔ جب میرا بھائی مسقط گیا تھا اُس وقت بھی وہ ۔ ۔ ۔ بڑی منتیں ترلے کر کے میں نے اُن سے اجازت لی تھی ۔

(دلاور کا کلوز اپ جو کچھ سوچ رہا ہے ۔)

سین ۷

(صبح کا وقت سید گل کے مکان کے صحن میں دلاور سو رہا ہے منہ پر سورج کی روشنی پڑنے سے جاگتا ہے آنکھیں ملتا ہوا اٹھ کر بیٹھتا ہے چند لمحوں بعد سید گل کی سات آٹھ سالہ بیٹی زینب آتی ہے۔)

زینب : چاچا۔ ماں کہتی ہے لسی پیو گے کہ چاء۔

دلاور : سب سے پہلے تو بیٹے میں دانت صاف کروں گا پھر نہاؤں گا.... پھر ناشتے کی باری آئے گی (زینب کے سر پہ ہاتھ پھیرتا ہے) تم سید گل کی بیٹی ہو۔ (زینب اثبات میں سر ہلاتی ہے۔) کیا نام ہے تمہارا۔

زینب : زینب۔

دلاور : بہت پیارا نام ہے۔ سکول جاتی ہو (زینب اثبات میں سر ہلاتی ہے) کون سی جماعت میں ہو۔

زینب : تیسری میں۔

دلاور : شاباش، اچھا بیٹے یہ بتاؤ تمہارا ابا ہاتھ منہ کہاں دھوتا ہے۔

زینب : مسیت میں۔

دلاور : اوہ۔ مسجد تو ادھر تمہارے گھر کے پاس ہی ہے۔

(اٹھتا ہے)

زینب : ٹھہر و میں تمہیں صابن لا دیتی ہوں....

دلاور : تولیہ بھی لانا بیٹے۔

زینب : اچھا جی۔

(دوڑتی ہوئی اندر کی طرف جاتی ہے)

سین ۸

(ایک درخت کے نیچے ماسٹر جی ایک ٹوٹی ہوئی میز کرسی بچھائے بیٹھے ہیں۔ آگے پندرہ بیس لڑکے لڑکیاں ٹاٹ پر بیٹھے زور زور سے کچھ پڑھ رہے ہیں ماسٹر جی پرانی وضع کے بزرگ ہیں ایک رجسٹر پر کچھ اندراجات کر رہے ہیں۔ بچوں کی آواز آہستہ آہستہ کمزور پڑتی ہے۔ ماسٹر جی قریب رکھی ہوئی چھڑی اٹھا کر میز پر زور سے مارتے ہیں آواز ایک دم بلند ہوتی ہے۔ ماسٹر جی پھر اندراجات میں مشغول ہو جاتے ہیں بچے پڑھ رہے ہیں۔

یہ ایک بلی ہے۔ This is a cat یہ ایک چوہا ہے۔ This is a rat"
"یہ ایک بلا ہے۔ This is a bat۔ دلاور ایک طرف کھڑا اس منظر کو دلچسپی
سے دیکھ رہا ہے ایک جوان سی عورت ایک دس سالہ بچے کو ساتھ لے کر آتی
ہے۔ بچہ ماں کے پیچھے چھپ رہا ہے۔ عورت ماسٹر کے قریب کھڑی ہوتی ہے۔
ماسٹر اس کی آمد سے بے خبر ہے بچے ایک دم خاموش ہو جاتے ہیں۔ ماسٹر
چھڑی میز پر مارتا ہے کسی بچے کی آواز نہیں آتی ایک دم اُوپر دیکھتا ہے۔
عورت کو دیکھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔)

عورت : سلام علیکم ماسٹر جی۔

ماسٹر جی : وعلیکم اسلام کیا بات ہے بیٹی.... تم کیوں آئی ہو ارشید کہاں ہے۔

(بچہ ماں کے پیچھے چھپتا ہے۔)

عورت : (بچے کو بازو سے پکڑ کر آگے کرتی ہے) میرے ساتھ آیا ہے۔ کل اس کی طبیعت خراب تھی اس لیے نہیں آیا۔ صبح سے میرے پیچھے پڑا ہوا تھا کر خود چھوڑ کر آؤ نہیں تو ماسٹر صاحب ماریں گے۔ (بچے سے) چلو بیٹھو۔

ماسٹر جی : کیا حال ہے مولاداد کا.... ٹھیک ٹھاک ہے نا۔ نظر نہیں آیا کئی دن سے۔

عورت : وہ تو چھوٹے چوہدری صاحب کے ساتھ شہر گئے ہوئے ہیں.... آج ساتواں دن ہے..

ماسٹر : اچھا اچھا چھوٹے چوہدری صاحب شہر گئے ہوئے ہیں میں بھی کہوں گاؤں میں اتنا امن سکون کیسے ہے.....

عورت : اچھا ماسٹر جی..... سلام علیکم.... رشید کا ذرا خیال رکھیئے گا۔

ماسٹر : وعلیکم السلام.... تم بالکل فکر نہ کرو بیٹی.....

(عورت جاتی ہے۔ ماسٹر چند لمحے اُسے جاتے ہوئے دیکھتا ہے پھر چھڑی میز
پر مارتا ہے۔ لڑکے زور زور سے پڑھنا شروع کرتے ہیں۔ ماسٹر کچھ اندراجات
کرتا ہے پھر سر اٹھا کر دور جاتی ہوئی عورت کو دیکھتا ہے۔)

(زور سے آواز دیتا ہے)

ماسٹر : چپ کرو اُوئے موٹر سائیکل کے پُترو..... (بچے خاموش ہوتے ہیں۔ بڑی نرمی سے آواز دیتا ہے) رشید پُتر ادھر تو آ ذرا بیٹا.... (رشید ڈرتے ڈرتے اپنی جگہ سے اٹھتا ہے آہستہ آہستہ چلتا ہوا ماسٹر کے پاس آتا ہے) ادھر آ میرا بیٹا.... میرے پاس یہاں..... (ایک دم اُسے کان سے پکڑتا ہے بچے ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔) ماں کو گھر جا کے بتاتا ہے کہ میں تجھے مارتا ہوں.... سختی

کرتا ہوں۔ بچوں پر (کان مروڑتا ہے بچہ تکلیف کی شدت سے دوہرا ہوتا ہے سسکی بھرتا ہے۔) بول
اب کرے گا شکایتیں میری، اماں سے.... بول....

(ایک دم نظر دلاور پر پڑتی ہے جو دلچسپی سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا
ایک دم بچے کا کان چھوڑ دیتا ہے سوالیہ نظروں سے دلاور کی طرف
دیکھتا ہوا۔ دلاور مسکراتا ہوا آگے بڑھتا ہے قریب آتا ہے۔)

دلاور: اسلام علیکم ماسٹر جی۔ مجھے دلاور کہتے ہیں.... میں چوہدری حشمت کا نیا ملازم ہوں۔

ماسٹر: (اٹھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے) وعلیکم اسلام.... آؤ بھائی بیٹھو....

(ماسٹر کے چہرے سے حیرت نمایاں ہے۔)

دلاور: آپ بیٹھیں۔ مہربانی۔ یہ استاد کی کرسی ہے ہم جاہل ان پڑھ اس قابل کہاں...

ماسٹر: (شرمندہ سا ہو کر) دراصل ان بچوں پر اگر تھوڑی بہت سختی نہ کی جائے تو یہ ہاتھ سے
نکل جاتے ہیں.....

دلاور: جی ہاں.... اسی لیے تو پچھلے وقتوں میں بچے کو استاد کے حوالے کرتے وقت کہا جاتا تھا
کہ ہڈیاں ہماری، چمڑا آپ کا۔

ماسٹر: بالکل ٹھیک کرتے تھے وہ لوگ۔

دلاور: بادشاہوں کی اولاد اپنے اُستاد کی جوتیاں سیدھی کرنا اپنے لیے فخر سمجھتی تھی۔

ماسٹر: (خوش ہو کر) اللہ خوش رکھے تمہیں۔ تم تو بڑے سمجھدار آدمی معلوم ہوتے ہو۔ کہاں سے
آئے ہو۔

دلاور: لاہور سے۔ میں چوہدری یعقوب کے ہاں نوکر تھا۔ بڑے چوہدری صاحب نے مجھے گاؤں
بھجوا دیا ہے۔

ماسٹر: جم جم آؤ۔ بڑے اچھے لوگ ہیں اس گاؤں کے.... تم بہت خوش رہو گے یہاں.... البتہ
چوہدری (دلاور کی سوالیہ نگاہوں کی زد سے بچتا ہے) چوہدری صاحب ذرا تیز طبیعت کے ہیں۔

دلاور: جہاں "جی" کہہ دیا وہاں اور کہنے کو کیا رہ جاتا ہے ماسٹر جی۔

ماسٹر: درست ہے بھائی۔

دلاور: (سرسری انداز میں) یہاں فلک شیر نام کا کوئی آدمی رہتا ہے ماسٹر جی۔

ماسٹر: فلک شیر۔ نہیں بھائی اور جہاں تک مجھے علم ہے آس پاس کے دس بیس گاؤں میں
اس نام کا کوئی آدمی نہیں رہتا۔ ادھر اس طرح کے نام رکھنے کا رواج نہیں ہے۔

دلاور: (مایوسی سے) اچھا۔ مجھے تو کسی نے بتایا تھا وہ یہیں رہتا ہے.... اس گاؤں کا نہیں

ہے وہ ۔ پچھلے آٹھ دس سال میں کہیں آیا ہوگا ۔

ماسٹر : جب سے ادھر پکی سڑک بنی ہے اس علاقے میں بہت سے نئے لوگ آئے ہیں مگر فلک شیر ۔ نہیں ، یہ نام تو میں نے کہیں نہیں سنا ۔

دلاور : اچھا ماسٹر جی ۔ اجازت ۔۔۔ پھر ملاقات ہوگی ۔ انشا اللہ ۔

ماسٹر : شام کو چوپال پر آنا ۔ لوگوں کو پتہ تو چلے کہ تم اُن میں رہنے کے لیے آئے ہو ۔

دلاور : جی بہتر ۔

(دلاور تھکے تھکے قدموں سے جاتا ہے بچوں کے پڑھنے کی آواز اس پر O/L ہوتی ہے ۔ ماسٹر پھر رجسٹر پر اندراجات شروع کر دیتا ہے)

سین ۹

(دلاور ایک کھلے میدان میں ایک درخت کے نیچے خاموش بیٹھا پستول سے بے خیالی میں کھیل رہا ہے چہرے پر گہری سوچ اور فکرمندی کے تاثرات ہیں)

سین ۱۰

(فرخ اور یاسمین موٹر سائیکل پر جا رہے ہیں کسی بات پر ہنس رہے ہیں ۔ یعقوب کار پر انہیں کراس کرتا ہے ۔ دیکھ کر ایک دم رکتا ہے ۔ فرخ بے خیالی میں آگے گزر جاتا ہے ۔ یعقوب گاڑی روک کر اُسے جاتے ہوئے دیکھتا ہے ۔ چہرے پر گہری تشویش کے تاثرات ہیں ۔)

سین ۱۱

(یعقوب کا گھر ۔ یعقوب اور زبیدہ کی گفتگو ۔ دونوں کے انداز میں سنجیدگی ہے ۔)

زبیدہ : مگر ۔۔۔ ہم لڑکی والے ہو کر خود بات کرتے ہوئے اچھے نہیں لگتے ۔

یعقوب : بات اچھے یا بُرے لگنے کی نہیں ہے زبیدہ ۔۔۔ فرخ اور شکیلہ کے رشتے پر ہم سب کے مستقبل کا انحصار ہے ۔۔۔ میں نے لاکھوں کی جاگیر اور جائیداد اس داؤ پر لگا رکھی ہے ، لڑکا ہاتھ سے نکل گیا تو سب کچھ ختم ہو جائے گا ۔

زبیدہ : پر میاں جی نے اپنی طرف سے شکیلہ اور انور کا رشتہ طے کر رکھا ہے ۔۔۔ اس دفعہ بھی جاتے ہوئے کہہ گئے تھے ۔

یعقوب : اُس کی تم فکر نہ کرو ، انور کا بندوبست میں نے پکا کر رکھا ہے ۔۔۔ میرے خیال میں ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیئے ۔۔۔ کم از کم بھابی کے کان سے یہ تو نکال دیں کہ ہم ایسا ارادہ رکھتے ہیں ۔

زبیدہ : (گومگو کے عالم میں) جیسے آپکی مرضی ..... مگر ..... آپ ہی بات کیجئے گا۔

سین ۱۲

یاسمین : بات شروع کرنا ہی تو سارا مسئلہ ہے جناب ..... امی تو یوں سمجھتی ہیں جیسے میں ابھی سکول میں ہوں۔

فرخ : حالانکہ تمہارے شاگرد ماشاء اللہ قدِ آدم ہیں۔

(اپنی طرف اشارہ کرتا ہے۔)

یاسمین : ایک تو تم کسی بات میں سیریس نہیں ہوتے ..... اگر امی نے ایک مرتبہ کہیں اور ہاں کردی تو پھر چاہے ساری عمر اُن کی منتیں کرنا، وہ اپنی بات سے نہیں پھریں گی ..... ضد کی بڑی پکی ہیں۔

فرخ : خیر۔ خیر۔ خیر۔ وہ تو تمہیں دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا ہے ..... تمہارے ابو سے نہ بات کردیں۔

یاسمین : وہ تو سالن بھی امی سے پوچھ کر لیتے ہیں۔ تم سے کچھ نہیں ہوگا ..... بس باتیں بناتے رہو ..... لمبی لمبی .....

فرخ : یہ بات ہے۔ ؟!

(چیلنج کے انداز میں)

یاسمین : جی۔

(لہجے میں طنز ہے۔)

فرخ : ٹائم کیا ہوا ہے تمہاری گھڑی میں۔

یاسمین : (گھڑی دیکھ کر) ساڑھے بارہ۔

فرخ : تاریخ کیا ہے آج۔

یاسمین : (دانت پیس کر) اُنیس۔ اب کہو تو مہینہ اور سن بھی بتا دوں۔

فرخ : نہیں۔ وہ مجھے پتہ ہیں۔ نوٹ کر لو کہ آج اُنیس ستمبر کو بوقت ساڑھے بارہ بجے میں سیدھا اپنے گھر جارہا ہوں تاکہ امی کو کہہ کر آج شام سے پہلے پہلے تمہارے گھر پہنچوں۔ کوئی جھنڈیاں ونڈیاں لگوانی ہوں تو لگوا لینا۔

یاسمین : (ہاتھ جوڑتے ہوئے) خدا کے لیے بابا۔ تم جاؤ تو سہی۔

(فرخ ایک دم اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ کپڑوں کی سلوٹیں وغیرہ ٹھیک ٹھاک کرتا ہے۔ چلنے کا پوز بناتا ہے ایک دم رک کر یاسمین سے مخاطب ہوتا ہے۔

فرخ : چلنے سے پہلے ایک کپ چائے نہ پی لیں ذرا (تھوک نگل کر) میرا مطلب ہے سنا ہے قوتِ ارادی بڑھ جاتی ہے اس سے۔

یاسمین ، تم راستے میں رک کر کسی کیمسٹ سے کوراپین کی ایک شیشی لے لو تو زیادہ مناسب ہوگا۔ (ہنستی ہے) سچ ۔ بالکل بدھو ہو۔

سین ۱۳

(کلوزاپ میں دلاور کو گاؤں کے مختلف لوگوں سے فلک شیر کے بارے میں استفسار کرتے دکھاتے ہیں۔)

مولوی : فلک شیر.... نہیں برخوردار اس نام کا تو کوئی آدمی نہیں یہاں۔

ایک دیہاتی : فلک شیر تو نہیں .... شیرو تیلی ہے ایک ... اِدھر حلوائی کی دکان کے ساتھ اس کی دکان ہے۔

دوسرا دیہاتی : نہیں بھائی .... میں نے نہیں سنا کبھی یہ نام۔

تیسرا دیہاتی : نام سے تو یاد نہیں آتا .... کچھ حلیہ بتاؤ تو شاید۔

(کیمرہ دلاور کے کلوز پر جاتا ہے جو تنے ہوئے جبڑے کے ساتھ بڑبڑاتا ہے)

دلاور : حلیہ پتا ہوتا تو اب تک اُس خنزیر کے ٹکڑے ٹکڑے کر چکا ہوتا میں۔

قسط نمبر ۳

سین ۱

(فرخ کے گھر میں سامنے کچھ ادھ کھائی چیزیں پڑی ہیں)

یعقوب : دیکھیے بھابی - میں آپکو پوری بات بتاتا ہوں آپکو پتہ ہے میرے اپنے والد سے کچھ اصولی اختلافات ہیں - (ماں اثبات میں سر ہلاتی ہے) بلکہ یوں سمجھیے کہ مجھے لائف سٹائل ناپسند ہے - چونکہ وہ میرے والد ہیں - خاندان کے سربراہ ہیں اس لیے میں اُن کے حکم سے سرتابی بھی نہیں کر سکتا ۔

ماں : یہ تو سب ٹھیک ہے یعقوب بھائی مگر ـــ بات تو ہو رہی تھی ۔

یعقوب : میں اُسی طرف آ رہا ہوں - آپکو پتہ ہے میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے اور ماشاءاللہ ہماری بچی شکیلہ خوبصورت ہے پڑھی لکھی ہے - یعنی اُس کے لیے اچھے سے اچھے رشتے کی کمی نہیں - لیکن میرا پرابلم یہ ہے کہ میں اُس کی شادی گاؤں میں نہیں کرنا چاہتا - اُسکی ساری عمر شہر میں گزری ہے گاؤں میں اُس کا گزارہ نہیں ہو سکتا - فرخ کو میں نے ہمیشہ اپنی اولاد سمجھا ہے - اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ میرا سگا بھتیجا ہے - میرے بھائی کا خون ہے اب اگر ہم یہ رشتہ طے کر لیتے ہیں تو اس کے فائدے آپ سوچیے کتنے دور رس ہوں گے ۔

ماں : خدانخواستہ میں کوئی انکار نہیں کر رہی یعقوب بھائی ..... میرا مطلب تو یہ ہے - کہ آپکی بچی ناز و نعم میں پلی ہے اور ہم ـــ ہم آپ کے لائق نہیں ہیں ۔

زبیدہ : کیسی باتیں کر رہی ہو بہن ۔

ماں : میں ٹھیک کہہ رہی ہوں زبیدہ بہن - فرخ کو میں نے آج تک نہیں بتایا کہ اُس کا والد کون تھا - نہ ہی اُسے یہ پتہ ہے کہ آپ اُس کے سگے چچا اور چچی ہیں - وہ یعقوب بھائی کو اپنے مرحوم باپ کا ایک قریبی دوست سمجھتا ہے - اب اگر ہم رشتہ ـــ یعقوب بھائی آپ خود ہی تو کہا کرتے ہیں کہ ہمیں مناسب وقت کا انتظار کرنا چاہیئے ۔

یعقوب : وہ وقت اب زیادہ دور نہیں بھابی - ٹھیک ہے - ابا جان اس وقت پوری طرح نیاز علی کے قبضے میں ہیں - مگر یہ قبضہ اب زیادہ دیر نہیں رہے گا ۔

ماں : میں کبھی نہیں۔

یعقوب : ہمارے گاؤں سکندر پور کا علاقہ اُن پانچسو دیہاتوں میں شامل ہے جہاں نیا ڈیم بنے گا۔ اس کا مطلب ہے کہ ہماری حویلی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔ میں نے ابا جان کو اس لائن پہ لگا لیا ہے کہ وہ زمینوں کی بجائے سرمایہ شہر کے کاروبار میں لگائیں۔ بس ایک دفعہ انتظام نیاز علی کے ہاتھ سے نکلنے کی دیر ہے پھر سب کچھ میرے اختیار میں ہو گا اور اس وقت میں فرخ کو بھائی غلام علی کے جائز وارث کے طور پہ سامنے لاؤں گا پھر دیکھوں گا کون اُسے تسلیم نہیں کرتا۔

ماں : مگر — بہرحال اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو مجھے کیا انکار ہو سکتا ہے۔ فرخ آپ کا اپنا بچہ ہے۔

یعقوب : بس آپ کچھ مہینے اور اس راز کو راز رکھیئے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس کا تعلیمی کیریر اپ سیٹ ہو آپ سے بات اس لیے ضروری تھی کہ آپ کہیں اور ....

ماں : یہ کیسے ہو سکتا ہے — آپ سے مشورہ کیے بغیر میں کوئی قدم اٹھانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

زبیدہ : فرخ کس وقت واپس آتا ہے۔

ماں : عام طور پہ آ جاتا ہے۔ اس وقت تک —

یعقوب : بھئی جوان آدمی کیا ہے دوستوں میں بیٹھا ہے تو بس بیٹھا ہے۔

زبیدہ : تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے ابھی تک کوئی رشتہ دیکھا نہیں تھا فرخ کے لیے۔

ماں : جی نہیں۔

زبیدہ : (یعقوب کی طرف اشارہ کر کے) یہ بتا رہے تھے کہ کوئی لڑکی .... (یعقوب تیز نظروں سے اُسکی طرف دیکھتا ہے۔ بات بدلنے کی کوشش کرتی ہے) ان کا خیال تھا کہ شاید — فرخ نے تو آپ سے ذکر نہیں کیا۔

ماں : (حیرت سے) نہیں تو —

یعقوب : (سٹپٹائے ہوئے انداز میں) بھئی وہ تو میں نے ایسے ہی کہا تھا۔ دراصل بھابی ایک دو دفعہ میں نے اس کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھا ہے کلاس فیلو ہو گی اس کی — زبیدہ ایسے ہی وہم میں پڑی ہوئی ہے۔

ماں : نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ ہوتی تو مجھ سے ضرور کرتا۔ ہم ایک دوسرے سے ہر موضوع پر باتیں کرتے ہیں۔ وہ مجھ سے کچھ نہیں چھپاتا۔

فرخ : (آتے ہوئے) السلام علیکم۔ اخاہ۔ اوئے چچی جان آپ کدھر سے راستہ بھول پڑیں۔ (قریب آ کر دونوں سے پیار لیتا ہے۔) امی پلیز بڑی سخت بھوک لگی ہے۔

ماں : (اٹھتے ہوئے) تم یعقوب بھائی اور چچی زبیدہ سے باتیں کرو میں کھانا لاتی ہوں۔

فرخ : (پیار کی خوشامد سے) امی you are good .... یو آر وَنڈر فُل۔

ماں : (ہنستے ہوئے) بس بس بس۔ یہ ناشتے کا ٹائم نہیں۔ زیادہ مکھن مت لگاؤ۔

فرخ : ایک دم فرسٹ کلاس۔ آپ سنائیے آپکی طبیعت کیسی ہے۔ سنا ہے پچھلے دِنوں کچھ....

زبیدہ : بس بیٹا۔ اس کمبخت گیس سے پیچھا نہیں چھوٹتا۔ کبھی دل کو چڑھ جاتی ہے۔ کبھی دماغ کو۔ بہتیرے علاج کرا لئے ہیں۔

(ہاتھ کے اشارے سے کہتی ہے کچھ فرق نہیں پڑا۔)

فرخ : چچا جان آپ انہیں کسی اچھے سے ہومیو پیتھ کو دکھایئے۔ میں نے سنا ہے اُن کے پاس گیس کا بہت اچھا علاج ہے۔

یعقوب : ڈاکٹر بے چارہ کیا کرے گا یار — دو دن طبیعت ذرا ٹھیک ہوتی ہے تو یہ دوائی چھوڑ دیتی ہے۔

فرخ : یہ تو بری بات ہے۔

ماں : (ایک ٹرے میں کھانا لے کر آتی ہے ٹرے میز پر رکھتی ہے۔ فرخ کے کھانے کی طرف تیزی سے بڑھتے ہوئے ہاتھ روکتی ہے۔ کان سے پکڑ کر اسے اٹھاتی ہے) ہاتھ تو دھو لے کافر۔

فرخ : اوہ سوری.... ویسے امی یہ ہاتھ نہ دھونے سے آدمی کافر کیسے ہو جاتا ہے معلوم ہوتا ہے آپ آج کل اخبار کچھ زیادہ ہی پڑھ رہی ہیں۔

(ہنستا ہوا جاتا ہے۔ باقی لوگ بھی ہنس رہے ہیں۔ یعقوب اٹھتا ہے۔)

یعقوب : اچھا بھابی ہم بھی چلیں۔

(آواز دبا کر)

فرخ کو ابھی کچھ نہ بتلایئے گا۔

ماں : جی بہتر۔

زبیدہ : اچھا ذکیہ بہن مبارک ہو۔

ماں : آپ کو بھی مبارک ہو بہن۔

(دونوں ایک دوسرے کے گلے لگتی ہیں۔ فرخ ہاتھ پونچھتا ہوا آتا ہے۔)

فرخ : یہ آپ دونوں میں سے کون حج پر جا رہا ہے۔

ماں : فی الحال تو تمہیں ہی بھجوانے کا ارادہ ہے۔

یعقوب : (کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے) اچھا بیٹے۔ خدا حافظ۔

فرخ : لیکن چچا جان یہ اتنا کھانا کون کھائے گا اکیلا .....

زبیدہ : ہم تم سے پہلے فارغ ہو چکے ہیں۔ بسم اللہ کرو.....

(ساتھ چلتی ہوئی ماں کو روکتی ہے)

آپ بیٹھیں نا بھابی۔

ماں : نہیں بہن میں آپ کو چھوڑ کر آتی ہوں۔

(کھانا کھاتے ہوئے فرخ کا کلوز)

سین ۲

(چوہدری حشمت اپنے منہ سے لسی کا گلاس الگ کرتا ہے۔ بخشو بڑھ کر گلاس پکڑتا ہے۔ مہنگا ہاتھ صاف کرانے کے لیے اپنی قمیض آگے کرتا ہے۔ حشمت اُسے ایک طرف ہٹاتا ہے اُس کے ارد گرد ملازمین ہیں۔ حویلی کا صحن۔)

حشمت : اوئے چرسی کے پُتر کبھی کپڑے دھو بھی لیا کر۔

بخشو : اس کا اصول ہے چوہدری جی کہ کپڑا پہنو تو پھر اُسی وقت اتارو جب وہ پہننے کے لائق نہ رہے۔

مہنگا : تُو تو بڑے بوسکی کے سوٹ پہنتا ہے نا۔

بخشو : بوسکی کے نہ سہی، پر صاف تو ہوتے ہیں نا۔

مہنگا : صاف کیوں نہیں ہوں گے آخر دھوبیوں کا جوائی ہے۔

(سب ہنستے ہیں چوہدری بھی ہنستا ہے۔)

حشمت : تو بڑا وہ ہے مہنگے۔ چل کُتے کھول۔

مہنگا : اچھا چوہدری جی۔

(دو تین آدمی اس کے ساتھ جاتے ہیں۔)

حشمت : (رحمے سے جو شکل سے بڑا خوفناک نظر آتا ہے) کیا حال ہے چیتے کا۔

رحما : (خوشامدانہ انداز میں) بڑی تیاریوں میں ہے۔ چوہدری صاحب۔

حشمت : اور بگا۔

رحما : وہ بھی بڑے زوروں میں ہے جی۔

حشمت : اس کا زور تو میں ابھی دیکھ لیتا ہوں۔ پر اگر مہر جیون کے کتوں سے ہمارا کوئی شیر گر گیا تو تیری خیر نہیں۔ دوسرے ہاتھ کی انگلیاں بھی تڑوا دوں گا ساری۔

(کیمرہ رحمے کے ہاتھ پر جاتا ہے۔ جس پر بہت سی پٹیاں بندھی ہیں۔)

رحما : (ایک لمحے کے لیے لرز کر) انشاءاللہ آپ کو کوئی شکایت نہیں ہو گی چوہدری صاحب۔

(منگا اور ساتھی دو خوفناک کتوں کو کھلی جگہ میں لاتے ہیں۔ کتے غراتے ہیں۔ حشمت اشارہ کرتا ہے کہ ان کی زنجیریں کھول دو۔ زنجیریں کھولی جاتی ہیں۔ کتے ایک دوسرے پر لپکتے ہیں۔ کتوں کی اس لڑائی کو حشمت بڑے وحشیانہ انداز اور انہماک سے دیکھ رہا ہے۔ کچھ فاصلے پر ایک جیپ رکتی ہے۔ اس میں سے انور، مولاداد اور چند مسلح آدمی اترتے ہیں۔ حشمت ان کی آمد سے بے خبر ہے۔ انور ہجوم کو چیرتا ہوا آتا ہے۔ لوگ انہیں دیکھ کر رستہ دے دیتے ہیں۔ انور حشمت کے قریب آتا ہے۔)

انور : سلام میاں جی۔

حشمت : (بغیر دیکھے) وعلیکم السلام۔

(ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کو کہتا ہے۔ پھر لڑائی دیکھنے لگتا ہے۔ اس کے قریب سے دو تین آدمی اٹھ کر انور کے لیے جگہ بناتے ہیں۔)

ایک آدمی : تشریف رکھو چوہدری صاحب۔

انور : (بیٹھتے ہوئے مڑ کر اپنے آدمیوں سے مخاطب ہوتا ہے) آؤ بیٹھو جوانو۔ بیٹھو۔ (خود بھی لڑائی دیکھنے میں مشغول ہو جاتا ہے چند لمحوں میں پوری طرح لڑائی میں محو ہو جاتا ہے۔)

انور : (کتوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے) شاباش۔ ادھر سے پکڑ۔ (منہ سے ہلا شیری کی آوازیں نکالتا ہے۔ چند لمحوں بعد ایک کتا میدان چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔ حشمت اطمینان کے انداز میں سر ہلاتا ہے۔ انور کی طرف دیکھتا ہے۔)

حشمت : تم کب آئے۔

انور : بس آ ہی رہا ہوں میاں جی۔

حشمت : کہاں تھے؟ اوئے منگے۔ دوسری جوڑی لا۔

انور : شہر گیا ہوا تھا جی۔

حشمت : شہر تو میں بھی گیا تھا۔ یعقوب سے نہیں ملا تو

انور : آتے ہوئے ملا تھا جی۔

حشمت : وہ چاچا نہیں تیرا باپ ہے انور۔ اس نے تیرے باپ سے گود لے کر تجھے پالا ہے۔ تجھ کو اس کا ادب احترام کرنا چاہیئے۔ اسکی کوٹھی میں کیوں نہیں ٹھہرا۔

انور : چاچے نے مجھ کو خود ہی کوٹھی بلے کر دی ہوئی ہے جی کرائے پر۔ اتنے آدمی جو ہوتے ہیں میرے ساتھ۔

حشمت : (ہنستے ہوئے) بڑا عقل مند ہے یعقوب۔ تیری منگ جو رہتی ہے وہاں۔ چاچی سے ملا تھا۔

انور : ہاں جی۔

حشمت : چل پھر اندر جا کے نہا دھو۔ نیاز بھی پوچھ رہا تھا۔ تیرا۔ اسکو بتا کر تو جایا کر۔

انور : (واضح ناراضگی سے) وہ تو ایسے ہی جی ہر بات پر ٹوکتا ہے۔

حشمت : وہ تیرا بڑا بھائی ہے انور۔ تیرے فائدے کے لیے ہی تجھ کو ٹوکتا ہے۔ جا مل اس سے۔ میں ذرا چیتے کے رنگ دیکھ کر آتا ہوں۔ اوئے مہنگے کھول اس جوان کی زنجیر۔

(مہنگا دو اور کتوں کی زنجیریں کھولتا ہے۔ جو ایک دوسرے پر جھپٹتے ہیں۔)

سین ۳

(نیاز اور انور ایک پرانی طرز کے عظیم الشان ڈرائینگ روم میں آمنے سامنے کھڑے ایک دوسرے کو گھور رہے ہیں۔ چند لمحوں بعد نیاز نظریں ہٹاتا ہے اور ایک صوفہ پر بیٹھتا ہے۔)

نیاز : جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ تمہیں رقم کس لیے چاہیئے۔ میں ایک پیسہ نہیں دوں گا۔

انور : تم زیادتی کر رہے ہو نیاز بھائی۔

نیاز : میری بات سمجھنے کی کوشش کرو انور۔ ابھی پندرہ دن پہلے تم نے مجھ سے دس ہزار روپے لیے ہیں۔ آخر تم کیا کرتے ہو اتنے پیسوں کا۔

انور : میں نے کبھی تم سے حساب مانگا ہے۔

نیاز : (اس بات سے غصے میں آتا ہے) میں کیا کرتا ہوں۔

انور : مجھے کیا پتہ۔ تم اپنے پیسے سے جو مرضی کرو۔ میں تو اپنے حصے سے مانگ رہا ہوں۔

نیاز : دیکھو انور۔

(قریب آکر اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھتا ہے اور نظریں جھکا لیتا ہے)

یہ سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔ تم مجھ سے یہ غیروں والی باتیں کیوں کرتے ہو۔

انور : غیروں جیسی باتیں تو تم کرتے ہو۔ جب بھی میں پیسے مانگتا ہوں تم لیکچر شروع کر دیتے ہو۔

نیاز : (غصہ روکتے ہوئے) اس لیے کہ تم ابھی چھوٹے ہو انور۔

انور : کندھے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے پیچھے ہٹ کر) میں کس طرف سے چھوٹا لگتا ہوں تمہیں۔

نیاز : (غصہ آمیز طنز سے) تمہاری جوانی کی خبریں تو مجھ تک اکثر پہنچتی رہتی ہیں ..... لیکن تمہیں سمجھانا میرا فرض ہے۔ کل یار محمد نے مجھے بتایا کہ تم ......

انور : ہاں ہاں ہاں میں نے اُٹھوائی تھی تھوچو کیدار کی لڑکی۔ میں لیکر گیا تھا اُسے شہر ..... اور اس یار محمد کو سمجھا دے میری ٹوہ میں نہ رہا کرے۔ کسی دن ضائع ہو جائے گا میرے ہاتھ سے۔

نیاز : اغوا بہت بڑا جرم ہے انور۔ اسپر تمہیں سات سال قید ہو سکتی ہے۔

انور : کس کا اغوا۔ کیسا اغوا۔ جیراں اپنی مرضی سے گئی تھی۔ کل اُس نے چار گواہوں کی موجودگی میں غوث محمد سے نکاح پڑھوایا ہے۔

نیاز : اوہ۔ لیکن اگر تھو عدالت میں چلا گیا اور لڑکی نے وہاں کہہ دیا۔

انور : (ہنستا ہے) تھو کی سات پشتوں میں سے کوئی عدالت تک نہیں جائے گا نیاز بھائی۔ اسی لیے کہتا ہوں مجھے بچہ سمجھنا چھوڑ دو۔ میں کبھی کچا کام نہیں کرتا۔

نیاز : (زچ ہو کر) بہرحال جو بھی تم کرو یہ مت بھولنا کہ تمہاری بدنامی سارے خاندان کی بدنامی ہے۔

انور : تم اس کی فکر نہ کرو۔ پیسے شام تک میری حویلی میں پہنچوا دینا۔

نیاز : پیسے تو اب کل صبح ہی ملیں گے ..... بنک .....

انور : (مذاق اڑانے والے انداز میں ہنستا ہے) یہ سکندر پور کا جاگیردار چوہدری نیاز علی بول رہا ہے ..... (ہنستے ہنستے رکتا ہے) میں تمہاری جگہ ہوتا تو نیاز بھائی تو آدمی کو بھیج کر بنک مینجر کو بلواتا اور چاہے رات کے دو بجے ہوں وہ ہاتھ جوڑ کر رقم میرے پاؤں میں رکھتا اس لیے کہ یہ رقم بھی ہماری ہے اور علاقہ بھی۔

نیاز : اچھا اچھا ٹھیک ہے ..... پہنچ جائے گی رقم ..... چلو چل کے کھانا کھاؤ۔ زہرہ تمہارا پوچھ رہی تھی۔

انور : (مڑتے ہوئے) کھانا میں کھا کر آیا ہوں۔ بھابی سے کہنا کل آؤں گا، آج شہر سے میرے کچھ مہمان آ رہے ہیں۔

سین ۴

(انور علی کی حویلی ___ ایک بڑے سے کمرے میں انور علی اور اس کے کچھ ساتھی بیٹھے ہیں۔ ایک طوائف کوئی گانا گا رہی ہے۔ انور علی اُس پر نوٹوں کی بارش کرتا ہے۔)

سین ۵

(گاؤں کا ٹی سٹال تین چار آدمی ٹوٹی پھوٹی میزوں پر بیٹھے باتیں کر رہے ہیں ایک طرف چارپائی پر کوئی سویا ہوا ہے)

خدابخش : نہ مگر بھرا فضل کریم میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ پانی کو پنڈوں کے بیچ میں سے گزارنا کیوں ضروری ہے۔ انگریز کے زمانے میں تو نہریں بنا دیتے تھے اللہ اللہ خیر سلا۔

فضل کریم :۔ ماسٹر منظور علی بتا رہا تھا کہ پانی سے بجلی پیدا ہوتی ہے، اس لیے پہلے ڈھیر سارا پانی اکٹھا کرتے ہیں ایک جگہ.....

خدابخش : پر..... (کچھ سوچ کر پریشان ہو جاتا ہے) پانی میں سے بجلی.... میرے خیال میں اسی لیے یہاں سے لوگوں کو ہٹا رہے ہیں کہ کہیں کرنٹ شرنٹ نہ لگ جائے۔

چائے والا : (جیسے اس کی لاعلمی پر ہنستا ہے) کرنٹ پانی کے اندر نہیں ہوتا بھرا خدابخش..... مشینوں سے اُس کو نکالتے ہیں جیسے جیسے.... دودھ میں سے لسی نکالتے ہیں.....

خدابخش : (سمجھتے ہوئے) ہوں۔ مگر یار جب طاقت اُس میں سے نکل گئی تو پھر پانی تو کسی کام کا نہ رہا۔

چائے والا : یہ تو ہے، پر..... کوئی بندوبست کیا ہی ہوگا اس کا بھی۔

(چائے اس کے آگے رکھتا ہے۔)

خدابخش : یار یہ پیالیاں تو بدل لے اب..... پندرہ پندرہ تو ان کو وہ لگے ہوئے ہیں۔ کیا کہتے ہیں ٹانکے۔

چائے والا : اب تو نئے گاؤں میں ہی جا کر کراکری بدلیں گے۔

فضل کریم : وہاں تو پتہ نہیں کب جانا ہے تم ابھی سے تیاریاں پکڑ رہے ہو۔

چائے والا : (رازدارانہ انداز میں) ماسٹر منظور بتا رہا تھا کہ اب زیادہ دیر نہیں ہے..... یہ تو چوہدریوں نے ریپھڑ ڈالا ہوا ہے ورنہ اب تک پانی یہاں آگیا ہوتا۔

فضل کریم، خدابخش : (تجسس آمیز انداز میں) اچھا — !

چائے والا : اور کیا — لو وہ ماسٹر منظور بھی آگیا ہے۔ خود ہی پوچھ اس سے (ماسٹر آتا ہے) ذرا ان کو بتانا ماسٹر جی.....

ماسٹر : سلام علیکم..... کیوں بھئی کیا بات ہے۔

فضل کریم : یہ جیلا کہہ رہا ہے کہ چوہدریوں نے کوئی ریپھڑ ڈالا ہوا ہے..... اس لیے ڈیم کا کام رک گیا ہے۔

ماسٹر : (حیرت سے چائے والے کی طرف دیکھتا ہے۔) کیوں بھئی جیلے۔

چائے والا : (فضل کریم کے سامنے آکر اُسے شکائتی نظروں سے دیکھتا ہے) یار بھائی فضل کریم تم اپنے کانوں میں تیل ڈلواؤ۔ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ کام رک گیا ہے، میں نے کہا تھا کہ لیٹ ہو گیا ہے کیوں بھرا خدا بخش۔

(خدا بخش اثبات میں سر ہلاتا ہے۔)

ماسٹر : (بیٹھتے ہوئے) جیلا ٹھیک کہہ رہا ہے بھائی فضل کریم..... مگر حکومت کے منصوبوں میں بڑا زور ہوتا ہے.... آج یا کل اس گاؤں کو ختم ہونا ہی ہے.... چوہدری اپنا زور لگا رہے ہیں..... پر کوئی فائدہ نہیں ہوگا..... یہ کوئی اکیلے ہمارے گاؤں کا تو مسئلہ ہے نہیں۔

فضل کریم : چلو جی ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔ ہم نے تو مزدوری کرنی ہے یہاں نہ سہی وہاں سہی۔

خدا بخش : یہ تو نہ کہو بھائی فضل کریم، اپنی زمین پھر اپنی ہوتی ہے۔

ماسٹر : بھئی وہ بھی تو تمہاری ہی زمین ہوگی.... اور ہماری تمہاری بھی کیا زمین تو سب اللہ کی ہے۔

(مولا داد اپنے چار پانچ ساتھیوں کے ساتھ چائے خانے میں آتا ہے سب زور زور سے باتیں کرتے اور ہنستے ہوئے آرہے ہیں فضل کریم اور خدا بخش انہیں دیکھ کر جلدی سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ماسٹر اپنی کرسی میں بیٹھا رہتا ہے۔)

مولا داد : اخاہ ـــــ ماسٹر جی ہیں۔ سلام لیکم ماسٹر جی۔

(ماسٹر سے ہاتھ ملاتا ہے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتا ہے۔ اس کے ساتھی بھی کرسیاں گھسیٹتے ہیں۔ ایک آدمی چارپائی پر سوئے ہوئے آدمی کو ڈانگ سے ٹھوکا دیتا ہے جو کسمسا کر اٹھتا ہے۔)

آدمی : یہ کون ہے بھئی!

چائے والا : یہ چوہدری حیدر شاہ کا ڈرائیور ہے۔

مولا داد : (کینہ پرور انداز میں) تو یہاں کیا کر رہا ہے۔

چائے والا : اس کا ساتھی سودھراں سے ٹائر کو پنکچر لگوانے گیا ہے..... یہ ذرا کمر سیدھی کرنے کے لیے لیٹ گیا تھا۔

(ڈرائیور خاموشی سے جمائیاں لیتا باہر جاتا ہے۔ دروازے پر چائے والے سے کہتا ہے۔)

ڈرائیور: اچھا بھائی مہربانی۔

(جاتا ہے۔)

مولاداد: اوئے جیلے — یہ تو زیادہ مہمان نواز بننے کی کوشش نہ کیا کر... جانتا نہیں حیدر شاہ کے کتے نے پچھلے مقابلے میں چودھری صاحب کے بگھے کو ہرایا تھا۔

چائے والا: (ڈر کر) غلطی ہو گئی بھائی مولاداد۔

مولاداد: آگے سے ایسا مت کرنا بڑے چودھری صاحب کو پتہ چل گیا تو تیرے اس ہوٹل پر ٹریکٹر پھروا دیں گے۔ چل چائے پلوا — اور چینی ذرا ٹھیک ٹھاک ڈالنا —

سین ۶

(دلاور ٹریکٹر ٹھیک کر رہا ہے۔ ریس دے کر اُس کی سٹارٹنگ چیک کرتا ہے۔ اُتر کر اُس کا ہیڈ گراتا ہے ایک کپڑے سے ہاتھ صاف کرتا ہے۔ اُس کو چلاتا ہوا حشمت خان کے پاس آتا ہے جو کھیت کے کنارے اپنی جیپ میں بیٹھا ہے ٹریکٹر اُس کے قریب آکر رُکتا ہے۔ اُتر کر اُس کے پاس آتا ہے۔)

دلاور : اس کا ایک پلگ ختم ہے چوہدری صاحب اب تو میں نے رگڑ رگڑ کر کچھ سیٹ کر دیا ہے مگر اس کو فوراً بدلوا لیں۔

حشمت : اوئے مہنگے.... منشی کو کہہ کر جو چیزیں دلاور کہے، صبح ہی شہر سے منگوا لے۔

مہنگا : بہت اچھا چوہدری صاحب۔

بخشو : (آہستہ سے) اپنے لیے خضاب بھی منگوا لینا اچھا لگتا ہے تیرے بالوں پر۔ (سب لوگ چوہدری کے ڈر سے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی روکتے ہیں۔ حشمت مسکرا کر بخشو کی طرف دیکھتا ہے)

حشمت : اوئے تو اس کو اتنا مذاق مت کیا کر.... (دلاور سے) بیٹھ جوان .... اِدھر آ۔ اِدھر میرے ساتھ بیٹھ۔ (باقی ملازم) آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ دلاور خاموشی سے چوہدری کے ساتھ بیٹھتا ہے۔) یہ تو بتا تجھ کو اور کون کون سا کام آتا ہے ..... تو تُو مجھے کوئی انجینئر لگتا ہے۔ (دلاور مسکراتا ہے حشمت اُس کے کندھے پر ہاتھ مارتا ہے۔) میں نے زندگی بھر کسی اجنبی پہ اعتبار نہیں کیا کیوں تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے.... میرا بڑا پُتر غلام علی بھی بالکل تیرے جیسا تھا۔ خَمرش پُتر کا ماں.... میری باقی اولاد تو کسی کام کی نہیں۔

سین ۷

(سید گل کے مکان میں دلاور ایک چارپائی پر چِت لیٹا ہے اُس کی آنکھیں

کھلی ہیں وہ بے مقصد انداز میں آسمان کی طرف دیکھتا ہے۔ اُس پر ایک
آواز بلند ہوتی ہے "فلک شیر" ایک دم چونک کر چاروں طرف دیکھتا
ہے آواز پھر آتی ہے اور تسلسل سے آنے لگتی ہے دلاور کا چہرہ تن جاتا
ہے مٹھیاں بھینچتا ہے۔ چند لمحے بے قراری میں سر ادھر اُدھر مارتا ہے پھر
ایکدم اُٹھ کر دروازے سے باہر نکل جاتا ہے۔
سید گل اپنے بستر سے سر اٹھا کر اُس کی طرف دیکھتا ہے اُس کے چہرے
پر حیرت کے تاثرات ہیں چند لمحے کچھ سوچتا رہتا ہے پھر بستر پر لیٹ
جاتا ہے۔)

سین ۸

(دلاور رات کے اندھیرے میں گاؤں کی گلیوں سے گزرتا ہے۔ کھیتوں کے
درمیان کھڑا ہے۔ اُس پرانے درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھتا ہے۔
چہرے پر پسینے کے قطرے ہیں لمبے لمبے سانس لے کر آنکھیں بند کرتا ہے سر
درخت کے تنے سے ٹکاتا ہے۔)

سین ۹

(سورج نکل رہا ہے آہستہ آہستہ بلند ہوتا ہے اُس کی کرنیں دلاور کے
منہ پر پڑتی ہیں۔ جو اُس درخت کے ساتھ ٹیک لگائے سو رہا ہے آنکھیں
مَلتا ہے چند لمحے خالی خالی نظروں سے چاروں طرف دیکھتا ہے۔ پھر
تھکے تھکے قدموں سے کھیتوں کے درمیان چلتا جاتا ہے۔)

سین ۱۰

(بچوں کے بستے اور تختیاں ایک درخت کے نیچے پڑے ہیں تین چار بچے
درخت پر چڑھے ہوئے ہیں ایک بچہ رشید کو درخت پر چڑھنے کا حوصلہ
دے رہا ہے۔)

بچہ : شاباش .... اسی ٹہنی پر پاؤں رکھنا۔ ہاں اب یہ پاؤں اِدھر رکھ .... لے میرا ہاتھ پکڑ لے۔
رشید : (چھوٹی ہوئی شاخوں کے ساتھ) یار سکول سے دیر ہو جائے گی ماسٹر صاحب ماریں گے۔
بچہ : وہ تو ابھی جیلے کی دکان پر چائے پی رہے ہیں.... آجا .... شاباش ....
رشید : (ایک موٹی سی ٹہنی پر بیٹھتے ہوئے) بس میں یہیں ٹھیک ہوں۔
دوسرا بچہ : (اوپر کی شاخ سے) تیرا باپ تو اتنا جیدار ہے پر تو بالکل .... چھوڑ یار نذیر ے نہیں آتا

توڑ آ۔

(رشید چند لمحے کچھ سوچتا ہے پھر درخت پر اور اوپر چڑھنا شروع کرتا ہے۔ دوسرے بچے اسے ہلا شیری دیتے ہیں۔ دو تین شاخیں چرچراتی ہیں مگر رشید اُوپر چڑھتا جاتا ہے دفعتاً اُس کا ہاتھ ایک شاخ سے سلپ ہوتا ہے وہ ایک چیخ مارتا ہے اور شاخ سمیت درخت سے نیچے گرتا ہے باقی بچے گھبرا کر نیچے آتے ہیں۔ رشید زور زور سے چیخیں مارتا ہے دلاور سپ کٹ کرتے ہیں جو چیخ کی آواز سُن کر رُکتا ہے۔

پھر مڑ کر رشید کی طرف آتا ہے دوسری طرف سے بچے رشید کو اٹھا کر پانی پلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

بچہ : دوسرا پاؤں بھی لگا زمین پر۔

رشید : (سسکی روکتے ہوئے) نہیں لگتا۔ ہائے اوئے مر گیا۔

دلاور : (پاس آکر) کیا ہوا ہے اسے۔

بچہ : درخت سے گر گیا ہے جی ......

دلاور : دکھاؤ ذرا مجھے۔ (رشید کی ٹانگ کو ہاتھ لگاتا ہے رشید چیخیں مارتا ہے دلاور چند لمحے اُس کی ٹانگ ٹٹولتا ہے۔ پھر لپک کر اُسے گود میں اُٹھاتا ہے) کس کا بیٹا ہے یہ۔

بچے : مولا داد کا۔

دلاور : مجھے اس کے گھر لے چلو۔

(بچے تیزی سے ایک طرف چلتے ہیں۔ دلاور اُن کے پیچھے تیز تر آ رہا ہے گود میں روتا ہوا رشید ہے۔)

سین ۱۱

(مولا داد کے گھر کا صحن دلاور رشید کو گود میں لیے آتا ہے۔ رشید کی ماں جمیلہ گھبرائی ہوئی چولہے کے قریب سے اٹھ کر آتی ہے۔)

جمیلہ : کیا ہوا تیرے بچے کو ......

(دلاور اِدھر اُدھر دیکھ کر رشید کو چارپائی پر لٹاتا ہے جمیلہ آ کر بچے کا منہ چومتی ہے سخت گھبرائی ہوئی ہے۔

جمیلہ : کیا ہوا بیٹے کیا ہوا تجھے۔

دلاور : (نظریں جھکائے ہوئے) گھر میں کوئی مرد نہیں ہے، نہیں جی ا

جمیلہ : (ایک بچے سے) پرویز۔ جا جلدی سے رشید کے ابا کو بلا لو وہ چوہدری انور کی حویلی میں ہوں گے۔۔۔۔

(بچے بھاگتے جاتے ہیں۔ چند لمحوں کی خاموشی۔)

دلاور : بچے کی ٹانگ میں فیکچر۔۔۔۔ میرا مطلب، اِس کی ہڈی غالباً ٹوٹ گئی ہے۔ آپ جلدی سے پانی گرم کریں اُس میں نمک ڈال لیں۔ بہت سارا۔

جمیلہ : اسے حکیم کے پاس لے چلو بھائی۔

دلاور : مجھے اس حکیم کا پتہ نہیں۔ وہ بچے کی ٹانگ خراب کر دے گا۔۔۔۔ میں اس کو پٹی کرا دیتا ہوں اس کا باپ آئے تو اسے شہر لے جانا۔۔۔۔ اور ہسپتال سے جوڑ لگوانا۔

(جمیلہ چند لمحے پریشانی میں کھڑی رہتی ہے پھر جلدی سے ایک تسلے میں پانی بھرنے لگتی ہے۔ TIME LAPSE دے کر دکھاتے ہیں کہ جمیلہ ہاتھ میں ابلے ہوئے پانی کا تسلہ لے کر آ رہی ہے۔ تسلہ چارپائی کے قریب رکھتی ہے۔)

دلاور : (رشید کی ٹانگ کو سیدھا کرتے ہوئے) ایک تولیہ اور ایک چادر ہو تو دیں ذرا۔۔۔۔

جمیلہ : جی اچھا۔

(دلاور تسلے میں انگلی ڈال کر پانی کا درجہ حرارت دیکھتا ہے۔ رشید ہائے کرتا ہے۔)

دلاور : بس بیٹے بس ابھی ایک منٹ میں آرام آ جائے گا۔

(جمیلہ تولیا اور چادر لے کر آتی ہے۔ دلاور تولیہ پانی میں بھگوتا ہے پھر اُسے خشک کرتا ہے۔)

دلاور : آپ ذرا اس کا پاؤں پکڑیں۔ یہاں سے۔

(جمیلہ بچے کا پاؤں پکڑتی ہے دلاور اُس کے بالکل قریب کھڑا تولیے سے رشید کی ٹانگ صاف کرتا ہے دروازہ کھلنے کی آواز دلاور مڑ کر دیکھتا ہے۔ دروازے پر مولاداد کھڑا ہے۔ مولاداد کے چہرے کی پریشانی حیرت اور پھر غصے میں تبدیل ہوتی ہے۔ وہ خاموش کھڑا دلاور کو گھور رہا ہے دلاور بھی اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہا ہے۔)

سین ۱

(دلاور اور مولاداد جیپ میں بیٹھے پکی سڑک پر جا رہے ہیں۔ مولاداد کی گود میں رشید لیٹا ہوا ہے جس کی ٹانگ پر چادر لپٹی ہوئی ہے۔ مولاداد کے چہرے پر پریشانی ہے ولاور بے تاثر چہرے کے ساتھ سڑک پر نظریں جمائے جیپ چلا رہا ہے۔ کیمرہ ایک سنگِ میل پر آتا ہے جس پر لاہور ۵ کلومیٹر لکھا ہے۔ جیپ ایک سنگِ میل کو کراس کرتی ہے۔)

سین ۲

(یونیورسٹی نیو کیمپس کے ماحول کی فلم شوٹنگ کیمرہ مختلف برآمدوں اور بلاکوں سے ہوتا ہوا فرخ پر آتا ہے جو اپنی موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی کر کے اُس پر بیٹھا ہوا ہے اور خالی سڑک کی طرف دیکھ رہا ہے۔ ایک لڑکی آتی ہے۔ اُسے دیکھ کر رُکتی ہے اُس کی طرف آتی ہے۔)

روبینہ : ہیلو فرخ ....

فرخ : (موٹر سائیکل سے اترتے ہوئے) ہیلو

روبینہ : یہاں اکیلے بیٹھے کیا کر رہے ہو۔

فرخ : کچھ نہیں۔ بس یوں ہی۔

روبینہ : آؤ کنٹین میں بیٹھتے ہیں۔

فرخ : کنٹین میں۔ وہ ہاں۔ (بات ٹالنے کی کوشش کرتا ہے) میں دراصل .... میری کلاس ہے۔

روبینہ : (گھڑی دیکھ کر) کلاس میں تو ابھی بہت ٹائم ہے۔

فرخ : دراصل وہ پروفیسر جاوید شیخ ہیں نا .. انہوں نے مجھے بلایا ہوا ہے .... کچھ ڈسکشن تھی .... اوہ (گھڑی دیکھتا ہے) میں تو لیٹ ہو گیا ہوں۔

(جانے کے لیے مڑتا ہے روبینہ اُسے بازو پکڑ کر روکتی ہے۔)

روبینہ : جاوید صاحب آج چھٹی پر ہیں۔

فرخ : (بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھ کر) اوہ..... اچھا..... دراصل روبینہ چائے مجھے۔ کچھ اچھی نہیں لگتی۔

روبینہ : تم کوئی کولڈ ڈرنک لے لینا۔ چلو تو سہی۔

فرخ : (مردہ لہجے میں) اچھا۔ چلو۔

(موٹر سائیکل لاک کرتا ہے چند قدم چلتا ہے دوسری طرف سے یاسمین اپنی ایک سہیلی کے ساتھ آتی ہے، دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ٹھٹھکتے ہیں، یاسمین گھور کر اسے دیکھتی ہے، فرخ کچھ کہنے کے لیے منہ کھولتا ہے مگر یاسمین تیزی سے گزر جاتی ہے۔ روبینہ یہ سارا منظر دیکھتی ہے جان بوجھ کر بلند آواز میں بولتی ہے جیسے یاسمین کو سنا رہی ہو۔)

روبینہ : آؤ نا فرخ.....

فرخ : ایک منٹ..... لیلے کرو روبینہ تم کنٹین میں چل کر آرڈر دو..... میں ابھی آیا۔

(تیزی سے مڑتا ہے یاسمین کے پیچھے کاریڈور میں داخل ہوتا ہے روبینہ غصے اور ناکامی کے ملے جلے تاثرات سے اُسے دیکھتی ہے.... یاسمین اور سہیلی کاریڈور میں آرہی ہیں۔ پیچھے سے تیز تیز چلتا ہوا فرخ آتا ہے۔)

فرخ : ارے بھئی کہاں بھٹکیں تم، صبح سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں۔

(یاسمین رک کر تیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہے پھر منہ موڑ کر چل دیتی ہے۔ فرخ چند لمحے سٹپٹاتا ہے اب آواز میں بشاشت کی بجائے لجاجت ہے۔)

فرخ : یاسمین پلیز میری بات تو سُن لو..... (یاسمین توجہ نہیں دیتی) خدا کی قسم میں تے..... میں تو تمہارا انتظار کر رہا تھا وہ زبردستی میرے پیچھے پڑ گئی کہ چلو کنٹین میں بیٹھتے ہیں۔

یاسمین : (گھور کر) آپ یہ سب باتیں مجھ سے کیوں کر رہے ہیں ما

فرخ : (نیلم سے، جو اس اثنا میں دونوں کی نوک جھونک سے محظوظ ہو رہی ہے) مس نیلم پلیز آپ میری سفارش کر دیجیے۔

نیلم : (ہنستے ہوئے جاتی ہے) نہ بابا..... مجھے تو آپ دونوں معاف ہی رکھیں۔

(یاسمین بھی نیلم کے پیچھے پیچھے چل پڑتی ہے فرخ آگے آکر اس کا رستہ روکتا ہے۔)

فرخ : یار خدا کے لیے میری بات تو سُن لو۔
یاسمین : (رک کر اُسے گھورتی ہے) میں تمہاری کوئی بات نہیں سننا چاہتی under stand۔
فرخ : یہ جو تم جاہل عورتوں کی طرح بات بات پر منہ بنا لیتی ہو نا۔ مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔
یاسمین : آپ۔ تشریف نہیں لے جا سکتے یہاں سے ؟
فرخ : (ہنسانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے) مجھے بھی یہ ماحول کوئی اتنا پسند نہیں۔ آؤ کہیں اور چلتے ہیں۔
یاسمین : شکریہ۔ میں اپنے گھر جا رہی ہوں۔
فرخ : (اُسی مزاحیہ انداز میں) چلو کوئی بات نہیں وہیں چلتے ہیں۔
یاسمین : (طنزیہ انداز میں) وہاں تو غالباً کل شام آپکی والدہ محترمہ تشریف لانے والی تھیں۔
فرخ : ارے وہ، ہاں وہ تو میں تمہیں بتانا بھول ہی گیا۔ دراصل میں جب گھر پہنچا نا تو چچا یعقوب اور چچی آئے ہوئے تھے۔ اُن کے بارے میں تو میں نے بتایا ہوا ہے نا تمہیں..... پھر وہ محلے میں ایک شادی تھی، امی اُدھر چلی گئیں۔ موقع ہی نہیں ملا بات کرنے کا.... آج کروں گا۔
یاسمین : تم سے ہو چکی بات۔ ہٹو مجھے جانے دو۔
فرخ : اوہو..... دیکھو کسی وقت مان بھی لیا کرو کسی کم بخت کی بات۔ اب تم خود سوچو اتنی اہم بات میں ایسی روا روی میں کیسے کر سکتا تھا.... آخر یہ میرے اور تمہارے..... وہ کیا کہتے ہیں مستقبل کا مسئلہ ہے۔
یاسمین : (قدرے نرم پڑتے ہوئے) اور یہ روبینہ کے ساتھ غالباً تم ماضی کے کچھ مسئلے ڈسکس کر رہے تھے۔
فرخ : اب وہ پیچھا نہیں چھوڑتی تو میں کیا کروں۔ خدا کی قسم میں نے بہت انکار کیا۔ بڑے بہانے لگائے.... مگر وہ مانی نہیں.... (کان پکڑتے ہوئے) ایمان سے جھوٹ نہیں بول رہا۔
(یاسمین مسکراتی ہے)

سین ۴

(رشید کو ہسپتال میں سٹریچر پر ڈال کر لے جا رہے ہیں۔ دلاور اور رولا داد ساتھ ساتھ ہیں۔)

سین ۵

(فرخ اور یاسمین موٹر سائیکل پر، آوازیں O/L ہوتی ہیں۔)
یاسمین : آخر تم اتنے بدھو کیوں ہو؟

فرخ : اس لیے کہ اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔

یاسمین : (زور سے ہنستی ہے) تمہیں تو سٹیج کا ایکٹر ہونا چاہیئے... سوائے جگتوں کے آتا ہی کچھ نہیں ۔

فرخ : تم نے اپنی امیؔ سے بات کی تھی ۔

یاسمین : میں کیسے کرسکتی ہوں ...... ؟

فرخ : اوہو.... تو بھئی اُنہیں کیسے پتہ چلے گا کہ تم یعنی کہ ہم ......

یاسمین : جب تمہاری امی آئیں گی تو میں انہیں بتا دوں گی ۔

فرخ : کیا بتا دو گی ۔

یاسمین : یہی کہ.....

(ایک دم شرما کر خاموش ہو جاتی ہے۔)

فرخ : کیا یہی کہ....

یاسمین : اچھا تم فضول باتیں نہ کرو۔ اگر کل بھی تمہاری امی نہیں آئیں نا.... تو پھر... یاد رکھنا۔

فرخ : (مزاحیہ انداز میں) یا اللہ۔ تیرا ہی آسرا۔

یاسمین : (ہنستے ہوئے) رومال بچھا کر سڑک پر بیٹھ جاؤ اچھی خاصی دیہاڑی ہو جائے گی ...... شکل بھی تمہاری یتیموں جیسی ہے ۔

فرخ : توبہ توبہ.... کیا زمانہ آگیا ہے.... یہ ہونے والے مجازی خدا کے بارے میں کہا جا رہا ہے ۔

(دونوں ہنستے ہیں ۔
موٹر سائیکل کیمرے سے دور ہوتی ہے ۔ دونوں کے ہنسنے کی آواز مدھم پڑتی ہے)

سین ۶

(ہسپتال کا وارڈ۔ کیمرہ ایک بچے کی پلستر شدہ ٹانگ پر اوپن ہوتا ہے، آہستہ آہستہ PAN کرتا ہوا وارڈ کا شارٹ لیتا ہے۔ بستر پر رشید گہری نیند سو رہا ہے' دلاور اور مولا داد اس کے قریب بیٹھے ہیں۔ دونوں خاموش ہیں۔ نرس آتی ہے' آکر چارٹ دیکھتی ہے' دونوں اسکی طرف دیکھ رہے ہیں۔)

نرس : آپ باہر برآمدے میں بیٹھیں ۔

دلاور : سسٹر، وہ.... دراصل بچہ.... وہ کچھ LOOK AFTER .....

نرس : آپ گھبرائیں نہیں۔ ہم یہاں اسی کام کے لیے ہی ہیں۔ اِس کو انجکشن لگا دیا ہے۔ اب یہ صبح تک آرام سے سوتا رہے گا۔ آپ صبح آیئے گا۔!!

دلاور : تم جاؤ بھائی مولاداد.... کچھ دیر آرام کر لو.... میں یہیں بنچ پر لیٹ جاتا ہوں۔

مولاداد : (تشکر آمیز لہجے میں) تمہارے مجھ پر اتنے احسان ہیں دلاور کہ میں زندگی بھر نہیں اتار سکتا۔ اب مجھے اور شرمندہ نہ کرو۔ تم جا کر آرام کرو میں یہاں بیٹھوں گا۔

نرس : اگر آپ دونوں کو یہاں بیٹھنے کا شوق ہے تو دوسری بات ہے.... ویسے میں نے آپ کو بتا دیا ہے کہ بچہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے اور اب صبح تک سوتا رہے گا۔ آپ کی وجہ سے باقی مریض ڈسٹرب ہوں گے۔

مولاداد : پر بی بی.... ہم تو اس وقت کے خوش بیٹھے ہیں.... کسی کو کچھ نہیں کہہ رہے۔

نرس : دیکھئے جی یہ ہسپتال کا قانون ہے..... آپ پلیز باہر بیٹھیں.... تھینک یو۔

دلاور : (اُٹھتے ہوئے) سسٹر ٹھیک کہہ رہی ہے بھائی مولاداد۔ آؤ ہم باہر چلتے ہیں۔

مولاداد : (ناراضگی آمیز ہچکچاہٹ سے نرس کو دیکھتے ہوئے) پر یار....

دلاور : (کندھے سے پکڑ کر اُسے ساتھ گھسیٹتا ہے) تم باہر تو آؤ۔

(مولاداد ناراضگی کے عالم میں سر جھٹکتا ہے۔ دلاور کے ساتھ چلتا ہوا وارڈ سے باہر آتا ہے۔ دونوں دروازے کے قریب کھڑے ہو کر باتیں کرتے ہیں۔)

دلاور : آؤ کہیں بیٹھ کر کھانا کھا لیں۔ تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔

مولاداد : وہ تو تم نے بھی نہیں کھایا۔ کہاں چلیں۔

دلاور : جہاں تم کہو۔ اچھا یہ بتاؤ کیا کھاؤ گے؟ یہاں سب کچھ ملتا ہے۔ کڑاہی گوشت، چکن روسٹ، کباب، گردے، چانپیں، حلیم، سری پائے۔

مولاداد : کچھ بھی کھا لیں گے یار، پیٹ ہی بھرنا ہے نا۔ اوہ یاد آیا۔

دلاور : کیا؟

مولاداد : جیپ تو ہے نا ہمارے پاس۔

دلاور : ہاں۔ پھر۔

مولاداد : چھوٹے چوہدری صاحب کی کوٹھی چلتے ہیں۔ اُنہیں سلام بھی کر لیں گے اور کھانا بھی وہیں کھا لیں گے۔

دلاور : سلام تو انہیں میں نے بھی کرنے جانا ہے مگر کھانا ہم کھا کر جائیں گے یار۔ اچھا تمہیں

لگتا اس طرح۔

مولاداد: (چند لمحے تعریفی نظروں سے اسکی طرف دیکھتا ہے) ایک زمانے میں مَیں بھی بالکل تمہاری طرح سوچا کرتا تھا۔ پر..... گھر سے نکل کر آدمی کی عزت نہیں رہتی بھائی دلاور۔ بڑا بڑا شہینہ جوان نکھوں ہولا ہو جاتا ہے۔ ایسے ایسے کام ہنس کے کر لیتا ہے جو اُس نے کبھی سوچے بھی نہیں ہوتے۔

دلاور: (ہنستے ہوئے) لگتا ہے تمہیں بھوک کچھ زیادہ ہی لگی ہے۔ بڑی فلسفیوں والی باتیں کر رہے ہو۔

نرس: (دروازے پر آ کر) پلیز یہاں شور نہ کریں۔

(دروازہ بھیڑتی ہے۔)

مولاداد: یار یہ تو پیچھے ہی پڑ گئی ہے۔

دلاور: چھوڑو اسے..... آؤ چلیں۔

سین ۷

(رات کا وقت۔ یعقوب شلوار قمیض اور چادر میں ملبوس ہے۔ اس کے ڈرائنگ روم میں دلاور اور مولاداد بیٹھے ہیں۔)

یعقوب: یہ تم نے بہت اچھا کیا جو دلاور کو بھی لے آئے۔

دلاور: یہ کیسے ہو سکتا ہے چوہدری صاحب کہ میں شہر آتا اور آپ کو سلام کرنے حاضر نہ ہوتا۔

یعقوب: ابا جی کی جھاڑ تو نہیں پڑی ابھی تک۔

دلاور: نہیں جی۔ وہ تو مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ بڑا خیال رکھتے ہیں میرا۔

یعقوب: تب تو تم بڑے خوش قسمت ہو۔ بس ذرا اُن کے غصے سے بچ کر رہنا..... میں چاہتا تو نہیں تھا کہ تم میرے پاس سے جاؤ لیکن ابا جی سے..... کوئی ایسی ویسی بات ہو تو سیدھے میرے پاس آ جانا۔

دلاور: جی بہتر۔

یعقوب: ویسے..... وہ کیا نام تھا اُس کتے کا.....

دلاور: کرسٹل۔

یعقوب: ہاں کرسٹل کی وجہ سے وہ تم پر بہت مہربان ہیں۔

مولاداد: کتوں پر تو جان دیتے ہیں بڑے چوہدری صاحب۔

یعقوب: (ہنستے ہوئے) ہاں۔ یہ اُن کا پرانا شوق ہے۔ چلو اب تم بھی آرام کرو جا کر۔

(اٹھتے ہوئے۔)

(دلاور اور مولاداد اٹھتے ہیں۔ دروازے کی طرف جاتے ہیں۔ مولاداد دروازے پر رک کر مڑتا ہے۔ یعقوب اسے اشارہ کرتا ہے کہ دلاور کو چھوڑ کر میرے پاس آنا۔ مولاداد اشارے سے ہاں کرتا ہے۔ جاتا ہے۔)

سین ۸

(اماں اپنے بستر پر بیٹھی کچھ بُن رہی ہے۔ فرخ دروازہ تھوڑا سا کھول کر جھانکتا ہے۔ پھر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ چند لمحے دروازے کے قریب رک کر اپنی ہمت مجتمع کرتا ہے۔ سر کھجاتا ہے۔ دروازے کی درز میں سے جھانکتا ہے۔ ماں سلائیاں ایک طرف رکھتی ہے۔)

سین ۹

(بند دروازہ اندر کی طرف کھلتا ہے۔ کیمرہ دروازے میں کھڑے مولاداد کے پاؤں سے L/A ہوتا ہوا اس کے چہرے پر آتا ہے اُسپر یعقوب کی آواز O/S ہوتی ہے۔ جس کے ساتھ ہی پورے کمرے کے فل ویو میں یعقوب کو اسی لباس میں اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھا دکھاتے ہیں۔)

یعقوب: (آواز) اتنی دیر لگا دی تم نے۔

مولاداد: دلاور جاگ رہا تھا جی۔

(آگے آ کر اس کے قریب کھڑا ہو جاتا ہے۔)

یعقوب: نیاز نے انور کو پیسے دیئے کہ نہیں۔

مولاداد: دے دیئے تھے جی۔

یعقوب: (قدرے مایوسی سے پیچھے کی طرف ہٹتا ہے) اوہ .... جھگڑا نہیں ہوا کوئی۔

مولاداد: شروع شروع میں چوہدری نیاز نے کچھ تڑی لگائی تھی جی، پر چوہدری کے تیور دیکھ کر اس نے بات نہیں بڑھائی۔

یعقوب: (سوچتے ہوئے) ہوں..... اچھا.... تم ایسے کرو کہ.... انور کو مشورہ دو کہ وہ یار محمد کو ذرا ٹھیک ٹھاک پھینٹی لگا دے۔ وہ نیاز کا خاص آدمی ہے.... اسپر نیاز خاموش نہیں رہ سکتا۔

مولاداد: جی بہت اچھا۔

یعقوب: سنو، وہ کنجری والی بات ابا جی تک پہنچ گئی تھی۔

مولاداد: بخشو کے ذریعے پہنچوا دی تھی۔

یعقوب : پھر!

مولاداد : چوہدری انور سے اُن کا سامنا نہیں ہُوا ابھی تک۔

یعقوب : اچھا۔ (سوچتے ہوئے) ٹھیک ہے تم جاؤ .... لیکن مجھے ساری اطلاع پہنچاتے رہنا۔

مولاداد : آپ بالکل اطمینان رکھیں چوہدری صاحب۔ انشاءاللہ پل پل کی خبر آپ تک پہنچتی رہے گی۔

یعقوب : (اس کے قریب آکر قمیض کی جیب سے کچھ نوٹ نکالتا ہے۔) یہ لو۔

(مولاداد رسمی انکار کے انداز میں اُس کی طرف دیکھتا ہے۔)

رکھ لو۔ تمہارا بچہ بیمار ہے کام آئیں گے۔

مولاداد : بڑی مہربانی چوہدری صاحب۔

یعقوب : کام کرنے والوں کو اُن کا پورا حق دینا میرا اصول ہے۔ مولاداد۔ میں تمہارے کام سے بہت خوش ہوں۔

(مولاداد جاتا ہے۔ یعقوب کسی گہری سوچ میں ہے پھر صوفے پر بیٹھتا ہے۔ بے خیالی میں سائڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے دو آرائشی بھینسوں کے اوپر ہاتھ پھیرتا ہے جو ایک دوسرے کی طرف سینگ تان کر بڑھ رہے ہیں۔)

سین ۱۰

(مولاداد آہستہ سے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آتا ہے۔ دلاور اپنی چارپائی پر سو رہا ہے۔ آہستہ سے آکر اپنی چادر اتار کر سرہانے رکھتا ہے، بستر پر لیٹتا ہے۔ کیمرہ دلاور کے چہرے پر آتا ہے جس کی آنکھیں کھلی ہیں اور وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔)

سین ۱۱

(ماں دوائی کی شیشی سے ایک خوراک پیتی ہے۔ پانی پی کر گلاس رکھتی ہے۔ فرخ یہ منظر دروازے کے پیچھے چھپا کھڑا دیکھ رہا ہے۔ ماں بجلی کے سوئچ پر ہاتھ رکھتی ہے۔ فرخ ایکدم فرمائشی انداز میں کھانستا ہُوا اندر داخل ہوتا ہے ماں حیرت سے اُسے دیکھتی ہے۔)

ماں : تم سوئے نہیں ابھی تک۔

فرخ : (پریشانی کے عالم میں ہاتھ ملتے ہوئے) نہیں امی وہ دراصل ....

ماں : (گہری نظروں سے دیکھتی ہے مسکراتی ہے۔) کیا بات ہے۔ اتنے UP SET کیوں ہو۔

فرخ : دراصل امی وہ .... میں نے آپ کو ایک جگہ لے کر جانا ہے۔

ماں : ابھی ۔
فرخ : (کھسیانا سا ہو کر) نہیں نہیں ابھی تو نہیں ۔ کل شام کو ۔
ماں : تو میری جان یہ بات تم صبح بھی کر سکتے تھے ۔ ویسے جانا کہاں ہے ؟
فرخ : (نظریں چراتے ہوئے) یاسمین کی امی آپ سے ملنا چاہتی ہیں ۔
ماں : یاسمین کی امی ۔ مجھ سے ۔ ملنا چاہتی ہیں ۔ یہ یاسمین کون ہے ۔
فرخ : آپ یاسمین کو نہیں جانتیں ۔
(ماں نفی میں سر ہلاتی ہے ۔)
یاسمین ۔ یاسمین ہے ۔
ماں : (مزاحیہ انداز میں) ظاہر ہے ۔
فرخ : آپ میرا مطلب نہیں سمجھیں ۔
ماں : بیٹھو ۔ بیٹھ کر اطمینان سے بات کرو ۔
(مزاحیہ انداز میں)
اچھا تو یاسمین یاسمین ہے ۔ آگے ۔
فرخ : پلیز امی ۔ میں بہت سیریس ہوں ۔ دراصل ۔ اب دیکھئے نا میرا آخری سال ہے ۔
ماں : اچھا ۔
فرخ : یاسمین بھی فائنل ایر میں ہے ۔
ماں : مگر بھئی یہ یاسمین ہے کون اور اُس کی والدہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہیں ۔
فرخ : آپ نہیں سمجھیں ۔
(ماں نفی میں سر ہلاتی ہے ۔)
دراصل میں اور یاسمین .... ہم دونوں
(ماں کے چہرے کے تاثرات بدلتے ہیں ۔ وہ گہری نظروں سے فرخ کی طرف دیکھتی ہے ۔)
اگر آپ اجازت دیں تو ہم .... آپ اُس سے ملیں ۔ آپ کو بہت پسند آئے گی وہ ۔
ماں : (اپنے آپ سے) تو یعقوب بھائی ٹھیک ہی کہتے تھے ۔
فرخ : جی ۔
ماں : کچھ نہیں ۔ اچھا تو تم چاہتے ہو کہ میں اُس کی والدہ سے ملوں ۔
فرخ : جی ۔

ماں ، کون لوگ ہیں وہ۔

فرخ ، زیادہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔ یاسمین بتا رہی تھی کہ اس کے والد واپڈا میں ملازم ہیں۔ ایگزیکٹو انجینیئر ہیں۔

ماں : تم کب سے ایک دوسرے کو جانتے ہو۔

فرخ : (سر جھکا کر) تین چار سال سے۔

ماں : تم نے آج تک مجھے بتایا کیوں نہیں۔

فرخ : (سر جھکاتے ہوئے) شرم آتی تھی۔

ماں : ہوں۔ (سنجیدگی سے سوچتے ہوئے) تو اب تم چاہتے ہو کہ..... مگر بیٹے کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ پہلے تم اس لڑکی کو مجھ سے ملوا دو۔

فرخ : وہ تو میں کل ہی ملوا دوں گا امّی لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اس کے لیے دو تین رشتے آئے ہوئے ہیں اور اسے ڈر ہے کہ اُس کے والدین کہیں ہاں نہ کر دیں۔

ماں : تو گویا اُس کے والدین کو بھی نہیں پتہ کہ تم دونوں۔

(فرخ نفی میں سر ہلاتا ہے۔)

مگر بیٹے میں اپنی تسلی کئے بغیر کیسے اُن سے سوال کر سکتی ہوں۔

فرخ : میں اُسے کل صبح لے آؤں گا۔ آپ شام کو اُن کے گھر چلی جائیے گا۔

ماں : تو تمہارے خیال میں کسی شخص کو جاننے کے لیے ایک دو گھنٹے بہت ہوتے ہیں۔

فرخ : کیا آپ کو میری رائے پہ اعتماد نہیں ہے۔

ماں : تم ابھی بچے ہو بیٹا۔

فرخ : امی پلیز.....

ماں : پہلے تم اُس لڑکی کو مجھ سے ملواؤ..... پھر دیکھیں گے۔

فرخ : امّی وقت بہت کم ہے ـــــ یاسمین بتا رہی تھی کہ اُس کی امّی زبان کی بہت پکّی ہیں۔ اگر انہوں نے کہیں.....

ماں : اچھا اب سو جاؤ۔ مجھے سوچنے دو۔ صبح اس موضوع پر بات کریں گے۔

فرخ : زبیدہ چچی کو بھی لے جائیے گا اُن کے گھر.....

ماں : دیکھو..... زبیدہ یا یعقوب بھائی کے سامنے یہ بات بالکل نہیں کرنی۔

فرخ : (حیرت سے) کیوں امّی..... آپ تو ہر بات میں اُن سے مشورہ کیا کرتی ہیں۔

ماں : (بے صبری سے) تمہیں کہا ہے نا.....

فرخ : او کے امی۔ جیسے آپکی مرضی۔

(جانے لگتا ہے)

ماں : اور سنو (فرخ رکتا ہے ماں کچھ کہتے کہتے رک جاتی ہے) اچھا کچھ نہیں.... تم جاؤ...

فرخ : (دروازے پر) شب بخیر امی۔

ماں : شب بخیر (فرخ جاتا ہے، ماں چند لمحے پریشانی میں کھڑی رہتی ہے پھر بے خیالی میں پلنگ پر بیٹھ جاتی ہے۔ کلوز)

سین ۱۲

(حویلی کا ڈرائنگ روم حشمت اور نیاز۔ نیاز کے چہرے سے پریشانی عیاں ہے۔)

حشمت : یہ کمشنر کوئی نیا آیا ہے....

نیاز : جی ہاں جی۔

حشمت : تو تم لوگوں نے اُس کو پوری بات سمجھائی تھی نا..... ہماری طرف کے دس بارہ پنڈ اگر چھوڑ دیں تو کیا فرق پڑے گا اُنہیں۔

نیاز : بہت کہا تھا اُنہیں۔ پر وہ کہتا ہے کہ یہ گورنمنٹ کا حکم ہے۔ جھیل کے لیے جو ایریا مقرر ہوا ہے اُس حساب سے ہمارا گاؤں بھی بیچ میں آتا ہے۔

حشمت : کچھ دے دلا کر کام نہیں نکلتا۔

نیاز : یہ اُس کے لیول سے بڑی اونچی کھیڈ ہے۔ ماں جی۔

حشمت : (کچھ سوچتے ہوئے) نقشہ کس نے بنایا ہے اس کا۔

نیاز : کوئی غیر ملکی کمپنی ہے جی ___ دو تین کمپنیاں ہیں۔

حشمت : وہاں سے پتہ کرو کچھ.... ایسی زرخیز زمین پورے صوبے میں نہیں ہے نیاز.... آس پاس کے ہم پلہ زمینداروں سے بات کرو انہیں بتاؤ کہ معاوضے میں اس زمین کا دسواں حصہ بھی مشکل سے ملے گا اور پھر پتہ نہیں وہ بھی کیسی ہو۔

نیاز : اس پر بھی غور کیا ہے جی ہم نے.... تیس چالیس لاکھ روپے جمع بھی ہو گئے ہیں پر بات بنتی نظر نہیں آتی۔ حکومت تہیہ کر چکی ہے۔

حشمت : یہ حویلی نہ رہی تو ہم کوڑی کے نہیں رہیں گے نیاز.... پانی اس کے اوپر سے نہیں ہماری دستاروں پر سے گزرے گا۔

نیاز : کمشنر کہہ رہا تھا کہ ہمارے پاس زیادہ سے زیادہ چھ مہینے ہیں۔

حشمت : اسی لیے میں کہتا ہوں کہ انگریز کا راج اچھا تھا... کسی کو جرأت نہیں تھی کہ ہماری حویلی کی طرف آنکھ اونچی کر کے دیکھ سکے.... مجھے پتہ چلا ہے کہ علم دین کمہار کا بیٹا وکیل ہو گیا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں الیکشن لڑوں گا۔

نیاز : جی۔میں نے بھی سُنا ہے۔

حشمت : ان کمہاروں، تیلیوں، موچیوں اور مزارعوں کی جرات تھی انگریز کے راج میں کہ جاگیرداروں کے سامنے آنکھ بھی اونچی کر سکتے.... اب یہ ہمارے نمائندے بنیں گے۔ حکومت کریں گے ہم پر۔

نیاز : چوہدری حیدر شاہ کا خیال ہے کہ اگر ہم اپنے اپنے گاؤں میں اس مسئلے کو اچھالیں۔ جلسے جلوس وغیرہ کروائیں تو شاید.... ہمارے گاؤں چونکہ کنارے پر واقع ہیں اس لیے ہو سکتا ہے اس چکر میں بچ جائیں۔

حشمت : (سوچتے ہوئے) بات تو اُس کی ٹھیک ہے.... وزن ہے اس میں۔

نیاز : ہم نے چوہدری ایاز سے بھی کہا ہے کہ وہ قومی اسمبلی میں اس سوال کو اٹھائے۔

حشمت : (بے زاری سے) اُس سے نہیں ہو گا۔ کچھ.... حیدر شاہ والا پروگرام ٹھیک ہے۔ (ایک دم کسی خیال سے آنکھیں چمک اٹھتی ہیں) ایک بات سُن.... وہ کیا نام ہے علم دین کمہار کے پُتر کا.....

نیاز : محمد رشید۔

حشمت : اس کو کیوں نہ آگے کر دیں..... اُس کو بلا کل میرے پاس۔

نیاز : نہیں میاں جی یہ ٹھیک نہیں ہے..... اگر ہم ہار گئے تو اس کا کچھ نہیں جائے گا لیکن اگر جیت گئے تو سارا کریڈٹ اُسے مل جائے گا.....

پبلک کے نزدیک تو اُسے آنے ہی نہیں دینا چاہیے۔

حشمت : (سوچتے ہوئے) بات تیری یہ بھی ٹھیک ہے.... پھر کوئی طریقہ سوچ اس کا.....

نیاز : سوچ رہا ہوں جی۔ پر ایک تو مجھے اس انور نے بہت پریشان کیا ہوا ہے..... اسکی حرکتوں سے سارا علاقہ تنگ ہے..... روز اس کی کوئی نہ کوئی شکایت ملتی ہے.....

حشمت : اس کی تم فکر نہ کرو اُسے میں شہر یعقوب کے پاس بھجوا دوں گا.....

نیاز : صبح پندرہ بیس آدمی نتھو کو لے کر میرے پاس آئے تھے..... پچھلے ہفتے انور اسکی لڑکی کو اٹھا کر شہر لے گیا تھا۔ دو تین دن اُسے اپنے پاس رکھا پھر اپنے ایک آدمی سے اسکی شادی کرا دی.... وہ لوگ لڑکی واپس مانگ رہے ہیں۔

حشمت : (مسکراتے ہوئے) بڑا بدمعاش ہو گیا ہے وہ.... پر تو فکر نہ کر میں اُسے سمجھا دوں گا....

اور نتھو کو بھی سمجھا دینا کہ جو ہونا تھا ہو گیا اب کیوں خواہ مخواہ اپنی بدنامی کرا رہا ہے۔

نیاز : (شکوہ آمیز انداز میں) آپ اُس کی بہت ناجائز حمایت کرتے ہیں میاں جی۔ اسی لیے وہ میری پرواہ نہیں کرتا۔

حشمت : یہ بات نہیں پُتر..... اس عمر میں زمینداروں کے پُتر ایسے کھیل تماشے کرتے ہی رہتے ہیں.... آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا.....

سین ۱۳

(ماسٹر درخت کے نیچے بچوں کو پڑھا رہا ہے۔ کچھ آدمیوں کے بڑبکیں مارنے اور ایک آدمی کے چیخنے کی آوازیں آتی ہیں۔ ماسٹر ایکدم تیزی سے اُٹھتا ہے بچے بھی اُس کے ساتھ اُٹھتے ہیں۔)

ماسٹر : تم یہیں بیٹھو اوئے۔ خبردار اگر کوئی اپنی جگہ سے ہلا.... ٹانگیں توڑ دوں گا۔

(ماسٹر تیزی سے چلتا ہوا درختوں کے ایک جھنڈ سے گزرتا ہے ایک کھلی گلی پر انور کے ساتھی یار محمد کو بُری طرح مار پیٹ رہے ہیں یار محمد آہ وزاری کر رہا ہے۔)

یار محمد : (زمین پر گرا ہوا ہے) اوئے بس کرو اوئے..... میں مر جاؤں گا..... اوئے نہ مارو اوئے.. میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔

ایک آدمی : (ڈانگ کی ضرب سے اٹھتے ہوئے یار محمد کو گراتا ہے) آج تو تیرے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جائیں گے تیرے گھر۔

یار محمد : (گھسٹتا ہوا انور کی طرف بڑھتا ہے جو گھوڑے پر بیٹھا یہ سارا منظر ایک طرح کی بے تعلقی سے دیکھ رہا ہے) مجھے معاف کر دو چوہدری جی.... میں کان پکڑتا ہوں..... آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گا۔

دوسرا آدمی : تیری ماں بگتی تھی جیراں۔

(بلم لے کر اُس کی طرف بڑھتا ہے یار محمد انور کے پاؤں سے لپٹنے کی کوشش کرتا ہے انور پاؤں سے دھکا دے کر اُسے گراتا ہے آدمی بلم اُس کی طرف تانتا ہے۔ یار محمد بے چارگی کے انداز میں ہاتھ اٹھا کر اُسے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ ماسٹر کی آواز بلم والے پر O/L ہوتی ہے)

ماسٹر : رک جاؤ۔ یہ کیا ہو رہا ہے.....
اوئے تاجے..... یہ یار محمد کو کیوں مار رہے ہو۔

یار محمد : (بھاگ کر ماسٹر کے پاؤں پر گرتا ہے) مجھے بچا لو ماسٹر جی.... یہ مجھے قتل کر دیں گے....

ماسٹر : کیا بات ہے.....

دوسرا آدمی : آپ جاؤ ماسٹر جی.... اپنا کام کرو....

ماسٹر : اوئے بے عزت، شرم نہیں آتی تجھے.... میں تیرا استاد ہوں۔

دوسرا آدمی : اس لیے آپ کو آرام سے سمجھا رہا ہوں..... آپ جاؤ.... اس کو آج ہم بتائیں گے کہ مخبری کی سزا کیا ہوتی ہے۔

(ماسٹر تاجے کا اٹھا ہوا ہاتھ روکتا ہے۔)

ماسٹر : میں کہتا ہوں رک جا تاجے.... چوہدری انور یہ سب کیا ہے....

انور : (یار محمد کی طرف اشارہ کر کے) اسی سے پوچھ لو ماسٹر جی۔

ماسٹر : کیا بات ہے یار محمد۔

یار محمد : (ڈرے ڈرے انداز میں روتے ہوئے) کوئی بات نہیں ماسٹر جی.... چوہدری انور کو کسی نے غلط شبہ ڈال دیا ہے کہ جیراں کے اغوا کی خبر میں نے چوہدری نیاز کو دی تھی.....

ماسٹر جی : اگر تم نے خبر دی بھی تھی تو اس میں کیا برائی ہے....

انور : برائی یہ ہے ماسٹر جی کہ اس نے میرا نام لے کر مجھے بدنام کیا ہے..... جیراں اپنی مرضی سے عزت محمد کے ساتھ گئی تھی۔ انہوں نے شریعت کے مطابق گواہوں کی موجودگی میں شادی کی ہے۔ اور چمگادڑ کا پتر کہتا ہے کہ میں نے اُسے اغوا کرایا ہے۔

ماسٹر : (چند لمحے کچھ سوچتا ہے) پھر بھی انور بیٹا، تم کو اسے اس طرح مارنا نہیں چاہیئے تھا تم گاؤں کے چوہدری ہو۔ لوگوں کی عزتوں اور جان و مال کے راکھے ہو.... تمہیں اگر ان پہ ہاتھ اٹھاؤ گے تو ان کی حفاظت کون کرے گا۔

انور : یہ بات ان کو بھی سمجھانا ماسٹر جی۔

(قریب آ کر ایک ٹھوکر لگاتا ہے) آج ماسٹر جی کے صدقے تجھے چھوڑ رہا ہوں آئندہ کبھی شکایت ملی تو ساری عمر تیرے لواحقین تیری لاش ڈھونڈتے رہیں گے۔ چل دفع ہو جا یہاں سے۔

(یار محمد لڑکھڑاتا ہوا بھاگتا ہے) آپ بھی جاؤ ماسٹر جی.... اور ہاں، اپنی زبان ذرا بند ہی رکھنا.... اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے.... (اپنے آدمیوں سے)

چلو اوئے.....

(گھوڑا موڑ کر جاتا ہے اس کے ساتھی بھی جاتے ہیں۔ ماسٹر بڑے فکرمندانہ انداز میں دور تک انہیں جاتے دیکھتا ہے۔)

قسط نمبر ۵

سین نمبر ا

(یونیورسٹی کیفیٹیریا یا کسی سنیک بار کا ایک گوشہ۔ فرخ اور یاسمین گفتگو کر رہے ہیں۔ فرخ کے چہرے سے پریشانی اور یاسمین کے چہرے سے ناراضگی کے آثار ہویدا ہیں۔)

فرخ : دیکھو پلیز! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم اپنی جگہ ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مگر اب سچوایشن ایسی ہے کہ اب تم اُن سے ملو تو سہی۔ سچ وہ بہت اچھی ہیں۔

یاسمین : (جھنجھلا کر) پتہ نہیں میری بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ مجھے نہ تو اُن کے اچھے ہونے پر کوئی شک ہے اور نہ ملنے پر کوئی اعتراض۔ مگر میں ایسی سچوایشن میں.... مجھ سے نہیں ہوگا یہ۔

فرخ : تم اسے ایک CASUAL سی میٹنگ کے طور پر کیوں نہیں لیتیں۔

یاسمین : اس لیے کہ یہ ایک CASUAL سی میٹنگ نہیں ہے۔ تمہاری امی مجھ سے ملنا چاہتی ہیں۔ اس لیے کہ وہ مجھے دیکھنا چاہتی ہیں۔ یہی بات ہے نا۔

(فرخ اثبات میں سر ہلاتا ہے۔)

یاسمین : تو ایسی بات سے مجھے چڑ ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ میں کوئی قربانی کا بکرا ہوں کہ مجھے خریدنے سے پہلے دیکھا جائے گا۔

فرخ : او ہو۔ بھئی یہ بات نہیں۔

یاسمین : (براہِ راست سوال کرتی ہے جس سے فرخ گڑبڑا جاتا ہے) تو پھر کیا بات ہے؟ کیوں ملنا چاہتی ہیں وہ مجھ سے۔

فرخ : بھئی۔ وہ — میں نے تمہاری اتنی تعریف کی تھی.....

یاسمین : تو وہ دیکھنا چاہتی ہیں کہ اُس تعریف میں کتنا جھوٹ ہے۔

فرخ : پلیز یاسمین۔ تم خواہ مخواہ جذباتی ہو رہی ہو۔ بھئی ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے

بیٹے کی دلہن کو اچھی طرح دیکھ پرکھ لے۔

یاسمین : تو بات تو وہی ہوئی نا قربانی کے بکرے والی اچھا فرض کرو۔ انہوں نے مجھے پسند نہیں کیا پھر؟

فرخ : سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یاسمین : میری بات کا جواب دو؟

فرخ : جواب کیا دوں .... کون ہے جو تمہیں دیکھ کر پسند نہیں کرے گا۔

یاسمین : میں کہتی ہوں فرض کرو اگر ایسا ہو گیا تو تم کیا کرو گے۔

فرخ : مجھے ضرورت ہی کیا ہے فرض کرنے کی۔ میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔ تم ہر لحاظ سے ایک بہت اچھی لڑکی ہو۔ میری امی پڑھی لکھی سمجھدار عورت ہیں۔ ان سب باتوں کی موجودگی میں فرض کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں نظر آتی۔ خدا کے لیے تم یہ بچوں والی باتیں نہ کرو۔ آؤ چلیں۔

یاسمین : (نیم رضامندی سے ٹھٹکتے ہوئے) پلیز فرخ، اس تصور سے ہی وحشت ہوتی ہے۔ کیسی عجیب بات ہے۔ یہ لوگ اچھے بھلے انسان کو ایک منٹ میں..... کموڈیٹی COMMODITY بنا دیتے ہیں۔

فرخ : یہ محض تمہارا وہم ہے.... (کیمرے کی طرف منہ کر کے اوٹ فریم ویٹر کو آواز دیتا ہے) ویٹر۔ (ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے کہ بل لاؤ۔)

(یاسمین گومگو کے عالم میں بیٹھی کچھ سوچ رہی ہے۔)

سین نمبر ۲

(مولاداد کا گھر۔ رشید کی ٹانگ پر پلستر چڑھا ہے وہ کسی بات پر ہنس رہا ہے۔ اس کے قریب ہی مولاداد اور دلاور بیٹھے ہیں۔ دلاور اسے کوئی کہانی سنا رہا ہے، ساتھ ساتھ اسے ساگو دانہ کھلا رہا ہے۔ ساگو دانہ کھاتے وقت رشید برا سا منہ بناتا ہے مگر کہانی کے لالچ میں کھائے جاتا ہے۔)

دلاور : تو جناب بادشاہ نے شہزادے سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو شہزادے نے اپنے ملک کا نام بتایا بادشاہ نے اس سے روٹی پانی پوچھا۔ شہزادے نے کہا جی نہیں شکریہ۔ میں کھا کر آیا ہوں البتہ میں جس اونٹ پر بیٹھ کر آیا ہوں وہ بھوکا ہے بادشاہ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ جلدی سے اونٹ کو کھانا کھلاؤ۔

رشید : اونٹ کیا کھاتا ہے چاچا۔

مولاداد : (ہنستے ہوئے) ویسے تو بہت کچھ کھاتا ہے مگر جب بیمار ہو تو ساگو دانہ کھاتا ہے۔

دلاور : (مصنوعی حیرت سے) ارے میں تو بھول ہی گیا ابھی تو ساگو دانہ پڑا ہے۔) پلیٹ اٹھاتا ہے۔

رشید : (منہ پیچھے کرتے ہوئے ہاتھ سے روکتا ہے) بس چاچا اب نہیں۔

دلاور : دیکھو بھئی چکر بازی نہیں چلے گی۔ تم نے خود کہا تھا کہانی سناؤ گے تو ساگو دانہ کھاؤں گا۔ اب کھاؤ۔ (ایک چمچ اُس کے منہ میں ڈالتا ہے رشید بُرا سا مُنہ بنا کر کھاتا ہے۔ دوسرا چمچ دینے لگتا ہے رشید ہاتھ سے روکتا ہے۔)

رشید : کہانی بھی سناؤ نا ساتھ ساتھ۔

دلاور : (شرمندہ ہو کر) سناؤ نہیں کہتے بیٹا۔ سنائیں کہتے ہیں۔ بڑوں کو ہمیشہ عزت سے بلاتے ہیں۔

رشید : (شرمندہ سا ہو کر) اچھا چاچا۔

دلاور : (مسکراتے ہوئے اُسکی تصحیح کرتا ہے) چاچا نہیں چاچا جی۔

رشید : اچھا چاچا جی۔

مولاداد : (معذرت آمیز انداز میں) دراصل یہ سارا قصور میرا ہے۔ یہ چوہدری انور کی نوکری ایسے کچھ چوبیس گھنٹے کی مزدوری ہے کہ بچے کی طرف توجہ دینے کا ٹائم ہی نہیں ملتا۔

رشید : آگے کہانی سنائیں نا چاچا جی۔

دلاور : (پلیٹ مولاداد کو دیتے ہوئے) بھائی مولاداد تم اسے ساگو دانہ کھلاؤ میں کہانی سناتا ہوں۔ کیوں بھئی رشید ٹھیک ہے۔ (رشید اثبات میں سر ہلاتا ہے۔) کہاں تک پہنچی تھی ہماری کہانی۔

رشید : یار بادشاہ حکم دیتا ہے کہ اُونٹ کو کھانا کھلاؤ۔

دلاور : ہاں۔ تو جناب بادشاہ کے نوکروں نے نا ــــــ اُونٹ کو ایک بڑا سا تربوز دے دیا۔ اُونٹ کو لگی ہوئی تھی بھوک۔ اُس نے نا پُورے کا پُورا تربوز منہ میں ڈال لیا۔

رشید : (حیرت سے) اتنا بڑا۔

دلاور : ہاں، اب جناب وہ تربوز اونٹ کے گلے میں پھنس گیا اُس کا سانس رُکنے لگا۔ وہ روتا روتا گیا۔ بادشاہ کے پاس۔ بادشاہ نے کہا کیوں بھئی اونٹ میاں کیا بات ہے۔ بڑے پریشان نظر آرہے ہو اونٹ نے کہا (گلے سے پھنسی پھنسی آواز نکالتا ہے) بادشاہ سلامت تربوز ــــــ بادشاہ نے کہا یہ تو بہت بری بات ہے۔ اونٹ نے کہا (پھر پھنسی پھنسی آواز میں بولتا ہے جس پر رشید خوش ہو کر ہنستا ہے) بادشاہ سلامت اس کو نکالیں، نہیں تو میں مر جاؤں گا۔ بادشاہ نے کہا اچھا ایک منٹ۔ اس کا کوئی علاج سوچتے ہیں تم ایسے کرو۔ اس کے پیچھے ایک ریٹ ڈال دو۔ ریٹ پتا کیا ہوتا ہے؟

رشید : RAT۔ آر اے ٹی۔ ریٹ۔ ریٹ معنے چوہا۔

دلاور : شاباش۔ تو جناب ریٹ نے اونٹ کے گلے میں جا کر دانتوں سے کاٹ کاٹ کو تربوز کے ٹکڑے کر دیئے اور تربوز اونٹ کے گلے سے اندر (رشید دلچسپی سے سُن رہا ہے۔) اب جناب پتہ ہے کیا ہوا تربوز تو چلا گیا اونٹ کے پیٹ میں اور اس کے ساتھ ریٹ بھی اندر چلا گیا۔ اب اونٹ ریٹ کو کہے کہ باہر نکلو۔ مگر وہ نکلتا ہی نہیں تھا..... اونٹ جناب پھر روتا روتا بادشاہ کے پاس ـــ بادشاہ نے پوچھا اب کیا ہوا ہے بھئی۔ اونٹ بولا۔ بادشاہ سلامت وہ تربوز..... بادشاہ نے کہا بھئی اُس کے لیے میں نے تمہیں ریٹ جو دیا تھا۔ اُونٹ بولا جناب وہ تربوز والا کام تو ہو گیا ہے مگر اب ریٹ نہیں نکلتا۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ کونسی بات ہے۔ تم اُس کے پیچھے ایک کیٹ CAT ڈال دو۔ کیٹ پتہ ہے نا کیا ہوتی ہے۔

رشید : سی اے ٹی کیٹ کیٹ معنے بلی۔

دلاور : شاباش۔

مولاداد : (ہنستے ہوئے) تم بڑی شے ہویار دلاور۔ مجھ سے تو یہ کبھی نہ کھاتا سا گودانہ (رشید کی ماں دوسرے کمرے کے دروازے سے کچھ اٹھائے گزرتی ہے۔ مولاداد آواز دیتا ہے،

رشید کی ماں ! بھائی دلاور آیا ہوا ہے کوئی چائے والے نہیں پلواؤ گی اُسے۔

رشید کی ماں۔ ابھی لاتی ہوں۔

سین نمبر ۳

(فرخ کی ماں ہاتھ میں چائے کی ٹرے لیے داخل ہوتی ہے۔ یاسمین اور فرخ کچھ خاموش اور (UNEASY) سے بیٹھے ہیں۔ فرخ ماں کے ہاتھ سے ٹرے لے کر میز پر رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یاسمین بھی غیر ارادی طور پر کھڑی ہو جاتی ہے۔)

ماں : بیٹھو بیٹی بیٹھو۔

فرخ : امی میں نے کتنی دفعہ آپ سے کہا ہے کوئی نوکر رکھ لیں۔

ماں : کیوں ؟ میرے ہاتھ پیر سلامت نہیں ہیں کیا۔

فرخ : پھر بھی دیکھئے نا.....

ماں : (شرارت سے چھیڑ کے انداز میں) تمہارا مطلب ہے ماں اب بہت بوڑھی ہو گئی ہے اُس سے گھر کا کام کاج نہیں ہو سکتا۔

فرخ : یہ بات نہیں ہے۔

ماں : تو پھر اور کیا بات ہے۔ ہم دو ماں بیٹا ہی تو ہیں نا اس گھر میں۔ تو دو آدمیوں کا کام ہی

کتنا ہوتا ہے جو ایک نوکر رکھا جائے۔

فرخ : (لاڈ سے) آپ سے کوئی نہیں جیت سکتا۔

(ماں چائے بنانے لگتی ہے۔ یاسمین اس کے ہاتھ سے چینی دان پکڑتی ہے۔)

یاسمین : لائیے میں بناتی ہوں چائے۔

ماں : نہیں بیٹی تم مہمان ہو۔

یاسمین : پھر کیا ہوا آپ سے چھوٹی تو ہوں نا۔

(ماں اُس کی اس بات پر خوش ہوتی ہے۔)

فرخ : ہاں امی۔ اسے بنانے دیں۔ میں نے بھی کبھی اُس کے ہاتھ کی چائے نہیں پی۔

(یاسمین ماں سے چھپ کر اُسے لاڈ آمیز غصے کی ایک Look دیتی ہے فرخ مسکراتا ہے۔)

ماں : فرخ بتا رہا تھا کہ تم تصویریں وغیرہ بھی بناتی ہو۔

یاسمین : جی ہاں میں ایم اے کر رہی ہوں نا فائین آرٹ میں۔!

ماں : اچھا۔۔۔ اچھا۔ اچھا۔ یہ بات ہے۔۔۔ مگر بھئی، تم نے یہی مضمون کیوں سیلیکٹ کیا۔ (مسکراتے ہوئے) آسان لگا تھا؟

یاسمین : جی نہیں آسان تو نہیں ہے۔ بس مجھے شروع سے شوق تھا۔ بی اے میں میرا اسکالرشپ تھا فائین آرٹس میں۔

ماں : بہت خوب۔ کن چیزوں کی تصویریں بناتی ہو تم۔

یاسمین : (ہنستے ہوئے) ہر چیز کی۔

ماں : ہر چیز کی تصویر تو نہیں بن سکتی نا۔ مثلاً۔۔۔۔ خیر چھوڑو اسے۔۔۔ یہ بتاؤ کہ۔۔۔۔ (پھر جیسے ارادہ بدل لیتی ہے) ہمارا گھر کیسا لگا تمہیں۔

یاسمین : (جیسے اس غیر متوقع سوال سے کچھ حیران سی ہو جاتی ہے) گھر۔ جی۔ بہت اچھا ہے۔۔۔۔ چھوٹا سا، خوبصورت صاف ستھرا۔

ماں : (ہنستے ہوئے) سوائے اس اُلو کے کمرے کے! ایک چیز نہیں رکھتا ٹھکانے سے۔۔۔۔ اللہ بخشے اس کے ابا مرحوم کی بھی بالکل یہی عادت تھی۔۔۔۔

یاسمین : آپ کے۔۔۔۔ HUSBAND۔۔۔۔!

ماں : وہ فوت ہو چکے ہیں بیٹی۔۔۔۔ فرخ اُس وقت تین سال کا تھا۔

یاسمین : اوہ۔۔۔۔ آپ واقعی بڑی باہمت ہیں۔

ماں : ہمت و قت کیا ہے بیٹی — بس..... قسمت میں یوں ہی لکھا تھا۔

یاسمین : پھر بھی..... آپ — میرا مطلب ہے آپ اب بھی اتنی گریس فل اتنی سمارٹ ہیں.....
اس وقت تو..... لیکن آپ نے فرخ کے لیے سب کچھ SACRIFICE کر دیا اپنا۔

ماں : (اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہے جس کی وجہ سے یاسمین گھبرا کر نظریں چراتی ہے) شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔ اسی لیے مجھے ہر وقت فکر رہتی ہے کہ کہیں میری یہ ریاضت رائیگاں نہ ہو جائے۔

(یاسمین اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر چپ سی ہو جاتی ہے۔ فرخ ماحول کی سنجیدگی سے گھبرا کر بات بدلنے کی کوشش کرتا ہے۔)

فرخ : آؤ تمہیں اپنا کمرہ دکھاؤں۔

(یاسمین اُلجھی ہوئی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتی ہے ماں کی طرف دیکھتی ہے جو مسکراتی ہے۔)

ماں : ہاں ہاں جاؤ.....

(ماں مسکراتے ہوئے اُنہیں جاتے دیکھتی ہے پھر اُس کے چہرے کے تاثرات آہستہ آہستہ بدلتے ہیں۔ وہ جیسے گہری سوچ میں پڑ جاتی ہے۔)

سین نمبر ۴

(حویلی کا ڈرائنگ روم حشمت حقّے کے لمبے لمبے کش لے رہا ہے۔ آنکھوں سے الجھن کے آثار نمایاں ہیں چند قدم دور نیاز علی بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا ہے اُس کی مٹھیاں بھینچی ہوئی ہیں چہرے سے سخت تناؤ کا اظہار ہو رہا ہے حشمت حقہ ایک طرف رکھ کر چند لمحے نیاز علی کی طرف دیکھتا ہے۔)

حشمت : تحمل سے کام لے نیاز علی..... غصّے میں آدمی کی عقل کام نہیں کرتی۔

نیاز علی : (غصّے کو دباتے ہوئے) ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے میاں جی — جواب تو مجھے دینا پڑتا ہے نا گاؤں والوں کو۔

حشمت : کون جمیا ہے اس گاؤں میں تجھ سے جواب لینے والا۔ کسی میں جرأت ہے اتنی کہ اس حویلی کی طرف آنکھ اٹھا کے دیکھ سکے۔ ادھر آ۔ ارمان (آرام) سے بیٹھ کے میری بات سُن۔ تیرے جیسے خاندانی جاگیردار کو اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

نیاز علی : یہ چھوٹی بات نہیں ہے میاں جی۔ انور نے پہلے نتھو چوکیدار کی لڑکی اٹھوائی، پھر زبردستی اُس کا نکاح اپنے کسی آدمی سے پڑھوایا اور اب اُس نے یار محمد کو صرف اس وجہ سے مار مار کے پھاوا کر دیا ہے کہ اُس نے مجھے اس واردات کی اطلاع دی تھی۔

حشمت : تُو یار محمد کے لیے اتنا فکر مند کیوں ہے۔ دو پہاڑوں کے درمیان آنے والوں کا حشر ایسا ہی ہوا کرتا ہے......

نیاز علی : پر میاں جی۔

حشمت : میں تیری جگہ ہوتا تو سب سے پہلے یار محمد کی زبان بند کرتا.... انور تیرا بھائی ہے۔ تجھے اُس کے خلاف بات نہیں سننی چاہیئے۔

نیاز علی : پر میاں جی.... اُس بے چارے نے تو مجھے وہی بتایا تھا جو انور نے کیا ہے۔!

حشمت : دیکھ پُتر نیاز علی۔ انور اب جوان ہو گیا ہے۔ اور جوانی بڑی اتھری ہوتی ہے...... جب دریا میں پانی آتا ہے تو اُس کے آگے ٹکے نہیں لگاتے اُس کو ادھر اُدھر نہروں میں ڈال دیتے ہیں.... نہریں کم پڑیں تو اسے ایسے علاقوں میں چھوڑ دیتے ہیں جہاں زیادہ جائیداد نہیں ہوتی..... اس کو شہروں میں سے نہیں گزارتے.... سمجھ رہا ہے میری بات ۔!!

نیاز علی : جی!

حشمت : یار محمد کو اگر دو چار ہاتھ پڑ گئے ہوتے تو کوئی قیامت نہیں آ گئی۔ میں سمجھا دوں گا انور کو۔

نیاز علی : اب زمانہ بدل گیا ہے میاں جی، ماسٹر جی مجھے بتا رہے تھے کہ جیلے کی دوکان پر کل بہت سارے لوگ جمع تھے۔ علم دین نے کہیں نتھو کمہار اور یار محمد کو کہا ہے کہ اگر وہ تیار ہوں تو وہ اپنے وکیل بیٹے سے کہہ کر انور پر کیس کرا سکتا ہے۔

حشمت : (غصے سے اٹھتے ہوئے) بیلنے میں ڈال کر پسوا دوں گا دونوں باپ بیٹوں کو۔ ٹوٹے کر کے نہر میں پھنکوا دوں گا..... کتے چھڑا دوں گا دونوں پہ۔

نیاز علی : یہ اتنا آسان نہیں ہے میاں جی۔

حشمت : اوئے۔ تجھ پر بھی اپنے چاچے کا سایہ پڑ گیا ہے۔ شملے اُچے رکھنے ہوں تو اُس کے لیے جگرا بھی شیر کا رکھنا پڑتا ہے۔ اگر اس عمر میں مجھے علم دین کمہار سے ڈر کے رہنا پڑے تو لعنت ہے میری زندگی پہ۔ تو ہٹ جا بیچ میں سے..... میں دیکھوں گا کون اٹھاتا ہے انور پہ انگلی۔

نیاز علی : پر غلطی تو انور کی ہے میاں جی!

حشمت : غلطی ہو جائے تو اُس کو مان کر دوسری غلطی نہیں کیا کرتے نیاز۔ انور ہمارا پینتر ہے.... اُس کو منع کرنے کا حق صرف ہم کو ہے ۔ آج ان لوگوں کو اپنا دامن پکڑنے دے گا تو کل کو یہ تیرے گریبان پہ ہاتھ ڈال دیں گے۔

نیاز علی : (میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں۔؟
حشمت : تو کچھ مت کر..... جو کوئی شکایت لے کر آئے اُسے میرے پاس بھیج دینا۔
(بخشو دروازے سے جھانکتا ہے۔)
کیا بات ہے بخشو۔
بخشو : (اندر آتے ہوئے) کچھ نہیں چوہدری۔ حقہ دیکھنے آیا تھا.... کر لاؤں تازہ....
حشمت : (ایک کش لے کر نال پیچھے ہٹاتا ہے) کر لا۔
(بخشو حقہ لے کر مڑتا ہے ایک دم رکتا ہے۔)
بخشو : چوہدری جی.... پیچھے..... وہ جی.... تہ خانے والا کچھ بیمار لگتا ہے جی۔
حشمت : کیا ہوا ہے اُسے۔
بخشو : روٹی نہیں کھاتا جی — سویرے میرا ہاتھ لگ گیا تھا جی اُسے.... تندور کی طرح تپ رہا تھا۔
حشمت : اوہ..... یہ حقہ رکھ دے — چل پہلے دروازہ کھول.... میں ابھی آتا ہوں۔
بخشو : اچھا جی۔
(جلدی سے حقہ رکھ کر جاتا ہے۔)
نیاز علی : یہ تہ خانے میں کون میاں جی۔
حشمت : (عیاری سے مسکراتے ہوئے) ہے ایک.... بتاؤں گا تمہیں وقت آنے پر۔
نیاز علی : کتنے ہی سال ہو گئے ہیں اسے یہاں؟
حشمت : اس دسمبر میں بتیس سال ہو جائیں گے۔
نیاز علی : اوہ۔ میں بھی آؤں آپ کے ساتھ۔
حشمت : نہیں۔ ابھی نہیں..... مقابلہ صرف میرا اور اُس کا ہے.....
نیاز علی : مگر وہ ہے کون؟
حشمت : جس دن وہ اپنی ہار مان لے گا اُس دن تمہیں سب کچھ پتہ چل جائے گا۔
(نیاز علی کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں کندھے جھٹکتا ہے۔)

سین نمبر ۵

(ایک تاریک تہ خانہ — لالٹین کی روشنی میں حشمت سیڑھیاں اُترتا ہے اُس کی کوگو نجیلی آواز سنائی دیتی ہے۔)
حشمت : تو باہر ہی رہ بخشو۔

بخشو : اچھا چودھری صاحب۔

(حشمت چند قدم اُترتا ہے زنجیریں چھنکنے کی آواز آتی ہے کمرے کے تاریک گوشے میں کوئی شخص زنجیروں میں لپٹا ہے جس کی صورت دکھائی نہیں دیتی صرف ہیولا نظر آرہا ہے، حشمت اُس آدمی سے چند قدم کے فاصلے پر رک جاتا ہے۔ لالٹین کسی چیز پر رکھتا ہے۔

حشمت : (طنز آمیز حلیمی کے ساتھ) سنا ہے بیمار شمار ہو کچھ۔

(اندھیرے میں زنجیریں زور زور سے ہلتی ہیں پھر ایک برتن اڑتا ہوا حشمت کی طرف آتا ہے دیوار سے لگ کر گرتا ہے۔ حشمت کا چہرہ ایک دم تن جاتا ہے مگر پھر جذبات پر قابو پا کر مضحکہ اُڑانے والے انداز میں ہنستا ہے۔)

نشانہ تمہارا ابھی تک کچا ہے شیر محمد۔

شیر محمد : (غصے اور بخار سے کانپتی ہوئی آواز میں بولتا ہے) دفع ہو جا..... دور ہو جا یہاں سے.....

حشمت : میں تمہاری خبر لینے آیا ہوں شیر محمد..... بخشو بتا رہا تھا تمہیں بخار ہے..... لاؤ ذرا دیکھوں۔

(زنجیریں پھر زور سے ہلتی ہیں اور ایک اور برتن اڑتے ہوئے حشمت کو لگتا ہے حشمت وہیں رک جاتا ہے۔)

شیر محمد : خبردار۔ مجھے اپنے ناپاک ہاتھ مت لگانا۔

حشمت : مر جاؤ گے شیر محمد۔

شیر محمد : مر تو میں اُسی دن گیا تھا جب تم نے میرے اعتماد کا خون کیا تھا..... اب تو میں لکھی ہوئی عمر پوری کر رہا ہوں..... مجھے تجھ سے بھیک نہیں چاہیئے۔ مجھے تنہا چھوڑ دے۔

حشمت : ضد چھوڑ دے شیر محمد ــــــ بتیس سال میں تو درخت اپنی جڑیں چھوڑ دیتے ہیں۔ اب تو دنیا میں کوئی تیرا نام لینے والا بھی نہیں۔ اب کس کے لیے یہ ضد کر رہا ہے۔

شیر محمد : میرے بچے نہیں رہے تو کیا ہوا اس قوم کے سب بچے میرے بچے ہیں۔

حشمت : ہڈیاں گل گئیں ہیں تیری، مگر مکالمے اب بھی سٹنٹ فلموں والے بولتا ہے۔ میری بات مان لے شیر محمد۔ اب بھی وقت ہے..... میں تیرا علاج کراؤں گا، تجھے دنیا بھر کی نعمتیں خرید دوں گا۔

شیر محمد : (ہذیانی انداز میں ہنستا ہے) تو مجھے خرید کے دے گا..... تو..... جو کتوں کی طرح بتیس برس سے میری بوٹیاں نوچ رہا ہے۔

حشمت : (غصے سے اٹھتے ہوئے) شیر محمد۔ (اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے) مجھے غصہ

ز دلایا کر شیر محمد۔ کہیں ایسا نہ ہو ایک دن مجھے سچ سچ تجھ پر کتے چھوڑ نے پڑیں۔

شیر محمد : تیرے مقابلے میں مجھے وہ بھی منظور ہے۔

حشمت : (ایک دم لالٹین اُٹھا کر مڑتا ہے۔ سیڑھیاں چڑھتا ہے) اچھا اگر تیری یہی مرضی ہے تو پھر یہی سہی۔

(شیر محمد ہنستا ہے جب حشمت خان کمرے سے نکل جاتا ہے تو اس کی آواز آہوں اور کراہوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔)

سین نمبر ۶

(جیلے چائے والے کی دکان پر ماسٹر منظور علی۔ فضل کریم۔ خدا بخش۔ مہنگا بخشو اور چند دوسرے لوگ بیٹھے ہیں۔ ماسٹر انہیں اخبار پڑھ کر سنا رہا ہے سب لوگ بڑی توجہ سے سُن رہے ہیں۔)

ماسٹر : جواہرات کی دکان پر ڈاکہ۔ مسلح ڈاکو مالک دکان کو زخمی کر کے چار لاکھ روپے مالیت کے زیورات اُٹھا لے گئے۔ لکھا ہے۔ کل یہاں شہر کے بارونق علاقے میں دن دہاڑے مسلح ڈکیتی کی ایک واردات ہوئی جس میں مسلح ڈاکو دکان کے مالک حاجی ابراہیم کو زخمی کر کے چار لاکھ روپے کی مالیت کے زیورات لوٹ لے گئے۔ پولیس رپورٹ کے مطابق ڈاکو ایک نیلے رنگ کی گاڑی میں سوار ہو کر آئے دو ڈاکو دکان کے باہر سٹین گنیں تان کر کھڑے ہو گئے اور تین ڈاکو دکان کے اندر گھس گئے۔ انہوں نے ٹیلی فون کی تاریں کاٹ دیں۔ دکان میں موجود ملازموں کو دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونے کا حکم دیا اور شوکیس میں سے تمام جواہرات اور کیش بکس میں سے تقریباً نو ہزار روپے کی رقم تھیلیوں میں ڈال کر لے گئے۔ دکان کے مالک ابراہیم نے شور مچانے کی کوشش کی تو اُسے بندوق کے بٹ مارے گئے جس سے اُس کے جبڑے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ تا حال ملزموں کا کوئی سراغ نہیں مل سکا پولیس تفتیش کر رہی ہے۔

چائے والا : ماسٹر جی یہ ہر خبر کے آخر میں پولیس تفتیش ہی کیوں کرتی رہتی ہے پکڑتی کیوں نہیں ان چوروں اور بدمعاشوں کو۔

مہنگا : تو یہ بھی کوئی بات ہے۔ بھئی پولیس کا کام ہی تفتیش کرنا ہوتا ہے۔ اب تمہارا کام چائے بنانا ہے تو تم چائے ہی بناؤ گے نا۔۔۔۔ کوئی ٹریکٹر تو نہیں چلاؤ گے نا کھیتوں میں۔

چائے والا : دیکھا ماسٹر جی یہ مہنگا پھر مجھے چھیڑ رہا ہے۔

ماسٹر : (سرزنش کے انداز میں) تجھے کتنی مرتبہ سمجھایا ہے۔ مہنگے زمین کی بات کر کے جیلے کو مت ستایا کر۔

بخشو : پر ماسٹر جی۔ اس سے یہ تو پوچھیں اسے اتنی تکلیف کیا ہے زمین نہ ہونے کی۔ ہمارے

پاس بھی تو کوئی زمین نہیں ہے۔ ہم تو کبھی اس کی طرح گڑگڑ گڑگڑ نہیں کرتے۔

ماسٹر : ہر آدمی میں کوئی نہ کوئی کمزوری ہوتی ہے۔ اب اگر چیلے کی کمزوری زمین ہے تو تم کیوں اعتراض کرتے۔

مہنگا : اس کا تو دماغ خراب ہے۔ پندرہ بیس روپے روز کی اس کی آمدن ہے۔ یہ ہوٹل ہے۔ گھر ہے۔ پر اس کے پیٹ میں ہر وقت زمین کے مروڑ اُٹھتے رہتے ہیں۔ کیا ہے زمین میں

چائے والا : (خواب ناک انداز میں) سب کچھ زمین ہی میں تو ہے۔ عزت۔ آبرو۔ مقام۔ سفید پگڑی۔ اونچی مونچھیں.....

بخشو : یہ سب نام ہی نام ہے چیلے۔ تو اللہ کا شکر ادا کیا کر۔ اس نے تجھے ہزاروں سے اچھا رکھا ہے۔

چائے والا : تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی یہ بات۔

(اشتیاق سے)

ماسٹر جی ذرا دیکھو کہیں کوئی زمین کی بھی خبر ہے۔ میرا مطلب ہے کہیں اگر سستی مل رہی ہو تو.....

خدابخش : زمین تو جن کی طرح چمبڑ گئی ہے تجھے..... چائے پلا جلدی ہے۔

(علم دین کمہار سادہ کپڑوں میں ملبوس آتا ہے مگر اس نے ایک خاصی قیمتی چادر لپیٹ رکھی ہے۔)

آؤ آؤ چاچا علم دین جی کیا حال ہے ادھر بیٹھو۔ کدھر جا رہے ہو۔ بڑے ٹوہر نکالے ہوئے ہیں آج۔

علم دین : السلام علیکم۔

سب : وعلیکم السلام۔

علم دین : شہر جا رہا تھا محمد رشید کے پاس۔

ماسٹر : وہ خیریت سے ہے نا۔

علم دین : بالکل۔ اللہ کے فضل سے سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ اُس نے دفتر بنایا ہے نا وہاں نیا۔ مجھے بلوایا ہے۔ اس کے لیے..... وہ کیا کہتے ہیں یار..... بھئی وہ یہ نہیں آتی اخباروں میں فوٹو..... وہ جس میں رسی کاٹ کر شروع کرتے ہیں کچھ.....

ماسٹر : رسم افتتاح۔

(مہنگا اور بخشو دونوں "رسم افتتاح" کے الفاظ بولنے کی ناکام کوشش

کرتے ہیں ۔)

مہنگا : بڑی واہیات رسمیں ہوتی ہیں شہروں میں ۔

بخشو : شہروں کی بھلی پوچھی ہے تم نے ۔ وہاں تو قتل کی بھی رسم کرتے ہیں ۔ اس دن پڑھا تھا ناماسٹرجی آپ نے اخبار سے ۔ ۔ ۔ وہ جو چک چونتی (۳۴) کے چوہدری مرید بخش کی خبر آئی تھی ۔

ماسٹر : (بات ٹالتے ہوئے) ہاں ہاں ۔ اچھا بھائی ۔ علم دین تمہیں بہت بہت مبارک ہو ۔

علم دین : مبارک تو آپ کو ہے ماسٹرجی آخر وہ شاگرد (شاگرد) تو آپ ہی کا ہے ۔

ماسٹر : (دبے دبے افتخار سے ہنستے ہوئے) بھئی یہ تو اس کی اپنی محنت ہے ورنہ ۔ ۔ ۔ ۔

مہنگا : ورنہ شاگرد تو میں اور بخشو بھی ماسٹر صاحب ہی کے ہیں ۔

علم دین : محمد رشید بتا رہا تھا کہ ہمارے گاؤں کو علاقہ خالی کرنے کا نوٹس بس ملنے ہی والا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ میں تو سوچ رہا ہوں کیوں نا محمد رشید کے پاس ہی ڈیرا لگا لوں ۔ یہاں اور ہے بھی کون ۔ ایک میں اور ایک میری بڈھری ۔

ماسٹر : اللہ سب کو محمد رشید جیسی سعادت مند اولاد دے ۔ ہاں اس سے یار محمد اور نتھو والی بات ضرور کرنا ۔

(علم دین ڈری ہوئی نظروں سے بخشو اور مہنگے کی طرف دیکھتا ہے ۔)

علم دین : دفعہ کرو ماسٹرجی ۔

ماسٹر : (حیرت سے) یہ تم کہہ رہے ہو بھائی علم دین ۔ تم تو اس دن کہہ رہے تھے کہ ۔

علم دین : (آنکھ سے بخشو اور مہنگے کی طرف اشارہ کرتا ہے) دراصل بڑے چوہدری صاحب سے میری بات ہوئی تھی انہوں نے کہا ہے وہ چوہدری انور کو اچھی طرح سمجھا دیں گے ۔ آئندہ وہ ایسی حرکت نہیں کرے گا ۔

ماسٹر : (اس کا اشارہ نہیں سمجھتا) مگر بھائی علم دین ۔ ۔ ۔ ۔

علم دین : (واضح اشارہ کرتا ہے) یہ مہنگا اور بخشو بھی وہیں تھے ۔ ان کے سامنے کہا تھا چوہدری صاحب نے ۔

ماسٹر : (سمجھتے ہوئے) اوہ ۔ ۔ ۔

(مہنگا اور بخشو ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہیں ۔ فضل کریم اخبار ماسٹر کو دیتا ہے ۔)

فضل کریم : کوئی اور خبر سناؤ ماسٹرجی ۔

بخشو : پر کوئی ایسی سُنانا جس میں پولیس ابھی تک تفتیش نہ کر رہی ہو۔

منگا : تفتیش سے اس کی بہت جان جاتی ہے۔

بخشو : جان کیوں نہ جائے۔ پچھلے سال میرے سالے کی چھ ککڑیاں چوری ہو گئیں۔ پولیس تفتیش کرنے کے لیے آئی۔ اس نے بیان لکھوایا کہ اُس کی دس مرغیاں چوری ہوئی ہیں۔ تھانے دار نے کہا پر مجھ کو تو پتہ چلا ہے کہ تمہاری چھ مرغیاں چوری ہوئی ہیں۔ میرے سالے نے کہا جناب چوری تو چھ ہوئی ہیں باقی چار آپ کی تفتیش میں خرچ ہو جائیں گی۔ اس لیے ایک ہی ساتھ دس لکھو۔

(سب لوگ زور زور سے ہنستے ہیں۔)

ماسٹر : تو بڑا شیطان ہے بخشو۔

بخشو : (عاجزی سے) آپ کا شاگرد ہوں ماسٹر جی۔

(اس پر ایک بار پھر سب لوگ ہنستے ہیں۔)

سین نمبر ۲

(کھلے صحن میں چاند کی روشنی میں سید گل اور دلاور اپنی اپنی چارپائیوں پر لیٹے ہیں۔ دلاور کسی گہری سوچ میں ہے۔ سید گل غور سے اُس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ دلاور سگریٹ پی رہا ہے۔ سگریٹ کا گل اس کی قمیض پر گرتا ہے۔ دلاور ہڑبڑا کر اٹھتا ہے۔ سید گل کی طرف دیکھ کر خفت سے مسکراتا ہے۔ دوبارہ لیٹ جاتا ہے۔ سید گل اٹھ کر اپنی چارپائی پر بیٹھتا ہے۔ چارپائی گھسیٹ کر اُس کے قریب کرتا ہے۔ اس پر بیٹھ کر دلاور کی طرف دیکھنے لگتا ہے۔ دلاور اُس کی نظروں سے گھبرا کر مسکراتا ہے۔)

دلاور : کیا بات ہے بھائی سید گل کیا دیکھ رہے ہو۔

سید گل : کچھ نہیں بھائی دلاور ایک خیال آرہا تھا دِل میں۔

دلاور : کیا؟

سید گل : یہی کہ.... میری بات کا بُرا نہ ماننا۔

دلاور : (اٹھ کر بیٹھتے ہوئے) ایسی کیا بات ہے بھائی سید گل؟

سید گل : اتنے دنوں سے میں تمہیں دیکھ رہا ہوں لگتا ہے جیسے.... جیسے تم بہت پریشان ہو.... ہر وقت کھوئے کھوئے سے رہتے ہو۔ کیا ہے.... میں تمہاری کچھ مدد کر سکتا ہوں۔ لگتا ہے جیسے تمہیں کسی چیز کی تلاش ہے؟

دلاور : تم ٹھیک سمجھے ہو بھائی سید گل میں یہاں ایک آدمی کی تلاش میں آیا ہوں۔

سید گل : فتح شیر کی!

دلاور : (چونک کر) تمہیں کیسے پتہ چلا۔

سید گل : یہ گاؤں اتنا بڑا نہیں ہے بھائی دلاور۔ یہاں صبح کسی سے بات کرو تو سورج ڈوبنے سے پہلے آدھے گاؤں تک پہنچ جاتی ہے۔ کون ہے یہ فتح شیر۔ اور تم کیوں ڈھونڈ رہے ہو اسے۔

دلاور : فتح شیر۔ یہ میرا دشمن ہے بھائی سید گل۔ میرا سب سے بڑا دشمن۔

سید گل : مگر یہاں تو اس نام کا کوئی آدمی نہیں۔

دلاور : (افسوس کی سانس بھر کر) ہاں۔ مگر مجھے کسی نے بتایا تھا کہ اس نے فتح شیر کو اسی علاقے میں دیکھا تھا۔

سید گل : کب؟

دلاور : کوئی تین چار برس ہوئے۔

سید گل : تین چار سال تو بہت ہوتے ہیں بھائی دلاور۔

دلاور : بس یہی ایک سراغ ملا ہے مجھے۔

سید گل : کیا کام ہے تمہیں اس سے۔

دلاور : کام.... میں نے اُسے قتل کرنا ہے بھائی سید گل۔

سید گل : قتل؟

دلاور : ہاں۔ اور اگر میرے بس میں ہو تو میں اُسے ہزار دفعہ زندہ کروں اور قتل کرتا جاؤں۔

سید گل : اوہ۔ کیا تم مجھے اپنی کہانی سنانا پسند کرو گے؟

دلاور : میری کہانی۔ میری کہانی بہت مختصر ہے بھائی سید گل۔ بس مجھے اس زمین سے ایک آدمی کا بوجھ کم کرنا ہے۔ اس کے بعد۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔

سید گل : مگر کیوں۔ کون ہے یہ فتح شیر۔ اور تم۔ تم کون ہو۔ کہاں سے آئے ہو۔

دلاور : گیارہ سال سے میں یہ بوجھ اپنے سینے پر لیے پھر رہا ہوں۔ اب تو سوائے فتح شیر کے مجھے کچھ بھی ٹھیک سے یاد نہیں رہا۔ میں لاہور میں ایل ایل بی میں پڑھ رہا تھا۔ ہم دو بھائی تھے ابا جان میرے بچپن میں فوت ہو چکے تھے۔ ایک دن جب میں کالج سے اپنے ہاسٹل آیا تو مجھے ایک ٹیلی گرام ملا جس میں مجھے فوراً گاؤں پہنچنے کے لیے کہا گیا تھا۔ میں فوراً پہلی گاڑی سے گاؤں روانہ ہو گیا۔ اس وقت میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ سفر شہر سے گاؤں کا نہیں بلکہ وکیل سے مجرم تک کا ہو گا۔

قسط نمبر ۶

سین نمبر ۱

(دلاور کے چہرے پر ریل گاڑی سپرامپوز ہوتی ہے۔ اُس کے سنجیدہ چہرے سے سید گل پر کٹ کرتے ہیں جو سوالیہ نظروں سے دلاور کی طرف دیکھ رہا ہے۔ دلاور اپنے خیالوں میں گم ہے۔)

سید گل : پھر کیا ہوا بھائی دلاور۔

دلاور : (چونک کر) ہوں.... ہیں ۔۔ پھر۔ میں گھر پہنچا تو میرا بڑا بھائی سکندر بیٹھک میں زخمی پڑا تھا۔ سارے رشتے دار برادری والے اُس کے گرد جمع تھے۔ تھوڑی دیر تو میری کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ ہر طرف شور تھا سب لوگ اُونچی اونچی بول رہے تھے۔

سین نمبر ۲

(ایک کھاتے پیتے زمیندار گھرانے کی دیہاتی بیٹھک، جدید اور قدیم ملا جلا فرنیچر مختلف عمروں کے آٹھ دس دیہاتی کمرے ہیں اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ سکندر ایک پرانی طرز کے صوفے پر نیم دراز ہے اوپری بدن سے ننگا ہے۔ ایک بازو پر بڑی سی پٹی بندھی ہے جس پر خون کے دھبے ہیں۔ بازو اس نے کپڑے میں لٹکا یا ہوا ہے۔ اُس کے چہرے سے تکلیف اور غصے سے ملے جلے آثار ظاہر ہیں۔)

ایک نوجوان دیہاتی : قسمے رب دی چاچا، میں نے بہت روکا تھا بڑے واسطے دیئے تھے کہ مجھے گاؤں والوں کو خبر کر لینے دے۔ پر یہ تو بالکل بے تر دل ہو رہا تھا۔ مجھ سے کہنے لگا تو بھی چلا جا یہ معاملہ عزت کا ہے میں اکیلا ہی جاؤں گا۔

بوڑھا دیہاتی : پر پتر منظورے.... تجھے چاہیئے تھا کہ فوراً آ کر ہم کو خبر کرتا، چوہدری حیات محمد کو اطلاع دیتا۔ یہ تو اللہ کا شکر گولی اس کے بازو پر ہی لگی ہے۔ اگر منڈے کو کچھ ہو جاتا تو پھر....

منظور : (شرمندگی آمیز لہجے میں) بس چاچا اُس وقت میری سمجھ میں یہی آیا کہ جو بھی ہو مجھ کو

چوہدری سکندر کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ بس اس کے پیچھے چلا گیا۔

(کٹ کر کے سکندر کے چہرے پر جاتے ہیں جو دروازے میں کھڑے دلاور کو دیکھتا ہے۔ دلاور شدید پریشانی کے عالم میں دروازے میں کھڑا ہے سکندر اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کرتا ہے۔ دلاور تیزی سے بڑھ کر اس کو سنبھالتا ہے۔ چند لمحوں کی خاموشی اس کے بعد لوگ پھر بولنا شروع کر دیتے ہیں۔)

سکندر : (محبت سے دلاور کو گلے لگا کر) تو کب آیا دلاور۔

دلاور : ابھی پہنچا ہوں یہ۔ یہ سب کیا ہے.... یہ زخم کیسا ہے ؟

حیات محمد : (آگے بڑھ کر) دشمنوں نے وار کر دیا تیرے بھائی پر۔

دلاور : (اُٹھ کر حیات محمد سے ہاتھ ملاتا ہے) سلام علیکم چاچا جی۔

حیات محمد : (کندھا تھپکتے ہوئے) جیوندا رہو۔ جیوندا رہو۔

دلاور : (پریشانی کے عالم میں) دشمن ... کون دشمن چاچا جی، ہماری تو کسی سے دشمنی نہیں۔

حیات محمد : دشمنیاں موسمی پھل کی طرح ہوتی ہیں پُتر۔ جب ان کا موسم آتا ہے۔ تو یہ خود بخود اُگ آتی ہیں۔

ایک آدمی : چوہدری سکندر پر نور پور کے ذیلداروں نے حملہ کیا ہے۔ چھوٹے چوہدری جی۔

دلاور : (شدید حیرت سے) نور پور کے ذیلداروں نے، پر.... وہ تو ــــ وہ تو سوہرے ہیں بھا سکندر کے۔

دوسرا دیہاتی : یہی تو چکر ہے سارا۔ ذیلداروں کا فتح شیر چوہدری صاحب کی منگ کو.... اغوا کر کے لے گیا ہے۔

سکندر : (غصے سے دھاڑتے ہوئے) نورا۔ (نورا سہم کر پیچھے ہٹتا ہے)

نورا : (دوسرا دیہاتی) میں تو چھوٹے چوہدری صاحب کو واردات سنا رہا تھا جی۔

دلاور : فتح شیر، بھا سکندر کی منگ کو اٹھا کر لے گیا ہے ــــ کون ہے یہ فتح شیر...

حیات محمد : میں بتاتا ہوں تجھے.... بیٹھ اِدھر فتح شیر چوہدری اسلم کا پُتریا (بھتیجا) ہے۔ اُس کے بڑے بھائی اکرم کا پُتر ہے۔

دلاور : مگر.... چاچا جی ــــ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ فتح شیر اپنے سگے چاچے کی لڑکی کو اٹھا کر لے گیا ہے۔ کیوں؟ اگر وہ اُس سے شادی کرنا چاہتا تھا تو ــــ کیا مشکل تھی اُسے۔

حیات محمد : مشکل یہ تھی کہ پُتر دلاور کہ چوہدری اسلم اور اُس کے بڑے بھائی کے درمیان جائداد کا تنازعہ چل رہا تھا کئی سالوں سے مقدمے بازی ہو رہی ہے۔ دونوں بھائیوں میں بول چال بند ہے۔

دلاور : اوہ ۔

حیات : سکندر کو اس بات کا پتہ چلا وہ اکیلا ہی اُن کے گاؤں پہنچ گیا۔ وہاں فتح شیر کے باپ اور بھائیوں سے تلخ کلامی میں بات بڑھ گئی۔ انہوں نے فائرنگ کر کے اُسے زخمی کر دیا۔

بوڑھا دیہاتی : بڑی غلطی کی چوہدری سکندر نے۔ ایسے موقعوں پر آدمی کو کبھی اکیلے نہیں جانا چاہیئے

تیسرا دیہاتی : چار آدمی ساتھ ہوں تو اگلے کو بھی ہتھیار اُٹھانے سے پہلے دس مرتبہ سوچنا پڑتا ہے

ایک جوشیلا نوجوان : (بندوق لہرا کر) میں کہتا ہوں ہم انتظار کس کا کر رہے ہیں۔ سونہ اے موتیاں والی سرکار دی۔ جے فتح شیر تے اُس کے سارے ٹبّر (خاندان) کو خوش نہ کر دوتا۔ تو میرا نام چھیما ماچھی نہیں آؤ میرے ساتھ۔

دلاور : (ہاتھ کے اشارے سے اُسے روکتے ہوئے) آرام سے۔ ۔ ۔ ۔ پتہ تو چلنے دو قصہ کیا ہے۔

جوشیلا نوجوان : کمال کرتے ہو یار چھوٹے چوہدری صاحب۔ دشمنوں نے تمہارے بھائی کا بازو توڑ دیا ہے۔ اور تم بیٹھے ابھی سوچ بچار ہی کر رہے ہو۔

نورا : یہی تو مصیبت ہے اس شہری تعلیم کی ۔

(دلاور اُسے گھور کر دیکھتا ہے۔ نورا نظریں چرا لیتا ہے ۔)

دلاور : کیا قصہ ہے بھا سکندر۔

سکندر : چاچے نے بتایا تو ہے تمہیں ــــ فتح شیر میری منگ زہرہ کو اٹھا لے گیا ہے۔ اب ہمارے پاس دو ہی راستے ہیں یا تو میں بے غیرت بن کر منہ لپیٹ لوں اور اپنی عزت کا جنازہ اُٹھتے دیکھوں۔ اور یا (دبے ہوئے طیش کے ساتھ) یا اُس فتح شیر کے ٹوٹے کر دوں۔

دلاور : چوہدری اسلم صاحب کیا کہتے ہیں ۔

سکندر : اُن سے تو میری ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ اور اُن بے چاروں نے کیا کہنا ہے۔ جسکی لڑکی اغوا ہو جائے وہ بولنے کے قابل کہاں رہتا ہے ۔

دلاور : تو اب تم نے سوچا ہے کہ ــــ نور پور پہ حملہ کیا جائے ۔

سکندر : (طنزیہ انداز میں بھائی کی طرف دیکھتا ہے) تمہارے خیال میں کیا کرنا چاہیئے مجھے۔ ۔ ۔ ۔

دلاور : نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا بھا سکندر۔ دراصل میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ نور پور حملہ کرنے کا فائدہ کیا ہے ۔

(سکندر اُسے ایک شدید ناراضگی کی لُک (LOOK) دیتا ہے ۔

جوشیلا جوان : کمال کرتے ہو تم یار چوہدری دلاور۔ اب کیا ہم ہاتھوں میں چوڑیاں پہن کر بیٹھ جائیں ۔

ایک دیہاتی اعزت کھونے سے تو بہتر ہے آدمی اپنی زندگی لٹا دے۔

حیات محمد : یہ کیسی باتیں کر رہے پُتر دلاور۔ یہ ہماری آبرو کا سوال ہے۔

دلاور : پر چاچاجی، ہماری دشمنی یا لڑائی تو آدمی سے کیا نام بتایا تھا آپ نے ــــ

نورا : فتح شیر۔

دلاور : فتح شیر سے ہے۔ پورے گاؤں سے دشمنی لینا کوئی عقلمندی کی بات تو نہیں۔

سکندر : (طنزیہ انداز میں) تو تمہارے خیال میں وہ فتح شیر کے پاؤں ہاتھ باندھ کر اُسے ہمارے حوالے کر دیں گے۔

دلاور : میرا یہ مطلب نہیں ــ دیکھئے۔ اچھا یہ بتائیں وہ آدمی فتح شیر نور پور ہی میں ہے۔

نورا : اُس کا تو کچھ پتہ نہیں۔ لڑکی کو لے کر کہیں مفرور ہو گیا ہے۔

سکندر : (نفرت سے) مفرور وغیرہ کچھ نہیں ہوا اُس کے باپ اور بھائیوں نے اُسے کہیں چھپا رکھا ہے۔

دلاور : تم نے بات کی تھی اُن سے۔

سکندر : ہاں ــ اُس کا باپ تو قسمیں کھاتا ہے کہ اُس کو کچھ پتہ نہیں۔ پر مجھے یقین ہے کہ سارے اندر سے ملے ہوئے ہیں۔

دلاور : (ڈرتے ڈرتے) کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم بھابی زہرہ کے باپ سے مل کر پولیس رپٹ درج کرائیں۔

جوشیلا نوجوان : (طنزیہ انداز میں) یار چھوٹے چوہدری، تم تو ایمان سے۔ سوہنے لے موتیاں آلی سرکار دی۔ خون ساڑ کے رکھ دتا اے تمہاری اس بات نے۔ پُلس کی مدد تو وہ لیتے ہیں جن میں جنھی ستھی کچھ نہ ہو۔ ہم اللہ کے فضل سے اتنے جوان ہیں۔ پنڈ کی عزت پر اگر پانچ سات ضائع ہو جائیں گے تو کونسی قیامت آجائے گی۔

دلاور : مگر کیوں۔ تم لوگ اس مسئلے کو قانونی طریقے سے کیوں نہیں حل کرتے۔ (اٹھتے ہوئے) میں جاتا ہوں نور پور۔ آج ہی تھانے میں رپورٹ درج ہو گی۔ پھر دیکھیں گے فتح شیر بچ کے کیسے نکلتا ہے۔

نورا : (بٹھاتے ہوئے) رہنے دو یار چوہدری تم باتوں کے مسئلے پولیس کے ذریعے سے نہیں ڈنڈوں کے زور سے حل ہوتے ہیں۔

(دلاور باری باری سب کی طرف دیکھتا ہے مگر سب اُسکی طرف ایسی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ جیسے وہ بہت بزدل ہو آخر میں سکندر کی طرف

دیکھتا ہے۔ اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے۔ سکندر آہستہ سے اُس کا

ہاتھ ایک طرف ہٹاتا ہے۔)

سکندر : نورے۔ تم سارے دوستوں کو امرودوں والے باغ میں آنے کو کہہ دو۔ فیصلہ آج ہی

شام ہو گا۔

سین نمبر ۳

دلاور : پر امی جی..... خدا کے واسطے میری بات آپ لوگ سمجھتے کیوں نہیں..... اس طرح بات

بہت بڑھ جائے گی.....

ماں : (ناراضگی آمیز سنجیدگی سے) یہ مردوں کا فیصلہ ہے دلاور..... مرد جو فیصلہ کرتے ہیں سوچ

سمجھ کر کرتے ہیں..... تم کیسے بھائی ہو..... ایک آدمی تمہارے بھائی کی منگ کو اٹھا کر لے گیا ہے

اور تم بیٹھے ہوئے ہمیں قانون کے سبق پڑھا رہے ہو۔

دلاور : اس لیے امی جی کہ میں قانون پڑھتا ہوں..... مجھے پتہ ہے کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں

لینے سے سوائے تباہی کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔

ماں : اب تباہ ہونے کو اور کیا باقی رہ گیا ہے! جو داغ لگنا تھا وہ تو لگ گیا..... اب

اگر ہم بدلہ بھی نہ لیں تو ساری دنیا ہم پر تھو تھو کرے گی..... طعنے مارے گی..... کھلے

کرے گی ـــــ!

دلاور : آپ کے خیال میں نورپور پر حملہ کرنے سے زہرہ ہمیں واپس مل جائے گی۔

ماں : اُسے لے کر اب ہم نے کیا کرنا ہے..... بات تو اُس عزت کی ہے جو اُس کے

ساتھ چلی گئی ہے۔

دلاور : مگر امی جی ـــــ عزت واپس لانے کا یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔

(سکندر دروازے میں آتا ہے رائفل ہاتھ میں ہے۔)

سکندر : (گہری آواز میں) دلاور..... اب یہ تقریریں بند کر دے..... تجھے کوئی ساتھ آنے کو

نہیں کہہ رہا..... جا اُدھر دانے والی کوٹھڑی میں کنڈی لگا کر چھپ جا..... ہم واپس آئیں گے

تو تمہیں وہاں سے نکال لیں گے۔

دلاور : (چہرہ اس طنز سے سرخ ہو جاتا ہے۔ غصہ دباتے ہوئے بولتا ہے) اچھا سکندر۔

مجھے غلط نہ سمجھو۔

سکندر : میرے پاس غلط اور صحیح سمجھنے کا ٹائم نہیں ہے..... بس تو مہربانی کر کے اپنی زبان

بند رکھ..... تیری بات سن کر میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے..... کاش تو میرا بھائی نہ ہوتا.....

دلاور : (گہرے غم سے) سکندر!!

سکندر : (اس کی طرف بڑھے بغیر آگے بڑھتا ہے۔ ماں کے کندھوں پہ ہاتھ رکھتا ہے) مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو مجھے معاف کر دینا ماں۔

ماں : (اس کا کندھا تھپکتی ہے) جیتے رہو میرے لال.... خدا تمہیں خیریت سے واپس لائے۔

سکندر : دعا کرنا ماں ہماری عزت کا قاتل ہمیں مل جائے.....

ماں : زہرہ کو کچھ نہ کہنا پتر......

سکندر : اچھا ماں۔

(سکندر منہ پہ ڈاٹھا کستا ہے جس سے اُس کا چہرہ چھپ جاتا ہے۔)

ماں : جا ڈُ رب راکھا۔

(سکندر جاتا ہے دلاور بے بسی سے ماں کی طرف دیکھتا ہے ماں اُسے ایک ناراض LOOK دیتی ہے اور دوسرے دروازے سے گھر کے اندر چلی جاتی ہے دلاور احساس ذلت اور غصے سے چاروں طرف دیکھتا ہے)

سین نمبر ۴

(رات کا وقت.... دلاور بے چینی سے حویلی کے صحن میں ٹہل رہا ہے کبھی پھر پریشان سا ہو کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے.... چہرے سے سخت فکر مندی کے آثار نمایاں ہیں۔ اُس پہ گولیاں چلنے کی آوازیں O/S ہوتی ہے۔ گھبرا کر چاروں طرف دیکھتا ہے.....خاموشی.....چند لمحوں بعد گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز آتی ہے تھوڑی دیر بعد نورا گھوڑے پر زخمی حالت میں آتا ہے۔ دلاور ایک دم اُس کی طرف بڑھتا ہے۔ دلاور اُسے گھوڑے سے اتارتا ہے۔ نورا کراہتا ہوا زمین پہ گرتا ہے۔)

دلاور : (گھبرائے ہوئے انداز میں) کیا ہوا.... باقی لوگ کدھر ہیں.... بھا سکندر کہاں ہے۔

نورا : (کراہتے ہوئے) وہ.... چوہدری سکندر.... وہ اُدھر.... ذخیرے کی طرف چلے گئے ہیں۔

دلاور : کیوں؟

نورا : پولیس موجود تھی جی وہاں.... بڑی نفری تھی۔

دلاور : پولیس؟

نورا : ہاں جی.... ذیلداروں نے پولیس کو پہلے سے اطلاع دی ہوئی تھی.... ابھی ہم نے

دو دو تین تین ہی راؤنڈ فائر کیے تھے کہ پولیس نے گھیرا ڈال لیا..... رحما اور نذیر تو.... گئے جی۔

دلاور : اوہ خدایا..... اسی لیے میں تم لوگوں کو منع کر رہا تھا۔

ماں : (برآمدے سے نکل کر تیز تیز چلتی ہوئی آتی ہے) کیا ہوا۔ کون ہے یہ.....

دلاور : نورا ہے امی جی.....

ماں : سکندر کہاں ہے ؟

نورا : وہ خیریت سے ہے چوہدرانی جی۔ پولیس پیچھے تھی اس لیے ذخیرے میں چھپ گئے ہیں..... کہہ رہے تھے صبح تڑکے سردار خاں وکیل کے پاس جا کر سب کی ضمانتوں کا انتظام کرا لیں۔

ماں : اچھا۔ اچھا..... (نورا اٹھ کر جانے لگتا ہے)
تم کہاں جا رہے ہو۔

نورا : میں بس آپ کو یہ اطلاع دینے آیا تھا..... اُدھر میں جاؤں گا اب....

دلاور : مگر تم تو بہت زخمی ہو....

نورا : کوئی بات نہیں جی..... لڑائی جھگڑے میں زخم تو لگتے ہی ہیں۔ تھوڑی دیر میں پولیس یہاں پہنچ جائے گی۔ میری یہاں موجودگی آپ کے لیے بھی خطرے کا باعث ہے..... میں چلتا ہوں.... وکیل کا نہ بھولیے گا۔

(نورا لنگڑاتا ہوا گھوڑا پکڑ کر جاتا ہے۔ چند لمحے خاموشی)

دلاور : (ہاتھ ملتے ہوئے) یہ بہت برا ہوا..... بہت برا.....

(ماں اُس کی طرف دیکھتی ہے سر جھکا لیتی ہے)

سین نمبر ۵

(دلاور کے گھر کی بیٹھک..... انسپکٹر پولیس، حیات محمد، چند سپاہی، دلاور اور دلاور کی ماں۔)

انسپکٹر : آپ ٹھیک کہتے ہیں چوہدری صاحب مگر..... آپ میری پوزیشن کا بھی خیال کیجیے۔ جوابی پرچے میں ایک نہیں دس کرنے کو تیار ہوں پر اُس وقت تو مجھ کو سب سے پہلے ملزموں کی گرفتاری کی ضرورت ہے۔ ڈی ایس پی صاحب نے مجھ کو چوبیس گھنٹے کی مہلت دی ہے..... میرے بھی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔

حیات محمد : آپ ہمارے بھائی ہیں شاہ جی۔ پتر ہیں ہمارے..... ہم سے جو خدمت ہو سکے گی ہم کریں گے پر یقین کریں ہم کو سکندر اور اس کے ساتھیوں کی بابت کچھ معلوم نہیں ہے جب سے اُن کی ضمانت قبل از

گرفتاری نامنظور ہوئی ہے وہ پتہ نہیں کہاں روپوش ہو گئے ہیں۔

انسپکٹر : انہیں سامنے آنا ہی پڑے گا.... ایک سو سات۔ اگر بجا (۱۵) کا کیس ہوتا تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔ پر یہ تو تین سو سات کا معاملہ ہے۔ اور کوئی پتہ نہیں تین سو دو کا ہی ہو جائے۔

حیات محمد : یہ مقدمہ جھوٹا ہے انسپکٹر صاحب۔ ذیلداروں نے سکندر کو پھنسانے کی سازش کی ہے۔

انسپکٹر : اس کا فیصلہ تو عدالت کرے گی چوہدری صاحب.... میری آپ سے اتنی عرض ہے کہ اگر آپکے علم میں ہے تو آج شام تک چودھری سکندر کو تھانے میں پیش کرا دیں..... اس کے بعد میں مجبور ہوں گا۔

(انسپکٹر اور سپاہی جاتے ہیں۔ چند لمحوں کی خاموشی۔)

ماں : (شدید پریشانی میں) اب کیا ہو گا....

حیات محمد : گھبرائیں نہیں بھابی۔ اللہ بہتر کرے گا...... میں ابھی جا کر سردار علی وکیل سے بات کرتا ہوں۔

دلاور : میں نے آپ سے پہلے بھی کہا ہے، سردار علی وکیل اچھا آدمی نہیں ہے..... وہ مقدمے سمیٹنے کی بجائے انہیں اور پھیلاتا ہے تاکہ..... میں نے اُس دن بھی کہا تھا کہ بھا سکندر اور باقی لوگوں کو مفرور نہیں ہونا چاہیئے..... مفرور بے گناہ ہو تب بھی مارا جاتا ہے.....

ماں : تو اب کیا وہ قتل ڈال لے اپنے سر پہ..... خواہ مخواہ۔

دلاور : یہ بات تو طے ہے کہ قتل ہوا ہے..... بہتر یہی ہے کہ عدالت کے سامنے سارے حالات ٹھیک ٹھیک طور پر پیش کئے جائیں..... مجھے اس میں بچت کی خاص صورت نظر آتی ہے۔

حیات محمد : اور جو ہمارے دو آدمی مارے گئے ہیں۔

دلاور : اسی حوالے سے تو بچت کی صورت نظر آرہی ہے..... اگر یہ ثابت ہو جائے کہ گولی ان دو مرنے والوں میں سے کسی نے چلائی تھی تو باقی لوگوں پر لڑائی جھگڑے دنگے فساد اور زیادہ سے زیادہ تین سو چھبیس کا کیس رہ جاتا ہے مگر سردار علی پتہ نہیں آپ کو اُلٹی پٹی پڑھا رہا ہے۔

حیات محمد : سردار علی کی پریکٹس تمہاری پوری عمر سے زیادہ ہے پُتر دلاور ــــ فوجداری مقدمے میں اُس کے پائے کا کوئی وکیل اس پورے علاقے میں نہیں ہے۔

دلاور : یہی تو ہماری بدقسمتی ہے۔

سین نمبر ۶

(دلاور ایک نہر کے کنارے بیٹھا کسی گہری سوچ میں گم ہے۔ پانی میں کنکر پھینکتا ہے۔)

سین نمبر ۷

(دروازے پر دستک کی آواز چاچی اٹھ کر دروازہ کھولتی ہے دروازے پر دلاور کھڑا ہے۔)

چاچی : آ۔ پُتر دلاور۔ آ ، لنگھ آ ، اُر

دلاور : سلام چاچی۔

چاچی : وعلیکم السلام، کہاں تھے اتنے دنوں سے تم نے شکل ہی نہیں دکھائی۔

دلاور : بس چاچی..... کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کیا کروں..... چاچا حیات کہاں ہے۔

چاچی : وہ تو صبح سے سردار علی وکیل کے ساتھ شہر گئے ہوئے ہیں۔ تم نے بھی وکالت پاس کی ہے تم کیوں نہیں لڑتے اپنے بھائی کا کیس؟

دلاور : میرا ابھی ایک امتحان رہتا ہے چاچی.....

چاچی : اچھا..... کیا پیو گے..... شہر سے آئے ہو بابا..... چائے ہی پسند ہو گی تمہیں تو.....

دلاور : نہیں چاچی۔ جی نہیں چاہ رہا.....

چاچی : سعیدہ بھی آئی ہوئی ہے دو تین دن سے..... اُس کے وہ بند ہو گئے ہیں..... وہ کیا کہتے ہیں جس میں رہتی ہیں یہ لڑکیاں..... بوٹل..... نہیں۔ اسی طرح کا کوئی لفظ ہے۔

دلاور : ہاسٹل۔

چاچی : ہاں وہی۔

دلاور : مگر کیوں..... آج کل کس بات کی چھٹیاں ہیں۔

چاچی : بڑی لمبی کہانی ہے۔

.....میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ تم خود ہی پوچھ لو.....

(اندر کی طرف منہ کر کے آواز دیتی ہے)

سعیدہ......

سعیدہ : (اندر سے آواز دیتے ہوئے) جی امی۔

چاچی : دلاور آیا ہے بیٹی۔

سعیدہ : (آتے ہوئے) اسلام وعلیکم۔

دلاور : وعلیکم سلام.....

سعیدہ : شکر ہے آپ کی شکل نظر آئی میں تو سمجھی تھی آپ گاؤں میں ہیں ہی نہیں۔

دلاور : نہیں۔ وہ دراصل..... بھا سکندر کے کیس نے اتنا پریشان کر رکھا ہے کہ..... تم سناؤ، چاچی بتا رہی تھیں کہ تم سے ہوسٹل خالی کرالیا ہے۔

سعیدہ : اجی جناب..... معلوم ہوتا ہے۔ آپ آج کل اخبار بھی نہیں پڑھتے۔

دلاور : کہا نا..... طبیعت بہت پریشان ہے۔

سعیدہ : سچ میری تو اتنی جان جاتی ہے۔ ان مقدمے بازوں سے..... پتہ نہیں یہ آپ مردوں کو کیوں اتنا مزہ آتا ہے لڑتے جھگڑتے ہیں.....

دلاور : میں تو خود اسے بہت برا سمجھتا ہوں مگر..... تمہیں پتہ ہے آج کل سارے گاؤں والے مجھے ایک بے غیرت اور بزدل انسان سمجھتے ہیں..... صرف اس لیے کہ میں نے انہیں ایک غلط کام سے روکنے کی کوشش کی تھی۔

سعیدہ : پتہ نہیں یہ جہالت کب دور ہو گی۔ کیس کس سٹیج پر ہے؟

دلاور : سٹیج تو تب ہوتا اگر یہ لوگ پیش ہو جائیں۔ فی الحال تو پولیس انہیں تلاش کر رہی ہے۔

سعیدہ : آپ سمجھائیں نا بھائی سکندر کو..... اس طرح تو وہ اپنا کیس اور خراب کر رہے ہیں۔

دلاور : وہ مجھ سے ملے تب ہے نا۔

چاچی : تم لوگ باتیں کرو میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔

سعیدہ : چائے میں بناتی ہوں امی۔

چاچی : نہ بابا..... تمہاری بنائی ہوئی چائے تو میں نہیں پی سکتی..... نہ چینی نہ دودھ..... کالی ماتا۔
(چاچی جاتی ہے چند لمحے کی خاموشی۔ دلاور کسی گہری سوچ میں گم ہے)

سعیدہ : بہت سی باتیں تھیں آپ سے کرنے والی..... مگر اب.....؟

دلاور : ہاں..... میں نے بھی بہت سی باتیں سوچ رکھی تھیں کہ تم ملو گی تو کروں گا مگر دل کچھ ایک دم بجھ سا گیا ہے۔

سعیدہ : میں تو کہتی ہوں جس طرح بھی ہوتا ہے آپ بھائی سکندر سے ملیں اور انہیں سمجھائیں..... آخر وہ ساری عمر کے لیے تو مفرور نہیں رہ سکتے۔

دلاور : دیکھو۔ کوشش کرتا ہوں۔

سین نمبر ۹

(درختوں کا جھنڈ۔ عارضی پناہ گاہ سکندر دو تین ساتھی۔ برے حال دلاور)

سکندر : بات قانون کی نہیں ہے دلاور..... انتقام کی ہے..... میں مرد کا بچہ ہوں۔ اور مرد کا بچہ دشمن کا پیچھا اس کی قبر تک کرتا ہے۔ فتح شیر نے میری عزت پر ہاتھ ڈالا ہے..... اب اس زمین پر ہم دونوں میں صرف ایک زندہ رہ سکتا ہے۔

دلاور : مگر.....

سکندر : (بات کاٹتے ہوئے) مجھ سے بحث نہ کرو دلاور..... یہ تیری سمجھ میں نہیں آئے گی..... مجھے اس ساری کائنات میں فتح شیر کے علاوہ اور کوئی دکھائی نہیں دیتا..... اُس کی منحوس صورت ہر وقت میرے چاروں طرف گھومتی رہتی ہے..... وہ مجھ پر ہنستا ہے میرا مذاق اُڑاتا ہے..... مجھے کھٹکے کرتا ہے..... مجھے پتہ ہے تم قانون کے یہ سبق میری بہتری کے لیے مجھے پڑھاتے ہو۔ پر میں تو اُس خوف سے بہت آگے نکل چکا ہوں..... میرے جینے کا صرف ایک ہی مقصد ہے..... فتح شیر کی موت.....

دلاور : فتح شیر کو مار کر تم خود بھی پھانسی لگ جاؤ گے۔

سکندر : وہ پھانسی نہیں ہو گی..... وہ تو سہرا ہو گا..... ہار ہو گا جو میرے گلے میں ڈالا جائے گا اس سے زیادہ عزت کی بات اور کیا ہو سکتی ہے میرے لیے..... اس کی خاطر میں ایک بار تو کیا دس بار پھانسی کو تیار ہوں۔

دلاور : اتنی نفرت ہے تمہیں فتح شیر سے۔

سکندر : اس سے بھی زیادہ۔ اتنی زیادہ کہ تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے.....
مجھ پر ایک احسان کرو۔ کسی طرح مجھے اتنا پتہ کرا دو کہ فتح شیر کہاں چھپا ہوا ہے۔

دلاور : پر میں نے تو اُسے دیکھا ہی نہیں آج تک..... تمہاری منگنی میں تو وہ شامل نہیں ہوا تھا۔

سکندر : نہیں۔ پر تو اسے ضرور پہچان لے گا..... اُسے دیکھے گا تو میری نفرت تیری آنکھوں میں آگ کی طرح بھڑک اُٹھے گی..... اس لیے کہ تو میرا بھائی ہے..... میرے باپ کا خون ہے۔
(دلاور کندھے پر ہاتھ مارتا ہے تکلیف کی شدت سے چہرہ بگڑ جاتا ہے۔
منہ سے بے اختیار آہ نکلتی ہے۔ دلاور جلدی سے اُس کا بازو پکڑتا ہے کپڑا
ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔)

دلاور : زخم کیسا ہے اب تمہارا ـــــ

سکندر : (اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے) زخم اِدھر نہیں کہاں ہے دلاور۔ دیکھو۔ چہرہ سینہ آگ کی طرح جل رہا ہے۔

سین نمبر ۹

حیات محمد : (سمجھانے کے انداز میں) میری مان تو تو راتوں رات شہر نکل جا..... میں سردار علی وکیل سے مل کر سب ٹھیک کر لوں گا.....

دلاور : مگر چاچا جی.....

حیات محمد : بیکار ضد نہیں کرتے بیٹا ہم نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے..... پولیس

اگر بھابی کو پکڑ کر لے گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب اُوپر سے سختی ہو رہی ہے ورنہ کس میں ہمت ہے جو انہیں تھانے لے جا سکتا۔

دلاور : مگر یہ سراسر ناجائز ہے۔

حیات محمد : یہ تو تمہارا خیال ہے نا.....

..... پولیس سکندر کی مسلسل روپوشی سے تنگ آئی ہوئی ہے اب انہیں کوئی نہ کوئی کارروائی تو ڈالنی ہے تم اس وقت گھر پر نہیں تھے۔ ورنہ وہ تمہیں بھی لے جاتے......

دلاور : مگر کس الزام میں ؟

حیات محمد : پھر کی نا کتابوں والی بات.... پُتر کتابوں کے باہر زندگی بڑی مختلف ہوتی ہے..... میرا اندازہ ہے، ہسپتال میں فتح شیر کا بھائی مر گیا ہے۔

دلاور : نہیں۔

حیات محمد : میرا اندازہ ہے ؛ کیونکہ بھابی کو تھانے لے جانے کی اور کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ سکندر کو سامنے لانے کا یہی طریقہ ہے اُن کے پاس.....

(دلاور کا کلوز کسی گہری سوچ میں ہے۔)

سین نمبر ۱۰

دلاور : میں نے عرض کیا ہے نا انسپکٹر صاحب قتل میں نے کیا ہے۔ آپ مجھے گرفتار کر لیں۔

انسپکٹر : مگر دلاور صاحب....

دلاور : سکندر بھائی تو اس وجہ سے روپوش ہو گئے ہیں کہ چوہدری اکرم نے پرچہ اُن کے خلاف کرایا ہوا ہے۔ وہ تو اُس رات۔ اپنے زخم کی وجہ سے گھر میں بے ہوش پڑے تھے۔ نذر پور پر حملہ تو ... کیا تھا۔

انسپکٹر : آپ سوچ سمجھ کر بات کریں..... یہ باتیں آپ کے بیان میں بھی شامل ہو سکتی ہیں۔

دلاور : میں بیان ہی تو دے رہا ہوں انسپکٹر صاحب۔

انسپکٹر : آپ کو پتہ ہے آپ قتل عمد کا اقبال کر رہے ہیں !

دلاور : جی !

انسپکٹر : میں آپ کو سوچنے کا ایک اور موقع دے رہا ہوں۔

سین نمبر ۱۱

(حوالات : دلاور بڑھے ہوئے شیو کے ساتھ سلاخوں کے ساتھ لگ کر بیٹھا

ہے ۔ باہر سکندر بیٹھا ہے دونوں سرگوشیوں میں باتیں کر رہے ہیں ۔)

سکندر : اس کو سمجھاؤ ماں ۔ اس بیوقوفی سے باز آجائے ۔

دلاور : (آزردہ مسکراہٹ کے ساتھ) یہ بے وقوفی نہیں ہے بھیا سکندر میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ قدم اٹھایا ہے ۔

سکندر : (محبت آمیز غصے سے) بے وقوف ۔ اس پر تمہیں پھانسی کی سزا ہو سکتی ہے ۔

دلاور : وہ تو تمہیں بھی ہو سکتی ہے ۔

سکندر : میری بات اور ہے ۔

دلاور : کیسے اور ہے ۔ تم میرے بھائی نہیں ہو ..... میرے باپ کا خون نہیں ہو ۔

سکندر : مگر تمہیں یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی ۔

دلاور : وہ میری اور تمہاری ماں کو تھانے میں لے آئے تھے سکندر بھیا ۔ کیا ہم اسی لیے جوان ہوئے تھے کہ ہماری ماں ہماری وجہ سے تھانے کچہریوں میں دھکے کھاتی پھرے ۔

سکندر : (سلاخوں سے سر مار کر) او میرے خدا

دلاور : تم نے اُس دن کہا تھا کہ فتح شیر سے انتقام تمہاری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے ۔

(سکندر اثبات میں سر ہلاتا ہے ۔)

اور یہ بھی کہا تھا کہ فتح شیر کو قتل کئے بغیر تم عزت کا سانس بھی نہیں لے سکتے ۔

سکندر : ہاں .... لیکن .....

دلاور : تو جاؤ ۔ اب تم آزاد ہو ۔ اُسے ڈھونڈو اور اپنے انتقام کی آگ بجھالو ۔

سکندر : میں اپنے کیے کی سزا تمہیں نہیں بھگتنے دوں گا ۔

دلاور : ضد نہ کرو بھیا سکندر ، شاید تقدیر میں ہمارے لیے یہی لکھا ہے ..... میں نے تو اس ہونی کو روکنے کے لیے بڑی تدبیریں لڑائی تھیں ، لیکن تقدیر کے لکھے ہوئے کو کوئی نہیں مٹا سکتا ۔ تم جاؤ ..... امی کا خیال رکھنا اور کوشش کرنا کہ وہ مجھے ملنے نہ آئیں ۔ اُنہیں دیکھ کر مجھے اپنے آپ پر قابو نہیں رہتا .....

سکندر : ان کا تو رو رو کر بُرا حال ہے ۔

دلاور : اگر میں بچ گیا تو مجھے فتح شیر کی موت کی خبر ضرور دینا ۔ پتہ نہیں کیوں مجھے لگتا ہے جیسے اُس کے لیے تمہاری نفرت میرے دل میں بھی جڑ پکڑ گئی ہے ۔

سین نمبر ۱۲

(سید گل کا چہرہ جو بڑے انہماک سے دلاور کی کہانی سن رہا ہے ۔)

دلاور : اور یوں بھا سکندر مجھ سے جدا ہو کر فتح شیر کی تلاش میں نکلا۔ میرا مقدمہ ابھی چل رہا تھا کہ پتہ چلا کہ اس نے فتح شیر کو ڈھونڈ لیا ہے۔ مگر شاید فتح شیر کو بھی اس کا پتہ چل گیا تھا چنانچہ اس سے پیشتر کہ سکندر اس پہ وار کرتا اس نے اسے گولی مار دی۔

(اسید گل کا کلوز۔ جس کے چہرے پر شدید افسوس اور ہمدردی کے تاثرات آتے ہیں۔ دلاور بھی چند لمحوں کے لیے خاموش ہو جاتا ہے۔ پھر اپنے آپ کو کمپوز کر کے بولتا ہے۔)

مجھے دس برس قید ہو گئی۔ امی سکندر کی موت اور میری گرفتاری سے ایسی بستر پہ پڑیں کہ پھر انہیں اٹھنا نصیب نہ ہوا اور چند ہی مہینوں میں وہ بھی سکندر سے جا ملیں۔ جیل میں میری زندگی ایک آتش فشاں کی طرح تھی۔ فتح شیر سے نفرت اور انتقام کا لاوا میرے رگ و پے میں سما گیا تھا۔ میرا جی چاہتا تھا کہ کسی طرح میں جیل کی دیواریں توڑ کر نکل جاؤں اور اس خبیث کو ختم کر دوں جس نے میرے پورے خاندان کو تباہ کر دیا ہے۔ مگر وقت پر میرا کوئی اختیار نہ تھا ......
دس سال کاٹ کر میں رہا ہوا تو جیسے ساری دنیا بدل چکی تھی ..... سعیدہ کی شادی ہو چکی تھی۔ اور وہ اپنے خاوند کے ساتھ کراچی میں رہ رہی تھی ..... ہماری زمینوں کا انتظام چچا حیات محمد کے پاس تھا وہ انہیں میرے حوالے کرنا چاہتے تھے مگر میرے دل میں فتح شیر سے انتقام کے علاوہ کوئی خواہش نہیں تھی ..... میں بھیس بدل کر لوز پور پہنچا۔ یوں بھی مجھے وہاں کوئی نہیں جانتا تھا لیکن وہاں کسی کو فتح شیر کے بارے میں علم نہیں تھا ..... کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ زہرہ کو لے کر کہاں غائب ہو گیا ہے۔ میں نے اس کا پتہ حاصل کرنے کے لیے بڑے جتن کیے مگر وہ تب کا گیا کبھی اپنے باپ اور بھائیوں سے بھی نہیں ملا۔ میں پاگلوں کی طرح سارے علاقے میں اس کو ڈھونڈتا رہا ..... مصیبت یہ ہے کہ میں اس کی شکل سے بھی واقف نہیں ہوں۔ آخر کئی مہینوں کی تلاش کے بعد مجھے اس کے گاؤں کا ایک ڈاکیہ ملا جس نے بتایا کہ اس نے فتح شیر کی شکل و صورت کے ایک آدمی کو سکندر پور کے جاگیر دار حشمت خان کی زمینوں پر دیکھا تھا مگر اس آدمی نے اپنا نام کچھ اور بتایا اور ڈاکیے کو پہچاننے سے صاف انکار کر دیا۔ میں اس اطلاع کو لے کر سکندر پور کی طرف آ رہا تھا کہ شہر میں اچانک میری ملاقات چوہدری یعقوب سے ہو گئی اور جب مجھے پتہ چلا کہ وہ چوہدری حشمت خاں کے بیٹے ہیں تو میں ان کے گھر میں نوکر ہو گیا۔
آگے کی کہانی تمہیں معلوم ہی ہے۔

سید گل : مگر یہاں تو ..... فتح شیر نام کا کوئی آدمی نہیں رہتا۔

دلاور : (آزردگی سے) ہاں یہی لگتا ہے۔ سو یہ وہ بوجھ ہے جسے سینے پر لیے میں در در

کی خاک چھان رہا ہوں۔

سید گل : اوہ — اللہ کرے وہ تمہیں مل جائے۔

دلاور : خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔ اس کے ایک ہاتھ پر میرے بھائی اور ماں کا خون ہے اور دوسرے پر میری زندگی کے دس سال ۔۔۔۔ ان سب کا حساب مجھے اس سے چکانا ہے ...... مجھے یوں لگتا ہے جیسے بھا سکندر نے مرتے ہوئے اپنے دل کی ساری نفرت مجھے منتقل کر دی تھی ..... میرا سارا وجود ایک پکے ہوئے پھوڑے کی طرح ہے .....

(پستول پر ہاتھ مارتا ہے۔ اُسے کھول کر ٹرائگر دباتا ہے۔)

کاش وہ مجھے کہیں مل جائے۔

سید گل : (سوچتے ہوئے) اگر تم اس کو شکل سے نہیں جانتے تو اُسے ڈھونڈو گے کیسے ؟

دلاور : اس کی بہت ساری نشانیاں ہیں میرے پاس اور پھر میرے بھائی کی منگ نہرہ بھی ہوگی اس کے ساتھ۔

سید گل : ہاں .... اُدھر تو میرا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔

دلاور : اگر وہ زندہ ہے اور اسی علاقے میں ہے تو میں اُسے ضرور ڈھونڈ نکالوں گا۔ دس سال میں بہت کم جوڑے ایسے ہوں گے جو کہیں باہر سے آکر یہاں رہنے لگے ہیں۔

سید گل : میرے خیال میں تم اسے یہاں کی بجائے چک بیالیس میں تلاش کرو تو بہتر ہوگا وہاں چوہدری فیض رسول نے بہت سے ماڈل فارم بنائے ہیں۔ اور ان کے علاقے میں بے شمار لوگ باہر سے آئے ہوئے ہیں ..... اُن کے منشی سے میری بڑی یاد اللہ ہے اگر کہو تو میں تمہیں اس کے پاس لے چلوں گا۔

دلاور : ضرور بلکہ آج ہی چلتے ہیں۔

سید گل : آج تو مشکل ہے گاؤں چھوڑنے سے پہلے بڑے چوہدری صاحب سے اجازت بھی لینی ہوتی ہے ورنہ درخت سے بندھوا دیتے ہیں الٹا کر کے۔

دلاور : یہ سب باتیں اپنے تک ہی رکھنا۔

سید گل : تم فکر ہی نہ کرو بھائی دلاور۔ تمہارا راز میری زندگی کے ساتھ۔

(دروازے پر تیز دستک کی آواز۔ پھر آواز آتی ہے کوئی دلاور کو پکار رہا ہے۔ سید گل اُٹھ کر دروازے کی طرف جاتا ہے۔)

سید گل : (کنڈی کھولتے ہوئے) کون ہے بھئی۔

مولاداد : سخت گھبرایا ہوا تیزی سے آتا ہے) دلاور ہے یہاں۔

سید گل : ہاں ۔

دلاور : (آگے آتے ہوئے) کیا بات ہے بھائی مولاداد

مولاداد : گڑبڑ ہو گئی ہے شہزادے..... میں چوہدری انور کے ایک کام سے شہادت پور گیا ہوا تھا ۔

قسط نمبر ۷، ۸

سین نمبر ۱

(مولاداد کا گھر۔ دلاور، رشید کے ساتھ باتیں کر رہا ہے۔ رشید کسی بات پر خوش ہو کر ہنس رہا ہے)

رشید : تمہیں تو بڑے تماشے آتے ہیں چاچا۔

دلاور : (افسردگی سے ہنستے ہوئے) آتے تھے بیٹیا، اب تو بہت سے بھول گئے ہیں۔

رشید : ابے کو تو کچھ بھی نہیں آتا۔ ہر وقت غصے میں رہتا ہے۔

(اپنے باپ کی تیوری کی نقل اتارتا ہے)

(دلاور پیار سے اس کے منہ پر ہلکی سی چپت لگاتا ہے۔ اور ہنستا ہے)

دلاور : بدمعاش۔ آنے دے مولاداد کو بتاؤں گا اُسے؟

رشید : ابے کو نہ بتانا چاچا۔ (لہجے میں ڈر اور التجا ہے۔)

دلاور : کیوں، ڈر لگتا ہے اس سے؟ (رشید اثبات میں سر ہلاتا ہے) مگر تم سے تو وہ بہت پیار کرتا ہے۔ کبھی جھڑکتا بھی نہیں تمہیں۔

رشید : پھر بھی۔۔۔۔۔۔ پتہ نہیں کیوں ڈر لگتا ہے۔ (دلاور محبت سے اس کی طرف دیکھتا ہے) سارے گاؤں والے ڈرتے ہیں اس سے۔ (رازدارانہ انداز میں) ایک بات بتاؤں چاچا۔ (دلاور اس کا دل رکھنے کے لئے بڑی سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے) ابے کے پاس نا۔۔۔۔۔ اتنی بندوقیں ہیں (دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے)

دلاور : (مصنوعی حیرت سے) اچھا ـــــ!

رشید : ایک دن ناــــ اس نے مجھے بندوق چلانی سکھائی تھی۔

دلاور : سیکھ لی تم نے۔

رشید : چلانی تو سیکھ لی ہے مگر ابھی اٹھائی نہیں جاتی مجھ سے۔ بھاری بہت ہے۔

دلاور : (اٹھتے ہوئے) اچھا بیٹے تمہاری ماں آئے تو اُسے بتانا میں چوہدری انور کی حویلی تک جا رہا ہوں۔ مولاداد کا

پتہ کرنے۔

رشید : بھونا پاپا۔ مجھے اکیلے ڈر لگتا ہے۔

دلاور : مولاداد کے بیٹے ہو کر ڈرتے ہو۔

رشید : (ٹھنک کر) ماں آنے دی تو چلے جانا۔ (یاد کر کے) ہاں وہ کہانی تو تم نے سنائی ہی نہیں پوری۔ ۔ ۔ ۔

دلاور : کون سی؟

رشید : (خوش ہو کر ہنستے ہوئے ہِس ہِسی آواز نکالتا ہے) وہ ہی بادشاہ سلامت، تربوز — والی۔

دلاور : اوہ — (اوپر دیکھ کر) بھئی وہ دراصل دن کے وقت کہانی نہیں سناتے۔

رشید : کیوں؟

دلاور : مسافر راستہ بھول جاتے ہیں۔

رشید : مسافر — راستہ بھول جاتے ہیں۔ (کچھ نہ سمجھ کر) گر چاچا کہانی تو تم مجھے سناؤ گے۔ مسافر کیسے راستہ بھول جائیں گے۔ ۔ ۔ ۔

دلاور : دیکھو بھائی — دراصل — بات یہ ہے کہ — اچھا دیکھو تمہیں ایک اور ٹرِک سکھائیں۔ "یہ میرا انگوٹھا ہے، ہے نا؟ (دلاور کی PLACING اس طرح کی جائے کہ اس کا ہاتھ کیمرے کے بالکل سامنے رہے تاکہ اس کا انگوٹھا چھپانے کے بعد نظر نہ آئے) رشید اثبات میں سر ہلاتا ہے دلاور اپنے بائیں ہاتھ کو انگوٹھا سیدھا کر کے دکھاتا ہے پھر جادوگروں کے سے انداز میں انگوٹھے پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ جو اس کے ہاتھ کی انگلیوں کے پیچھے چھپ جاتا ہے۔ دلاور مصنوعی حیرت سے اپنا انگوٹھا ڈھونڈتا ہے۔) ارے — یہ انگوٹھا کہاں گیا۔ رشید بھی حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے، انگوٹھا دیکھتا ہے دلاور اشارے سے پوچھتا ہے کہ کہ انگوٹھا کہاں ہے۔

رشید : کدھر گیا۔

دلاور : نکلے!!؟ (رشید اثبات میں سر ہلاتا ہے) لو دیکھو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دھیان سے دیکھنا (جادوگروں کی طرح ہاتھ پھیرتا ہے انگوٹھا نکالتا ہے۔ رشید ہنستے ہوئے دلچسپی کے انداز میں اسے دیکھتا ہے) کیا ہے؟

رشید : (نفی انداز میں سر ہلاتا ہے) کدھر غائب کیا تھا؟

دلاور : سیکھو گے (رشید اثبات میں سر ہلاتا ہے) یہ دیکھو۔ (اس کا ہاتھ پکڑتا ہے) اسکو یوں رکھو۔ بالکل سیدھا اب یہ انگوٹھا کھڑا ہے نا۔ اب اس پر ایسے ہاتھ پھیرو۔

سین نمبر ۲

(حشمت خان کے ہاتھ کا کلوز جو چھڑی پر مضبوطی سے جما ہوا ہے اس کا انگوٹھا دستک کے انداز میں مسلسل حرکت کر رہا ہے۔ حشمت کے چہرے سے گہری دلچسپی کے آثار ہویدا ہیں اس پر کتوں کے غرانے کی آواز O/S ہوتی ہے زوم بیک کر کے پورے منظر کو گرفت میں لیتے ہیں۔ حشمت خان ایک چارپائی پر ٹانگیں نیچے لٹکائے بیٹھا ہے۔ نجو اور منگا اس کی ٹانگیں

دبا رہے ہیں۔ پانچ چھ ملازمین ارد گرد کھڑے ہیں آگے کھلی جگہ پر دو آدمی کتوں کی زنجیریں
تھامے کھڑے ہیں دونوں کتوں کے درمیان دو آدمی ایک چادر کو کونوں سے پکڑے کھڑے
ہیں سب کی توجہ حشمت خان کی طرف ہے جیسے اس کے اشارے کے منتظر ہوں۔ حشمت
خان ایک نظر چاروں طرف ڈالتا ہے۔ اس کے انگوٹھے کی گردش رکتی ہے، آنکھ سے اشارہ
کرتا ہے کتوں کی زنجیریں کھولی جاتی ہیں چادر والے آدمی چادر ہٹا کر ایک طرف ہو جاتے
ہیں کتے ایک دوسرے پر جھپٹتے ہیں حشمت خان ایک وحشیانہ انہماک کے ساتھ لڑائی دیکھ
رہا ہے۔ انور ایک دو آدمیوں کے ساتھ آتا ہے)

انور: میاں جی۔

(حشمت، انور پر ایک تہدیدی نظر ڈالتا ہے ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے کہ چارپائی پر بیٹھ
جاؤ۔ پھر لڑائی دیکھنے لگتا ہے۔ انور کچھ کہنے کے لئے منہ کھولتا ہے۔ مگر حشمت کی بے پروائی
دیکھ کر خاموش ہو جاتا ہے۔ چارپائی پر بیٹھتا ہے۔ چند لمحوں میں وہ بھی انہماک سے لڑائی
دیکھنے لگتا ہے۔ ایک کتا پسپائی اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حشمت خان کے چہرے
کے تیور بدلتے ہیں اس کے پیچھے کھڑا ہوا رحما دہشت سے سفید پڑ جاتا ہے۔ چھڑی پر حشمت
کا ہاتھ پھر گردش کرنے لگتا ہے۔ چند لمحوں بعد اس کا چہرہ تن جاتا ہے۔ ہاتھ کی گردش
ایک دم رکتی ہے۔ ڈپٹ کر بولتا ہے۔)

حشمت: بس کر دو اوئے۔ لے جاؤ ان کو میرے سامنے سے۔

(مڑ کر رحمے کی طرف دیکھتا ہے۔ رحمو دہشت سے کانپتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ چوہدری
کے پاؤں پر گر پڑتا ہے)

رحما: ایک موقع اور دے دیں چوہدری صاحب۔

حشمت: (بالوں سے پکڑ کر اس کا سر اوپر اٹھاتا ہے) تُو تو کہتا تھا بڑی تیاریوں میں ہے چیتا۔

رحما: پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے چوہدری جی۔ میں تو خود بڑا حیران ہوں۔

حشمت: دو سو روپیہ روز میں دیتا ہوں اس کتے کے لئے سمجھے۔ لگتا ہے تو اس کے حصے کا گوشت خود کھا جاتا ہے۔

رحما: خدا پاک کی قسم چوہدری صاحب۔ چیتے کی خوراک سے میں نے کبھی ایک لقمہ بھی لیا ہو تو سور کھایا ہو۔

حشمت: تو پھر کدھر گیا وہ سارا مال۔ یہ تو ایسے لڑ رہا تھا جیسے بلی کا بچہ ہو۔ اس سے تو میں گیدڑ پال لیتا تو اچھا تھا۔

رحما: کچھ بیمار ہے جی یہ۔ کل میں ڈنگر ہسپتال سے اس کو ٹیکہ بھی لگوا کر لایا ہوں۔ پر جی یہ ابھی ٹھیک نہیں
ہوا جی۔

حشمت: یہ بات تو نے پہلے کیوں نہیں بتائی۔

رحما: آپ۔ آپ۔ آپ سے ڈر لگتا تھا جی۔

حشمت : ڈر لگتا تھا تجھے ۔۔۔ !! ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور تُو نے یہ نہیں سوچا کہ اگر مہر جیون کے کُتوں سے یہ میدان میں گر گیا تو ہماری کتنی بیستی (بے عزتی) ہوگی۔

رحما : غلطی ہوگئی چوہدری صاحب۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔

حشمت : رب نواز۔

رب نواز : (آگے آتے ہوئے) جی چوہدری جی۔

حشمت : پہلے کس نے توڑی تھیں اس کی انگلیاں (رحما وحشت سے اپنا ہاتھ چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔

رب نواز : میں نے چوہدری صاحب۔

حشمت : اس کا ایک ہاتھ ابھی باقی ہے۔

رب نواز : (حکم سمجھتے ہوئے) جو حکم چوہدری صاحب۔

رحما : (حشمت کے پاؤں سے لپٹ کر گڑگڑاتا ہے) خُدا کے لئے چوہدری صاحب ۔۔۔ میں معذور ہو جاؤں گا مجھ پر رحم کرو چوہدری صاحب۔ میں وعدہ کرتا ہوں آئندہ آپ کو شکایت نہ ہوگی۔

حشمت : تو سمجھتا ہے میں تیرے وعدے کا محتاج ہوں ۔۔۔ لے جاؤ اس کو (دو تین آدمی آگے بڑھتے ہیں اور روتے چلاتے ہوئے رحمے کو گھسیٹ کر ایک طرف لے جاتے ہیں۔ حشمت خان ایسے انداز میں انور کی طرف متوجہ ہوتا ہے جیسے کچھ ہُوا ہی نہ ہو) ہاں پُتر کیا بات ہے؟

انور : (سٹپٹائے ہوئے انداز میں) کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے میاں جی۔

حشمت : بندہ مار دیا ہے کوئی۔

انور : نہیں بندہ تو نہیں مارا ۔۔۔ پر۔

حشمت : (اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر) بندہ نہیں مارا تو تیری جان کیوں نکل رہی ہے۔ سیدھا ہو کے بیٹھ۔ کیا بات ہے ؟ (انور چاروں طرف ایسے انداز میں دیکھتا ہے جیسے دوسرے لوگوں کی موجودگی میں بات نہ کرنا چاہتا ہو) تو بات کر پُتر۔ یہ میرے آدمی ہیں ۔۔۔ ان کو پتہ ہے کہ میری مخبری کرنے والا آج تک زندہ نہیں رہا ۔۔۔ بول کیا کر کے آیا ہے۔

انور : وہ جو کیدار کی لڑکی تھی نہ جی ۔۔۔ جیراں۔ (حشمت اثبات میں سر ہلاتا ہے) وہ مرگئی ہے۔

حشمت : کیسے ؟

انور : کھوہ میں چھال مار دی تھی اس نے۔

حشمت : کیوں ؟

انور : اس کی شادی کی تھی نا جی میں نے غوث محمد کے ساتھ۔ اس کی بنی نہیں اپنے خاوند سے۔ (حشمت سمجھنے کے انداز میں سر ہلاتا ہے) کل رات وہ غوث محمد سے لڑ کر اپنے باپ کے گھر چلی گئی تھی۔ میں نے مولاداد کو بھیجا ہے اسے سمجھانے کے لئے۔

حشمت : ہوں ۔۔ تو مولاداد نے کوئی کام دکھایا ہے ۔

انور : نہیں جی اس نے تو کچھ بھی نہیں کیا ۔ بس ایک دو ہاتھ نتھو کو لگائے تھے ۔

حشمت : بڑا بھاری ہاتھ ہے تیرے اس مولاداد کا ۔۔۔ اس کو ذرا باندھ کے رکھا کر ۔

انور : لڑکی کو وہ غوث محمد کے گھر چھوڑ گیا تھا ۔ پتہ نہیں وہاں سے وہ کس وقت نکلی ہے ہمیں تو اس کی لاش ملی ہے کھوہ سے ۔

حشمت : لاش کہاں ہے ۔

انور : اس کا تو میں نے بندوبست کر دیا ہے ۔ پر وہ نتھو تھانے چلا گیا ہے جی ۔

حشمت : اس کو پتہ ہے جیراں کے مرنے کا ۔

انور : نہیں جی ۔ میرے آدمیوں کے علاوہ کسی کو خبر نہیں ۔ اس نے تو مولاداد کے خلاف اغوا کا اور ارادۂ قتل کا کیس کروایا ہے ۔

حشمت : (سوچتے ہوئے) ہوں ۔ مولاداد کدھر ہے ۔

انور : اُسے تو میں نے راتوں رات شہر بھجوا دیا تھا ۔

حشمت : (مونچھوں کو بل دیکر) اسے واپس بُلوا لے ۔

انور : (حیرت سے) یہاں جی ۔ پولیس اس کو ڈھونڈ رہی ہے میاں جی ۔

حشمت : اسی لئے تو کہا ہے اُسے یہاں منگوا لے ۔

انور : مولاداد ۔۔۔ مولاداد میرا بڑا کام کا آدمی ہے میاں جی ۔

حشمت : تو میں کب اسے اندر کرا رہا ہوں ۔ اُسے یہاں بُلوا لے اور لاش واپس کنوئیں میں ڈلوا دے ۔

انور : پر میاں جی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حشمت : اوئے تجھے جس بات کا پتہ نہیں اس میں مت بول ۔

انور : اچھا جی ۔

حشمت ۔ غوث محمد کو میرے پاس بھیج دے ۔ میں اُسے سمجھاتا ہوں کیا کرنا ہے ۔

انور : غوث محمد یہیں ہے میاں جی ۔ اوئے غوثے اِدھر آ ۔

غوث محمد : (آگے آ کر) سلام چوہدری جی ۔

حشمت : تو سیدھا تھانے چلا جا اور نتھو کے خلاف پرچہ درج کرا دے کہ اس نے تیری منکوحہ بیوی کو زبردستی اغوا کر لیا ہے ۔

غوث محمد : پر میاں جی ۔ جیراں تو ۔۔۔

حشمت : (ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارتا ہے غوث محمد اُلٹ کر گرتا ہے) جب میں بول رہا ہوں تو بیچ میں مت بولا کر ۔ (غوث محمد منہ دبائے ہوئے اٹھ کر دوبارہ سر جھکا لیتا ہے) نکاح نامہ ہے نا تیرے پاس ۔ (غوث

ہماثبات میں سر ہلاتا ہے) اسے سنبھال کے رکھنا۔ اور سن۔ پر ٹھہر جا۔ تیری سمجھ میں نہیں آئے گی یہ بات ۔۔۔
۔۔۔ انور۔

انور: جی میاں جی۔

حشمت: ربنواز کو بھیج کر شہر سے محمود قریشی وکیل کو بلوالے۔

بخشو: قریشی صاحب گانا بڑا اچھا گاتے ہیں جی۔

مہنگا: مہدی حسن کی غزلیں گاتے ہیں تو ایسے لگتا ہے جیسے عنایت بھٹی ہیر پڑھ رہا ہے۔

حشمت: بکواس بند کراوئے، کوئی موقع محل بھی دیکھ لیا کرو۔

مہنگا۔ بخشو: (سہم کر) جی مائی باپ۔

حشمت: اٹھو تم دونوں اور —— (سوچتے ہوئے) بگھے اور جیکی کو لے کر آؤ۔ ذرا ان کی تیاری بھی دیکھ لیں۔

مہنگا: (مہنگا اور بخشو دونوں اپنے ہاتھوں کی طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھتے ہیں) پر چوہدری صاحب جی۔

بخشو: ہمارے لئے تو لیس کرسٹل ٹھیک ہے جی —— یہ لڑنے والے کتّے تو ——

(حشمت گھور کر دیکھتا ہے۔ دونوں ایک دم خاموش ہو جاتے ہیں ڈرتے ڈرتے پیچھے کھسکتے ہیں حشمت کچھ لمحے سوچتا ہے۔ پھر انور کی طرف دیکھتا ہے۔ جو پریشانی کے عالم میں ہے مسکراتا ہے)

حشمت: اوئے حوصلہ رکھ انور ۔۔۔۔۔ تو حشمت کا پوترا ہے (اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے) مرد بن۔
(انور بھی مسکراتا ہے)

سین نمبر ۳

محمد رشید: آپ ہی انہیں سمجھائیے ماسٹر جی۔ یہ تو سراسر ظلم ہے۔

ماسٹر: میں نے تو بہت سمجھایا ہے بیٹا۔

نتھو: (سر اور بازو پر پٹیاں بندھی ہیں سخت مایوس اور دل گرفتہ ہے) کوئی فائدہ نہیں ماسٹر جی —— جانے والی تو چلی گئی۔ (زور زور سے روتا ہے) آپ لوگ کیوں میری وجہ سے مصیبت میں پڑتے ہیں۔

محمد رشید: یہ مصیبت نہیں ہے نتھو چاچا۔ تم ہمارے بزرگ ہو۔ گرائیں ہو۔ ساری عمر تم نے راتوں کو جاگ کر اس گاؤں کی گلیوں میں پہرہ دیا ہے۔ لوگوں کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کی ہے۔ اس لئے کہ تمہاری اپنی عزت لوٹ لی جائے؟ —— ایسا نہیں ہوگا نتھو چاچا۔

فضل کریم: بڑے چوہدری صاحب کے سامنے کس کی مجال ہے جو دم مار سکے۔

محمد رشید: ایسی باتیں مت کرو بھائی فضل کریم۔ اگر تم لوگ اسی طرح بات بات پر ڈرتے رہے تو کسی کی عزت بھی سلامت نہیں رہے گی۔ آج جو ہاتھ نتھو چاچا کی بیٹی پر اٹھا ہے کل وہ گاؤں کی کسی کی بھی دھی (بیٹی)

بہن کی طرف اٹھ سکتا ہے۔

فضل کریم: تم ٹھیک کہتے ہو مگر ——

محمد رشید: اگر مگر کچھ نہیں۔ میں جیراں کا کیس لڑوں گا۔ دیکھتا ہوں کوئی میرا کیا کرتا ہے۔

علم دین: (خوفزدہ ہو کر) نہیں بیٹا نہیں۔

محمد رشید: ابا جی —— جیراں کی جگہ اگر آپ کی بیٹی ہوتی تو آپ پھر بھی یہی کہتے۔

علم دین: چوہدری صاحب بڑے رسوخ والے آدمی ہیں پُتر محمد رشید۔

محمد رشید: سچائی سے زیادہ رسوخ کسی کا نہیں ہوتا ابا جی۔ نتھو چاچا پر ظلم ہوا ہے۔ اور قانون کبھی کسی ظالم کا ساتھ نہیں دیتا۔

ماسٹر: محمد رشید ٹھیک کہتا ہے علم دین۔ جیراں نے خودکشی نہیں کی۔ اُسے قتل کیا گیا ہے۔

علم دین: مگر کس کے خلاف کرائے گے پرچہ۔ چوہدری حشمت خان کے۔

ماسٹر: پرچہ تو غوث محمد کے خلاف ہو گا یا پھر مولا داد کے۔

محمد رشید: پرچہ چوہدری انور کے خلاف ہو گا ماسٹر جی (ماسٹر جی حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے) جیراں کو اٹھوایا تو اسی نے تھا نا (ماسٹر اثبات میں سر ہلاتا ہے) تو پھر پرچہ اسی کے خلاف ہو گا۔ غوث محمد۔ اور مولا داد سمیت۔

فضل کریم: مگر چوہدری انور کے خلاف پرچہ کرانے کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم چوہدری سے دشمنی لے رہے ہیں۔

محمد رشید: سوال چوہدریوں سے دشمنی یا دوستی کا نہیں بھائی فضل کریم۔ بات قانون اور انصاف کی ہے۔

فضل کریم: چوہدری حشمت بڑا ظالم آدمی ہے (جیسے خوف سے کانپ جاتا ہے) اچھا بھائی علم دین۔ میں اب چلتا ہوں سلاما لیکم۔

(فضل کریم جاتا ہے۔ اس کے ساتھ دو تین آدمی بھی چند لمحے سوچتے ہیں پھر سلاما لیکم کر کے نکل جاتے ہیں کرے میں نتھو، علم دین، ماسٹر اور رشید رہ جاتے ہیں۔ رشید سنجیدگی سے ان لوگوں کو جاتے دیکھتا ہے۔ پھر ماسٹر کی طرف دیکھتا ہے۔ ماسٹر اس کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہے محمد رشید ممنونیت سے اس کا بازو دباتا ہے۔)

محمد رشید: آپ صحیح معنوں میں استاد ہیں ماسٹر جی۔ (ماسٹر اس کا کندھا تھپکتا ہے محمد رشید نتھو کی طرف مڑتا ہے) نتھو چاچا۔ میری بات غور سے سنو۔

سین نمبر ۴

(یعقوب کے گھر کے گیٹ پر ایک رکشہ آکر رکتا ہے اس سے فرخ کی ماں اُترتی ہے رکشے والے کو پیسے دیتی ہے گیٹ سے اندر آتی ہے۔ دروازے کی گھنٹی بجاتی ہے۔ نوکر دروازہ کھولتا ہے۔ نوکر کے چہرے پر شناسائی کی مسکراہٹ ہے۔ دروازہ کھول کر پیچھے ہٹتا ہے۔ ماں دروازے میں کھڑی بات کرتی ہے۔)

نوکر : سلام بی بی جی۔

ماں : وعلیکم السلام۔بھابی کہاں ہیں ؟

نوکر : (ایک طرف ہٹتے ہوئے) کہیں باہر گئی ہیں جی۔

ماں : اوہ — اور یعقوب بھائی۔

نوکر : وہ تو ابھی دفتر سے نہیں آئے جی۔

ماں : (چند لمحے سوچتی ہے) اچھا تم یوں کرو۔ انہیں بتا دینا کہ میں آئی تھی۔

نوکر : آپ بیٹھیں نا جی — شکیلہ بی بی گھر ہیں۔

ماں : (غیر یقینی انداز میں چند لمحے کچھ سوچتی ہے) اچھا — وہ۔ کدھر ہے۔

نوکر : آپ بیٹھیں جی، میں انہیں اطلاع کرتا ہوں۔

(نوکر جاتا ہے ماں ڈرائنگ روم کے دروازے پر کھڑی ہے۔حیرت سے مولاداد کی طرف دیکھتی ہے جو دروازے کی طرف پشت کئے دیوار پر لگی ہوئی ایک تصویر پر غور سے دیکھ رہا ہے۔ماں آہستہ آہستہ چلتی ہوئی صوفے پر بیٹھتی ہے۔چند لمحے خاموشی ماں بہت تذبذب کے عالم میں ہے۔مولاداد مڑ کر ایک نظر اس پر ڈالتا ہے پھر ایک دوسری تصویر دیکھنے لگتا ہے۔ماں حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہے۔شکیلہ آتی ہے)

شکیلہ : سلام علیکم آنٹی۔

ماں : (اُٹھ کر گلے لگاتے ہوئے) وعلیکم السلام۔بیٹھو۔ امی کدھر ہیں تمہاری۔

شکیلہ : ڈاکٹر کی دکان پر۔

ماں : (گھبرا کر) — بیمار ہے ؟

شکیلہ : جی ہاں۔وہی پرانی گیس والی پرابلم۔کہہ رہی تھیں، ناشتہ ہضم نہیں ہو رہا۔سینے پر رکھا ہے۔

ماں : اوہ — بھئی یہ گیس کمبخت بہت ہی بُری تکلیف ہے۔آج کل تو جسے دیکھو اس کا مریض ہے۔

شکیلہ : دراصل آنٹی ایک تو ہم لوگوں کی FOOD HABIT بڑی عجیب سی ہیں اوپر سے ADULTRATION اتنی ہے کہ خدا کی پناہ۔حرام ہے جو کوئی بھی چیز خالص مل جائے۔

ماں : (آواز دبا کر مولاداد کی طرف اشارہ کرتی ہے) یہ کون ہے۔

شکیلہ : یہ — مولاداد ہے۔گاؤں سے آیا ہے۔مولاداد (مولاداد مُڑ کر دیکھتا ہے) تم ذرا باہر بیٹھو۔

(مولاداد تیز نظروں سے دونوں کی طرف دیکھتا ہے۔پھر کچھ سوچ کر سر جھکا لیتا ہے۔آہستہ آہستہ چلتا ہوا باہر جاتا ہے۔ماں کی آنکھیں دروازے تک اُس کا

تعاقب کرتی ہیں)

ماں : کچھ عجیب سا آدمی ہے یہ۔

شکیلہ : آدمی بڑا اچھا ہے۔ یونہی کچھ سیریس سا رہتا ہے۔

ماں : پتہ نہیں کیوں خوف سا آتا ہے اس کی آنکھوں سے۔

شکیلہ : چھوڑیں اسے۔ یہ بتایئے کیا پئیں گی۔ ٹھنڈا یا گرم۔

ماں : کچھ نہیں بیٹے۔ ایک بات کرنی تھی یعقوب بھائی سے اسی لئے آئی تھی۔ کئی دن سے ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔

شکیلہ : وہ کراچی گئے ہوئے ہیں۔ کل رات کی فلائیٹ سے آئے ہیں۔

ماں : (چند لمحے کی خاموشی کے بعد) فرخ سے ملا کرتی ہو تا یونیورسٹی میں۔

شکیلہ : کبھی کبھی راستہ میں ہیلو ہیلو ہو جاتی ہے۔ بس۔

ماں : (کچھ سوچتے ہوئے) یعنی ویسے تم لوگ نہیں ملتے۔ ایک دوسرے سے۔

شکیلہ : دراصل ہمارا ڈیپارٹمنٹ ان سے خاصے فاصلے پر ہے۔ البتہ ان کی اس دوست سے اکثر ملاقات ہوتی ہے۔

ماں : (جان بوجھ کر) کس دوست سے۔

شکیلہ : (حیرت سے) آپ کو نہیں پتہ (ماں نفی میں سر ہلاتی ہے) بڑی کیوٹ (CUTE) سی لڑکی ہے۔ نیئر سا کیپلیکشن ہے۔ اس کا۔ نام مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا۔ فائن آرٹس میں پڑھتی ہے۔

ماں : اوہ — اچھا۔ یاسمین کی بات کر رہی ہو تم۔

شکیلہ : جی۔ جی۔ وہی۔ حیرت ہے۔ فرخ نے آپ کو نہیں بتایا۔ ان کا AFFAIR تو پوری یونیورسٹی میں مشہور ہے۔

ماں : نہیں۔ اس نے بات تو کی تھی مجھ سے۔ مگر۔ (اٹھتے ہوئے) اچھا بیٹے۔ امی اور ابو کو میرا اسلام دینا میں پھر کسی وقت آؤں گی۔

شکیلہ : (حیرت سے) مگر آنٹی — یہ اچانک — نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ میں آپ کو ایسے نہیں جانے دوں گی۔ (گھڑی دیکھ کر) امی بس آتی ہی ہوں گی۔

ماں : (پیار سے اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے) نہیں بیٹی۔ اس وقت ذرا جلدی ہے۔ اور پھر تم سے کوئی تکلف تھوڑا ہی ہے میرا اپنا گھر ہے یہ۔

شکیلہ : (دروازے کی طرف جاتے ہوئے) کیسے جائیں گی آپ۔

ماں : (مسکراتے ہوئے) رکشے سے اور کس سے۔

شکیلہ : ڈرائیور امی کے ساتھ گیا ہوا ہے آپ کچھ دیر رک جائیں تو —

ماں : ارے بیٹی ---- یہ کون سی بات ہے ۔ (شکیلہ دروازہ کھولتی ہے)

شکیلہ : یہ جیپ کس کی ہے ۔ شاید میاں جی آئے ہیں ۔

(دونوں چلتی ہوئی جیپ کے پاس آتی ہیں ۔ مولا داد اور رب نواز باتیں کر رہے ہیں ۔ انہیں آتے دیکھ کر ایک دم خاموش ہو جاتے ہیں)

مولاداد : پر شہزادے میں کیسے جا سکتا ہوں اس وقت ۔ ادھر پلس مجھے تلاش کر رہی ہے ۔

رب نواز : میں نے تمہیں بڑے چوہدری صاحب کا پیغام دیدیا ہے ۔ اب آگے تم سوچ لو ۔ چوہدری انور بلا تھا ان سے سنا ہے ۔ انہوں نے کچھ بندوبست کر دیا ہے ۔

مولاداد : (سوچتے ہوئے) کیا بندوبست ہو سکتا ہے شہزادے ۔ میرے خیال میں ایسے کرتے ہیں (شکیلہ اور ماں کو آتے دیکھ کر ایک دم خاموش ہو جاتا ہے)

شکیلہ : ماں جی آئے ہیں مولا داد ؟

مولاداد : نہیں بی بی ۔ رب نواز آیا ہے مجھے لینے ۔

شکیلہ : (حیرت سے) تم تو کہتے تھے اب تم کچھ مہینے یہیں رہو گے ۔

مولاداد : مالکوں کا حکم ہے جی ۔ جانا ہی پڑے گا ۔ آؤ رب نواز ۔ اچھا بی بی ۔ رب راکھا ۔

شکیلہ : سنو ۔ (مولاداد رکتا ہے) پہلے آنٹی کو ان کے گھر چھوڑ آؤ ۔

مولاداد : اچھا جی (ماں سے) آیئے جی ۔ آپ آگے تشریف رکھیں ۔

ماں : میں چلی جاؤں گی شکیلہ ۔ تم کیوں خواہ مخواہ ----

شکیلہ : اب آپ تکلف کر رہی ہیں ۔ پلیز ۔ مجھے نہیں اچھا لگتا آپ کا رکشے پر جانا ۔ میرے تو قریب سے رکشہ گزر جائے تو آدھا گھنٹہ سر بھاں بھاں کرتا رہتا ہے ۔

ماں : (ہنستے ہوئے) یہ بات تو ہے (گاڑی میں بیٹھ کر) اچھا بیٹی خدا حافظ ۔

شکیلہ : خدا حافظ آنٹی ۔

رب نواز : کس طرف جانا ہے بی بی جی ۔

سین نمبر ۵

(حشمت خان کی حویلی ۔ حشمت خان نیم دراز حقہ پی رہا ہے ۔ کسی گہری سوچ میں ہے ۔ دلاور آتا ہے ۔ داڑھی کے بغیر ہے ۔ حشمت خان کا دھیان اس کی طرف نہیں ہے)

دلاور : آپ نے مجھے یاد کیا تھا چوہدری جی ۔

حشمت : ہاں ---- اوئے ---- یہ تو ہے دلاور ۔

دلاور : جی چوہدری جی ۔

حشمت : (غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر ہنس کر) یہ کیا شکل نکل آئی ہے تیری ۔ اچھی لگتی تھی تجھے تو داڑھی۔

دلاور : RASH ہو گیا ہے — دانے نکل آئے تھے چوہدری جی ۔ ٹھیک ہو جائیں پھر رکھ لوں گا۔

حشمت : آجا ۔ ادھر آ ۔ میرے پاس بیٹھ ۔ (کندھوں سے پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھاتا ہے) تو شرت ہیرا نوکر ہی نہیں دلاور ۔ تو — اوئے بخشو یہ دلاور چوہدری غلام علی نہیں لگتا تجھے۔

بخشو : مہاندرا تو کچھ کچھ ملتا ہے جی۔

منگا : (چوہدری کو خوش کرنے کے لئے خوشامدانہ انداز) اس کی تو آنکھوں میں تو موتیا اتر آیا ہے چوہدری جی۔ اسے کیا نظر آئے گا۔ دلاور تو ہو بہو اللہ بخشے چوہدری غلام علی صاحب کی تصویر ہے۔

حشمت : بات یہ ہے دلاور ۔ ایک کام ایسا آ پڑا ہے کہ گھوم پھر کر میری نظر تجھی پر پڑتی ہے۔

دلاور : آپ حکم کریں چوہدری صاحب۔

حشمت : جس بہادری اور صفائی سے تو کرسٹل کو اٹھا کر لایا تھا اس کو دیکھ کر مجھے پورا یقین ہے کہ تو یہ کام بھی کرے گا۔

دلاور : آپ فرمائیں تو سہی چوہدری صاحب۔

حشمت : تجھے پتہ ہے پرسوں مہر جیون کے کتوں کے ساتھ ہمارے کتوں کا مقابلہ ہے۔

دلاور : جی ہاں ۔ میں نے سنا ہے۔

حشمت : (غصے سے) پر یہ میرے بندے سارے کھمتے کے تتر ہیں ۔ ایک دم نکھے ہیں ۔ میرے تینوں بہترین کتے زخمی اور بیمار ہیں ۔ وہ یہ مقابلہ نہیں جیت سکتے۔

دلاور : آپ مقابلہ ملتوی کر دیں جی ۔

حشمت : میں مقابلہ ملتوی کر دوں ۔ میں ۔ چوہدری حشمت خان ۔ اور ساری عمر کے لئے مہر جیون کے طعنے لگ جاؤں تو تو بڑا سمجھدار تھا ۔ دلاور ۔ تیری عقل کو کیا ہو گیا ہے۔

دلاور : آپ نے خود ہی تو کہا ہے چوہدری صاحب کہ آپ کے کتے فٹ نہیں ہیں۔

حشمت : پر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں مقابلے سے منہ موڑ کر سارے علاقے میں اپنی بستی (بے عزتی) کرا لوں۔

(دلاور سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے) تیرے خیال میں مجھ کو کیا کرنا چاہیئے۔

دلاور : (گو مگو کے عالم میں) میں ۔ میں کیا عرض کروں جی۔

حشمت : اچھا یہ بتا کہ تو میری جگہ ہوتا تو کیا کرتا ۔ کیا حل نکالتا اس مسئلے کا ۔ بات اچھی طرح سمجھ لے ۔ میں اپنے کتے مروانا بھی نہیں چاہتا اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ مجھے پیچھے نہ ہٹنا پڑے۔

دلاور : میری سمجھ میں تو ایک ہی حل آتا ہے ۔ چوہدری صاحب (فیصلہ کن انداز میں) مہر جیون کے کتوں کو گولی مروا دی جائے۔

حشمت (خوش ہو کر) شاباش جوان ۔ اسی لئے تو تو مجھے اتنا اچھا لگتا ہے ۔ میں نے بھی اس کا یہی حل سوچا تھا ۔ پر مسئلہ

کے کتوں کو گولی نہیں مروائیں گے۔ یہ ذرا خطرناک معاملہ ہے۔

دلاور : پھر۔

حشمت : (مکارانہ) ہمارے کتے بیمار ہیں نا (دلاور اثبات میں سر ہلاتا ہے) اگر مہر جیون کے کتے بھی بیمار ہو جائیں پھر؟؟ (دلاور چند لمحے کچھ نہیں سمجھ پاتا۔ پھر حشمت کا مطلب سمجھ کر داد آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا ہے)

دلاور : اچھا خیال ہے جی

حشمت : اور یہ کام تو کرے گا دلاور۔

دلاور : جیسا حکم چوہدری جی۔ پر میں کتوں کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا۔

حشمت : لے بھئی بخشو ایک چیز تو ایسی ہے جس کے بارے میں دلاور نہیں جانتا۔ مجھ کو تو لگتا تھا اس کو ہر کام کا پتہ ہے (دلاور سے) دوائی تجھے میں دیتا ہوں۔ تیرا کام صرف اسے کتوں کی راتب میں شامل کرنا ہے۔ پر یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ مہر جیون اپنی اولاد سے زیادہ اپنے کتوں کا خیال رکھتا ہے۔ جان ہتھیلی پر رکھ کر جانا ہو گا تجھے۔

دلاور : آپ فکر نہ کریں چوہدری جی۔

حشمت : تجھے میں اس لئے بھیج رہا ہوں کہ تو بہادر بھی ہے اور سمجھ دار بھی۔ یہ دو دیاتیں بہت کم لوگوں میں اکٹھی ہوتی ہیں اور پھر تجھے مہر جیون اور اس کے بندے پہچانتے بھی نہیں ہیں۔

سین نمبر ۶

(دلاور اور حشمت خان کا ایک آدمی گھوڑے دوڑاتے ہوئے دور سے آتے ہیں

گھوڑے ایک جگہ آ کر رکتے ہیں)

آدمی نمبر ۱ : لو بھائی دلاور۔ وہ سامنے گاؤں ہے مہر جیون کا۔

دلاور : (چند لمحے غور سے دور نظر آتے ہوئے گاؤں کو دیکھتا ہے) طفیل نام بتایا تھا نا پٹواری کا۔

آدمی : ہاں۔

دلاور : ٹھیک ہے تم جاؤ۔ چوہدری صاحب سے کہنا انشاء اللہ میں رات کو کام مکمل کر کے پہنچ جاؤں گا۔

آدمی نمبر ۱ : اپنا خیال رکھنا بھائی دلاور۔ مہر جیون بڑا خوفناک آدمی ہے۔

دلاور : (گھوڑے پر لدے ہوئے سامان میں سے نظر آتی ہوئی بندوق کی نالی تھپتھپاتا ہے اور اسے دکھاتا ہے) تم فکر نہ کرو۔

آدمی نمبر ۱ : اچھا۔ رب راکھا۔

دلاور : رب راکھا۔

(آدمی مڑ کر جاتا ہے۔ دلاور چند لمحے کچھ سوچتا ہے۔ پھر گھوڑے کو گاؤں کی طرف بڑھاتا ہے)

سین نمبر ۷

(دلاور گھوڑے کو آہستہ آہستہ چلاتا ہوا آتا ہے۔ درختوں کے ایک جھنڈ کے نیچے رک کر اترتا ہے۔ گھوڑے کو ایک طرف باندھتا ہے۔ اس کی پشت سے سامان اٹھا کر درخت کے پیچھے جاتا ہے۔ چند لمحوں بعد درخت کے پیچھے سے وہ پتلون قمیص پہنے نکلتا ہے۔ ہاتھ میں چمڑے کا ایک بیگ ہے دوسرے ہاتھ میں پستول اور پیٹی ہیں۔ چند لمحے کچھ سوچتا ہے۔ پھر کچھ گولیاں نکال کر پستول میں بھرتا ہے۔ پیٹی کو واپس سامان میں رکھتا ہے۔ بیگ کھول کر پستول کپڑوں کے نیچے چھپاتا ہے۔ جھاڑیوں سے باہر نکل کر چلنا شروع کرتا ہے۔)

سین نمبر ۸

(دلاور کا بیگ ایک موڑھے کے قریب زمین پر پڑا ہے۔ موڑھے پر دلاور بیٹھا ہے۔ سامنے دوسرے موڑھے پر پٹواری طفیل ہے۔ درمیان میں ایک پرانی سی میز ہے۔ جس پر ایک دو برتن پڑے ہیں۔ دونوں کھلے میں ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہیں)

پٹواری : دو چار گھروں کو چھوڑ کر سب مزارعے ہی ہیں جی ۔ مہر صاحب کے۔ بڑے چوٹی کے جاگیردار ہیں۔

دلاور : (جیسے بہت متاثر ہو رہا ہے) واہ

پٹواری : اس علاقے کے بادشاہ ہیں۔ بڑے بڑے افسر آتے ہیں ان سے ملنے۔

دلاور : اس کا مطلب ہے ان سے ملنا بہت مشکل ہے۔

پٹواری : آپ سرکاری افسر ہیں آپ کے لئے تو کوئی مشکل نہیں۔

دلاور : دراصل میں اس طرح کا سرکاری افسر نہیں ہوں نا میں تو عالمی ادارہ صحت کی طرف سے اس بات کی تحقیق کر رہا ہوں کہ اس علاقے میں کوئی چیچک کا کیس تو نہیں ہوا۔

پٹواری : وہ تو آپ مجھ سے بھی پوچھ سکتے ہیں۔ میں جدی پشتی یہاں کا رہنے والا ہوں۔ پچھلے پندرہ سال سے ایسا کوئی کیس نہیں ہوا۔ اس علاقے میں۔

دلاور : تو چلیئے یہ کام بھی نبڑ گیا ــــ (ہنستے ہوئے) اب میں آپ کی ضمانت پر رپورٹ لکھوں گا۔ مروا نہ دیجئے گا مجھے۔

پٹواری : نہیں جی۔ ایسا نہیں ہو سکتا کبھی۔

(کچھ فاصلے سے زہرہ گزرتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں روٹی کے برتن ہیں۔ پٹواری کی نظر اس کے ساتھ ساتھ جاتی ہے۔ چہرے سے تعریف اور ہوس نمایاں ہے۔ زہرہ گھور کر اسے دیکھتی ہے۔ گھبرا کر نظریں جھکاتا ہے۔ زہرہ ایک لمحے کے لئے ٹھٹک کر دلاور کی طرف دیکھتی ہے پھر جاتی ہے اور پٹواری شرمندہ سا ہو کر ہنستا ہے)

پٹواری : بڑی کاٹنا عورت ہے یہ۔ کہیں سے بھاگ کر آئی ہوئی ہے۔ مگر رہتی ایسے ٹھسّے سے ہے۔ جیسے چوہدرانی کی بیٹی ہو۔

دلاور : اس گاؤں کی نہیں یہ۔

پٹواری : نہیں جی۔ پتہ نہیں کہاں سے آئی ہے۔

دلاور : کیانام ہے اس کا ۔ ۔ ۔ ۔

پٹواری : زہرہ

(دلاور جیسے ایک دم لرز کر پیچھے ہٹتا ہے۔ اپنے آپ کو بڑی مشکل سے کمپوز کرتا ہے)

دلاور : کیا نام بتایا ہے آپ نے۔

پٹواری : زہرہ — اس کا مر دبہر صاحب کے یہاں نوکر ہے۔

دلاور : (دانت پیستے ہوئے) فتح شیر۔ آخر بیگ نے تجھے ڈھونڈھ ہی لیا فتح شیر۔

سین نمبر ۹

(رات کا وقت۔ دلاور نے منہ پر ڈھاٹھا باندھ رکھا ہے۔ کپڑوں پر ایک چادر اوڑھ رکھی ہے۔ دور سے چوکیدار کی آواز آتی ہے "جاگتے رہنا" چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتا ہے۔ ایک مکان کی کچی دیوار پر چڑھتا ہے۔ CUT INSIDE — دلاور دیوار پر چڑھتا ہے آہستہ سے اندر کودتا ہے۔ صحن میں دو چار چارپائیاں بچھی ہیں ایک خالی ہے۔ دوسری پر کوئی سو رہا ہے۔ دلاور بغل میں سے پستول نکالتا ہے۔ بے آواز قدموں سے آگے بڑھتا ہے۔ بستر پر زہرہ سو رہی ہے۔ چند لمحے چوکنا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھتا ہے۔ پھر دیوار کے ساتھ لگ کر کمروں کی طرف بڑھتا ہے۔ آہستہ آہستہ سے اندر گھس کر ایک دم دیوار کے ساتھ لگتا ہے کمرے میں ایک پلنگ اور معمولی سازو سامان ہے۔ چاروں طرف سے کمرے کو دیکھ کر دوسرے کمرے میں گھستا ہے۔ وہاں بھی ایک دو چار پائیاں کھڑی ہیں۔ ایک دو بڑی بٹلیاں، حمام، پکے برتن وغیرہ ہیں۔ چاروں طرف پریشانی کے عالم میں دیکھتا ہے۔ پہلے کمرے میں واپس آتا ہے۔ ایک دم رُکتا ہے دروازے میں زہرہ کھڑی اسے گھور رہی ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک بلّم ہے۔ دلاور ایک دم پستول اس پر تانتا ہے۔ مگر یہ دیکھ کر کہ وہ زہرہ ہے۔ اس کا ہاتھ ایک دم نیچے ہو جاتا ہے۔ دونوں چند لمحے ایک دوسرے کو گھورتے ہیں۔)

زہرہ : کون ہو تم ؟ (دلاور نے منہ سے کپڑا ہٹاتا ہے۔ زہرہ کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک سی آتی ہے) تم — تم — آج دوپہر کو پٹواری طفیل کے ساتھ بیٹھے تھے۔ وہی ہو نا تم۔

زہرہ : میرے گھر کیا لینے آئے ہو۔ کیا تمہیں اس پٹواری نے یہ نہیں بتایا کہ میں اپنی طرف اٹھنے والی گندی آنکھیں ناخنوں سے نوچ لیتی ہوں۔

دلاور : بتایا تھا۔

زہرہ : پھر — پھر بھی تم آئے ہو — کیوں؟

دلاور : مجھے تم سے نہیں فتح شیر سے کام ہے۔

زہرہ : کون فتح شیر۔

دلاور : وہی جس کے ساتھ تم نور پور بھاگ کر آئی ہو۔

زہرہ : نور پور، کیا مطلب، میں سمجھی نہیں۔

دلاور : جب فتح شیر کی لاش دیکھو گی تو تمہیں سب کچھ یاد آ جائے گا۔ نکالو اس بزدل کو۔ کہاں چھپا رکھا ہے۔

زہرہ : میرے خاوند کا نام احسان ہے اور وہ شہر گیا ہوا ہے، کل آئے گا۔

دلاور : کیا وہ سمجھتا ہے کہ نام بدلنے سے آدمی بدل جاتا ہے۔

زہرہ : پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔ کام کیا ہے تمہیں اس سے۔

دلاور : اس پستول میں چھ گولیاں ہیں جو میں اس کے جسم میں اتارنا چاہتا ہوں۔

زہرہ : (حقارت سے ہنستے ہوئے) لگتا ہے تم نے اسے دیکھا نہیں۔ تمہارے جیسے چار بھی ہوں تو وہ انہیں پیس کے رکھ دے گا۔

دلاور : بڑا مان ہے تمہیں اس پر۔

زہرہ : کیوں نہ ہو۔ میرا مرد ہے وہ۔ اور تم، تم سے تو میں اکیلی نمٹ سکتی ہوں (بلّم آگے کرتی ہے)

دلاور : میرے راستے سے ہٹ جاؤ زہرہ۔ میں عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ فتح شیر آئے تو اسے بتا دینا کہ سکندر کے بھائی دلاور نے اس کی بو پا لی ہے۔ اب وہ جتنا بھاگ سکتا ہے بھاگ لے۔ میں دنیا کے آخری کنارے تک اس کا پیچھا کروں گا۔

(تیزی سے آگے بڑھتا ہے۔ زہرہ کو ایک طرف ہٹاتا ہے۔ بھاگتا ہوا دیوار پر چڑھتا ہے۔ دیوار سے چھلانگ لگا کر کود جاتا ہے۔ زہرہ حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہے۔ بلّم ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہے۔ چہرے سے سخت حیرت کے آثار نمایاں ہیں۔ جیسے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔)

سین نمبر ۱۰

(حشمت خان اپنے بستر پر نیم دراز حقہ پی رہا ہے۔ بختو اور ہنگا قریب بیٹھے ہیں سامنے نتھو چوکیدار کھڑا تھر تھر کانپ رہا ہے۔ لیکن اس کوشش میں ہے کہ اپنے آپ کو کمپوز رکھے)

حشمت : ہوں ۔ تو تو کیس کرے گا چوہدری انور پر ۔ اس کا مطلب پتہ ہے ۔ تجھے (نتھو کچھ کہنے کی کوشش کرتا ہے ۔ الفاظ نہیں ملتے) مجھے پتہ چلا ہے کہ تو نے خود جیراں کو کھوہ میں دھکا دیا ہے ۔

نتھو : (آنسو روکتے ہوئے) جیراں میری بیٹی تھی چوہدری جی ۔

حشمت : لیکن وہ اپنی مرضی سے غوث محمد کے ساتھ چلی گئی تھی ۔ اور تجھے اس کا رنج تھا ۔

نتھو : یہ جھوٹ ہے ۔ اسے چوہدری انور نے اٹھوایا تھا ۔ اور اس نے اپنا منہ کالا کرنے کے بعد ۔ ۔ ۔

حشمت : (گرج کر) نتھو ۔ زبان کھینچ لوں گا اگر انور کے بارے میں کوئی بکواس کی ۔

نتھو : آپ بے شک میری زبان کھینچ لیں چوہدری صاحب مگر میں سچ کہنے سے باز نہیں آؤں گا ۔

حشمت : سچ اور جھوٹ کا فیصلہ تو عدالت کرے گی ۔ ۔ ۔ ۔

نتھو : تو پھر کرنے دیجئے عدالت کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حشمت : مگر نتھو — عدالت شہادتیں دیکھ کر فیصلہ کرتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔

نتھو : میں سچا ہوں تو فیصلہ میرے حق میں ہوگا ۔

حشمت : اور یہ پٹی تجھے اس کمہار کے پتر نے پڑھائی ہوگی ۔ ۔ ۔ ۔ کیا نام ہے اس کا ۔

بخشو اور منگا : (ایک ساتھ) شیدا جی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب محمد رشید ہو گیا ہے ۔

(مذاق اڑانے والے انداز میں ہنستے ہیں)

نتھو : مجھے کسی نے پٹی نہیں پڑھائی ۔ ۔ ۔ ۔ میری بیٹی پر ظلم ہوا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کا بدلہ میں ضرور لوں گا ۔ ۔ ۔ ۔

حشمت : مجھ سے ۔ ۔ ۔ ۔ !!

نتھو : آپ سے نہیں چوہدری انور سے ۔

حشمت : تو چوہدری انور کون ہے ۔ ۔ ۔ میرا پوترا ہے وہ ۔ ۔ ۔ ۔ میرا لختِ جگر ہے ۔ ۔ ۔ اب بھی وقت ہے نتھو مقدمہ واپس لے لے ۔

(نتھو خاموش کھڑا رہتا ہے حشمت کا چہرہ غصے سے سرخ ہوتا ہے ۔ چھڑی پر ہاتھ رکھ کر اٹھتا ہے ۔ بے چینی سے ہاتھ گھماتا ہے ۔ بخشو اور منگا سہم جاتے ہیں جیسے کوئی بہت خوفناک بات ہونے والی ہو ایک دم حشمت کی آنکھیں مکاری سے چمک اٹھتی ہیں ۔ آہستہ آہستہ قدم بڑھا کر نتھو کے قریب آتا ہے ۔ جو اور زیادہ سمٹ جاتا ہے)

کیا نام ہے تیرے بھائی کا ۔ ۔ ۔ !

نتھو : غلام حسین

حشمت : ہاں غلام حسین ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے سنا ہے اس کی دو بیٹیاں جوان ہیں ۔ ۔ ۔ اور وہ تیری ایک

بہن بھی تو تھی۔۔۔۔۔ بڑی خوب صورت ہوتی تھی جوانی میں (نتھو غصے اور بے بسی سے کانپتا ہے) اچھا سانام نخاس

کا ۔۔۔۔ بشیراں۔۔۔۔۔ اس کی بھی سنا ہے ایک لڑکی جوان ہے۔۔۔۔ کیوں او ئے بخشو۔

بخشو : جی چوہدری جی۔۔۔۔۔ ثریا نام ہے جی اس کا۔

حشمت : تو ایسا کر نتھو۔۔۔۔۔ جیراں اکیلی کے مقدمے کا مزہ نہیں آئے گا۔ تو چاروں لڑکیوں کا مقدمہ ایک

ساتھ ہی کر دے۔

نتھو : (چند لمحے بعد حشمت کے جملے کا مطلب سمجھتا ہے) نہیں۔۔۔۔ ایسا نہ کرنا چوہدری جی۔

حشمت : (چھڑی نتھو کے پیٹ میں چبھوتا ہے) حشمت خان سے مقدمہ لڑنا ہے تو نے نتھو ــــ اس میں کوئی

زور تو پیدا ہونے دے۔۔۔۔۔ چل، اُٹھ، جا، شاباش۔

نتھو : (روتے ہوئے چوہدری کے پاؤں پر گرتا ہے) نہیں چوہدری جی۔۔۔۔ نہیں۔ خدا کے لئے یہ ظلم نہ

کرنا۔۔۔۔۔

حشمت : (پاؤں نتھو کی گردن پر رکھ کر غصے سے گرجتا ہے) تو تیرا کیا خیال ہے اب میں کٹہرے میں کھڑے

ہو کر تیرے ساتھ پیشیاں بھگتوں گا۔۔۔۔۔ جوابدہیاں کروں گا تجھے۔۔۔۔۔ (ٹھوکر مارتا ہے) جا اور اس کمہار

کے پتر وکیل کو بتا دے آج رات میرے آدمی تینوں لڑکیوں کو اٹھانے آئیں گے۔ روک سکتا ہے تو روک لے۔

نتھو : (روتے ہوئے) نہیں چوہدری جی نہیں۔۔۔۔۔ مجھے نہیں لڑنا مقدمہ۔۔۔۔۔۔۔ مجھے

معاف کر دو۔

(چوہدری کے پاؤں پکڑتا ہے چوہدری کا کلوز جس کے چہرے پر فتح مندی کی

مسکراہٹ نمودار ہوتی ہے)

سین نمبر ۱۱

(محمد رشید اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا ہے۔ ماسٹر منظور خاموش

کھڑا ہے۔)

محمد رشید : اب کیا کریں ماسٹر جی۔

ماسٹر : صبر بیٹا، اور کیا ہو سکتا ہے۔

محمد رشید : آپ سمجھائیں نتھو چاچا کو۔۔۔۔۔

ماسٹر : میں نے اُسے بہت سمجھایا ہے بیٹا۔۔۔۔ وہ نہیں مانتا۔۔۔۔۔۔

محمد رشید : اس سے پوچھیں تو سہی۔۔۔۔۔ بات کیا ہوئی ہے۔

ماسٹر : بات سمجھنی تو کوئی مشکل نہیں بیٹا۔۔۔۔۔ چوہدری حشمت نے آج اس کو حویلی بلوایا تھا۔

محمد رشید : مگر یہ سراسر ظلم ہے۔۔۔۔

ماسٹر : ایک ضرب المثل ہے بیٹے کہ۔۔۔۔ ستی نہ لڑے تو پنچوں کیا کرے۔۔۔۔ جب مدعی ہی سست

ہے تو میری اور تمہاری چستی کس کام کی ۔ ۔ ۔

محمد رشید : (بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے) یہ بہت بڑی بات ہے ۔ ۔ ۔ بہت بڑی ۔

سین نمبر ۱۲

(نیاز علی اور حشمت خان شطرنج کھیل رہے ہیں ۔ ۔ ۔ مہنگا آتا ہے)

مہنگا : مہر جیون صاحب کا کوئی آدمی آیا ہے چوہدری جی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ سے ملنا چاہتا ہے ۔

حشمت : (کچھ سوچ کر مسکراتا ہے) اُسے اندر لے آؤ (نیاز سے ۔ ایک مہرہ اٹھا کر رکھتے ہوئے) ۔ ۔ ۔ ۔ یہ بازی تو تم ہار گئے نیاز علی ۔

نیاز علی : مجھے سوچنے دیجئے ذرا ۔

حشمت : (ہنستے ہوئے) جتنا جی چاہے ، سوچ لو ـــــ میری دی ہوئی شہ کبھی ضائع نہیں جاتی ۔

نیاز علی : (شکست خوردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ) پھر بھی سوچنے تو دیجئے

(مہنگا ایک آدمی کو لیکر اندر آتا ہے)

آدمی : سلام چوہدری صاحب ۔

حشمت : وعلیکم السلام

آدمی : (جیب سے ایک لفافہ نکال کر دیتے ہوئے) مہر جیون صاحب نے یہ ایک خط بھیجا ہے آ[illegible] کے لئے ۔ اور کہا ہے کہ جواب لے کر آنا ۔

حشمت : (خط لے کر نیاز علی کی طرف بڑھاتا ہے ۔ مہنگے سے) مہنگے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مہنگا : جی سرکار ۔

حشمت : اسے مہمان خانے میں لے جاؤ اور کچھ کھلاؤ پلاؤ ۔ ۔ ۔ ۔ میں ابھی سن کر جواب لکھواتا ہو[illegible]

مہنگا : بہت اچھا جی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آؤ بھئی (دونوں جاتے ہیں حشمت زور زور سے ہنستا ہے) (پھر نیاز [illegible]) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ دلاور بڑے کام کا آدمی ہے ۔

نیاز علی : (حیرت سے) یہ میاں جی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ تو مہر جیون کا خط ہے ۔

حشمت : خط تو اُسی کا ہے پر اس میں پیغام دلاور کا ہے ۔

نیاز علی : (لفافہ کھولتے ہوئے) پیغام دلاور کا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (پڑھتا ہے) برادرم حشمت خان صاحب[illegible]

حشمت : (فخر سے مسکراتے ہوئے) میں بتاتا ہوں تجھے اس میں کیا لکھا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مہر جیون نے کو[illegible] مقابلے کی تاریخ آگے کرنے کی فرمائش کی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(نیاز علی پڑھتا ہے ۔ اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات آتے ہیں)

نیاز علی : کمال ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ کو کیسے پتہ تھا میاں جی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حشمت : اس لئے کہ میں نے دلاور کو وہاں بھیجا ہوا ہے۔ ۔ ۔ ۔ وجہ کیا لکھی ہے مہر جیون نے ۔ ۔ ۔

نیاز علی : اُن کی تاریخ ہے کوئی مقدمے کی ۔ ۔ ۔ ہائی کورٹ میں۔

حشمت : (ہنستے ہوئے) اچھا بہانہ ہے ۔ ۔ ۔ جواب میں لکھ دے کہ ۔ ۔ ۔ نہیں ٹھہرو، اس نے اپنے ہاتھ سے خط لکھا ہے میں بھی اپنے ہاتھ سے اُسے جواب لکھوں گا۔ ۔ ۔ پر دلاور کیوں نہیں آیا ابھی تک !!

(ایک سوچ میں پڑ جاتا ہے)

سین نمبر ۱۲۔ اے

(مولاداد سید گل سے دلاور کے بارے میں بات کر رہا ہے۔ سید گل کا گھر)

سید گل : میں تو خود بڑا پریشان ہوں بھائی مولاداد ۔ ۔ ۔ اللہ کرے وہ خیریت سے ہو۔

مولاداد : پر وہ گیا کہاں ہے ؟ کیوں گیا ہے ؟ کس نے بھیجا ہے اُسے ؟

سید گل : بڑے چوہدری نے اپنے کسی خاص کام سے بھجوایا ہے۔ چھیما ماچھی بتا رہا تھا کہ وہ اسے مہر جیون کے گاؤں کی حد پہ چھوڑ کر آیا تھا۔

مولاداد : مہر جیون کے گاؤں میں ۔ ۔ ۔

(سوچتے ہوئے)

پر کیوں ؟

سید گل : میں نے کوشش کی بڑی پتہ کرنے کی۔ پر کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ تجھ کو شاید پتہ ہو۔

مولاداد : یہ بہت زیادتی کی ہے بڑے چوہدری صاحب نے۔ دلاور یہاں نیا ہے۔ اور مہر جیون کے آدمی تو اس کے کتوں سے پہلے غیر آدمی کی بُو سونگھ لیتے ہیں۔

سید گل : (رازدارانہ انداز میں) چکر بھی کوئی کتوں کا ہی لگتا ہے۔

(سید گل کی بیوی ہاتھ میں لسی کے دو بڑے بڑے گلاس لے کر آتی ہے)

سید گل : لسی پی لو بھائی مولاداد۔

مولاداد : (اپنی سوچ میں محو ہے بلکہ وہیں انہیں کہتا ہے) نہیں، میں اب چلوں گا۔

سید گل : (تسلی کے انداز میں) فکر نہ کرو، اللہ خیر کرے گا۔ لسی پیو۔

(مولاداد لسی کا گلاس لے کر ایک سانس میں پیتا ہے۔ اسی سوچنے کے انداز میں منہ صاف کرتا ہے)

سید گل کی بیوی : نیکے کا کیا حال ہے بھائی مولاداد ؟

مولاداد : پہلے سے بہت بہتر ہے بہن

سید گل کی بیوی : اللہ اُسے جلدی شفا دے۔

مولاداد : اچھا بھائی سید گل میں دلاور کا پتہ کرتا ہوں اگر میرے پیچھے وہ آگیا تو اُسے کہنا کہ میرا انتظار کرے۔
(مولاداد جاتا ہے۔ سید گل چند لمحے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر بیوی سے کہتا ہے)
سید گل : عجیب آدمی ہے یہ دلاور بھی۔ اس نے تو مولاداد جیسے پتھر کو بھی موم کر لیا ہے۔

سین نمبر ۱۳

(زہرہ کے گھر کا صحن۔ زہرہ کا خاوند احسان لسی کا گلاس پی رہا ہے۔ ایک تومند نوجوان ہے۔ زہرہ اندر سے ایک پستول لے کر آتی ہے)

زہرہ : یہ رکھ لو۔۔۔۔
احسان : (قدرے برہمی سے اس کی طرف دیکھتا ہے) کیا ہوگیا ہے تمہیں زہرہ۔۔۔۔
زہرہ : احتیاط اچھی ہوتی ہے احسان۔۔۔۔ مجھے اس آدمی کی آنکھوں میں خون نظر آرہا تھا۔
احسان : تجھے تو وہم ہوگیا ہے (ایک طرف پڑی ہوئی ڈانگ اٹھاتا ہے) اس ڈانگ کے ہوتے ہوئے کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔۔۔۔
زہرہ : اس کے پاس پستول ہے۔۔۔۔
احسان : وہ مجھے ملے گا تو میں اُسے سمجھا دوں گا۔۔۔۔
زہرہ : (محبت آمیز ناراضگی سے) اور اگر اس نے اس سے پہلے ہی گولی چلا دی!
احسان : (پستول اُس کے ہاتھ سے لیکر شلوار کی ڈب میں لگاتا ہے) تو یہ ہے بھئی۔۔۔۔ بڑی ضدی ہو تم۔
زہرہ : (دروازے تک اس کے ساتھ جاتے ہوئے) دلاور نام بتا رہا تھا اپنا۔۔۔۔
احسان : تم نے اُس کا حلیہ مجھے اتنی تفصیل سے بتایا ہے کہ مجھے اس کی پوری شکل یاد ہوگئی ہے۔۔۔۔ مجھے تو لگتا ہے جیسے تم خفیہ پولیس کی ملازم ہو۔
زہرہ : (دروازے پر اُسے رخصت کرتے ہوئے) خدا کے لئے بے پروائی نہ کرنا۔۔۔۔
احسان : نہیں کروں گا بابا۔۔۔۔ نہیں کروں گا۔۔۔۔ تمہارا بس چلے تو مجھے چوڑیاں پہنا کر گھر میں بٹھا دو۔۔۔۔ اچھا خدا حافظ۔۔۔۔

(احسان دروازے سے نکل کر جاتا ہے زہرہ دور تک اس کو جاتے ہوئے دیکھتی ہے۔ چاروں طرف دیکھتی ہے۔ گلی بالکل سنسان ہے۔ دروازہ بند کرتی ہے۔ عین اسی لمحے ایک مکان کے پیچھے سے دلاور جھانکتا ہے۔ دلاور کا کلوزپ)

سین نمبر ۱۴

(احسان گاؤں کی ایک پگڈنڈی پر جا رہا ہے۔ ڈانگ کو اس نے کندھوں پر رکھا ہوا ہے۔ ماہیے کے بول گنگنا رہا ہے۔ درختوں کے ایک جھنڈ سے گزرتا

ہے گنگناتے ہوئے۔ اس کے چہرے کا تاثر بدلتا ہے بول منہ میں گھوٹتے ہیں ایک دم خاموش ہوکر رک جاتا ہے تیزی سے پیچھے مڑتا ہے۔ پتوں کے چرچرانے اور کسی پرندے کے بولنے کی آواز آتی ہے غور سے چاروں طرف دیکھتا ہے ۔۔۔۔ ہر طرف خاموشی ہے پھر چلنا شروع کرتا ہے مگر اب اس کی رفتار دھیمی اور محتاط ہے ۔۔۔۔۔ کسی لکڑی کے ٹوٹنے کی آواز آتی ہے ایک دم رکتا ہے ڈب سے پستول نکالتا ہے بلند آواز میں بولتا ہے)

احسان : تم جو کوئی بھی ہو سامنے آکر بات کرو۔

(چاروں طرف خاموشی ہے احسان محتاط انداز میں پستول ہاتھ میں لئے چلتا ہے ایک درخت کے قریب سے گزرتے ہوئے آہٹ کی آواز آتی ہے مڑتا ہے مگر ایک لاٹھی زور سے اس کے سر پر پڑتی ہے چکرا کر گرتا ہے دھندلی آنکھوں سے دلاور کی طرف دیکھتا ہے جو اس پر دوبارہ لاٹھی تان رہا ہے)

سین نمبر ۱۵

(گاؤں کے باہر ایک اُجاڑ مکان یا جھونپڑی کیمرہ اس کی ویرانی کا منظر رجسٹر کرتا ہے جھونپڑی کے باہر ایک گھوڑا بندھا ہے۔ اندر کٹ کرتے ہیں تو احسان زخمی حالت میں لمبے لمبے سانس لے رہا ہے جھونپڑی مدت سے بے آباد ہے ہر طرف جالے تنے ہیں۔ دلاور احسان کے چہرے پر پانی پھینکتا ہے جو ایک ٹین کے ڈبے میں ہے احسان نیم بے ہوشی کے عالم میں سر جھٹکتا ہے۔ دلاور دو قدم پیچھے ہٹ کر ایک مٹی کے ٹیلے پر بیٹھتا ہے پستول گود میں رکھتا ہے۔ چہرے سے سخت کبیدگی کے آثار نمایاں ہیں۔ احسان سر کو دو ایک بار جھٹکتا ہے آنکھیں کھول کر اٹھنے کی کوشش کرتا ہے۔ دلاور پستول اس پر تانتا ہے احسان چند لمحے حیرت سے اس طرف دیکھتا ہے)

احسان : تم دلاور ہو ــــــ ؟

دلاور : تو تم نے پہچان لیا مجھے ۔۔۔۔

احسان : (سر کے زخم کو ہاتھوں سے ٹٹول کر) اس کا بدلہ میں تم سے ضرور لوں گا ۔۔۔۔

دلاور : کب ؟

احسان : کبھی نہ کبھی۔

دلاور : مگر تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے ؟

احسان : (پریشانی میں) تم ہو کون ۔۔۔۔۔ زہرہ کے رشتے دار ہوتے تو وہ پہچان لیتی ــ !

دلاور : میں سکندر کا بھائی ہوں۔

احسان : (حیرت سے) کون سکندر ___ ؟

دلاور : وہی جس کی منگیتر کو تم اٹھا لائے ہو اور جس کو تم نے قتل کیا تھا۔

احسان : کون سکندر اور کیسا قتل ؟ ...... میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔

دلاور : بزدل نہ بنو فتح شیر ...... اب انکار سے کوئی فائدہ نہیں۔

احسان : میرا نام فتح شیر نہیں۔ احسان ہے۔

دلاور : اگر تم اسی نام سے مرنا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ......

احسان : دیکھو بھائی ...... تم جو بھی ہو ...... مجھے لگتا ہے تمہیں کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے ... یقین جانو میرا نام فتح شیر نہیں ...... احسان ہے ...... اور مجھے بالکل پتہ نہیں کہ تم مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہو۔

دلاور : تم نور پور کے ذیلدار چوہدری اکرم کے بیٹے فتح شیر ہو ...... بولو ہو کہ نہیں۔

احسان : نور پور کے ذیلدار ...... محمد اکرم ...... میرے باپ کا نام سلطان ہے اور میں نور پور کا نہیں لوریوالہ کا رہنے والا ہوں ......

دلاور : موت کا ڈر بھی کیسا ہے ...... آدمی اپنی ولدیت بدل دیتا ہے۔

احسان : (غصے سے اٹھتے ہوئے) اپنی زبان کو لگام دے دلاور ...... میں مرد کا بچہ ہوں ...... جو سچ تھا تجھے بتا دیا ہے تجھے یقین نہیں آتا تو لے ...... چلا گولی۔

(سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا ہے دلاور کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے تذبذب کے آثار نمایاں ہوتے ہیں)

دلاور : (پریشان آمیز لہجے میں پستول پر گرفت سخت کرتا ہے) نہیں تم جھوٹ بول رہے ہو ......

زہرہ : (دروازے میں سے آواز دیتی ہے) احسان جھوٹ نہیں بولتا دلاور۔ پستول پھینک دو

(دلاور دروازے کی طرف دیکھتا ہے۔ جہاں زہرہ اس پر بندوق تانے کھڑی ہے)

احسان : گولی نہ چلانا زہرہ ...... یہ ہمارا دشمن نہیں ...... اسے کوئی غلط فہمی ہے ......

(دلاور پستول ہاتھ میں لئے پریشان کھڑا ہے)

سین نمبر ۱۶

(دلاور اپنے گھوڑے کے قریب کھڑا ہے۔ نزدیک ہی احسان اور زہرہ کھڑے ہیں۔ دلاور سخت دل شکستہ نظر آ رہا ہے۔ پریشانی کے عالم میں گھوڑے پر بیٹھتا ہے)

دلاور : اچھا بھائی احسان ۔۔۔۔۔ میری وجہ سے تم لوگوں کو جو تکلیف ہوئی ہے اُسے معاف کر دینا ۔۔۔۔۔

احسان : (احسان اس کے گھوڑے کی باگ پکڑتا ہے لہجے سے خلوص نمایاں ہے) میری دُعا ہے بھائی دلاور کہ تمہیں فتح نصیب ہو جائے ۔۔۔۔۔ ہاں زندگی میں کبھی میری ضرورت پڑے تو بلا تکلف آواز دے دینا۔

دلاور : شکریہ دوست ۔۔۔۔۔ اچھا بہن تم مجھے معاف کر دینا۔

زبیدہ : (آنکھوں میں آنسو چھپائے ہوئے) میرا بھی ایک ویر ہے بالکل تمہارے جیسا ۔۔۔۔۔ پہلے میں اس کی سلامتی کی دعا مانگا کرتی تھی ۔۔۔۔۔ اب تمہارے لئے بھی مانگا کروں گی۔

دلاور : خدا تم دونوں کو سدا خوش رکھے ۔۔۔۔۔ خدا حافظ

دونوں : خُدا حافظ۔

(دلاور گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہے دونوں دور تک اسے جاتے ہوئے اُسے دیکھتے ہیں)

سین نمبر ۱۶۔ اے

انور : (مسکراتے ہوئے) اتنا گھبرا کیوں رہا ہے مولاداد۔ دلاور کو میاں جی نے کسی کام سے بھیجا ہے آ جائے گا۔

مولاداد : پر چوہدری انور وہ کل رات تک واپس آنے کا کہہ کر گیا تھا اور اب دوسری رات ہونے والی ہے۔

انور : دلاور مرد ہے مولاداد۔ اُسے کونسا کسی نے اغوا کر لینا ہے۔

مولاداد : وہ بات کا بڑا پکا ہے جی۔ مجھے ڈر ہے وہ کسی مصیبت میں نہ پڑ گیا ہو۔

انور : تُو دو دن شہر جا کر بڑا ذہنی ہو گیا ہے مولاداد۔ فرض کر دلاور کو کچھ ہو گیا۔ خوانخواہ بھی ہو گیا۔ وہ تو کیا ہے۔ نوکر مالکوں پہ جان دیا ہی کرتے ہیں۔ پھر تیرا اس سے کیا تعلق ہے۔

(مولاداد انور کی بات سے واضح طور پر HURT ہوتا ہے مگر اپنے جذبات پہ قابو پا کر بولتا ہے)

مولاداد : دلاور میرا یار ہے چوہدری انور

(انور اس کی طرف غور سے دیکھتا ہے اور اس کی سنجیدگی کو بھانپ کر بات بدلتا ہے۔ ہاتھ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتا ہے)

انور : اگر وہ تیرا یار ہے تو پھر ہمارا بھی سجن ہے۔ آ میرے ساتھ۔ میں پوچھتا ہوں میاں جی سے انہوں نے اُسے کہاں بھیجا ہے۔

سین نمبر ۱۶۔ بی

(حویلی)

حشمت :۔ میں نے بھیجا ہے بندہ اس کے پیچھے۔ سویر تک خبر لے آئے گا۔

انور : مولاداد کہہ رہا تھا اگر آپ کی اجازت ہو تو وہ خود چلا جائے اس کا پتہ کرنے۔

حشمت : کوئی ضرورت نہیں ہے اس کی۔ بہر جیون کو اگر ذرا سا بھی شک ہوگیا تو ساری کیتی کرائی پر پانی پھر جائے گا۔ اور پھر تیرے اس مولاداد کو تو اس کے آدمی اچھی طرح سے پہچانتے ہیں۔

مولاداد : کوئی خطرے کی بات تو نہیں ہے چوہدری جی۔

حشمت : نہیں جوان نہیں۔ کوئی خطرے کی بات نہیں ہے جس کام کے لئے میں نے اُسے بھیجا تھا وہ تو اُس نے مکمل کر لیا ہے۔ میرے خیال میں وہ کسی مصلحت کے تحت وہاں رُک گیا ہے۔ بڑا چوکس آدمی ہے دلاور۔ کیوں انور۔

انور : میں نے تو اس کا ذکر ہی سُنا ہے میاں جی۔ پر اب تو اُس سے مِلنا ہی پڑے گا۔ آپ بھی اس کی تعریفیں کر رہے ہیں۔ مولاداد بھی اس کا کلمہ پڑھتا ہے۔

حشمت : وہ بندہ ہی بڑے کام کا ہے۔ زہریلا بھی ہے اور وفادار بھی۔ بالکل تیرے اس مولاداد کی طرح۔۔۔۔۔

(مولاداد تیز نظر سے چوہدری کی طرف دیکھتا ہے پھر آنکھ جھکا لیتا ہے۔)

سین نمبر ۱۷

(موٹر سائیکل پر فرخ اور یاسمین جا رہے ہیں دونوں کی باتیں ان پر O/S ہوتی ہے)

یاسمین : اور کیا کہہ رہی تھی ؟

فرخ : کہنا کیا تھا بس تعریفیں کر رہی تھیں کہ۔۔۔۔۔ کیا چوائیس ہے میرے بیٹے کی۔

یاسمین : اونہوں۔ اپنی تعریفیں کئے جاؤ گے۔ میں پوچھ رہی ہوں کہ میرے بارے میں کیا کہہ رہی تھیں۔۔۔۔۔

فرخ : (مذاق کے لہجے میں) بھئی وہ چائے اچھی بنائی تھی تم نے (یاسمین اس کی کمر پر مکا مارتی ہے موٹر سائیکل لہراتی ہے) ارے ارے کیا کر رہی ہو۔ مرنا ہے۔

یاسمین : موٹر سائیکل روکو۔۔۔۔۔

فرخ : کیوں۔۔۔

یاسمین : مجھے نہیں جانا تمہارے ساتھ۔ مجھے اتار دو۔

فرخ : عقل کرو۔ یہاں سے تو رکشہ بھی نہیں ملے گا کوئی ۔۔۔۔ چل چل گئیں ہو جائے گی۔

یاسمین : تمہاری بلا سے۔

فرخ : ایک بار پھر کہنا ۔۔۔ بڑا رومانٹک جملہ ہے ۔۔۔۔۔ غالباً شفیق الرحمٰن کی کسی کتاب میں ہے۔

یاسمین : جی ہاں اور اس کتاب کا نام ہے مزید حماقتیں ۔۔۔۔۔ جو میں قطعاً کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

فرخ : اچھا عجیب بات ہے ۔۔۔۔ تم غصے میں ہوتی ہوتا تو بالکل ایسے لگتا ہے جیسے ناراض ہو رہی ہو۔

یاسمین : (بے بسی سے ہنستے ہوئے) یا اللہ کیا مصیبت ہے۔

سین نمبر ۱۸

(کیفے ٹیریا۔ ٹی وی لاؤنج کی سیڑھیاں وغیرہ)

یاسمین : خدا کی قسم فرخ اب اگر تم نے مجھے اور تنگ کیا نا ۔۔۔ تو میں سچ مچ چلی جاؤں گی۔ اور پھر کبھی تم سے بات نہیں کروں گی ۔۔۔۔

فرخ : اوہو تو بھئی اب میں تمہیں کیا بتاؤں۔ ساری باتیں تو بتا دی ہیں ۔۔۔

یاسمین : ایک ایک بات بتاؤ شروع سے ۔۔۔۔ جب تم مجھے چھوڑ کر آئے تو تمہاری امی نے کیا کہا ۔۔۔

فرخ : (شرارت آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے) پھر غالباً وقت پوچھا تھا۔

یاسمین : (غصے سے گھورتی ہے) پھر!

فرخ : پھر ۔۔۔۔ پھر ۔۔۔۔ پلیٹ اٹھائی تھی میز سے ۔۔۔۔ نہیں شاید گلاس اٹھایا تھا۔

یاسمین : اور تمہارے سر پر مارا تھا۔ پلیز فرخ مجھے غصہ نہ دلاؤ ۔۔

فرخ : اور تم بھی خدا کے لئے میرا امتحان نہ لو ۔۔۔۔۔ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تم اس طرح ایک ایک بکواس کے ساتھ کا ہے، نل شاپ اور سیمی کو فون لگوا کر مجھ سے باتیں سنی ہیں تو میں ایک ٹیپ ریکارڈر رکھ لیتا ساتھ۔

یاسمین : اچھا تم مجھے صرف وہ باتیں بتا دو۔ جو انہوں نے میرے بارے میں کی تھیں۔

فرخ : صحت کی طرف سے کہہ رہی تھیں کہ کچھ ہاتھ تنگ لگتا ہے لڑکی کا۔

یاسمین : (سنجیدہ ہو کر) یہ تو ٹھیک ہے دراصل۔ وہ جو مجھے JOINDES (جائینڈس) ہوا تھا نا ۔۔۔ اس کی وجہ سے ہے یہ WEAKNESS۔

فرخ : (ہنستے ہوئے) ارے تم تو سیریس ہی ہو گئیں۔ میں تو مذاق کر رہا تھا ۔۔۔۔۔۔ امی کو تو تم بہت پسند آئی ہو۔

یاسمین : نہیں انہوں نے ضرور کی ہوگی یہ بات ۔۔۔۔ بھئی کمزور تو میں ہوں نا ۔۔۔۔۔

فرخ : ابھی تم کمزور ہو (مصنوعی طور پر مسکراتے ہوئے) وہ جو کہ مارا تھا نا تم نے کمر میں۔ ابھی تک اس کی درد ہو رہی ہے ۔۔۔۔۔

یاسمین : توبہ، کتنے نازک ہو۔ نہیں تو لڑکی ہونا چاہیئے تھا۔

فرخ : (مزاحیہ لہجے میں ایک ایک لفظ الگ کرتے ہوئے) ہونا۔ چاہیئے۔ تھا۔ اسے گرامر میں ماضی تمنّیہ کہتے ہیں۔

یاسمین : جی نہیں اسے انگریزی میں WISHFUL THINKING کہتے ہیں۔

فرخ : اوہ۔ آئی سی ------ (I SEE)

(دونوں زور سے ہنستے ہیں)

سین نمبر ۱۱۔اے

(فرخ کا گھر۔ فرخ کی ماں اور یعقوب۔ یعقوب کے انداز سے اندرونی ہیجان اور کشیدگی کی ملی جلی کیفیت نمایاں ہے جیسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ فرخ کی ماں گومگو کی شدید کش مکش میں مبتلا ہے)

فرخ کی ماں : کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ------ کیسے بات شروع کروں۔

یعقوب : (AMBARRASSED انداز میں ہنستے ہوئے) ایسی کون سی بات ہے ------ خیریت تو ہے نا ------

ماں : خیریت ------ ہاں ------ شاید ------ دراصل میں آج آپ کی طرف گئی تھی۔

یعقوب : تسکینہ نے بتایا تھا مجھے ------ اسی لئے تو میں آیا ہوں ------ مگر بات کیا ہے ------ ؟

ماں : (پریشانی انداز میں) بات ------ دراصل یعقوب بھائی ------ دُنیا بڑی عجیب جگہ ہے ------ آدمی سوچتا کچھ رہتا ہے ہوتا کچھ ہے ------ میں نے جب آپ کے بھائی سے شادی کی تھی تو میرا خیال تھا شاید اب میری مصیبتیں ختم ہو جائیں گی۔ مگر جو ہوا آپ کے سامنے ہے ------ اب بائیس برس سے میں اُن کی نشانی کی حفاظت کر رہی ہوں ------ بیوگی کی اس ریل تلے میں نے اپنی ہڈیوں کا سرمہ کرکے یہ بائیس برس گزارے ہیں ------ لیکن یوں لگتا ہے جیسے ابھی میرا امتحان ختم نہیں ہوا ------

یعقوب : میں کچھ سمجھا نہیں بھابھی ------ مسئلہ کیا ہے ------ کیا فرخ نے کوئی ------ کوئی غلطی ہو گئی ہے فرخ سے۔

ماں : غلطی ------ پتہ نہیں ------ شاید مجھی سے کوئی غلطی ہو گئی ہے ------ مجھے سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ وہ ایک جوان اور سمجھدار لڑکا ہے ------ اس کی ایک اپنی شخصیت ہے ------ وہ میرے خوابوں میں نہیں، اپنے خوابوں میں زندہ رہنا چاہتا ہے ------ کوئی کسی دوسرے کے خوابوں میں کیسے زندہ رہ سکتا ہے یعقوب بھائی ------ چاہے وہ اس کی ماں کے ہی خواب کیوں نہ ہو ------

یعقوب : پلیز بھابھی ------ آپ بتائیں تو بھی قصہ کیا ہے ------ آپ کو پتہ ہے میں تو گرکا مریض ہوں زیادہ سسپنس مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔

ماں : آپ اس دن کہہ رہے تھے ناں ۔ ۔ ۔ شکیلہ اور فرخ کے بارے میں ۔ ۔ ۔

یعقوب : ہاں ۔ ۔ ۔

ماں : شکیلہ سے میں نے باتوں باتوں میں پوچھا تھا ۔ ۔ ۔ وہ تو ایک دوسرے سے کوئی اتنے مانوس نہیں ہیں ۔

یعقوب : (اطمینان کا لمبا سانس لیتے ہوئے جیسے سر سے کوئی بوجھ ٹل گیا ہو) اوہو ۔ ۔ ۔ آپ اس بات پر گھبرا رہی تھیں اتنا ۔ ۔ ۔ یہ تو کوئی مسئلہ نہیں ۔ ۔ ۔ ہم ان کی منگنی اناؤنس کر دیتے ہیں ۔ انہیں ایک دوسرے سے ملنے جلنے کا موقع دیں گے ۔ ۔ ۔ چند دنوں میں ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا ۔ ۔ ۔ اور سچ پوچھئے تو میں تو شادی کے بعد کی انڈرسٹینڈنگ کا زیادہ قائل ہوں ۔ ۔ ۔ آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا ۔ ۔

ماں : (ہمت مجتمع کرتے ہوئے) یہ بات اتنی آسان نہیں ہے یعقوب بھائی ۔

یعقوب : آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں بھابھی ۔ ۔ ۔ فرخ آئے تو اُسے میری بھجوائیے گا ۔ میں سب ٹھیک کر لوں گا ۔

ماں : آپ سمجھ نہیں رہے ہیں نا یعقوب بھائی ۔ ۔ ۔ دراصل فرخ ۔ ۔ ۔ ایک اور لڑکی کو پسند کرتا ہے ۔

یعقوب : (یہاں ٹائیٹل میوزک استعمال کریں) کیا مطلب میں سمجھا نہیں ؟

ماں : یقین جانئیے ، مجھے بھی علم نہیں تھا ۔ ۔ ۔ ایک لڑکی ہے یاسمین ۔ ۔ ۔ اُس کے ساتھ ہی پڑھتی ہے ۔ ۔ ۔ فرخ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے ۔ ۔ ۔ اور آپ کو پتہ ہے اُس کی خوشی میرے لئے ۔ ۔ ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ۔ ۔ ۔

یعقوب : (پریشانی کے عالم میں) مگر ۔ ۔ ۔ آپ تو کہہ رہی تھیں کہ ۔ ۔ ۔

ماں : میں نے آپ کو بتایا نا ۔ ۔ ۔ مجھے خود ابھی چند دن پہلے پتہ چلا ہے ۔ ۔ ۔ میں نے اپنے طور پر کوشش کی تھی کہ ۔ ۔ ۔ کوئی ۔ ۔ ۔ حل نکل سکے ۔ ۔ ۔ مگر ۔ ۔ ۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت پسند کرتے ہیں ۔

یعقوب : آپ نے لڑکی دیکھی ہے ۔ ۔ ۔

ماں : جی ہاں ۔ ۔ ۔ میں نے بلوایا تھا اُسے ایک دن ۔ ۔ ۔ اچھی لڑکی ہے ۔ ۔ ۔

یعقوب : (اپنے آپ کو کمپوز کرتے ہوئے مسکراتا ہے) اگر لڑکی اچھی ہے ۔ ۔ ۔ فرخ اُسے پسند کرتا ہے تو ٹھیک ہے ۔ ۔ ۔ ہم اس کی شادی وہیں کریں گے جہاں وہ چاہتا ہے ۔

ماں : (شدید حیرت اور عقیدت سے یعقوب کی طرف دیکھتی ہے) یعقوب بھائی ۔ ۔ ۔ آپ ۔ ۔ ۔ آپ بہت بڑے آدمی ہیں یعقوب بھائی ۔

یعقوب : ارے نہیں ، اس میں میری کیا بڑائی ہے ۔ ۔ ۔ یہ سچ ہے کہ میری دلی خواہش تھی کہ میں فرخ کو اپنا بیٹا ، اپنا داماد بناؤں ۔ ۔ ۔ اب اگر ایسا ممکن نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں اس سے اپنے

خون کے رشتے کو فراموش کر دوں۔ آپ بالکل اطمینان رکھیں۔۔۔۔ میں چلوں گا آپ کے ساتھ اس لڑکی کے گھر ۔۔۔۔ کیا نام بتایا تھا آپ نے۔۔۔۔۔

ماں : یاسمین۔۔۔۔

یعقوب : (بڑبڑاتے ہوئے) یاسمین۔۔۔

سین نمبر ۱۹

(یعقوب کا گھر)

یعقوب : تم نہیں سمجھتیں زبیدہ۔۔۔۔۔ یہ بہت بُرا ہوا ہے۔۔۔ بہت ہی بُرا۔

زبیدہ : ہماری ٹیکنکہ کو لڑکوں کی کوئی کمی نہیں۔۔۔۔ میں منہ سے بات نکالوں تو شام تک بیس رشتے آجائیں گے۔۔۔۔۔ ایک سے ایک اچھا۔

یعقوب : بات رشتوں کی نہیں زبیدہ۔۔۔۔ فرخ کی ہے۔۔۔۔

زبیدہ : آپ دفع کریں اُسے۔۔۔۔۔ ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔۔۔۔ ہمیں نہیں چاہیئے یہ جائداد وغیرہ۔

یعقوب : کسی نے سچ کہا ہے عورتوں کی عقل ان کے ٹخنوں میں ہوتی ہے۔ (سوچتے ہوئے) سب ملا جلا کر کم از کم ایک کروڑ کی جائداد ہے۔

زبیدہ : فرخ کو اگر اس کا حصہ مل بھی گیا تو زیادہ آٹھ دس لاکھ ہی ہوگا نا۔۔۔۔۔ کتنے حصے دار ہیں کل۔۔۔۔۔

یعقوب : فرخ ہمارے ہاتھ میں ہوا تو ساری جائداد کے صرف دو وارث ہوں گے۔۔۔۔ میں اور وہ۔۔۔ اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ یہ بہت بُرا ہوا ہے۔

زبیدہ : (طنزیہ انداز میں) ابا جی تو اس دن بڑے دعوے سے کہہ رہے تھے۔۔۔۔۔ فرخ آپ ہی کا بیٹا ہے۔۔۔۔ (نقل اتارتے ہوئے) جو آپ کہیں گے وہی ہوگا۔۔۔۔ میرا اور اس دنیا میں ہے ہی کون۔

یعقوب : بھابی کا قصور نہیں ہے اس میں۔۔۔۔ معاملہ تو سارا فرخ نے خراب کیا ہے۔

زبیدہ : تو آپ پھر کیوں سر کھپا رہے ہیں۔

یعقوب : اس لئے کہ مجھے اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکالنا ہے۔

زبیدہ : میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔

یعقوب : تم مت تھکاؤ اپنے ذہن کو۔۔۔۔ ذرا سا سوچتی ہو تو تمہیں گیس ہو جاتی ہے پھر سارے گھر میں ڈکاریں مارتی پھرو گی۔۔۔۔

زبیدہ : توبہ ہے۔ آپ تو میرے ڈکاروں کے پیچھے ہی پڑ گئے ہیں۔

یعقوب : (مسکراتے ہوئے) اور کیا جب سے شادی ہوئی ہے ایک ہی شوق پال رکھا ہے تم نے۔۔۔۔

زبیدہ : اچھا ہے نا۔ آپ کی طرح بھانت بھانت کے شوق تو نہیں پال رکھے۔۔۔۔۔

یعقوب : اچھا اب ایسے کرو۔۔۔۔ ایک کپ کافی کا پلوا دو گرما گرم۔۔۔۔۔ چینی کم۔۔۔۔ دودھ اور بھی کم ہیں تنہائی میں اس مسئلے پر سوچنا چاہتا ہوں۔ آپ جتنا مرضی سوچ لیں۔

زبیدہ : (جاتے ہوئے) اگر لڑکے کی مرضی نہیں تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ آپ جتنا مرضی سوچ لیں۔

یعقوب : (خود کلامی کے انداز میں) لڑکے کی مرضی۔۔۔۔

(سوچ میں پڑ جاتا ہے)

سین نمبر ۲۰

(یاسمین کے گھر کا ڈرائینگ روم۔ فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ ایک طرف سے یاسمین کی ماں داخل ہوتی ہے فون اٹھاتی ہے سکرین پر ایک لڑکے کا چہرہ آتا ہے جو فون کر رہا ہے)

یاسمین کی ماں : ہیلو۔

لڑکا : ہیلو۔ ہیلو۔ کون۔ یاسمین۔

ماں : میں یاسمین کی امی بول رہی ہوں۔۔۔۔ آپ کون ہیں؟

لڑکا : اوہ آپ امی ہیں یاسمین کی۔۔۔ سلام علیکم۔ آنٹی

ماں : (حیرت آمیز ناراضگی سے) وعلیکم اسلام۔۔۔۔ آپ کون صاحب بول رہے ہیں۔

لڑکا : میں فرخ ہوں آنٹی۔ یاسمین کا دوست۔۔۔ بوائے فرینڈ۔

ماں : بوائے فرینڈ آنٹی۔۔۔۔ بوائے فرینڈ۔۔۔۔

ماں : (غصے سے) کیوں فون کیا ہے آپ نے اُسے۔

لڑکا : میں نے ایک MASSAGE دینا تھا اُسے آنٹی۔۔۔۔ دراصل آج ہماری ڈیٹ تھی۔۔ ہمیں OUTING پر جانا تھا۔ مگر میرے ماموں آ گئے ہیں اچانک۔ یورپ سے۔۔۔۔ اور وہ بور آدمی ہیں۔ بالکل NONSENSE۔۔۔۔ مگر اب کیا کریں۔۔۔۔ بزرگوں کو ENTERTAIN تو کرنا ہی پڑتا ہے۔۔۔۔ ہے نا آنٹی۔۔۔ تو آپ پلیز یاسمین کو بتا دیں کہ آج کا پروگرام کینسل۔۔۔ آپ سن رہی ہیں آنٹی۔

ماں : (پریشانی سے) ہاں۔

لڑکا : تھینک یو ویری مچ آنٹی۔۔۔۔ (فون رکھتا ہے)

(ماں سخت حیرت اور پریشانی کے عالم میں کھڑی ہے)

سین نمبر ۲۱

(سکرین پر لڑکا آتا ہے جو مسکرا رہا ہے۔ زوم بیک کرتے ہیں۔ یعقوب اپنے دفتر کی کرسی میں بیٹھا اسے گہری نظروں سے دیکھتا ہے)

لڑکا: ٹھیک ہے سر۔

یعقوب: ویری فائین۔۔۔

لڑکا: میں جاؤں سر۔

یعقوب: ہاں۔

(لڑکا جاتا ہے یعقوب سگریٹ کا کش لے کر کچھ سوچتا ہے)

سین نمبر ۲۲

(صولت مرزا کا گھر)

انسپکٹر: دیکھیے صولت مرزا صاحب۔۔۔۔ حشمت خان بڑے رسوخ والا آدمی ہے۔۔۔۔ اگر کچھ گڑبڑ ہو گئی تو آپ کا تو کچھ نہیں جائے گا۔ میری پیٹی اتر جائے گی۔

صولت مرزا: آپ یقین کریں انسپکٹر صاحب۔۔۔۔ کرشل اس کے پاس ہے۔

انسپکٹر: ایک دفعہ پہلے بھی میں نے آپ کے کہنے پر چھاپہ مارا تھا۔۔۔۔

صولت مرزا: اس وقت وہ ہوشیار تھا۔

انسپکٹر: بڑا لمبا اور پیچیدہ کام ہے مرزا صاحب۔ مجھے اپنے افسران بالا کو CONFIDENCE میں لینا ہوگا۔

صولت مرزا: لوائیے اپنے ڈی آئی جی سے۔ میں کرتا ہوں بات۔

انسپکٹر: (مرعوب ہو کر) مجھے پتہ ہے نیازی صاحب سے آپ کے بڑے تعلقات ہیں۔ لیکن اگر خدانخواستہ آپ کی اطلاع جھوٹی نکلی۔۔۔ تو حشمت خان بلا کی طرح ہمارے گلے پڑ جائے گا۔

صولت: اطلاع جھوٹی نہیں ہے کل شام تک کرشل اس کی حویلی میں تھا۔

انسپکٹر: آپ کو کس نے دی یہ اطلاع۔

صولت: دراصل اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ ڈرتا ہے اس۔۔۔ کیا نام ہے حشمت خان سے۔

انسپکٹر: اگر وہ اتنا ہی ڈرتا ہے تو آپ کے پاس کیوں آیا۔

صولت: حشمت خان نے اُسے بہت ٹارچر کیا ہے۔۔۔۔ وہ انفارمیشن میرے پاس اس لئے لایا ہے کہ میں نے کرشل کے لئے دس ہزار کا انعام رکھا ہوا ہے۔۔۔۔ وہ یہ رقم لے کر کہیں بھاگ جانا چاہتا ہے۔

انسپکٹر: آپ ایک دفعہ اس سے مجھے ملوا دیجئے میں کچا کام نہیں کرنا چاہتا۔

صولت مرزا: (سوچتے ہوئے) ٹھیک ہے۔۔۔ ٹھیک ہے میں آپ کا پرابلم سمجھتا ہوں۔۔۔ ایسے

کریں آپ باہر جا کر WAIT کریں ۔۔۔۔۔۔ میں اُسے یہاں بلواتا ہوں۔ وہ آئے تو آپ اچانک اُوپر سے آ جائیے گا۔ BUT THIS MUST SEEN ACCIDENT

انسپکٹر: آپ فکر نہ کریں۔

سین نمبر ۲۲

(انسپکٹر دروازے سے آتے ہوئے بلند آواز میں بولتا ہے)

انسپکٹر: ہیلو صولت مرزا صاحب کیسے ہیں آپ۔

(رحما گھبرا کر صوفے سے اٹھتا ہے)

صولت: فائن ۔۔۔۔۔ آپ آج کیسے اچانک۔

انسپکٹر: ادھر سے گزر رہا تھا سوچا آپ کو سلام ہی کرتا چلوں ۔۔۔۔۔۔ آپ کی تعریف۔

صولت: یہ۔ یہ مسٹر رحمت علی ہے ۔۔۔۔ سکندر پور کے چوہدری رحمت علی خان کا ملازم۔

(رحما اپنے دونوں پیٹوں سے ڈھکے ہوئے ہاتھ چھپانے کی کوشش کرتا ہے
انسپکٹر اس کے ہاتھ کو گھورتا ہے)

انسپکٹر: یہ آپ کے ہاتھوں کو کیا ہوا ۔۔۔۔

(ہاتھوں کا ایک کلوز)

(قسط نمبر ۹)

سین نمبر ۱

(انپکٹر کا کلوز۔ جو کچھ سوچ رہا ہے۔ فیصلہ کن انداز میں رحمے کی طرف دیکھتا ہے)

انپکٹر : تو تمہیں پورا یقین ہے کہ کرسٹل اس وقت چوہدری حشمت خان کی حویلی میں ہے۔

رحما : جی جناب۔

انسپکٹر : اگر اطلاع غلط نکلی تو اس کا مطلب جانتے ہو۔

رحما : (دہشت زدہ ہوکر) میں آپ سے سچ کہہ رہا ہوں۔ سرکار۔ میں اسے اپنے ہاتھوں سے دو ٹیم گوشت کھلاتا ہوں۔ چوہدری صاحب اس کا بہت خیال رکھتے ہیں۔

انپکٹر : تمہیں کیسے پتہ ہے کہ یہ صولت مرزا صاحب کا ہی کتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی اور کتا ہو۔

رحما : وہ کرسٹل ہی ہے جی۔ دلاور اٹھا کے لایا تھا اسے مرزا صاحب کے گھر سے۔

صولت : وقت ضائع نہ کیجئے انپکٹر صاحب۔

انپکٹر : (گومگو کے عالم میں) دراصل۔۔۔ (رحمے سے) آؤ میرے ساتھ آؤ۔

رحما : کہاں جی۔

انپکٹر : سکندرپور اور کہاں۔ تم نے اطلاع دی ہے۔ تمہی ہمیں وہاں تک پہنچاؤ گے۔

رحما : (سخت دہشت زدہ ہوکر) نہیں۔ جی میں نہیں جاؤں گا۔ چوہدری صاحب مجھے جان سے ماردیں گے۔

انپکٹر : فکر نہ کرو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

رحما : نہیں سرکار۔ میں نہیں جاؤں گا (صولت مرزا سے) آپ جناب نے کرسٹل کی نشاندہی پر انعام مقرر کیا تھا۔ وہ میں نے کردی۔ سکندرپور میں نہیں جاؤں گا۔

انپکٹر : (ڈپٹ کر) کیسے نہیں جاؤ گے۔ انعام اسی وقت ملے گا۔ جب کرسٹل صولت مرزا کے قبضے میں ہوگا۔

رحما : (ہاتھ جوڑتے ہوئے) میں انعام بعد میں لوں گا سرکار۔ آپ کرسٹل کو لے آئیں۔ میں وہاں نہیں جاسکتا۔

صولت مرزا : مگر بھئی مسٹر رحمت کیا نام ہے تمہارا رحمے ہم تمہاری مدد کے بغیر کرسٹل کو کیسے ڈھونڈیں گے۔
۔۔ اگر اس ۔۔۔۔ کیا نام ہے تمہارے باس کا۔۔۔۔ حشمت کو خبر ہو گئی تو اُسے پھر غائب کرا دے گا۔ اور ہم سب مصیبت میں پھنس جائیں گے۔
رحما : میں آپ کو سارا موقع سمجھا دیتا ہوں سرکار۔ مجھے وہاں نہ لے جائیں۔ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔۔۔۔۔

انسپکٹر : کیسے نہیں چھوڑیں گے۔ قانون سے کھیلنا کوئی مذاق ہے۔ تم چلو میں دیکھتا ہوں۔
رحما : (گڑگڑاتے ہوئے) نہیں سرکار نہیں۔

سین نمبر ۲

(چوہدری حشمت کی حویلی۔ انسپکٹر صولت مرزا اور دو تین سپاہی بائیں دروازے کے پاس کھڑے ہیں۔ بختو اور مہنگا۔ حشمت خان حُقّے کے لمبے لمبے کش لیتا ہے نیاز علی سنجیدگی سے سارا منظر دیکھ رہا ہے)

صولت مرزا : مجھے افسوس ہے مسٹر حشمت BUT I HAD TO DO THIS یُو نو۔ کرسٹل مجھے بہت عزیز ہے۔
حشمت : تم بیچ میں مت بولو مرزا صاحب۔ بات میری اور قانون کی ہے۔ تو پتّر تھانیدار تم تلاشی کا وارنٹ لے کر آئے ہو۔
انسپکٹر : جی چوہدری جی۔
نیاز علی : (غصّے سے اٹھتے ہوئے) آپ کو پتہ ہونا چاہیئے انسپکٹر صاحب کہ یہ چوہدری حشمت خان آف سکندر پور کی حویلی ہے۔ کوئی شراب کی دکان نہیں جس پر آپ چھاپہ مارنے آئے ہیں۔
حشمت : آرام سے پتّر آرام سے۔ مجھے بات کرنے دے۔ گھر آئے ہوئے مہمان سے اُچی نہیں بولتے۔ تو تم حویلی کی تلاشی لو گے پتّر تھانیدار۔ کتنے آدمی ہیں تیرے ساتھ۔
انسپکٹر : چار — مگر —
حشمت : تجھے پتہ ہے یہ حویلی کتنی بڑی ہے۔ شام پڑ جائے گی تلاشی لیتے لیتے۔ —
نیاز علی : آپ کمال کرتے ہیں میاں جی۔ کیا اب زنانے میں پولیس جائے گی۔
حشمت : نہیں۔ نہیں، نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے (لہجے میں دبا دبا طنز ہے) یہ دونوں بڑا قانون پڑھے ہوئے ہیں۔ انہیں پتہ ہے کہ کسی شریف اور معزز آدمی کے گھر کے زنانے میں نامحرم قدم نہیں رکھ سکتے۔ زنانہ پولیس لے آئے ہوں گے یہ لوگ۔ کیوں پتّر تھانیدار۔
انسپکٹر : (گھبرا کر) زنانہ پولیس۔ جی وہ تو —
(حشمت اُسے ایک خشونت آمیز ٹوک دیتا ہے)

حشمت : (قدرے بلند آواز میں) تو تمہارے خیال میں تم جاؤ گے زنانے میں۔ میری حویلی کے زنانے میں

نیاز علی۔

نیاز علی : جی میاں جی۔

حشمت : ذرا اس کمشنر کو اور چوہدری ریاست علی کو ٹیلی فون کر۔ انہیں فوراً بلا یہاں۔ میں ان سے پوچھوں کس بات کا ٹیکس لیتی ہے حکومت ہم سے۔ انگریز کے راج میں جرأت نہیں تھی کسی کی جو میری حویلی کی طرف منہ کر کے کھنگورا مار سکتا۔ اب یہ ڈھائی ڈھائی سو کے انسپکٹر میرے سر میں سواہ (راکھ) ڈالیں گے۔ اوئے کیا اسی لئے بنایا تھا ہم نے پاکستان۔

نیاز علی : (جانے کے لئے مڑتا ہے) اچھا میاں جی۔

انسپکٹر : (پریشانی کے عالم میں صولت مرزا کی طرف دیکھتا ہے) ایک منٹ چوہدری صاحب۔ دراصل ہمیں زنانخانے کی تلاشی لینے کی ضرورت نہیں ہم صرف اصطبل اور اس کے ساتھ کی کوٹھڑیوں کی تلاشی لیں گے۔

(حشمت خان کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گزر جاتا ہے۔ ایک لمحے کے لئے کچھ سوچتا ہے بخشو کی طرف دیکھتا ہے۔ بخشو اثبات میں سر ہلاتا ہے۔ جیسے اس کا مطلب سمجھ گیا ہے۔ حشمت ایک دم بات بدلتا ہے)

حشمت : تم تو کہہ رہے تھے تم کوئی گناہ ڈھونڈنے آئے ہو۔ اب کسی گھوڑے کی چوری بھی ڈالنی ہے مجھ پر۔

(بخشو آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا باہر جاتا ہے)

انسپکٹر : جی نہیں ہمیں خبر ملی ہے کہ کرسٹل آپ کے اصطبل سے ملحقہ کسی کوٹھڑی میں ہے۔

(حشمت کا چہرہ ایک دم تن جاتا ہے چند لمحے غور سے انسپکٹر کی طرف دیکھتا ہے پھر زور سے ہنستا ہے)

حشمت : (ہنستے ہوئے) اطلاع ملی ہے۔ دائرلیس کی ہے کسی نے (بخشو دروازے سے باہر نکلتا ہے) (قریب آ کر صولت مرزا کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے اُسے زور سے دباتا ہے۔ صولت مرزا حیرت اور تکلیف سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ اپنا کندھا چھڑاتا ہے) لگتا ہے باقی عمر تمہاری کچہریوں میں ہی گزرے گی مرزا صاحب۔

صولت مرزا : دیکھئے چوہدری صاحب میرا آپ سے کوئی جھگڑا نہیں۔ مجھے میرا کرسٹل چاہیئے۔ اس کے بعد آپ جانیں اور قانون۔

حشمت : یہ کیسے ہو سکتا ہے مرزا صاحب آپ نے شیر کے منہ میں ہاتھ ڈالا ہے اب انشاء اللہ ساری عمر اپنی انگلیاں ڈھونڈو گے۔ اگر میں نے تم کو کوڑی کوڑی نہ کر دیا تو میرا نام بھی حشمت خان نہیں۔ آؤ میرے ساتھ۔ اور چل کر اپنی تسلی کر لو۔ اس کے بعد میری باری ہے۔

(انسپکٹر اور صولت مرزا گھبرائے ہوئے انداز میں اس کے پیچھے چلتے ہیں)

سین نمبر۳

(بخشو کرٹل کو بغل میں دبائے ایک طرف بھاگا جا رہا ہے)

سین نمبر۴

(حشمت، نیاز، انسپکٹر صولت مرزا سپاہی ایک طرف کو جا رہے ہیں)

سین نمبر۵

(رحمے کو زنجیروں کے کڑے کے ساتھ باندھا ہُوا ہے۔ جسم اور چہرے پر تشدد کے سخت نشانات ہیں۔ مار پیٹ کی وجہ سے اس کا بُرا حال ہے۔ مولاداد اور چند ساتھی اس کے قریب ہیں مولاداد کے ہاتھ میں ہنٹر ہے انور چند قدم کے فاصلے پر ایک موڑھے پر بیٹھا یہ منظر دیکھ رہا ہے۔ مولاداد رحمے کا زخمی سر اٹھا کے دیکھتا ہے۔ سر چھوڑتا ہے جو ایک طرف ڈھلک جاتا ہے)

انور: ٹُر (مر) گیا ہے یا ہے ابھی۔

مولاداد: ساہ آرہا ہے۔ ابھی چوہدری انور۔ پر اس کو بے ہوشی میں نہیں مارنا۔

انور: اوئے تاجے۔ پانی ڈال اوئے اس کے مُنہ پر۔

(تاجا جلدی سے پانی کی بالٹی رحمے پر ڈالتا ہے رحما جھرجھری سی لیتا ہے ویران آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتا ہے شکلیں ٹھیک سے نظر نہیں آتیں سر اٹھانے کی ناکام کوشش کرتا ہے)

مولاداد: (ہنٹر سے اس کی گردن میں ٹھوکا دیتا ہے) آنکھیں کھول رحمے۔ پولیس تیرے لئے دس ہزار کے نوٹ لے کر آئی ہے۔

رحما: (شکستہ آواز میں) بس کرو — نہ مارو مجھے۔ بس کرو۔

مولاداد: (چیکار کر) یہ آخری مار ہے رحمے۔ اس کے بعد تجھے کوئی نہیں مارے گا۔ (اس کی گردن پر پاؤں رکھتا ہے۔ رحما تکلیف کی شدت سے چیختا ہے) شور نہ کر رحمے۔ آرام سے مر۔ جس طرح مخبر مرا کرتے ہیں۔ خموش چپ چاپ۔

(حشمت خان اور نیاز آتے ہیں انور اٹھ کر حشمت کے لئے جگہ خالی کرتا ہے)

انور: سلام علیکم میاں جی۔ آپ کا مجرم حاضر ہے۔

حشمت: (کندھا تھپکتے ہوئے) شاباش پتر (مولاداد سے) اس کی گردن سے پیر ہٹا۔ ذرا مجھے اس سورے کی شکل تو دیکھنے دے۔

(مولاداد ایک طرف ہو جاتا ہے حشمت رحمے کے قریب آتا ہے۔ نیاز علی خاموشی سے یہ سارا منظر دیکھ رہا ہے حشمت سنگدلی سے رحمے کی طرف دیکھتا ہے۔ چہرے

سے اس کا گرا ہوا سر اُوپر اٹھاتا ہے)

حشمت : میری طرف دیکھ رحمے ۔

(رحما ڈری ڈری نظر سے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر آنکھیں جھکاتا ہے حشمت

ایک دم SHOUT کرتا ہے ۔)

حشمت : نمک حرام ۔ کتے ۔ جس تھالی میں کھاتا ہے اسی میں چھید کرتا ہے ۔ اوئے مجھ کو پتہ نہیں تھا حشمت خان سے دشمنی کا مطلب کیا ہوتا ہے ؟ اوئے تجھ کو جرأت کیسے ہوئی ۔ میری مخبری کرنے کی ۔

(ایک آدمی کے ہاتھ سے برچھا لیتا ہے ۔ اسے ایسے انداز میں تانتا ہے جیسے رحمے کے سینے میں اتارنے والا ہو ۔ کچھ سوچ کر رکتا ہے ۔ برچھا واپس کرتا ہے)

حشمت : پر نہیں اس طرح تو ایک ہی وار میں ختم ہو جائے گا ۔ میں تجھے ایسی موت ماروں گا کہ سارے علاقے کے لوگ پناہ مانگیں ۔ کھول دو اس کو اوئے آج ہم اپنے کتوں کی دعوت کریں گے ۔ کیا کہتے ہیں پُتر نیاز علی اس کو شہر میں ـــــ وہ جس پارٹی میں ایک ہی کھانا ہوتا ہے ۔

نیاز علی : سنگل ڈش پارٹی ۔ میاں جی ۔

حشمت : (ہنستے ہوئے) اچھا نام ہے ۔ اسی لئے میں کہتا ہوں ۔ انگریزوں کے پائے کی قوم نہیں ہے دُنیا میں ۔ چیزوں کے نام ایسے رکھتے ہیں کہ طبیعت خوش ہو جاتی ہے ۔

انور : بیٹھو میاں جی ۔

حشمت : نہیں پُتر میں جاؤں گا ۔ وکیلوں کو بلوایا ہوا ہے ۔ ابھی تو صولت مرزا کی طبیعت صاف کرنی ہے ۔

نیاز علی : ڈیفریمیشن کا کیس ٹیھا رسکی ہوتا ہے میاں جی ۔

حشمت : تو فکر نہ کر پُتر نیاز علی ۔ صولت مرزا گوڈے گوڈے پھنسا ہوا ہے ۔ مجھے بھی پتہ ہے کہ آخر اس کیس میں مصالحت ہوتی ہے پر اس سے پہلے پہلے میں صولت مرزا سے اتنی نکسریں نکلواؤں گا کہ ساری عمر کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہے گا ۔

(رحما زنجیریں کھلتے ہی چوہدری کے پاؤں سے لپٹ جاتا ہے)

رحما : مجھے بخش دو چوہدری جی ۔ مجھے معاف کر دو ۔ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہیں ہو گی ۔

(حشمت گھور کر اُسے دیکھتا ہے ۔ ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے کہ اسے پیچھے کر دو ۔ دو تین آدمی اُسے پیچھے کی طرف گھسیٹتے ہیں)

حشمت : اس کو پکڑا کس نے تھا ۔

انور : مولاداد نے میاں جی ۔

حشمت : (مولاداد کا کندھا تھپکتے ہوئے) شاباش نوجوان ۔ (نیاز علی سے) نیاز علی پُتر۔
نیاز علی : جی میاں جی۔
حشمت : منشی سے کہہ کر مولاداد کو دو ہزار روپے دے دیے ۔ یہ میری طرف سے اس کا انعام ہے۔
مولاداد : نہیں چوہدری جی ۔ یہ تو ۔ یہ تو میرا فرض ہے جی۔ میں آپ کا نمک کھاتا ہوں۔
حشمت : اسی لئے تو دے رہا ہوں جوان، کبھی کبھی زیادہ نمک والی ہانڈی بھی کھا لیا کر۔

سین نمبر ۶

(ایک درمیانے درجے کی آبادی میں گھروں کے سامنے کھلی جگہ اور سڑک پر دو تین بچے کرکٹ کھیل رہے ہیں دور سے ایک موٹر آکر رُکتی ہے اس میں سے نوجوان لڑکا (یعقوب کا ملازم) اُترتا ہے ۔ بچوں کے قریب آکر رُکتا ہے ۔ ایک بچے کو بُلاتا ہے ۔) باقی لڑکے بھی قریب آکر کھڑے ہوجاتے ہیں۔)

نوجوان : بیٹے کیا نام ہے آپ کا ۔
لڑکا : سہیل ۔
نوجوان : سہیل میاں ایک کام تو کردو ہمارا
لڑکا : فرمایئے ۔
نوجوان : (ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے) شوکت حسین صاحب کا گھر وہی ہے نا۔
(بچہ گھر کی طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلاتا ہے)
نوجوان : تو بیٹے یُوں کرو (پتلون کی جیب سے ایک لفافہ نکالتا ہے) یہ خط ان کی بیگم صاحب کو جاکر دے آؤ ۔
لڑکا : (کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے) نہ جی نہ ۔ کل ہمارا بال چلا گیا تھا اُن کے گھر تو انہوں نے بہت ڈانٹا تھا ۔ میری امّی سے بھی شکایت لگائی تھی ۔ اب ہم دیکھیں ہم پھٹے ہوئے بال سے کھیل رہے ہیں (بال دکھاتا ہے)
نوجوان : (جیب سے ایک نوٹ نکالتے ہوئے) یہ لو تم نیا بال لے آنا ۔ ٹھیک ہے۔
(لڑکا سوالیہ نظروں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتا ہے جو اشارے سے کہتے ہیں لے لو ۔ لڑکا نوٹ لیتا ہے)
لڑکا : اچھا جی۔
نوجوان : (سمجھانے کے انداز میں) شوکت حسین کی بیگم کو دینا ہے صرف۔
لڑکا : اچھا جی (خط پکڑ کر تیزی سے جاتا ہے نوجوان مڑتا ہے آکر کار میں بیٹھتا ہے ۔ کار یعقوب چلا رہا ہے نوجوان کے بیٹھتے ہی یعقوب کار سٹارٹ کرتا ہے ۔

سین نمبر ۷

(یاسمین کی ماں لفافہ کھول رہی ہے۔ کھول کر پڑھتی ہے ایک دم چہرے کے
تاثرات بدلتے ہیں۔ اس پر مردانہ آواز اوورلیپ ہوتی ہے)

مردانہ آواز : جان سے پیاری یاسمین۔

ترس رہی تھیں تیری دید کو جو مدت سے
وہ بے قرار نگاہیں سلام کہتی ہیں

کل کنیٹن میں تمہارا بہت انتظار کیا مگر تم نہیں آئیں۔ سرکار ہم سے کون سا گناہ ہوگیا ہے جو آپ اس قدر روٹھ گئے ہیں میں نے نیرنگ سینما میں آج نین سے چھ کے شو کے لئے باکس ریزرو کروا لیا ہے۔ فلم تو یونہی سی ہے۔ مگر اصلی چیز تو تمہاری سویٹ کمپنی ہے۔ تین بجے تک ضرور آجانا ورنہ میرے دل کی دھڑکن بند ہو جائے گی۔

تمہارا اپنا
فرخ

(یاسمین کی ماں چند لمحے انتہائی غصّے اور پریشانی میں خط کو ہاتھوں سے مسلتی
ہے۔ اندرونی دروازے سے شوکت حسین تولیے سے منہ پونچھتا ہوا داخل ہوتا ہے
لگتا ہے جیسے دفتر سے ابھی ابھی لوٹا ہے صوفے پر بیٹھتا ہے سامنے ایک میز پر
کچھ کھانے کے برتن رکھے ہیں۔ بیگم کو آواز دیتا ہے)

شوکت حسین : آپ وہاں کھڑی کیا سوچ رہی ہیں آیئے نا۔ بڑی سخت بھوک لگی ہے (ماں آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب آتی ہے، خط اس کی طرف بڑھاتی ہے۔ شوکت حیرت سے خط پکڑتا ہے) یہ کیا ہے؟

ماں : (سنجیدہ انداز میں) پڑھیئے۔

(شوکت پڑھنا شروع کرتا ہے۔ چہرے پر پریشانی کے تاثرات چند لمحے سوالیہ
نظروں سے بیوی کے چہرے کی طرف دیکھتا ہے۔ جو غصّہ دبانے کی کوشش
کر رہی ہے)

شوکت : یہ کیا ہے بھئی۔

ماں : (غصّے سے) آپ کی سمجھ میں نہیں آیا۔

شوکت : آیا تو ہے مگر۔ میرا مطلب ہے یہ ــــ یہ فرخ کون ہے اور ــــ

ماں : کل اس کا ٹیلی فون بھی آیا تھا۔

شوکت : مگر یہ ہے کون۔ اتنا بے ہودہ خط لکھنے کی جرأت کیسے ہوئی اُسے۔

ماں : مَیں تو خود بہت پریشان ہوں۔ یاسمین سے مجھے ایسی اُمید نہیں تھی۔

شوکت : تُم نے پوچھا تھا یاسمین سے۔

ماں : نہیں ۔ میں سمجھی شاید کسی نے شرارت سے فون کیا ہے ـــــ مگر یہ خط ۔

شوکت : یہ تو بہت بُری بات ہے ۔ کہاں ہے یاسمین ۔

ماں : وہ تو ابھی یونیورسٹی سے نہیں آئی (غصّہ سے خود کلامی کے انداز میں) آنے دو ذرا آج اُسے ۔

سین نمبر ۸

(کسی لان کا بنچ یا ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیاں ۔ یاسمین اور فرخ بیٹھے ہیں)

یاسمین : میری امی غصّے کی ذرا تیز ہیں پر طبیعت کی بہت اچھی ہیں ۔ بس تم ذرا ایسے وقوفی کی باتوں سے پرہیز کرنا (شرارت آمیز انداز میں مسکراتی ہے) اور خُدا کے لئے بحث نہ کرنا اُن سے ۔

فرخ : دیکھو بھئی ۔ اصولوں پر میں نے آج تک سمجھوتہ نہیں کیا ۔

یاسمین : (مزاحیہ انداز) یعنی ہمیشہ بے اصولی پر ہی سمجھوتہ کرتے ہو ۔

فرخ : (ایکٹنگ کے انداز میں) لفظوں سے کھیلنے کی کوشش نہ کرو یارو ۔ محبت کے پھول کو سیاست کے کانٹوں میں مت گھسیٹو ۔

یاسمین : (ہنستے ہوئے) کٹ ۔ ویسے بائی دی وے میری امی کو مکالموں سے بڑی سخت چڑ ہے ۔

فرخ : (شرارت کے انداز میں) اس میں زیادہ قصور تمہارے ابّو کا لگتا ہے ۔

یاسمین : (پرس مارتے ہوئے) شرم تو نہیں آتی ۔

فرخ : شرم کی اس میں کیا بات ہے ۔ بھئی تمہارے ابّو ٹھہرے انجینئر ۔ محبت کی باتیں بھی کرتے ہوں گے ۔ ٹکنیکل ٹرموں میں مثلاً (ایک گھٹنا زمین پر ٹیک کر فلمی انداز میں بولتا ہے) جان من میری اور تمہاری محبت ایچ او ٹو H_2O کی طرح ہے ۔ تم ہائیڈروجن ہو اور میں آکسیجن ۔ ۔ ۔ ۔

یاسمین : (ہنستے ہوئے پرس اٹھا کر مارنے کا پوز بناتی ہے) دیکھو ماروں گی ہیں ۔ ۔

فرخ : ویسے اپنی امی کے بارے تم نے جو باتیں مجھے بتائی ہیں نا ۔ ۔ ۔ ۔ ان کے بعد میرا خیال ہے کہ مجھے تمہارے ابّو سے ہی بات کرنی چاہیئے ۔

یاسمین : ابّو سے بات کرنے کا اس لئے کوئی فائدہ نہیں کہ فیصلہ تو امی نے ہی کرنا ہے ۔

فرخ : اس طرح کے مرد کو غالباً زن مرید کہا جاتا ہے ۔

یاسمین : ایک تو تم مرد لوگ پتہ نہیں کیوں نرگسیت کے اتنے شکار ہوتے ہو ۔

فرخ : (مزاحیہ انداز میں) نرگس ؟ کون نرگس ۔

یاسمین : فرخ کے بالوں کو جھنجھوڑتے ہوئے) نرگس نہیں ۔ نرگسیت ۔

فرخ : یہ تم نے اتنے موٹے موٹے لفظ کہاں سے سیکھ لئے ہیں ۔ محبت کی زبان تو بڑی آسان ہوتی ہے ۔

یاسمین : کبھی کبھی عقل کی زبان بھی سن لیا کرو ۔ JUST FOR A CHANGE

(دونوں ہنستے ہیں)

سیّت نمبر ۹

(یاسمین کا گھر۔ یاسمین کے ہاتھ میں کاغذ ہے چہرے پر حیرت کے تاثرات ہیں۔)

یاسمین: گھرامی۔ پلیز آپ میری بات تو سُنیں۔۔۔۔

ماں: (غصّے سے گھورتے ہوئے) بولو۔

یاسمین: (پریشانی کے عالم میں) دیکھیے میں۔۔۔ میں اور فرخ

ماں: اس لفنگے کا نام مت لو میرے سامنے۔۔۔۔۔۔

یاسمین: (بے بسی سے) پلیز امّی آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔۔۔ یہ خط فرخ کا نہیں ہے۔۔۔ میرا مطلب ہے۔ اس فرخ کا نہیں ہے ۔ ؟

ماں: (سخت غصّے میں ایک ایک لفظ چبا کر بولتی ہے) کتنے فرخوں کو جانتی ہو تم۔

یاسمین: (ماں کے انداز سے سخت HURT ہوتی ہے۔) امّی۔۔۔

ماں: مجھے تم سے ایسی اُمید نہیں تھی۔۔۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ایسے چیپ (CHEAP) اور چھچھورے لڑکے سے۔۔۔۔ کون ہے یہ۔۔۔۔

یاسمین: یقین کریں امّی یہ اس کا خط نہیں ہے۔۔۔۔

ماں: (غصّے سے گھورتے ہوئے) میں پوچھ رہی ہوں، وہ ہے کون؟

یاسمین: امّی وہ۔۔۔۔۔ آپ اس سے ملیں۔۔۔۔۔ وہ بہت۔۔۔۔ اچھا ہے۔

ماں: (طنزیہ انداز میں) اس کا اندازہ تو میں نے اس خط سے ہی کر لیا ہے۔

یاسمین: میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا یہ خط۔۔۔۔ اُس کا نہیں ہے۔

ماں: تو پھر کس کا ہے؟

(یاسمین لاجواب سی ہو کر ماں کی طرف دیکھتی ہے)

سیّت نمبر ۱۰

(فرخ ہاتھ میں ٹینس ریکٹ لئے تولیے سے منہ پونچھتا ہوا آتا ہے۔ سپورٹس کٹ میں ملبوس ہے۔ ریکٹ اور بیگ موٹر سائیکل کے پیچھے رکھتا ہے موٹر سائیکل سٹارٹ کرنے لگتا ہے کار کے ہارن کی آواز آتی ہے مڑ کر دیکھتا ہے یعقوب اپنی کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل رہا ہے۔ حیرت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف بڑھتا ہے)

فرخ: ہیلو چچا جان۔ آپ یہاں کہاں۔

یعقوب: گھر گیا تھا۔ بھابھی نے بتایا کہ تم کلب گئے ہوئے ہو۔ میں نے کہا چلو وہیں پکڑتے ہیں تمہیں۔
فرخ: خیریت؟
یعقوب: بالکل۔۔۔۔ بہت دن ہو گئے تھے تمہیں دیکھے ہوئے۔۔۔۔۔۔ سوچا، بھئی اب زمانہ بدل گیا ہے تم نہیں آئے ملنے تو چلو ہم ہی چلے چلتے ہیں۔
فرخ: (بے حد شرمندہ ہو کر) سوری چچا جان۔۔۔۔۔ دراصل۔۔۔ میرے EXAMS تھے نا پچھلے دنوں۔۔۔۔۔ اس لئے۔۔۔۔۔
یعقوب: (ہنستے ہوئے) عجیب بات ہے، میں بھی جب تمہاری عمر کا تھا تو یہی بہانہ لگایا کرتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے دنیا کچھ اتنی زیادہ بھی تبدیل نہیں ہوئی ہے۔۔۔۔ (کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) بیٹھو۔
فرخ: میری موٹر سائیکل۔
یعقوب: واپسی پر میں تمہیں یہیں ڈراپ کر دوں گا۔۔۔۔ کچھ باتیں کرنی ہیں تم سے۔۔۔۔۔ کہاں چلیں۔۔۔۔
فرخ: (قدرے حیرت سے) جہاں آپ کہیں۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔
یعقوب: سوچتے ہوئے) چلو میرے آفس چلتے ہیں۔۔۔۔۔ اس وقت وہاں کوئی نہ ہو گا۔
فرخ: چلیئے۔۔۔۔۔

سیٹ نمبر ۱۱

ماں: کوئی ضرورت نہیں ہے اس کی ماں کے یہاں آنے کی۔۔۔۔
یاسمین: پلیز امی۔۔۔۔۔ (ماں غصے میں گھورتی ہے) ابو۔۔۔۔
شوکت: تمہاری ماں ٹھیک کہہ رہی ہے بیٹی۔۔۔۔ ایسے گھٹیا اور چھچھورے لڑکے سے تمہارا ملنا جلنا ہمیں بالکل پسند نہیں۔
یاسمین: (بے بسی سے) مگر ابو یہ خط اس کا نہیں ہے۔۔۔۔ شاید کسی نے شرارت کی ہے۔۔۔۔
ماں: اور وہ ٹیلی فون۔۔۔۔۔
یاسمین: اُس کا ماموں وا موں باہر سے نہیں آیا اور نہ ہی میری اس سے کوئی اپوائنٹمنٹ تھی۔ یہ ضرور اسی روبینہ کی بچی نے کیا ہے۔۔۔۔۔۔ وہ ہاتھ دھو کر فرخ کے پیچھے پڑی ہے۔
ماں: (وارننگ کے انداز میں) ٹیلی فون لڑکے کا تھا۔
یاسمین: بہتر ہے آپ اُسے یہاں بُلا کر ساری بات کر لیں۔
ماں: میں اُسے اس گھر میں آنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔
یاسمین: امی!!
ماں: (مڑ کر جاتے ہوئے) میں اپنی بات دُہرانے کی عادی نہیں ہوں۔۔۔۔

رہاں جاتی ہے یاسمین امداد طلب نظروں سے باپ کی طرف دیکھتی ہے جو منہ موڑ کر اخبار پڑھنے لگتا ہے۔)

سین نمبر ۱۲

(یعقوب کا دفتر۔ یعقوب اور فرخ آمنے سامنے بیٹھے ہیں)

یعقوب: دیکھو برخوردار۔ میرے لئے تم بالکل ایسے ہی ہو جیسے میری سگی اولاد۔۔۔۔ تمہاری خوشی مجھے ہر چیز پر مقدم ہے۔۔۔۔۔۔ جب بھابھی نے مجھے بتایا کہ تم کسی لڑکی کو پسند کرتے ہو تو سب سے پہلا خیال جو میرے دل میں آیا وہ یہی تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے میں تمہاری شادی اسی لڑکی سے کراؤں گا۔

فرخ: (بے پناہ ممنونیت کے ساتھ) آپ۔۔۔۔ کتنے اچھے ہیں چچا جان۔

یعقوب: میں اُن بزرگوں سے نہیں ہوں جو چھوٹوں پر محض اپنی عمر کا رُعب ڈالنے کے لئے اُن کے راستے کی دیوار بن جاتے ہیں۔ میرا تو اصول ہے کہ اولاد کو دوستوں کی طرح رکھو۔۔۔۔۔ ہاں تو کیا نام ہے اس لڑکی کا۔۔۔۔

فرخ: جی ــــ یاسمین۔۔۔۔

یعقوب: کلاس فیلو ہے تمہاری۔

فرخ: جی نہیں وہ فائن آرٹس میں ہے۔۔۔۔۔

یعقوب: ہوں۔۔۔۔ فیملی کیسی ہے۔۔۔۔۔

فرخ: اچھے لوگ ہیں ہماری طرح۔۔۔۔ سفید پوش مڈل کلاس۔۔۔۔

یعقوب: (ہنستے ہوئے) خیر تو تم مڈل کلاس نہیں ہو (دفتر کی طرف اشارہ کر کے) یہ سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔

فرخ: یہ آپ کی محبت ہے چچا جان۔۔۔۔ لیکن میں تو اپنی حیثیت کی بات کر رہا ہوں۔

یعقوب: اچھا یہ بات بعد میں کریں گے۔۔۔۔۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تم چاہتے کیا ہو۔۔۔۔۔ یعنی کیا سوچا ہے تم نے۔۔۔۔ کیسے بات کی جائے ان لوگوں سے۔

فرخ: میرا خیال تھا کہ امی اور چچی جان۔۔۔۔۔ ویسے جو آپ مناسب سمجھیں۔۔۔۔

یعقوب: میں سوچ رہا تھا کہ ان سے پہلے۔۔۔۔ میں خود یاسمین کے والد سے مل لیتا۔۔۔۔ تم تو ملے ہو نا اُن سے۔

فرخ: ہیں۔ جی نہیں۔۔۔۔۔

یعقوب: اس کی امی سے بھی نہیں ملے۔

فرخ: جی نہیں۔۔۔۔ انہیں تو ابھی تک پتہ بھی نہیں ہے اس بات کا۔

یعقوب: (مزاحیہ انداز میں) یار۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ فقطی پو سنٹ پر ہی گزارا کئے جا رہے

ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یعنی ONE SIDED ہی ۔'

فرخ : جی نہیں ۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں ۔

یعقوب : تو پھر میں کل ملتا ہوں اس کے والد سے ۔ ۔ ۔ ۔ تم بھی چلو گے ۔

فرخ : (پریشان سا ہو کر) میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر آپ مناسب سمجھتے ہیں تو ٹھیک ہے ۔ ۔ ۔ ۔

یعقوب : میرے خیال میں تم بھی چلو ۔ ۔ ۔ ۔

(یعقوب کا کلوز جو گہری نظروں سے فرخ کی طرف دیکھتا ہے)

سین نمبر ۱۳

(فرخ کا گھر)

فرخ کی ماں : (ممنونیت بھرے انداز میں) آپ سچ مچ بہت عظیم ہیں یعقوب بھائی ۔ ۔ ۔ ۔

یعقوب : آپ کیوں مجھے بار بار شرمندہ کر رہی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ میری خواہش تھی کہ فرخ میرا بیٹا تھا ۔ ۔ ۔ لیکن اب جب کہ یہ ممکن نہیں ہے تو مجھے ایک معقول آدمی کی طرح اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیئے ۔ ۔ ۔ ۔ آخر ساری خواہشیں تو پوری نہیں ہوتی نا آدمی کی ۔ ۔ ۔ ۔

ماں : میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ۔ ۔ ۔ ۔

یعقوب : آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ اصل مسئلہ بچے کی خوشی ہے اگر وہ یاسمین سے شادی کر کے خوش رہ سکتا ہے تو ہمیں اس کی مدد کرنی چاہیئے ۔

ماں : آپ نے میرے سینے سے بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ یقین جانیئے میں آپ سے بے حد شرمندہ تھی اتنی شرمندہ کہ بیان نہیں کر سکتی ۔

یعقوب : مگر کیوں ؟ اس میں آپ کا کیا قصور ہے ۔ ۔ ۔ یہ تو تقدیر کے کھیل ہیں بھابی ۔ آپ اللہ کا نام لے کر یہ کام شروع کیجیئے ۔ ۔ ۔ ۔ میں لڑکی کے باپ سے ملتا ہوں آپ اور زبیدہ اس کے گھر سے ہو آئیں ۔ ۔ ۔ ۔

ماں : ہم کل ہی چلے جائیں گے ۔

سین نمبر ۱۴

زبیدہ : میری سمجھ میں تو آپ کی باتیں آتی نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ میں کیوں جاؤں وہاں ۔

یعقوب : بات سمجھا کرو زبیدہ ۔ ۔ ۔ ۔ ہمیں بھابھی اور فرخ کو یہی تاثر دینا ہے کہ ہم ان کے ساتھ ہیں ۔

زبیدہ : مگر کیوں ؟ آپ ۔ ۔ ۔ ۔

یعقوب : (تیز آواز میں) ایک تو میں تمہاری کیوں کیوں سے بہت تنگ ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ لگتا ہے گیس تمہارے دماغ کو بھی چڑھ گئی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے ہزار مرتبہ تمہیں سمجھایا ہے کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے

۔۔۔۔۔ شکیلہ کی شادی فرخ سے ہی ہوگی۔

زبیدہ : ایک طرف آپ فرخ کے رشتے کے لئے مجھے اُدھر بھیج رہے ہیں ۔۔۔۔۔ دوسری طرف ۔۔۔

یعقوب : جس بات کا تمہیں پتہ نہیں اس پر سر مت کھپاؤ ۔۔۔۔۔ خاموشی سے دیکھتی جاؤ میں کیا کرتا ہوں :

(یعقوب کا کلوز جو بڑے فیصلہ کن اور انتقامی انداز میں دیکھ رہا ہے)

سین نمبر ۱۵

(چوہدری حشمت بستر پر نیم دراز حقہ گڑگڑا رہا ہے بخشو اور جھنگا اس کے پاؤں دبا رہے ہیں۔ نیاز علی قریب ہی بیٹھا حشمت کے بولنے کا انتظار کر رہا ہے جو کچھ سوچ رہا ہے)

حشمت : اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے بند کے بچاؤ کی کوئی امید نہیں۔

نیاز : جی۔

حشمت : اور یہ جو چار سو سال سے ہمارے بزرگوں کی ہڈیاں یہاں دفن ہیں ۔۔۔۔ یہ جو حویلی ہے۔ ان سب کو چھوڑ چھاڑ کے ہم لانبے ہو جائیں۔

نیاز : (سنجیدگی آمیز غم سے) لگتا تو ایسا ہی ہے میاں جی۔

حشمت : (غصے سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے) پر یہ کہاں کا انصاف ہے ۔۔۔۔ تم سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرو اس کے خلاف ۔۔۔ وڈے سے وڈا وکیل کرو ۔۔۔ جج صاحب سے ملو ۔۔۔ ان کو بتاؤ ۔۔۔۔ یہ سراسر زیادتی ہے۔

نیاز : اس سے کچھ نہیں ہوگا میاں جی ۔۔۔۔ آج تحصیلدار آیا تھا میرے پاس ۔۔۔ آڈر اس کے پاس پہنچ گئے ہیں ۔۔۔۔ کہہ رہا تھا دس فی صد COMPENSATION منظور ہوئی ہے۔

حشمت : (غصے سے) دس فی صد ۔۔۔ !!! دو مربعوں کا ہم نے اجاڑا ناہے ۔۔۔ یہ کوئی زمین ہے

نیاز : باقی زمین کی قیمت لگا کر اُس کے بانڈ دیں گے۔ ہمیں پندرہ پندرہ سال کے ۔۔۔

حشمت : پندرہ سال میں تو روپے کی قیمت چار آنے بھی نہیں رہتی ۔۔۔ میں تو کہتا ہوں اس دفعہ دس، پندرہ، بیس لاکھ جتنا بھی لگے لگا کر علاقہ بچا لو ۔۔۔۔

نیاز : بچنے کی کوئی صورت ہو تب ہے نا میاں جی ۔۔۔

حشمت : اخباروں میں لکھواؤ اس کے خلاف ۔۔۔۔ وفد بھجواؤ لوگوں کے یہاں سے ۔۔۔ جلسے جلوس کراؤ ۔۔۔۔ بھوک ہڑتالیں کراؤ، ان باتوں میں بڑا اثر ہوتا ہے۔

نیاز : آپ ٹھیک کہتے ہیں میاں جی ۔۔۔ پر یہ معاملہ ان باتوں سے بہت اُوپر کا ہے ۔۔۔ ہم نے سب طریقوں پر غور کیا ہے، سب کی رائے یہی ہے کہ ہمیں اپنے علاقے چھوڑنے ہی پڑیں گے ۔۔۔

حشمت : اوئے ایک تم آج کل کے جوان گھر سے بھی لڑائی ہار کے نکلتے ہو۔۔۔ ہتھیار آزمانے سے پہلے ہی اس کے بارے میں فیصلہ کر لیتے ہو۔۔۔ تم سارے پنڈوں کے لوگوں کو اکٹھا تو کرو اس بات پر۔۔۔ ان کو بتاؤ کہ زمین کسان کی ماں ہوتی ہے۔۔۔ اس کی عزت پر قربان ہو جاؤ۔ سو پنجاہ بندے مر گئے تو حکومت سوچنے پر مجبور ہو جائے گی۔۔۔ اس کو سیاسی مسئلہ بناؤ۔

نیاز : (اس کی بات سے متاثر ہوتے ہوئے) اچھا میاں جی میں بات کرتا ہوں باقی لوگوں سے۔۔۔

حشمت : اُن کو میرے پاس لا ۔ میں سمجھاؤں گا انہیں۔

سین نمبر ۱۶

(حویلی کا ایک کمرہ، بڑے سے آرائشی پلنگ پر انور نیم دراز ہے۔ ارد گرد کچھ مصاحبین ہیں ایک ناچنے والی کے پاؤں اس کے چہرے پر S/7 ہوتے ہیں گھنگھروں کی جھنکار سے رقص کا اندازہ ہوتا ہے جیب سے نوٹ نکالتا ہے ٹائٹ کلوز میں ایک نسوانی ہاتھ اِن ہوتا ہے نوٹ پکڑتا ہے جوان کے ہاتھوں سے نوٹ لے کر پھسل جاتا ہے انور ہنستا ہے گھنگھرو پھر چھنکنے لگتے ہیں۔ انور ساتھ والے سے مخاطب ہوتا ہے)

انور : مولاداد نہیں آیا۔ تا جے

سین نمبر ۱۷

(خالی پلیٹوں یا پیالیوں سے PAN کرتے ہوئے مولاداد اور دلاور پر آتے ہیں دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ دھلاتے ہیں۔ منہ پونچھتے ہیں۔ مولاداد ڈکار لیتا ہے۔ پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ چارپائی پر زہرہ بیٹھی رشید کو کھانا کھلا رہی ہے)

مولاداد : تجھے اللہ سمجھے بیدے کی ماں۔۔۔ ہزار مرتبہ سمجھایا ہے اتنا مزیدار کھانا نہ پکایا کر۔۔۔ کھا کھا کر بُرا حال ہو گیا ہے۔۔۔

دلاور : واقعی بھائی مولاداد آج تو بھابھی نے کمال کر دیا ہے میں نے ساری زندگی میں ایسی کھچڑی نہیں کھائی کوئی پندرہ تو چیزیں پڑی اس میں ہیں۔۔۔ قیمہ۔۔۔ مٹر۔ دالیں۔ مصالحہ اور پتہ نہیں کیا کیا۔

زہرہ : اس کی ترکیب اللہ بخشے میں نے اپنی استانی سے سیکھی تھی۔

رشید : (پلیٹ آگے سے ہٹاتے ہوئے) بس ماں۔۔۔ اب اور نہیں کھایا جاتا۔۔۔

زہرہ : بس تھوڑی سی رہ گئی ہے بیٹے۔۔۔ کھالے۔۔۔ شاباش۔

رشید : مرچیں بہت ہیں۔۔۔

مولاداد : (ہنستے ہوئے) کھالے۔ کھالے انگریز کے پُتر۔

رشید : نہیں ، آبا ، بس ۔۔۔

دلاور : رشید ٹھیک کہتا ہے مولاداد ۔۔۔ بچے کو ہمیشہ اس کی بھوک کے مطابق کھلانا چاہیئے ۔

مولاداد : وہ پہلے کون ساکم تھا اُوپر سے تم اُس کی عادتیں بگاڑ رہے ہو ۔۔۔

زہرہ : (رشید کو سمجھاتے ہوئے) کھائے گا نہیں تو طاقت کیسے آئے گی تجھ میں ۔۔۔ ہلدی کی طرح پیلا ہو رہا ہے ۔

سین نمبر ۱۸

(رقاصہ کے پیروں اور گھنگھروں کی چھن چھن سے انور پر کٹ کرتے ہیں جو بڑے عیاشی کے انداز میں دیکھ رہا ہے دفعتاً باہر سے فائرنگ کی آوازیں آتی ہیں ایک نسوانی چیخ کے ساتھ گھنگھروں کی جھنکار رکتی ہے انور تیزی سے مڑتا ہے دروازے پر چار یا پانچ آدمی منہ پر ڈاٹھے باندھے کھڑے ہیں انور تیزی سے اٹھتا ہے قریب پڑی بندوق اٹھانے کی کوشش کرتا ہے نقاب پوش اُسے روکتا ہے)

نقاب پوش : رُک جا چوہدری انور ۔ بندوق پر ہاتھ ڈالا تو سارا پنڈا چھیکوں چھیک کردوں گا ۔

(انور اٹھائی ہوئی بندوق کچھ سوچ کر نیچے رکھتا ہے گھور کر نقاب پوش کی طرف دیکھتا ہے)

انور : کون ہو تُم !

(نقاب پوش آہستہ آہستہ اپنے منہ سے ڈاٹھا ہٹاتا ہے انور کے چہرے پر تعجب کے اثرات ہیں جیسے اُسے پہچان نہیں رہا ۔ اجنبی آگے آتا ہے بندوق کا بٹ اٹھا کر انور کے منہ پر مارتا ہے ۔)

سین نمبر ۱۹

دلاور : (رشید کو کہانی سناتے ہوئے) اب جناب اونٹ کے پیٹ میں شیر نے گھس کر بھیڑیئے کو تو کھا لیا مگر خود اندر ہی بیٹھ گیا ۔ اونٹ نے اس کے بڑے ترلے کیئے مگر شیر نکلتا ہی نہیں تھا ۔۔۔ چنانچہ جناب اونٹ پھر گیا بادشاہ کے پاس ۔۔۔ بادشاہ نے کہا ، بھئی اونٹ اب کیا بات ہے ۔۔۔ کیوں آئے ہو ۔ اونٹ بولا ۔ بادشاہ سلامت تربوز ۔ ۔ ۔ (رشید زور سے ہنستا ہے) بادشاہ نے کہا بیڑا غرق ۔ پھر تربوز ۔

زہرہ : (ہنستے ہوئے) آج پورے بیس دن ہوگئے ہیں اس کہانی کو مگر تربوز ختم نہیں ہوا ۔

مولاداد : لگتا ہے دلاور کو تربوز کچھ زیادہ ہی پسند ہے ۔

(ایک دم دروازہ زور سے کھلتا ہے تاجا زخمی حالت میں اندر گرتا ہے دلاور اور مولاداد تیزی سے اٹھتے ہیں مولاداد آگے بڑھ کر تاجے کو اٹھاتا ہے ۔)

مولاداد : اوئے تاجے ۔ کیا ہوا تجھے ۔

تاجا: وہ چوہدری انور کو...لے گئے ہیں مولاداد.....

مولاداد: چوہدری انور کو.....کون.....

تاجا: وہ.....جو کلر کوٹ سے لڑکی اٹھائی تھی نا ہم نے (مولاداد اثبات میں سر ہلاتا ہے) اس کے دو بھائی اور پنڈ والے تھے۔

(مولاداد لپک کر اپنی بندوق اٹھاتا ہے)

مولاداد: کس طرف گئے ہیں وہ.....

تاجا: پتہ نہیں.....دریا کی طرف جا رہے تھے۔

مولاداد: تو جا کے بڑے چوہدری صاحب کو خبر دے.....میں ان کے پیچھے جاتا ہوں.....بندے کی ماں گھبرانا نہیں۔

(جانے کے لئے مڑتا ہے دلاور آواز دیتا ہے)

دلاور: مولاداد...(مولاداد مڑ کر دیکھتا ہے) میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا مولاداد۔

مولاداد: نہیں شہزادے.....تم

دلاور: مجھے پتہ ہے تو بڑا بہادر ہے.....پر میں تجھے اکیلا دشمنوں کی جُوہ میں نہیں جانے دوں گا.....

مولاداد: (چند لمحے اُسے غور سے دیکھتا ہے ہنستا ہے) تو پھر آجا شہزادے۔

سین نمبر ۲

(دلاور اور مولاداد گھوڑوں پر جا رہے ہیں)

سین نمبر ۲

حشمت: (انتہائی غصے میں) نیاز علی اگر انور کو کچھ ہو گیا تو میں کلر کوٹ کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ تو جیپ پر جا اور باقی لوگوں کو گھوڑوں پر بھیج.....انہیں رستے میں پکڑو۔

نیاز: (تیزی سے کارتوسوں کی پیٹی گلے میں ڈالتے ہوئے) میں جا رہا ہوں میاں جی آپ کوئی آدمی تھانے کی طرف بھجوا دیں۔

حشمت: پولیس کو بیچ میں مت لاؤ ابھی.....ابھی کیا پتہ کیا حالات پیش آتے ہیں.....تم جیسے بھی ہو انور کو لے آؤ۔ کیس کو میں سنبھال لوں گا.....

نیاز: اچھا جی.....(بخشو اور مہنگے سے) آؤ میرے ساتھ.....باقی بندے کدھر ہیں۔

مہنگا: حویلی کے باہر تیار کھڑے ہیں جی۔

(نیاز تیزی سے جاتا ہے پیچھے پیچھے مہنگا اور بخشو جاتے ہیں۔ حشمت غصے اور بے قراری کے عالم میں کمرے میں پھرتا ہے TIME LAPSE.....کے بعد.....انور کی آواز میاں جی پاپا/ہ ہوتی ہے۔ حشمت چلتے چلتے رک کر مڑتا ہے

دروازے میں انور کھڑا ہے)

(اس نے ایک ہاتھ سے اپنا بازو پکڑ رکھا ہے چہرے پر مسرت اور تکلیف کے ملے

جلے تاثرات ہیں۔ حشمت تیزی سے اس کی طرف بڑھتا ہے اُسے سینے سے لگاتا ہے انور

تکلیف کی شدت سے کراہتا ہے حشمت اس کی آستین کو ہاتھ لگاتا ہے جو خون سے

بھری ہوئی ہے۔ سوالیہ نظروں سے انور کی طرف دیکھتا ہے)

انور: گولی لگ گئی ہے میاں جی۔

(حشمت ایک جھٹکے سے اس کی آستین پھاڑتا ہے غور سے زخمی بازو کا مشاہدہ کرتا ہے)

حشمت: اور تو کوئی زخم نہیں آیا ۔۔۔

انور: نہیں کوئی خاص ۔۔۔۔

حشمت: (شانہ تھپکتے ہوئے) شکر ہے کہ گولی ہڈی میں نہیں لگی ۔۔۔ جلدی ٹھیک ہو جائے گی تو ۔۔۔۔

نیاز علی کہاں ہے ؟

انور: (حیرت سے) نیاز علی ۔۔۔۔۔ وہ تو میرے ساتھ نہیں تھا میاں جی ۔۔۔۔!

حشمت: ساتھ تو نہیں تھا پر تیرے پیچھے بھیجا تھا میں نے اُسے ۔۔۔ تو آیا کیسے ہے۔

انور: مولاداد اور دلاور لائے ہیں مجھے چھڑا کر۔

حشمت: مولاداد اور دلاور ۔۔۔۔ کدھر ہیں وہ

انور: وہ شاید باہر ہی رک گئے ہیں ۔۔۔

حشمت: ان کو اندر بلاؤ نا ۔۔۔۔ (دروازے کی طرف منہ کر کے آواز دیتا ہے) او مولاداد۔ او دلاور اوئے

اندر آؤ جوانو ۔۔۔۔

(چند لمحے بعد دونوں اندر آتے ہیں۔ حشمت ترچھی نظروں سے ان کی طرف دیکھتا

ہے حشمت آگے بڑھ کر ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھتا ہے۔)

حشمت: اوئے شاباش اے جوانو ۔۔۔ تم تو چیتوں کی جوڑی ہو۔ کتنے آدمی تھے وہ۔

دلاور: چھ تھے جی۔

حشمت: (سنگدلی سے) کوئی بچیا تو نہیں ان میں سے۔

مولاداد: جانے تو میں نہ دیتا جی کسی کو ۔۔۔۔ پر اس شہزادے نے میرا ہاتھ روک لیا ۔۔۔ کہنے لگا ۔۔۔

ہم چوہدری انور کو چھڑانے آئے ہیں ۔۔۔۔ خواہ مخواہ بندے مارنے کی کیا ضرورت ہے۔

حشمت: تو تو بڑا بہادر تھا دلاور ۔۔۔۔ یہ کیا کیا ہے۔

دلاور: بہادری دکھانے کے لئے قتل کرنا ضروری نہیں ہوتا چوہدری صاحب ۔۔۔۔ جب سیدھی انگلیوں

سے گھیئو (گھی) نکل آئے تو انہیں ٹیڑھا کرنے کا کیا فائدہ۔

حشمت : تیری لیاقت کا میں بڑا قائل ہوں۔ اس لئے مان لیتا ہوں پر میری ایک بات یاد رکھنا سپ اور دشمن جہاں ملے فوراً ان کا سر کچل دو۔ ۔ ۔ ۔ نہیں تو پچھتاؤ گے۔

سین نمبر ۲۲

(گاؤں کے چائے والے کی دکان کچھ گاہک ۔ ۔ ۔ ۔ ماسٹر منظور ۔ ۔ بخشو، دھنگا ۔ ۔ ۔ ۔ علم دین وغیرہ بیٹھے ہیں ایک گلوکار ہارمونیم پر ہیر کا بند گا رہا ہے (شاندار نوں کرے ناں کوئی جھوٹھا) مولاداد خاموشی سے کھڑے ہو کر کسی کو اس کے آنے کی خبر نہیں۔ بند ختم ہونے پر سب واہ واہ کرتے ہیں، ایک طرف نتھو چوکیدار خاموش بیٹھا ہے)

ماسٹر : سبحان اللہ سبحان اللہ ۔ ۔ ۔ ۔ کیا اچھا گلا پایا ہے تم نے برخوردار ۔ ۔ ۔ حق ادا کر دیا ہے ۔ بابا وارث شاہ کے کلام کا ۔ ۔ ۔ ۔

گلوکار : بڑی مہربانی جناب ۔

ماسٹر : (چائے والے کو آواز دیتے ہوئے) جیلے ۔

جیلا : جی ماسٹر جی۔

ماسٹر : اس برخوردار کو میرے حساب میں چائے پلا اور ساتھ ایک کیک رس اور بسکٹ بھی کھلا ۔ ۔ ۔ (لوگوں سے) فنکار قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں بھائیو۔ ۔ ۔ ۔

مولاداد : (آگے آتے ہوئے) کیا نام ہے تیرا نوجوان ۔ ۔ ۔ ۔

(مولاداد کے سوال پر چاروں طرف خاموشی چھا جاتی ہے گلوکار گھبرا جاتا ہے)

گلوکار : اقبال جی ۔ ۔ ۔ ۔ محمد اقبال ۔

مولاداد : تجھے اور کوئی ٹوٹا یاد نہیں ہیر وارث شاہ کا ۔ ۔ ۔ ۔

گلوکار : بہت سے ہیں جی ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے ساری ہیر آتی ہے۔

مولاداد : تو پھر آئندہ اس علاقے میں اس طرح کے شعر نہ پڑھنا ۔ ۔ ۔ ۔ بڑے چوہدری صاحب نے سن لئے تو تیرے گلے میں مٹی بھروا دیں گے ۔ ۔ ۔ ۔

ماسٹر : کیوں بھئی مولاداد ۔ ۔ ۔ ۔ کیوں ڈرا رہے ہو بیچارے کو ۔ ۔ ۔ ۔ یہ تو وارث شاہ صاحب کا کلام ہے۔

مولاداد : کلام تو وارث شاہ صاحب کا ہے ۔ ماسٹر جی پر ہے تو بڑے چوہدری صاحب کے خلاف ۔ میں تو اس کے فائدے کی بات کر رہا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ قوم کا سرمایہ فنکار ۔ یہیں غرق ہو جائے ۔ ۔ ۔ (گلوکار سے) جا پھٹ جا ۔ ۔ ۔ شاباش ۔

ماسٹر : بھئی اس کو چائے تو پی لینے دو ۔ مسافر ہے بیچارا ۔

گلوکار : (ڈرے ہوئے انداز میں) نہیں جی بڑی مہربانی میں اب چلتا ہوں۔

مولا داد : (اسے کندھے سے پکڑ کر بٹھاتے ہوئے) تو ماسٹر صاحب کا مہمان ہے۔ بیٹھ جا ---- پر اس علاقے میں وہ شعر نہیں چلتا دوبارہ ---- تم وہ کیوں نہیں پڑھتے اس کی جگہ ---- ڈولی چڑھدیاں ماریاں ہیر چیکاں ---- سنا ذرا ----

(چارپائی پر بیٹھتا ہے گلوکار اپنا باجا سیٹ کر کے تان لگاتا ہے۔ ڈولی چڑھدیاں ماریاں ہیر چیکاں ۔ ایک دم نتھو چوکیدار اٹھ کر درمیان میں آجاتا ہے اور زور زور سے رونے لگتا ہے ساتھ ساتھ بڑبڑا جاتا ہے)

نتھو : ---- پر میری جیراں کو تو ڈولی میں بیٹھنا بھی نصیب نہیں ہوا ---- میری دھی نے تو سوہا جوڑا پہن کے بھی نہیں دیکھا ---- اس نے تو ایک چیک بھی نہیں ماری ---- چپ چاپ کھوہ میں اتر گئی۔ جس طرح بوکا اترتا ہے ---- اس کی چیکیں کون سنے گا۔ یہاں تو سب یہی کہتے ہیں ---- شاندار نوں کرے نا کوئی جھوٹا ---- مجھے جھوٹا کرو ---- میں جھوٹا ہوں ----

(بڑبڑاتا ہوا باہر نکل جاتا ہے سب لوگ حیرت اور افسوس کے عالم میں اُسے دیکھتے ہیں مولا داد کا کلوز جو اس صورتِ حال سے سخت پریشان ہوا ہے۔)

سین نمبر ۲۳

(یہاں حشمت خان کا ایک کلوز INERTIAU کی شکل میں ڈالا جائے یا اُسے کتوں کی لڑائی دیکھتے دکھایا جائے)

سین نمبر ۲۴

(ایک دیہاتی ڈاکخانے کے بورڈ یا لیٹر بکس سے TU ، کر کے ہم اندر جاتے ہیں۔ جہاں پوسٹ ماسٹر ایک ٹوٹی ہوئی میز کرسی پر بیٹھا ہے دلاور سے باتیں کر رہا ہے۔)

پوسٹ ماسٹر : میری جم پال اس علاقے کی ہے دلاور صاحب ---- سولہ سال سے میری پوسٹنگ اسی قصبے میں ہے اور آپ کی دعا سے آج تک ٹرانسفر نہیں ہونے دی ---- دراصل یہاں کوئی آنا ہی نہیں چاہتا ---- دل چسپی نہیں ہے نا جی کوئی اس علاقے میں۔

(دلاور ایسی دل چسپی کے ساتھ سنتا ہے جس میں مجبوری پائی جاتی ہے اور پوسٹ ماسٹر کی بات ختم ہونے کا منتظر)

اپ شہر میں آپ دیکھیں سو طرح کی رنگینیاں ہیں۔ آرام اور سہولت ہے وہ سب چھوڑ کر یہاں کون آئے گا آپ کی دعا سے اردگرد کے سات گاؤں کی ڈاک اسی بندوی اور کترین کے ہاتھ سے تقسیم ہوتی ہے ---- پر جناب یہاں صحت اور ایمانداری کی قدر نہیں ہے۔ بارہ سال سے میری پرموشن ڈیو ہے ---- پر مجال ہے جو بالا کام کے

کان پر جوں ہی رینگ ہو ۔۔۔۔ ہاں آپ کیا پوچھ رہے تھے۔

دلاور: میں عرض کر رہا تھا جناب کہ گزشتہ دس برسوں میں اس علاقے میں فتح شیر نام کا کوئی آدمی تو آکر آباد نہیں ہوا۔ (پوسٹ ماسٹر نفی میں سر ہلاتا ہے) ایک عورت بھی ہوگی اس کے ساتھ۔۔۔۔ زہرہ نام ہے اس کا۔۔۔

پوسٹ ماسٹر: حلیہ بتائیں اس کا۔۔۔۔

دلاور: (اپنے آپ سے) حلیہ۔۔۔۔

(ٹھنڈا سانس بھرتا ہے)

پوسٹ ماسٹر: سو جناب حلیے کا مسئلہ یہ ہے کہ یہ ناچیز ایک دفعہ جس شخص کی شکل دیکھ لے پھر وہ خود اپنی شکل بھولے تو بھول جائے آپ کا یہ خادم نہیں بھولتا۔۔

(دلاور اٹھتا ہے اور باہر نکل جاتا ہے۔ پوسٹ ماسٹر اپنی دھن میں بولتا چلا جاتا ہے) انسان تو انسان ہیں میں تو بھینسوں تک کو اُن کے حلیے سے پہچان لیتا ہوں۔ آپ ایک دفعہ کسی بھینس کو میرے سامنے سے گزار ہی دیجئے۔۔۔۔۔

(ایک دم دھیان کرتا ہے کہ دلاور جا چکا ہے۔ چند لمحے پریشانی میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہے سر کھجاتا ہے پھر خطوں پر مہریں لگاتا ہے)

سین نمبر ۲۵

(فرخ کی ماں ترکاری چھیل رہی ہے۔ فرخ گنگناتا ہوا آتا ہے۔ ماں کو دیکھ کر خاموش ہو جاتا ہے۔ ماں اسے دیکھ کر مسکراتی ہے فرخ اندر جانے لگتا ہے آواز دیتی ہے)

ماں: ذرا اِدھر تشریف لائیے۔

فرخ: (انجان پن کے انداز میں رکتے ہوئے) جی۔

ماں: (مزاحیہ سنجیدگی سے) تشریف رکھیئے دوپہر میں کہاں تھے آپ؟

فرخ: دوپہر کو۔۔۔۔ یونیورسٹی میں تھا۔

ماں: کھانا کھانے کیوں نہیں آئے۔

فرخ: کھانا۔۔۔۔ وہ دراصل امی ہوا یوں کہ۔۔۔۔

ماں: (ٹوکتے ہوئے) لفظ کو لمبا کر کے یونہی ہنستے) فرخ۔

فرخ: جی امی۔

ماں: جھوٹ نہیں بولنا بیٹے۔

فرخ: امی۔ ابھی تو میں نے بات ہی نہیں کی۔۔۔۔ آپ خواہ مخواہ مجھے جھوٹا کہہ رہی ہیں۔۔۔

ماں: اس لئے بیٹے کہ مجھے پتہ ہے تم جھوٹ بولو گے۔۔۔۔

فرخ : اب یہ آپ زیادتی کر رہی ہیں۔

ماں : میں تمہاری ماں ہوں بیٹے ۔ تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔

فرخ : وہ تو ٹھیک ہے مگر۔ اچھا یہ بتائیں آپ کو کیسے پتہ ہیں کہ میں جھوٹ بولنے والا ہوں۔

ماں : اس لئے کہ میری جان، کہ تم جب بھی ۔ دراصل امی ہوا یوں، سے جملہ شروع کرتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب تم جھوٹ بولنے جا رہے ہو ۔ فرخ : (کھسیانا ہو کر) ایسے ہی، آپ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خود ہی ہنس پڑتا ہے) ویسے میں آئندہ خیال رکھوں گا۔

ماں : (ہنستے ہوئے) بڑے بدمعاش ہو تم ۔ ۔ ۔ ۔ یعنی جھوٹ بولنے کا سٹائل بدل لو گے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جھوٹ یُوں نہیں چھوڑو گے ۔ ۔ ۔ اچھا یہ بتاؤ یاسمین رہتی کہاں ہے۔

فرخ : اپنے گھر میں اور کہاں ۔ ؟

ماں : بدھو رام میں اس کے گھر کا پتہ ہی پوچھ رہی ہوں۔ ۔ ۔ ۔ کل مجھے جانا ہے وہاں۔

فرخ : سچ !(اثبات میں سر ہلاتی ہے) اوہ امی آپ کتنی پیاری، کتنی اچھی کتنی سویٹ ہیں۔

ماں : (پیار سے) کوئی ADJECTIVE باقی رہ گیا ہو تو وہ بھی لگا لو۔ ۔ ۔ ۔

فرخ : سچ آپ بہت اچھی ہیں ۔ ۔ ۔ یوں کریں ۔ ۔ ۔ میں خود چھوڑ آؤں گا آپ کو اس کے گھر ۔ ۔ ۔

ماں : موٹر سائیکل پر ؟ (فرخ اثبات میں سر ہلاتا ہے ہاں نفی میں سر ہلاتی ہے) ٹھیک ہو بیٹے ۔ ۔ ۔ عقلمند کے لئے ایک اشارہ بہت ہوتا ہے ۔ (کہنی دیکھتے ہوئے) ابھی میرے پچھلے زخم ہی نہیں بھرے ۔ ۔ ۔ اور پھر رشتہ لینے جانا ہے ذرا ٹھاٹھ سے جائیں گے۔ تمہاری زبیدہ پھپی آئیں گی ڈرائیور کے ساتھ ۔ ۔ ۔ تم ایڈریس لکھ دو ہمیں ۔

فرخ : ابھی لیجئے ۔

(یہ سُن کر نوٹ بک پر جلدی جلدی کچھ لکھتا ہے کاغذ پھاڑ کر ماں کو دیتا ہے)

ماں : صبح یونیورسٹی میں یاسمین کو بتا بھی دینا تاکہ وہ اپنی امی کو اطلاع دے دے۔

فرخ : آپ فکر نہ کریں ۔

سین نمبر ۲۶

(کیمپس کی سڑک پر موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی ہے ___ اس پر فرخ بیٹھا ہے بار بار گھڑی اور سڑک کی طرف دیکھتا ہے چہرہ سے سخت پریشانی کا اظہار ہو رہا ہے روبینہ آتی ہے اُسے دیکھ کر رُکتی ہے)

روبینہ : ہیلو فرخ ۔

فرخ : ہیلو۔

(پھر سڑک کی طرف دیکھتا ہے)

روبینہ : دو گھنٹے سے تم یہاں بیٹھے ہو کیا کر رہے ہو۔

فرخ : انتظار ــــ ؟

روبینہ : کس کا۔ (فرخ گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے) یاسمین کا۔

فرخ : جی۔ کوئی اعتراض ہے آپ کو۔

روبینہ : (جل کر) مجھے کیوں ہونے لگا اعتراض۔

فرخ : انکوائری تو تم اسی طرح کر رہی ہو۔

روبینہ : تم اتنے سٹرپیل کیوں ہو؟

فرخ : (اُس انداز میں) آپ اتنی اٹریل کیوں ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جاتیں کیوں نہیں یہاں سے۔

روبینہ : ایک دم جنگلی ہو تم۔

فرخ : THANK YOU FOR THE COMPLIMENT

روبینہ : (جاتے ہوئے) پتہ نہیں کیا سمجھتے ہو اپنے آپ کو ۔ ۔ ۔ ۔

(روبینہ جاتی ہے فرخ پھر بیٹھتا ہے TIME LAPSE ۔ ۔ ۔ اٹھتا ہے گھڑی دیکھتا ہے موٹر سائیکل سٹارٹ کر کے جاتا ہے)

سین نمبر ۲۷

(فرخ ایک دوکان کے کاؤنٹر سے فون کر رہا ہے نمبر ملاتا ہے نہیں ملتا مصنوعی خوش اخلاقی سے دوکاندار کی طرف دیکھتا ہے۔ دکاندار اسے بغیر تاثر کے گھور کے دیکھتا ہے۔ دوبارہ نمبر ملاتا ہے۔ درمیان میں رُک کر پھر ملاتا ہے)

(گھبراہٹ میں کندھے جھٹکتا ہے۔ چوتھی پانچویں بار نمبر ملاتا ہے۔ دوبارہ تسلی آمیز انداز میں دوکاندار کی طرف دیکھتا ہے پھر بغیر کسی تاثر کے اس طرف دیکھتا ہے آدھی سکرین پر یاسمین کی ماں کا چہرہ آتا ہے۔ جو فون اٹھاتی ہے)

فرخ : ہیلو۔

ماں : ہیلو۔

فرخ : کون بول رہا ہے!

ماں : میں مسز شوکت بول رہی ہیں۔

فرخ : آ ــ آپ ۔ ۔ ۔ ۔ یاسمین کی امی ہیں نا ۔ ۔

ماں : جی ۔ فرمایئے۔

فرخ : آنٹی، میں ۔ ۔ ۔ ۔ فرخ ہوں۔ یاسمین میرے ساتھ پڑھتی ہے یونیورسٹی میں۔

ماں : تم باز نہیں آؤ گے ان حرکتوں سے۔

فرخ : (گھبرا کر) جی۔

ماں : تمہیں شرم آنی چاہیئے۔

فرخ : (بے حد گھبرا کر) جی ۔۔۔ جی میں سمجھا نہیں۔

ماں : یہی سکھاتے ہیں تمہیں کالجوں میں یونیورسٹیوں میں ۔۔۔۔۔

فرخ : (بے حد گھبراہٹ میں) جی ۔۔۔ آنٹی ۔۔۔ آپ شاید سمجھی نہیں ۔۔۔ میں فرخ ہوں ۔۔۔۔۔ یاسمین کا ۔۔۔۔

ماں : ہاں ہاں سن لیا میں نے ۔۔۔۔ نام مت لو اپنی گندی زبان سے میری بیٹی کا ۔۔۔

فرخ : ہیلو ۔۔۔۔ یہ ۔۔۔۔ فور ون ٹو ون ٹو ون ہے۔

ماں : اور اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے تو میں پولیس میں رپورٹ کردوں گی ۔۔۔

فرخ : (تھوک نگلتے ہوئے) دراصل آنٹی وہ ۔۔۔۔ یاسمین آج یونیورسٹی نہیں آئی نا ۔۔۔ تو میں نے بتایا تھا کہ میری امی آج شام کو آپ کے یہاں آرہی ہیں۔

ماں : کیوں ؟

فرخ : جی وہ ۔۔۔۔ وہ خود ہی بتائیں گی آکر ۔۔۔ خدا حافظ

(جلدی سے فون رکھتا ہے جیب سے رومال نکال پسینہ پونچھتا ہے۔ دوکاندار کی طرف پریشان مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتا ہے۔ ایک روپے کا نوٹ رکھ کر جلدی سے جانے کے لئے مڑتا ہے دکاندار بازو سے پکڑ کر روکتا ہے۔ گھبرا کر مڑتا ہے دکاندار دراز کھول کر ایک اٹھنی نکالتا ہے اس کے ہاتھ پر رکھتا ہے اور پھر اس طرح بغیر تاثر کے چہرے کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے)

سیٹ نمبر ۲۸

(موٹر مختلف سڑکوں سے گزرتی ہوئی یاسمین کے گھر کے سامنے آکر رکتی ہے اس میں سے فرخ کی ماں اور زبیدہ اترتی ہیں دروازے کی گھنٹی بجاتی ہیں شوکت دروازہ کھولتا ہے سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہے)

شوکت : جی۔

ماں : ہمیں بیگم شوکت سے ملنا ہے۔

شوکت : (ایک طرف ہٹتے ہوئے) آیئے تشریف لایئے۔

شوکت : ارے بھئی بیگم ۔۔۔۔ کچھ خواتین آپ سے ملنے آئی ہیں ۔۔۔۔ آپ لوگ تشریف رکھئے نا۔۔

زبیدہ، ماں : جی شکریہ۔ (بیٹھتی ہیں) یاسمین کی ماں آتی ہے (دونوں خواتین اٹھتی ہیں)

ماں زبیدہ : اسلام وعلیکم

مسز شوکت : وعلیکم سلام ۔۔۔۔ تشریف رکھیئے ۔

(چند لمحے کی خاموشی سب ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ کون بات شروع کرے ۔ آخر ماں ہمت کرتی ہے)

ماں : میرا نام ذکیہ ہے اور یہ زبیدہ ہیں ۔۔۔۔۔ میری بہن ہی سمجھ لیجئے ۔

مسز شوکت : (رسمی مسکراہٹ سے) جی ۔

ماں : آپ نے شاید ۔۔۔۔ مجھے پہچانا نہیں ۔۔۔۔ یاسمین نے آپ سے ذکر نہیں کیا میرے بارے میں ۔

مسز شوکت : جی نہیں ۔۔

ماں : میں فرخ کی امی ہوں ۔

(مسز شوکت ایک دم تنک کر اٹھتی ہے ۔ ماں حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہے)

مسز شوکت : تو آپ یہ بدتمیزی یہاں تک پہنچ گئی ہے ۔

ماں : (حیرت سے) جی ۔

مسز شوکت : خاتون آپ صورت شکل سے پڑھی لکھی اور سمجھ دار معلوم ہوتی ہیں اگر آپ واقعی اس لڑکے کی ماں ہیں تو مجھے آپ سے ہمدردی ہے ۔

ماں : جی ۔۔۔۔ محترمہ ۔۔۔۔ میں کچھ سمجھی نہیں ۔

مسز شوکت : ایسی نالائق بدتمیز اور بے ہودہ اولاد والی ماں سے ہمدردی ہی کی جا سکتی ہے ۔

ماں : (ذرا تیز لہجے میں) آپ ہوش میں تو ہیں ۔

مسز شوکت : میرے ہوش و حواس تو آپ کے لاڈلے بیٹے نے غائب کر رکھے ہیں ۔۔۔۔ میں پوچھتی ہوں اُسے کیا حق ہے ہماری عزت سے اس طرح کھیلنے کا ۔۔۔۔ کیا بگاڑا ہے ہم نے آپ لوگوں کا ۔۔۔۔

زبیدہ : میرے خیال میں آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے ۔۔۔۔۔۔ ذکیہ بہن فرخ کی امی ہیں ۔۔۔۔ فرخ کی امی ہیں ۔۔۔۔

مسز شوکت : مت لیجئے یہ نام بار بار میرے سامنے ۔۔۔۔ مجھے نفرت ہے اس نام سے ۔

ماں : (غصے سے اٹھتے ہوئے) دیکھئے خاتون میں اپنے بیٹے کے بارے میں یہ توہین آمیز رویہ برداشت نہیں کر سکتی ۔۔۔

مسز شوکت : آپ کیوں کریں گی برداشت ۔ ہم جو ہیں برداشت کرنے کے لئے ۔۔۔۔

ماں : میں تو یہ سمجھ کر آئی تھی کہ یاسمین کی ماں بھی اسی طرح معقول اور سمجھدار ہوگی ۔ بخدا اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ آپ اس طرح کی عورت ہیں تو میں کبھی آپ کی دہلیز میں قدم نہ رکھتی ۔

مسز شوکت : آپ کی بڑی مہربانی (اٹھتے ہوئے) آپ تشریف لے جا سکتی ہیں ۔۔۔

(ماں چند لمحے انتہائی طیش اور پریشانی کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھتی ہے ۔

زبیدہ بھی پریشان ہے دونوں تیزی سے باہر نکلتی ہیں۔ سامنے سے ایک رکشہ آکر رُکتا ہے۔ جس میں سے یاسمین اُترتی ہے۔ ماں اور زبیدہ تیزی سے چلتی ہوئی کار میں بیٹھتی ہیں۔ ماں دروازہ زور سے بند کرتی ہے گاڑی مُڑتی ہے اور یاسمین کے قریب سے گزر جاتی ہے۔ جو حیرت سے اُنہیں جاتے ہوئے دیکھ رہی ہے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولتی ہے مگر گاڑی اس اثناء میں آگے بڑھ جاتی ہے۔ یاسمین کے حیرت زدہ کلوز پر FRAUWSTCEP کرتے ہیں۔)

قسط نمبر ۱۰

سین ۱۔ فرخ کا گھر۔ میز پر ڈش میں کچھ پھل رکھے ہیں۔

ذکیہ:۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا یعقوب بھائی۔ اتنی بدتمیز عورت میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔ گھر تو دشمن بھی چل کے آجائے تو لوگ بات کرنے سے پہلے دس دفعہ سوچتے ہیں اور ہم تو۔۔۔ خیر لعنت بھیجئے۔ اچھا ہوا بات شروع میں ہی صاف ہو گئی۔ ورنہ بڑی مصیبت ہو جاتی۔

یعقوب:۔ (افسوس اور ہمدردی کے انداز میں) یہ تو بہت بُرا ہوا بھابی۔ ویسے میری خود سمجھ میں نہیں آرہا ان خاتون نے ایسا کیوں کیا۔ یہ تو انتہا ہے بدتہذیبی کی۔

ذکیہ:۔ چھوڑئے مٹی ڈالئے، اس ذکر پر۔ جب بھی میں اس کے بارے میں سوچتی ہوں میرا خون سلگ اٹھتا ہے۔

یعقوب:۔ اب میں آپ سے کیا عرض کروں مجھے بھی لڑکی اور اس کی فیملی کے بارے میں ایک دو بڑی غلط قسم کی خبریں ملی تھیں۔ لیکن میں ایسی پوزیشن میں تھا کہ میں نے آپ کو بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے سوچا مبادا آپ یہ سمجھیں کہ میں کسی ذاتی غرض سے ایسا کر رہا ہوں۔

ذکیہ:۔ توبہ توبہ۔ یہ آپ نے کیسے سوچ لیا یعقوب بھائی۔ آپ کے بارے میں تو میں ایسا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اور پھر آپ نے تو خود ــــــ اوہو ہم پھر اسی بات میں پڑ گئے ــــــ یہ سیب لیجئے نا ــــــ

یعقوب:۔ (اٹھتے ہوئے) نہیں بھابی اب میں چلوں گا۔ ایک کام ہے۔ (دروازے پر رکتے ہوئے) فرخ کا کیا ری ایکشن ہے؟

ذکیہ:۔ وہ تو پرسوں سے یونیورسٹی کی ٹیم کے ساتھ کوئٹہ گیا ہوا ہے۔ کوئی میچ کھیلنے کے لئے۔ کل آئے گا۔

یعقوب:۔ اسے ذرا محبت سے ــــــ میرا مطلب ہے وضاحت سے سمجھایئے گا۔ سارا معاملہ۔ وہ اس مسئلے پر خاصا جذباتی ہے نا۔

ذکیہ:۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔ مجھے یقین ہے۔ وہ اس گھر کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ جہاں اس کی ماں کی توہین ہوئی ہو۔

یعقوب :- پھر بھی - میرا مطلب تھا ـــــــ یہ عمر ایسی ہوتی ہے کہ آدمی REASON اور LOGIC کی بات ذرا کم ہی سمجھتا ہے۔

ذکیہ :- (فخریہ انداز میں) فرخ میرا بیٹا ہے یعقوب بھائی - اس بات کو تو اب آپ ختم ہی سمجھئے - بلکہ میں آپ سے شکیلہ کے سلسلہ میں بات کرنا چاہ رہی تھی - لیکن اس سارے واقعے نے طبیعت کچھ ایسی بدمزہ کر دی ہے کہ ایسے میں اتنی اچھی بات شروع کرنے کا کچھ ڈھب نہیں بنا۔

یعقوب :- شکیلہ آپ کی اپنی بچی ہے بھابی - مجھ سے بات کرنے کی کیا ضرورت ہے جب جی چاہے آ کے لے جائیے گا - اچھا خدا حافظ۔

(یعقوب جاتا ہے ذکیہ ممنونیت سے اسے جاتے دیکھتی ہے) ـــــ آنماع ـــــ

سین نمبر ۲

(حویلی - نیاز اور ماسٹر باتیں کر رہے ہیں۔)

نیاز علی :- آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ماسٹر جی - مگر آپ کو پتہ ہے - میاں جی کے حکم کے آگے میں بالکل مجبور ہوں۔

ماسٹر :- چودھری گاؤں کا رکھا ہوتا ہے - نیاز علی - اگر گڈریئے ہی بھیڑیئے بن جائیں تو پھر بھیڑوں کی راکھی کون کرے گا - چودھری انور اور اس کے آدمیوں نے گاؤں میں جو اندھیر مچایا ہوا ہے - اس کا انجام بہت برا ہو گا - تم بڑے چودھری صاحب کو سمجھاؤ۔

نیاز علی :- (دبے دلی سے ہنستے ہوئے) انہیں کون سمجھا سکتا ہے ماسٹر جی - پر آپ فکر نہ کریں - میں کوشش کر رہا ہوں کہ انور کو شہر بھجوا دیا جائے۔

ماسٹر :- جیراں کی خودکشی کے بارے میں سارا گاؤں باتیں کر رہا ہے - سب یہی کہتے ہیں اسے چودھری انور نے مروایا ہے - نتھو بیچارا تو بالکل باولا ہو گیا ہے - کسی چیز کی سدھ بدھ نہیں رہی اُسے۔

نیاز :- خیر وہ تو پولیس رپورٹ اور شہادتوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ جیراں نے خودکشی کی تھی - البتہ انور کے بارے میں جو دوسری شکایات ہیں - ان میں کچھ حقیقت ہے اور اسی لئے میں نے آپ سے عرض کیا ہے کہ میں اسے شہر بھجوانے کی کوشش کر رہا ہوں۔

ماسٹر :- (اٹھتے ہوئے) اللہ تمہیں خوش رکھے - تم نے ہمیشہ میرا مان رکھا ہے - اللہ تمہارا درجہ اور بلند کرے۔

نیاز :- آپ میرے استاد ہیں ماسٹر جی آپ کا حق ہے مجھ پر یقین کیجئے اگر میاں جی درمیان میں نہ ہوتے تو میں اس معاملے کو کبھی اس حد تک نہ بڑھنے دیتا۔

(حشمت خان آتا ہے پیچھے پیچھے بخشو اور مہنگا حقہ اٹھائے آ رہے ہیں)

حشمت :- اوہو، ماسٹر آیا ہوا ہے - کیا حال ہے ماسٹر تیرا۔

ماسٹر :- آپ کی دعا ہے چودھری جی۔

حشمت :- کیسے آئے تھے ؟

ماسٹر :- (گڑگڑا کر) کچھ نہیں جی وہ بس ایسے ہی آگیا تھا۔

حشمت :- تو پھر بیٹھو۔ تیر نیاز علی کوئی لسّی پانی پلوایا ہے ماسٹر کو۔

ماسٹر :- جی ——— شربت پیا ہے جی میں نے۔

حشمت :- (بخشو سے) اوئے بخشو۔ اوئے ماسٹر کے گھر (کنک) گندم اور چاول بھجوا لئے تھے کہ نہیں۔

بخشو :- کبھی کے جی۔ اب تک تو ماسٹر صاحب آدھی آدھی بوری کھا بھی چکے ہوں گے۔ کیوں ماسٹر جی۔

حشمت :- پڑھنے لکھنے والوں کی پرورش اور دیکھ بھال بڑی ضروری ہوتی ہے ——— کسی چیز کی ضرورت ہو ماسٹر تو منشی سے آکر لے لینا۔

ماسٹر :- بڑی مہربانی چودھری جی۔ آپ کی عنایت سے سب کچھ ہے میرے گھر میں۔

حشمت :- گھر میں ہمیشہ ضرورت سے زیادہ رکھنا چاہیئے ماسٹر۔ وقت کا کچھ پتہ نہیں ہوتا۔ پتہ نہیں تمہاری کتابیں تمہیں یہ سامنے کی باتیں کیوں نہیں سکھاتیں۔ چاند تاروں کی سیریں کراتی رہتی ہیں۔

ماسٹر :- اسی لئے تو آدمی چاند پر پہنچ بھی گیا ہے چوہدری صاحب۔

حشمت :- پر کیا فائدہ ہے ——— خواہ مخواہ اتنی رقم برباد کی ہے۔ جب وہاں ہوا اور پانی ہی نہیں ہے تو وہاں راکٹ بھیجنے کا حصول کیا ہے۔ ان کو تو ایسے علاقوں میں بھیجنا چاہیئے جہاں کھیتی باڑی ہو سکے ——— ٹریکٹر چل سکیں۔

ماسٹر :- اس کی بھی کوشش کر رہے ہیں جی۔ سنا ہے ایک دو سیاروں پر کچھ امید ہے اس قسم کی۔

حشمت :- بس تو ٹھیک ہے۔ اگر کوئی ایسا سیارہ مل گیا تو میں بھی وہاں زمین خرید لوں گا۔ شروع شروع میں تو سستی مل جائے گی۔ (اپنے مذاق پر خود ہی ہنستا ہے) کیوں ماسٹر کیا خیال ہے تمہارا تم بھی لے لینا دو چار مربعے۔

ماسٹر :- میں نے مربعوں کا کون سا اچار ڈالنا ہے جی۔ میں اپنی ماسٹری میں بڑا خوش ہوں۔ چار دن اور ہیں یہ بھی گزر ہی جائیں گے۔

حشمت :- (ماسٹر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے) بیٹھ جا ماسٹر ایک بات کرنی ہے تجھ سے۔

ماسٹر :- جی فرمایئے۔

حشمت :- لوگ تیری عزت کرتے ہیں ماسٹر ——— لوگ تیری بات غور سے سنتے ہیں۔ تو ان کو سمجھاتا کیوں نہیں۔

ماسٹر :- میں سمجھا نہیں چوہدری صاحب۔

حشمت :- یہی ——— یہ جو ڈیم بنا رہے ہیں ہمارے سر پر ——— اس کے خلاف احتجاج کیوں نہیں کرتے یہ لوگ۔

ماسٹر :- کیا احتجاج کریں جی۔

حشمت :- (گھورتے ہوئے) معلوم ہوتا ہے بچوں کو پڑھا پڑھا کر تیرا دماغ کھوکھلا ہو گیا ہے۔ صدیوں سے اس پنڈ میں ہم لوگ آباد ہیں۔ ہمارے اور تم لوگوں کے بزرگ اس مٹی میں مٹی ہو کر آرام کر رہے ہیں۔ یہاں ہماری زمینیں ہیں۔ مکان ہیں۔ جائیدادیں ہیں۔ یہ سب کچھ ہم کیسے چھوڑ دیں۔ تم لوگوں کے دل کو کچھ نہیں ہوتا۔ میں تو جب سوچتا ہوں مجھ کو ہول

پڑنے لگتے ہیں۔

ماسٹر:۔ دکھ تو ہمیں بھی بہت ہے چوہدری جی۔ پر حکومت کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے۔

حشمت:۔ کیوں نہیں دخل دے سکتے ہم۔ ہم ٹیکس نہیں دیتے۔ مالیہ۔ آبیانہ۔ لینڈ ٹیکس فلانا ٹیکس ڈھمکانا ٹیکس۔۔۔ یہ سب کس لئے دیتے ہیں ہم اس لئے کہ جب جی چاہے ہمیں ہمارے گھروں سے نکال باہر سڑک پر پھینک دیں۔

ماسٹر:۔ (مدافعانہ لہجے میں) پر چوہدری صاحب۔ گورنمنٹ متبادل زمین بھی تو دے رہی ہے لوگوں کو۔

حشمت:۔ کوئی تمہاری ماں تم سے لے لے اور کہے کہ میں تمہیں ایک متبادل ماں دے دیتا ہوں تو لے لوگے تم۔ بولو۔

(ماسٹر لاجواب ہو کر نظریں جھکا لیتا ہے)

مہنگا:۔ (آہستہ آواز میں بخشو سے) میرا ابا تو لے لے گا وہ بڑا تنگ ہے میری ماں سے۔

(ہنسی ضبط کرتے ہوئے)

بخشو:۔ (سرگوشی میں) کیوں موت آئی ہے تیری۔

حشمت:۔ دونوں کی طرف گھور کر دیکھتا ہے دونوں ڈر جاتے ہیں ایک دم نرم لہجے میں ماسٹر کو مخاطب کرکے) مطلب یہ ہے ماسٹر کہ تم لوگوں کو سمجھاؤ ان کو اس مسئلے کی نزاکت سے آگاہ کرو۔ ہمیں مل کر اپنے حقوق کی حفاظت کرنی چاہیئے۔۔۔ میں نے پتہ کرایا ہے۔ ہمارا علاقہ پہلے نقشے میں شامل نہیں تھا۔ یہ کسی نے بعد میں شرارت کی ہے۔

ماسٹر:۔ وہ تو ٹھیک ہے جی پر لوگ کیا کر سکتے ہیں۔

حشمت:۔ تم بہت کچھ کر سکتے ہو۔ دس بارہ پنڈوں سے سو سو لوگ فی پنڈ بھی جائیں تو ہزار بارہ سو آدمی ہو جاتے ہیں بسوں کا انتظام میں کردوں گا۔ لاہور جا کر جلوس نکالو۔ گورنر ہاؤس کے سامنے مظاہرہ کرو۔ بھوک ہڑتال کرو۔ اوپر سے ہم زور لگاتے ہیں۔ کیوں پتر نیاز علی۔

نیاز علی:۔ (گو مگو میں) جی۔۔۔ جی میاں جی۔۔۔

حشمت:۔ لگتا ہے تیری سمجھ میں بھی ابھی تک میری بات نہیں آئی۔

نیاز علی:۔ یہ بات نہیں میاں جی۔ دراصل یہ مسئلہ بڑا الجھا ہوا ہے۔ آپ حکومت کو مجبور کرنا چاہتے ہیں پر حکومت تو خود اس معاملے میں مجبور ہے۔ بین الاقوامی سطح پر معاہدے ہو چکے ہیں۔ یو این او ورلڈ بینک اور پتہ نہیں کس کس کنسورشیم سے قرضے لئے گئے ہیں۔ پراجیکٹ منظور ہو چکا ہے۔۔۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔

حشمت:۔ دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں ہوتی پتر نیاز علی انسان کا کمزور ارادہ اسے ناممکن بناتا ہے۔ کیوں ماسٹر تیرا علم کیا کہتا ہے۔

ماسٹر:۔ (گھبرا کر) دراصل۔۔۔ میرے خیال میں۔۔۔ یعنی

حشمت:۔ (اس کا کندھا تھپکتے ہوئے ہنستا ہے) تم کتابیں پڑھنے والوں میں یہی سب سے بڑی خرابی ہے فیصلہ نہیں ہوتا تم لوگوں سے۔۔۔ دیکھو میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔

سین نمبر ۳

(فرخ بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا ہے۔ ماں گہری نظروں سے اس کی کیفیت کا جائزہ لے رہی ہے)

فرخ :۔ (چند لمحے کے وقفے کے بعد رک کر ماں کے قریب آتا ہے۔ اس کے سامنے بیٹھتا ہے۔) آپ نے انہیں بتایا تھا کہ آپ میری —— میرا مطلب ہے انہیں علم تھا کہ آپ کس فرخ کی امی ہیں۔

ذکیہ :۔ ہاں۔

فرخ :۔ تو پھر۔ دراصل میری سیمیں سے ملاقات نہیں ہو سکی نا اس دن —— مجھے لگتا ہے انہیں پتہ ہی نہیں چلا۔ کہ آپ کون ہیں۔

ذکیہ :۔ (اسی شفقت رحم اور سمجھانے کے انداز میں) انہیں پتہ تھا بیٹے۔

فرخ :۔ ایسا نہیں ہو سکتا امی۔

ذکیہ :۔ یقین تو مجھے بھی نہیں آتا بیٹے۔ مگر ایسا ہوا ہے اور کسی دوسرے کے ساتھ نہیں خود میرے ساتھ ہوا ہے۔

فرخ :۔ شاید انہیں غلط فہمی ہوئی ہو۔

ذکیہ :۔ غلط فہمی بھی ہو تو بیٹے۔ گھر آئے مہمان سے کوئی ذلت آمیز سلوک نہیں کرتا۔ کم از کم کسی شریف اور معزز خاندان سے ایسی توقع نہیں کی جا سکتی۔

فرخ :۔ (سوچتے ہوئے) اس دن فون پر مجھ سے بھی ان کا رویہ کچھ عجیب سا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا —— کیا چکر ہے۔

ذکیہ :۔ سیمیں اچھی لڑکی ہے۔ مجھے پسند آئی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تم اسے پسند کرتے تھے۔ مگر بیٹا شادی صرف تمہارا اور سیمیں کا معاملہ نہیں یہ دو خاندانوں کا ملاپ ہے۔ اور میں نہیں سمجھتی کہ اس خاندان سے ہمارا کوئی ملاپ ممکن ہے۔

فرخ :۔ آپ ایک دفعہ مجھے سیمیں سے بات کر لینے دیں۔

ذکیہ :۔ (دبے دبے طنزیہ انداز میں) شاید تمہیں میری بات پر یقین نہیں آیا۔

فرخ :۔ بلیز امی۔ ایسی بات نہ کریں۔ میں تو صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ایسا کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟

ذکیہ :۔ کوئی فائدہ نہیں بیٹے۔ خرابی سیمیں میں نہیں اس کے خاندان میں ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اپنی ماں کی توہین کرا کے اپنا گھر بساؤ۔ تو تمہاری مرضی ——

فرخ :۔ (ماں کے ہاتھ پکڑ کر) خدا کے واسطے امیؔ —— یوں غیروں کی طرح باتیں نہ کریں۔ آپ کو پتہ ہے میرے لئے اس دنیا کی کوئی چیز آپ کی خوشی سے زیادہ نہیں ہے۔

ذکیہ :۔ تو پھر اسے بھول جاؤ بیٹا۔ اور آئندہ کبھی ان لوگوں کا نام نہ لینا میرے سامنے۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔ اس عورت نے ہماری کتنی توہین کی ہے۔

(فرخ کا چہرہ جذبات سے سرخ ہو جاتا ہے۔ پریشانی کے عالم میں مٹھیاں بھینچتا ہے)

سین ۴

(سوئے ہوئے فرخ پر مختلف سین ۱/۵ ہوتے ہیں جس میں وہ اور سیمیں اکٹھے تھے اس کے بعد ایک خلا نا بیک گراؤنڈ میں فرخ اور سیمیں ایک دوسرے کی طرف بڑھتے ہیں۔ دونوں کے ہاتھ فریم میں ایک دوسرے کے نزدیک آتے ہیں یکدم ایک بھڑکتی ہوئی شمع ان دونوں کے بیچ میں آتی ہے دونوں گھبرا کر ہاتھ پیچھے کرتے ہیں۔ سیمیں کی ماں کا خشونت بھرا چہرہ سکرین پر ہے۔ جو آواز کے بغیر کچھ تند و تلخ باتیں اپنے EXPVESSION سے کہہ رہی ہے۔ پھر اپنی بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹتی ہوئی ایک طرف لے جاتی ہے۔ فرخ اکیلا حیران کھڑا ہے ایک طرف سے ذکیہ آتی ہے۔ اس کا سر پکڑ کر سینے سے لگاتی ہے تسلی دے کر ایک طرف لے جاتی ہے۔ خالی سکرین پر ایک سیاہ نقطہ آہستہ آہستہ پھیلتا ہے جب وہ پوری سکرین پر آتا ہے تو فرخ ایک دم گھبرا کر اٹھ بیٹھتا ہے۔ چہرہ پسینے میں ڈوبا ہوا ہے۔ چند لمحے خالی خالی نظروں سے چاروں طرف دیکھتا ہے۔ نظر سائڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی سیمیں کی تصویر پر پڑتی ہے۔ اسے اٹھاتا ہے۔ چند لمحے دیکھتا رہتا ہے۔ پھر بڑبڑاتا ہے)

فرخ :- ایسا کیوں ہوا سیمیں۔ ایسا کیوں ہوا؟

سین ۵

(ہوٹل کا کونہ۔ فرخ اور سیمیں بڑے TENSE انداز میں بیٹھے ہیں۔ ان کے قریب ایک میز پر نوجوان (یعقوب کا کارندہ) اخبار منہ کے آگے رکھے بیٹھا ان کی باتیں سن رہا ہے۔ انداز سے ظاہر ہے کہ وہ ان کی نظر میں نہیں آنا چاہتا۔ فرخ خالی کپ میں چمچ گھما رہا ہے۔ جس سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ کسی گہری سوچ میں ہے سیمیں متوقع نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہے۔ پھر آنکھیں جھکا لیتی ہے۔ فرخ چمچ رکھ کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیتا ہے۔)

فرخ :- میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ تمہی اپنی امی کو سمجھاؤ ...... یہ کسی نے سازش کی ہے ہمارے خلاف ......

سیمیں :- وہ میری بات سنیں تب ہے نا ...... تمہارا نام سنتے ہی ان کا پارا چڑھنے جاتا ہے .... سب سے زیادہ آگ تو تمہارے اس خط نے لگائی ہے۔

فرخ :- پھر وہی ...... میں نے تمہیں کوئی خط نہیں لکھا ......

سیمیں :- میرا مطلب ہے۔ جو خط تمہارے نام سے کسی نے لکھا ہے ...... کون ہو سکتا ہے؟

فرخ :- میرے دوستوں میں سے تو کوئی اتنا سنگین مذاق نہیں کر سکتا۔

سیمیں :۔ یہی بات میں بھی اپنی سہیلیوں کے بارے میں کہہ سکتی ہوں۔

فرخ :۔ تم بتاؤ نا اپنی امی کو...... ہم ہر روز ملتے ہیں پھر مجھے کیا ضرورت تھی خط لکھنے کی........ اور پھر ایسلے بے ہودہ خط.......

سیمیں :۔ یہ تو ہم کہہ رہے ہیں نا........ سوال تو یہ ہے کہ امی کو کیسے سمجھایا جائے۔

فرخ :۔ تم مجھے ان کے پاس لے چلو۔

سیمیں :۔ یہ ناممکن ہے..... جو سلوک انہوں نے تمہاری امی کے ساتھ کیا ہے میرے لئے اسی کی شرمندگی بہت ہے۔ وہ یقیناً تمہاری بھی بے عزتی کریں گی....... ان کا تاثر یہی ہے۔

فرخ :۔ کوئی بات نہیں...... وہ میری بزرگ ہیں...... اس غلط فہمی کو رفع کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے.......

سیمیں :۔ ابھی کچھ دن ٹھہر جاؤ....... ان کا غصہ ذرا کم ہولے، پھر مل لینا۔

فرخ :۔ جب ہم بے گناہ ہیں تو ہمیں ڈرنا نہیں چاہیئے........ تاخیر مزید COMPLICATION بھی پیدا کر سکتی ہے۔

سیمیں :۔ تم میری امی کو نہیں جانتے ان کے دماغ میں جو بات ایک دفعہ بیٹھ جائے ذرا مشکل سے ہی نکلتی ہے

فرخ :۔ (سوچتے ہوئے) مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ خط اور ٹیلیفون کس کے تھے.....

(سوچنے لگتا ہے)

سیمیں :۔ (گھڑی دیکھ کر) اوہ دو بج گئے....... میں چلتی ہوں.....

فرخ :۔ چلو میں تمہیں چھوڑ آؤں.....

سیمیں :۔ (ڈر کر) نہیں —— نہیں..... میں رکشہ لے لوں گی، امی کو پتہ چل گیا کہ میں تم سے ملی تھی تو مصیبت پڑ جائے گی۔ انہوں نے مجھے سختی سے منع کیا تھا.......

فرخ :۔ (جیب سے کچھ پیسے نکال کر پلیٹ میں رکھتا ہے) پتہ نہیں کس کی نظر لگ گئی ہے ہمیں۔

(نوجوان ایک دم اخبار منہ کے آگے کرتا ہے تاکہ اس کا چہرہ چھپ سکے۔ سیمیں اس کے قریب رک کر سینڈل باندھنے لگتی ہے۔ فرخ دو قدم آگے نکل جاتا ہے)

فرخ :۔ کیا ہوا؟

سیمیں :۔ کچھ نہیں تسمہ کھل گیا ہے..... ایک منٹ...... (باندھنے کی کوشش میں) ادھر بھی کیا مصیبت ہے...... یہ بیگ ذرا پکڑنا۔

فرخ :۔ (اس کے قریب جھک کر بیگ پکڑتا ہے) میرے ذہن میں تو کوئی شخص ایسا نہیں آتا..... جس کی ہم سے اتنی دشمنی ہو (سیمیں اٹھتی ہے فرخ پیچھے ہٹتے ہوئے نوجوان کی کرسی سے ٹکراتا ہے۔ نوجوان گھبرا کر اخبار نیچے کرتا ہے (فرخ اس کا چہرہ دیکھتا ہے) سوری سر!

(فرخ اور سیمیں نکل جاتے ہیں۔ نوجوان کی نظریں ان کا تعاقب کرتی ہیں۔ پھر وہ
اٹھ کر ان کے پیچھے جاتا ہے)

سین نمبر ۶

(نوجوان یعقوب کو رپورٹ دے رہا ہے)

نوجوان :۔ بس سر اس کے بعد وہ ہوٹل سے نکلے ، لڑکی رکشے میں بیٹھ کر چلی گئی اور فرخ صاحب اپنی موٹر سائیکل پر گھر آ گئے ۔۔۔۔۔۔ میں انہیں دروازے تک پہنچا کر آیا ہوں۔

یعقوب :۔ (سوچتے ہوئے) ویری گڈ ۔۔۔۔۔۔ تم بہت سمجھ دار ہو۔

نوجوان : (خوش ہو کر) تھینک یو سر ۔۔۔۔۔۔

یعقوب :۔ اب تم یوں کرو ۔۔۔۔۔۔ لڑکی کی ماں کو فون کرکے اسے اس ملاقات کے بارے میں بتا دو مگر اب یہ نہیں کہنا کہ تم فرخ بول رہے ہو۔

نوجوان :۔ اور کیا کہوں سر ۔۔۔۔۔۔

یعقوب :۔ تم یہ کہہ سکتے ہو ۔۔۔۔۔۔ کہ تم ۔۔۔۔۔۔ ان کے ایک بہی خواہ ہو ۔۔۔۔۔۔ مگر نہیں ۔۔۔۔۔۔ اس طرح وہ کھٹک جائے گی ۔۔۔۔۔۔ اچھا تم جاؤ ۔۔۔۔۔۔ اس کا میں کوئی اور انتظام کروں گا۔

نوجوان :۔ بہت اچھا ــــــ سر۔

یعقوب :۔ کل تم پھر ان کے ساتھ ہی رہو گے ۔۔۔۔۔۔

نوجوان :۔ ٹھیک ہے سر ۔۔۔۔۔۔ (جاتے ہوئے) خدا حافظ سر۔

(نوجوان کے جانے کے بعد یعقوب چند لمحے کچھ سوچتا ہے پھر فون کے نمبر گھمانے لگتا ہے)

سین نمبر ۷

(جیلے چائے والے کی دوکان پر گاؤں کے بہت سے لوگ جمع ہیں۔ مہنگا۔ بخشو، علم دین
فضل کریم۔ رب نواز۔ سید گل۔ تاجا۔ نتھو وغیرہ وغیرہ ۔۔۔۔۔۔ مہنگا کوئی بات سنا
رہا ہے جس پر سب ہنس رہے ہیں سوائے نتھو کے جو ایک کونے میں چپ چاپ
بیٹھا ہے)

مہنگا :۔ (انگریزی فلموں کے ایکٹروں کی نقل اتارتے ہوئے) تو جناب اس کے بعد ہیرو نے یوں کرکے (ایکشن کرتا ہے) بیلٹ سے پستول نکال کر اور ویلن کو ہینڈز اپ کرا کے انگریزی میں زور زور سے کچھ کہنے لگا۔ (انگریزی ڈائیلاگ اسٹائل کی نقل کرتا ہے) اس کے بعد وہ ذرا چپ ہوا تو ولن نے ہیرو سے کہا ، اگر مرد کے بچے ہو تو پستول چھوڑ کر مقابلہ کرو۔

بخشو :۔ یہ ڈائیلاگ اس نے اردو میں بولا تھا۔

مہنگا :۔ (بخشو کو اس فقرے پر ایک NASTY LOOK سی دیتا ہے) بدنسلے گھوڑے کی طرح پچھاڑی ضرور مارنا بیچ میں ۔۔۔۔۔۔ انگریزی فلم میں اردو کیوں بولنی تھی تیرے اس مامے نے ۔۔۔۔۔۔

بخشو:۔ تو پھر تجھ کو کیسے پتہ چلا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

مہنگا:۔ یار بخشو تو تو اپنی شکل سے بھی زیادہ بیوقوف ہے...... سینس بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے......
ولن کی انگریزی کے جواب میں ہیرو نے پستول پھینک دی تھی، اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

تاجا:۔ چھوڑ یار مہنگے، تو سٹوری سنا آگے۔

مہنگا:۔ سٹوری تو ختم ہونے والی ہے اس کے بعد تو کہانی ہی کہانی ہے...... ہاں تو کیا کہہ رہا تھا میں۔

تاجا:۔ ہیرو نے ولن کے کہنے پر پستول پھینک دی۔

مہنگا:۔ بس جناب اس کے بعد تو وہ ڈھیں پٹاس ہوئی ہے وہ ڈھیں پٹاس ہوئی ہے کہ مزا ہی آگیا۔ کبھی ہیرو
ہار رہا ہے تو کبھی ولن۔ کبھی یہ نیچے تو وہ اوپر کبھی وہ اوپر تو یہ نیچے۔

سید گل:۔ جیسے ہماری پنجابی فلموں میں ہوتا ہے۔

مہنگا:۔ بالکل...... البتہ ان کی لڑائی کی جگہ پر ڈرم ڈبے اینٹیں یا ٹائر وغیرہ نہیں رکھے ہوتے تھے۔ میدان تھا کھلا
سا۔ بڑی دیر فیٹ (FIGHT) ہوتی رہتی ہے دونوں میں...... ایک دفعہ مار کھاتے کھاتے ولن کا پیر ہیرو کے
پھینکے ہوئے پستول پر آ گیا۔ اس نے ایک دم پستول اٹھا کر ہینڈز اپ کرا دیا اور اس پر فائر کیا مگر گولی ہیرو کو نہیں لگی۔ الٹا
ولن کے ہاتھ سے پستول نکل کر ادھر جا پڑا۔ پوچھو کیسے؟

(سوالیہ نظروں سے سب کی طرف دیکھتا ہے جو سوالیہ اور احترام کی نگاہوں سے
اس کی طرف دیکھ رہے ہیں)

پھر سمجھ آئی ہے کیسے...... (سب نفی میں سر ہلاتے ہیں مہنگا فخر سے مسکراتا ہے) وہ اس طرح کہ جب
اس نے ہیرو پر گولی چلائی عین اس وقت ہیروئن بھی ایک بندوق لے کر پہنچ گئی وہ گولی اصل میں اس نے چلائی تھی
...... سمجھ آئی نہیں (بخشو کا کوڈ جو مزاحیہ انداز میں اشاروں کے ذریعے سین سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے پھر سمجھ کر اثبات
میں سر ہلاتا ہے۔ باقی لوگ بھی سر ہلاتے ہیں۔)

بس بھائیو اس کے بعد تو پھر اللہ دے اور بندہ لے...... ہیرو نے مار مار کے ولن کا کچومر نکال دیا۔ اور
جب وہ بے ہوش ہو گیا۔ تو اس کو اٹھا کر گھوڑے پر لاد دیا اتنی دیر میں ہیروئن بھی اس کے پاس آگئی اور اس کو انگریزی
میں بتانے لگی کہ وہ کیسے وہاں پہنچی تھی......

(ہیروئن کے انداز کی نقل اتارتا ہے۔ اس کے بعد شرارت سے چاروں طرف ادھر ادھر دیکھتا ہے۔ جیسے کوئی
بہت راز کی بات کہنے والا ہو) پھر اس نے ہیروئن کی بندوق پکڑ کر ایک طرف رکھی اور...... (شرارت آمیز انداز میں
چاروں طرف دیکھتا ہے) کوئی بچہ تو نہیں بیٹھا یہاں...... (جیلے کے قریب ایک ملازم لڑکا کپڑے سے پیالاں صاف کر رہا
ہے۔ اس سے مخاطب ہوتا ہے) اوئے تو کیا کر رہا ہے یہاں...... (جیلے سے) یار جیلے اس کو ذرا باہر بھیج دے آگے
پرائیویٹ بات ہے۔

(سب ہنستے ہیں)

جیلا :۔ (ہنستے ہوئے) چل پتر ..... روٹی لے کر آ گھر سے۔

(لڑکا جاتا ہے)

ماسٹر :۔ (آتے ہوئے) اسلام علیکم۔

سب لوگ :۔ وعلیکم اسلام ...... آؤ آؤ ماسٹر جی (ماسٹر جی کے لئے جگہ بنائی جاتی ہے) بیٹھو۔

بخشو :۔ لو تم بچوں کی بات کر رہے تھے ..... یہاں بچوں کے استاد آ گئے ہیں۔

فضل کریم : پھر کیا ہوا بھائی مہنگے ....

مہنگا :۔ باقی سٹوری کل سناؤں گا ...... اب ہمارے ماسٹر جی آ گئے ہیں۔ ان کے سامنے مجھے شرم آتی ہے۔

بخشو :۔ اللہ کا شکر ہے کسی کے سامنے تو تمہیں شرم آتی ہے۔

مہنگا :۔ تو اب کیا تیری طرح بالکل ہی بے شرم ہو جاؤں ......

(سب ہنستے ہیں)

ماسٹر :۔ (ہنستے ہوئے) بھئی ایک تو تم دونوں ہر وقت ایک دوسرے پر جگتیں کرتے رہتے ہو ..... کسی دن لڑائی نہ ہو جائے تمہاری۔

علم دین :۔ آج بیس سال تو ہو گئے ہیں ماسٹر جی ان شہدوں کی جگتیں سنتے .... میں نے تو انہیں کبھی لڑتے نہیں دیکھا۔

ماسٹر :۔ یہ بڑی خوبی کی بات ہے بھائی علم دین کہ کچھ لوگ آج کل بھی ہنسی خوشی ایک دوسرے کی بات سن لیتے ہیں مذاق کرتے ہیں، تو سہہ بھی لیتے ہیں۔ ورنہ اب تو وہ زمانہ جا رہا ہے کہ کوئی کسی کے سلام کا جواب مسکرا کر نہیں دیتا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارا گاؤں ابھی تک اس وبا سے خاصا محفوظ ہے۔ شہروں میں تو بہت برا حال ہے۔

مہنگا :۔ (افسوس کے انداز میں) پر ماسٹر جی اس گاؤں کی زندگی بھی تو اب چار دن کی ہے۔ ڈیم بن گیا تو نہ یہ گاؤں رہے گا نہ یہ سارے سجن بیلی اور نہ میری اور بخشو کی یہ جگتیں .... بیڑی کے پور کی طرح ہم سب دکھو دکھ، ہو جائیں گے ....

ماسٹر :۔ کیا سوہنی بات کی ہے حضرت سلطان باہو صاحب نے ....

ناڑی مار اڈا نہ باہو
ے
اسیں آپے اڈن ہارے ہُو

سچ کہتے ہو برخوردار مہنگے یہ میلے بھی بس چند ہی دنوں کی بات ہیں۔

بخشو :۔ بڑا ظلم کر رہی ہے حکومت، اس طرح لوگوں کو گھروں سے بے گھر کر کے۔

فضل کریم :۔ ہمارے گاؤں کے ساتھ تو سب سے زیادہ ظلم ہو رہا ہے ...... پتہ چلا ہے کہ پہلے نقشے میں ہمارا گاؤں شامل نہیں تھا .... اس کو علاقے کے پٹواریوں اور تحصیلداروں نے مل کر بعد میں شامل کرایا ہے۔

سید گل :۔ کیا ؟

(سب لوگ سوالیہ نظروں سے فضل کریم کی طرف دیکھتے ہیں)

فضل کریم :۔ ٹھیک کہہ رہا ہوں بھائیو..... ذرا خود سوچو ہزاروں ایکڑ زمین کا معاملہ ہے..... نئی جگہ پر جاکر نئی زمینیں ملیں گی..... باقی کہانی تم سمجھتے ہی ہو!!

ماسٹر :۔ نہیں بھئی فضل کریم یہ بات نہیں ہے..... اصل میں جو جھیل بنائی جا رہی ہے اس کے بارے میں زمین کے ماہروں نے کہا ہے کہ اسے اور بڑا کیا جائے کیونکہ اس علاقے کی مٹی میں مضبوطی نہیں ہے۔

فضل کریم :۔ اگر مضبوطی نہیں ہے تو پھر اس علاقے میں جھیل بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

ماسٹر :۔ بھئی اس کی وجہ تو مجھے بھی معلوم نہیں..... البتہ وہ پٹواریوں والی بات صحیح نہیں ہے۔

بخشو :۔ پر ایک بات تو طے ہے تاجی کہ ہمارے علاقے کو ناجائز طور پر زبردستی خالی کرایا جا رہا ہے.....

مہنگا :۔ ہمیں اس کے خلاف احتجاج کرنا چاہیئے۔ کیوں تاجے۔

تاجا :۔ بالکل..... ہم شہر میں جاکر مظاہرہ کریں گے۔ اس کے خلاف۔

علم دین :۔ مگر بھئی..... ہمیں قانون کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہیئے۔

تاجا :۔ ہوش کر علم دینا ——— تیرا بیٹا وکیل کیا بن گیا ہے تجھے اٹھتے بیٹھتے قانون ہی کے خواب آتے رہتے ہیں..... تو تو کمہار ہے کہیں بھی جاکے اپنا اڈہ لگائے گا بات تو ہم کسانوں کی ہے۔

جیلا :۔ پر بھائی تاجے..... وہاں بھی تو زمین کے بدلے زمین ہی ملے گی ———

تاجا :۔ پر وہ یہ زمین تو نہیں ہوگی نا..... اور پھر کیا پتہ نئی زمین کیسی ہو۔

جیلا :۔ (خواب آلود لہجے میں) سنا ہے بہت سستی ملے گی وہاں..... اللہ نے چاہا تو میں بھی یہ ہوٹل بیچ کر کوئی چھوٹا سا ٹوٹا لے لوں گا۔

مہنگا :۔ اوہ یار! اس جیلے بیوقوف کو کوئی سمجھاؤ..... ہمارے جیسی زمینیں رکھنے سے اس کا کاروبار بہت بہتر ہے۔

فضل کریم :۔ یہ باتیں تو پھر بھی ہو جائیں گی مہنگے..... اپنے گاؤں کو بچانے کی کوئی تدبیر سوچو ———

سین نمبر ۸

(حشمت خاں تہہ خانے کا دروازہ کھلوا کر نیچے اترتا ہے ہاتھ میں شمع ہے۔ شیر محمد کی زنجیریں کھڑکھڑاتی ہیں)

حشمت :۔ کیا حال ہے شیر محمد (شیر محمد بغیر جواب دیئے لمبے لمبے سانس لیتا ہے) دیکھ شیر محمد تو میرا دوست ہے میں تجھے دکھ دے کر خوش نہیں ہوں..... تو یہ ضد کیوں نہیں چھوڑ دیتا..... میری بات مان جا..... اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔

شیر محمد :۔ یہی کہنے آئے ہو تم!

حشمت :۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کر شیر محمد۔

شیر محمد :- یہ بات تو تم مجھے پچھلے پچیس برس سے سمجھا رہے ہو حشمت خاں۔

حشمت :- پچیس برس بہت ہوتے ہیں شیر محمد۔

شیر محمد :- تم ٹھیک کہتے ہو حشمت خاں ...... پچیس برس واقعی بہت ہوتے ہیں .... مگر دنیا میں کچھ ایسی چیزیں ہیں جو ان سے بھی زیادہ قیمتی ہیں ......

حشمت :- ہیرو بننے کی کوشش نہ کر شیر محمد .... تیری عمر اب اس لائق نہیں رہی۔

شیر محمد :- میرا جواب آج بھی وہی ہے حشمت خان ۔ جو میں پچیس برس پہلے دیا تھا تو اپنے قول سے پھر گیا ہے پھر جا ...... میں مرد کا بچہ ہوں (حشمت کا REACTION) جان دے دوں گا ۔ قول نہیں ہاروں گا ......

حشمت :- وعدہ تیرے اور میرے درمیان تھا شیر محمد ..... جب میں تجھے اس سے آزاد کر رہا ہوں تو تو کیوں اس عذاب میں پڑا ہے۔

شیر محمد :- یہی تو تجھے علم نہیں حشمت خاں ..... وعدہ تیرے اور میرے درمیان تھا پر اس میں گواہ ہم دونوں کا خدا تھا اور پھر یہ وعدہ تیرے علاوہ میں نے اپنے وطن سے بھی کیا تھا ۔ تو مجھے اپنے وعدے سے آزاد کر سکتا ہے ۔ مگر میں اپنے خدا کو اور اپنے وطن کو کیا منہ دکھاؤں گا ۔

حشمت :- تجھے تنہائی نے پاگل کر دیا ہے شیر محمد .... کس وطن کی بات کر رہا ہے ...... ہمارے وعدے کے وقت کو ابھی وہ بنا بھی نہیں تھا۔

شیر محمد :- (ہنستے ہوئے) بن چکا تھا حشمت خان بن چکا تھا ..... صرف ابھی نقشے پر نہیں آیا تھا ...... وطن ہمیشہ نقشوں سے پہلے دلوں میں بنا کرتے ہیں حشمت خان ..... جس کے دل میں وطن نہ ہو اسے نقشوں میں بھی کچھ نظر نہیں آتا ......

حشمت :- تیری باتیں بڑی دلچسپ ہوتی ہیں شیر محمد ۔ کبھی کبھی تو انہیں سن کر مجھے یقین نہیں آتا کہ تو نے پچیس برس سے سورج کی شکل نہیں دیکھی ۔ پر اب میری برداشت کی حد ہو گئی ہے ۔ تجھے پانی کی قبر کیسی لگتی ہے !

شیر محمد :- قبر قبر ہی ہوتی حشمت خاں ۔ چاہے وہ پانی کی ہو یا مٹی اور آگ کی ۔ یہ سارے قصے تو اس ظالم زندگی کے ہیں۔

حشمت :- شاید تجھے پتہ نہیں اس علاقے سے پانی گذرنے والا ہے۔

شیر محمد :- سر سے پانی تو کب کا گذر چکا ہے حشمت خاں ۔ مجھے تو حیرت تھی کہ قدرت تجھے اتنی ڈھیل کیوں دے رہی ہے !

حشمت :- (گرج کر) شیر محمد (اپنے آپ کو قابو میں کرتا ہے) یہاں سے گیارہ میل اوپر ڈیم بن رہا ہے یہاں وہ لوگ اس کے لئے جھیل بنا رہے ہیں ۔ چند مہینوں میں یہ علاقہ خالی کرا لیا جائے گا۔

شیر محمد :- یہ سب باتیں تم مجھے کیوں سنا رہے ہو حشمت خاں۔

حشمت :- اس لئے کہ تمہاری یہاں موجودگی سے میرے علاوہ صرف دو آدمی واقف ہیں اور وہ دونوں میرے

ساتھ جائیں گے۔

شیر محمد :۔ تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم مجھے یہاں چھوڑ جاؤ گے۔

حشمت :۔ ہاں۔ اور پھر شائد ابد تک کسی کو تمہاری لاش کا پتہ نہیں چل سکے گا۔ پانی کی موت بڑی خوفناک ہوتی ہے شیر محمد۔

شیر محمد :۔ موت ہمیشہ خوفناک ہوتی ہے حشمت خاں۔

حشمت :۔ تو پھر مان جاؤ میری بات۔

شیر محمد :۔ تیری بات میں کیسے مان لوں حشمت خاں۔ یہ تو پانی کی قبر سے بھی زیادہ خوفناک اور تاریک ہے۔

حشمت :۔ تو پھر ٹھیک ہے۔ اب جب پانی تیرے حلق میں گھس کر تیرا سانس بند کرے تو مجھے الزام نہ دینا۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ یہ میری تم سے آخری ملاقات تھی۔ اب تمہاری اگلی ملاقات تمہاری موت ہوگی۔

شیر محمد :۔ آخری ملاقات کے لئے لوگوں کے عزیز رشتے دار ان سے ملنے آتے ہیں پر میری قسمت دیکھو آخری ملاقات بھی تم سے ہو رہی ہے۔ (دھیرے سے ہنستا ہے) اچھا دوست خدا حافظ۔

(حشمت چند لمحے بے بسی کے عالم میں کھڑا رہتا ہے پھر مڑتا ہے)

حشمت :۔ جہنم میں جاؤ۔

سین نمبر ۹

(حشمت خاں بے تابی اور غصے کے عالم میں اپنے کمرے میں ٹہل رہا ہے۔ بخشو اور مہنگا جھانک کر دیکھتے اور اشاروں میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس وقت اندر جانا ٹھیک نہیں۔ پیچھے سے نیاز علی آتا ہے)

نیاز :۔ اوئے تم دونوں یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟

مہنگا :۔ جی وہ ہم ......

بخشو :۔ یہ حقہ جی .... حقہ بھر کے لا رہے تھے بڑے چودھری صاحب کے لئے۔

(نیاز انہیں گھورتا ہوا اندر آتا ہے بخشو اور مہنگا بھی اس کے پیچھے پیچھے آتے ہیں۔ حقہ رکھتے ہیں۔ حشمت ان سے بے نیاز غصے میں بڑبڑا رہا ہے۔)

نیاز :۔ سلام میاں جی۔

(حشمت ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کے لئے کہتا ہے لوگ دم بخود ہیں حشمت ایک جگہ رک کر کچھ سوچتا ہے)

حشمت :۔ اوئے مہنگے۔

مہنگا :۔ جی چودھری صاحب۔

حشمت :۔ دلاور کہاں ہوگا اس وقت۔

مہنگا:۔ میرا خیال ہے جی مولاداد کے گھر ہو گا۔ وہ دونوں زیادہ تر اکٹھے ہی رہتے ہیں۔

حشمت:۔ اس کو بلا کے لا میرے پاس۔

مہنگا:۔ مولاداد کو بھی جی۔

حشمت:۔ بات ایک دفعہ غور سے سنا کر مہنگا دڑکے پتر۔ میں نے صرف دلاور کا نام لیا ہے۔

مہنگا:۔ اچھا جی (جاتا ہے)

نیاز:۔ (تھوڑے وقفے کے بعد) کیا بات ہے میاں جی آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں۔

حشمت:۔ ہے ایک بات پتر۔ پر کوئی بات نہیں۔ اس کا بھی کوئی نہ کوئی حل میں نکال ہی لوں گا۔ تو سنا زہرا آ گئی ہے ....

نیاز:۔ ہاں جی۔

حشمت:۔ سب لوگ ٹھیک ٹھاک تھے۔

نیاز:۔ ہاں جی۔ آپ کا بہت پوچھ رہے تھے۔ زہرہ کا چاچا چودھری فتح محمد بہت سلام کہہ رہا تھا آپ کو۔

حشمت:۔ (ہنستے ہوئے) فتح محمد میرا بچپن کا یار ہے۔ ہم سکول میں اکٹھے پڑھا کرتے تھے۔

نیاز:۔ آپ بھی ہو آتے تو اچھا تھا۔

حشمت:۔ نہیں پتر نہیں تو نہیں سمجھتا ان باتوں کو۔ وہاں وہ بھی آیا ہو گا، چودھری برکت علی۔ مجھے زہر لگتا ہے یہ شخص (نیاز اثبات میں سر ہلاتا ہے) وہاں میرے منہ سے کوئی بات نکل جاتی تھی، اور خواہ مخواہ میں بد مزگی ہو جاتی تھی۔

نیاز:۔ (بات سمجھنے کی کوشش کرتا ہے) جیسے آپ کی مرضی۔

زہرہ:۔ (اندر آتے ہوئے) سلام میاں جی۔

حشمت:۔ (بڑھ کر سر پر پیار دیتا ہے) وعلیکم السلام ـــــ کیسی ہے تیری طبیعت اب۔

زہرہ:۔ اب تو ٹھیک ہوں میاں جی۔

حشمت:۔ (ہنستے ہوئے) ٹھیک کیوں نہ ہوتی تیرے بھائی کی شادی جو تھی۔ بھائی کی شادی میں سب سے زیادہ خوشی تو بہنوں کو ہی ہوتی ہے، کیسی ہے تیری بھابی۔

زہرہ:۔ اچھی ہے جی۔

حشمت:۔ صرف اچھی ہے !!

زہرہ:۔ نہیں جی بہت اچھی ہے۔ اس کی بڑی بہن میرے ساتھ پڑھتی تھی کانونٹ میں۔

نیاز:۔ باتوں سے تو ذرا بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ اس نے کانونٹ کی شکل بھی دیکھی ہوگی۔

زہرہ:۔ (دبے دل سے) وہ تو میری باتوں سے بھی نہیں چلتا۔

(نیاز گھور کر اسے دیکھتا ہے نظریں جھکا لیتی ہے)

نیاز:۔ شام کو دس پندرہ مہمان آئیں گے۔ کھانے کا انتظام کر دے۔

(حشمت سے) میں نے علاقے کے بڑے بڑے زمینداروں کی میٹنگ بلائی ہے میاں جی آج شام کو۔

حشمت :۔ ڈیم کے سلسلے میں ؟

نیاز :۔ جی۔

حشمت :۔ شاباش۔ بہت اچھا کیا ہے تم نے۔ میں خود کروں گا ان سے بات۔

دسواں سین

(انور زخمی بازو گلے میں لٹکائے اپنی بیٹھک میں بیٹھا ہے۔ ایک آدمی اس کا پاؤں دبا رہا ہے۔ مولاداد اس کے قریب بیٹھا ہے۔ نیا جا اور چند دوسرے آدمی ارد گرد کھڑے ہیں ایک موٹی سی نائکہ نما عورت اور اس کا ایک ساتھی سامنے بیٹھے ہیں۔ انور ان سے باتیں کر رہا ہے)

انور :۔ روپے کی تو فکر نہ کر مائی۔ سارے علاقے میں کسی کی اتنی پسلی نہیں ہے کہ ہمارے سامنے کھڑے ہو کر نوٹ لٹا سکے۔ تو بات کر۔

مائی :۔ (خوشامدانہ انداز) نہ اللہ نہ کرے۔ یہ کوئی شک شبے کی بات تھوڑی ہے۔ اپنے گھر والی بات ہے پر چودھری صاحب ہم لوگ خاندانی ہیں۔ میری لڑکیاں باہر مجرا نہیں کرتیں۔

مولاداد :۔ کیا بات کرتی ہے مائی۔ مجرا تو مجرا ہی ہوتا ہے چاہے گھر میں کیا جائے چاہے باہر۔ دیکھتی نہیں اپنے چودھری صاحب زخمی ہیں۔ ڈاکٹر نے چلنے پھرنے سے منع کیا ہے۔

انور :۔ تمہاری لڑکی یہاں بالکل حفاظت سے رہے گی۔

(شیطانی انداز سے مولاداد کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہے) فکر نہ کر۔

مائی :۔ نہ اللہ نہ کرے۔ فکر والی اس میں کون سی بات ہے۔ یہ تو اپنے گھر کا معاملہ ہے۔

مولاداد: کیا اپنا گھر اپنا گھر لگا رکھا ہے۔ یہ چودھری انور کا ڈیرا ہے۔ تمہارا کوٹھا نہیں ہے۔

مائی :۔ (سہم کر) نہ اللہ نہ کرے۔ میرا مطلب تو نہیں تھا اصل میں بالو نے ڈرا دیا ہے میری بیٹی کو۔ وہ آئی ہوئی تھی نا یہاں ــــــ

انور :۔ ہاں۔

مائی :۔ سنا ہے اس دن کچھ فائرنگ شائرنگ ہوئی تھی۔

انور :۔ نہیں۔ وہ بس ایسے ہی کچھ ہو گیا تھا۔ یہ تو چلتا ہی رہتا ہے۔

(مولاداد اٹھ کر آگے بڑھتا ہے اور مائی کو گھورتا ہے)

مولاداد :۔ دیکھ مائی زیادہ تقریر کرنے کی ضرورت نہیں ہے تو تو ایسے شرطیں لگا رہی ہے۔ جیسے چودھری انور نے تیری دھی سے نکاح کرنا ہے۔

مائی :۔ (سہم کر) نہ۔ اللہ نہ کرے۔ تم اتنے ناراض کیوں ہو رہے ہو۔ ہمارے بھی کچھ اصول ہیں۔ بیس دس پندرہ ہزار کے لئے اپنی بیٹی کی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔ آپ نے مجرا دیکھنا ہے بڑے شوق سے دیکھیں۔ مگر اس کے لئے

آپ کو ہمارے گھر آنا پڑے گا۔

مولاداد: مجرا نہیں ہوگا مائی۔ اوئے گامے۔ بند کردے اس کو کوٹھڑی میں۔

(ایک آدمی آگے بڑھتا ہے اور مائی کو بازو سے پکڑتا ہے)

مائی: پیچھے کر دے ہاتھ۔ چودھری انور روک اپنے آدمی کو نہیں تو میں پولیس میں رپورٹ کر دوں گی۔

مولاداد: (بندوق مائی کے ماتھے پر رکھتا ہے) پولیس میں رپورٹ لکھوانے کے لئے زندہ ہونا ضروری ہوتا ہے مائی۔ چپ کرکے چلی جا اندر (گرج کر) چل اٹھ۔

(مائی ایک دم سہم کر اٹھتی ہے اور گامے کے ساتھ جاتی ہے۔ مولاداد مائی کے ساتھی کی طرف مڑتا ہے۔)

تیرا کیا نام ہے شہزادے۔

آدمی: (سخت خوفزدگی کے عالم میں) خادم کو ثقلین پری پیکر بولتے ہیں حضور۔

مولاداد: بڑا غلط بولتے ہیں شہزادے۔ تو ایسا کر میرے آدمیوں کے ساتھ چلا جا اور بائی اور سازندوں کو لے کر شام سے پہلے پہلے واپس پہنچ۔

آدمی: جو حکم سرکار۔ لیکن اگر انہوں نے آنے سے انکار کر دیا سرکار تو میرے بارے میں کیا حکم ہے۔

مولاداد: (اس کی طرف دھیان دیے بغیر) اگر وہاں کوئی انکار کرے تب تو زبردستی اٹھا لانا۔ پر اس سے پہلے اس کا پتہ صاف کر دینا۔

آدمی: مم مم۔ مم۔ میرا۔

مولاداد: ہاں تمہارا شہزادے۔ ایسے کاموں میں شہادتیں سب سے پہلے ختم کی جاتی ہیں۔

آدمی: آپ خاطر جمع رکھیں۔ میں انشاء اللہ مقررہ وقت پر پہنچ جاؤں گا۔

(مولاداد اشارہ کرتا ہے تو آدمی کو لے کر جاتا ہے۔ اس کے جانے کے بعد انور قہقہہ لگاتا ہے)

انور: تو بڑا ہشیار ہے مولاداد۔

مولاداد: اس کے بغیر گزارا نہیں چوہدری انور۔ جو آدمی جو زبان سمجھتا ہو اس کے ساتھ اسی میں گفتگو کرنی چاہیئے۔

گیارہواں سین

(حویلی کا منظر)

حشمت: اوئے تو کدھر غائب ہو جاتا ہے دلاور۔ لگتا ہے تیرے پیروں میں پہیے لگے ہوئے ہیں۔ ایک جگہ ٹک کر بیٹھتا نہیں۔

دلاور: میں تو یہیں تھا چوہدری جی گاؤں میں۔

حشمت: کوئی پریشانی ہے تجھے تو مجھ کو بتا۔

دلاور: نہیں چوہدری صاحب آپ کی مہربانی سے سب کچھ ہے میرے پاس۔

حشمت :۔ پھر بھی، کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جیسے تو وہ نہیں ہے جو نظر آتا ہے۔ اتنا چپ چپ کیوں رہتا ہے تو؟

دلاور :۔ میری طبیعت ہی کچھ ایسی ہے چوہدری جی۔

حشمت :۔ تیری عمر میں تو لکیر بھی ہرے ہو جاتے ہیں۔ دریا پل کے نیچے گذرنے والے پانی کی طرح ہوتا ہے جوان۔ گذر جائے تو پھر کبھی واپس نہیں آتا۔ شادی ہو چکی ہے تیری!

دلاور :۔ نہیں جی۔

حشمت :۔ میرا بھی یہی خیال تھا۔ کرے۔ اچھی ہوتی ہے۔

دلاور :۔ بس جی ٹائم ہی نہیں ملا۔

حشمت :۔ ٹائم ملتا نہیں ہے نکالا جاتا ہے جوان۔ اچھا اس کا بھی کرتے ہیں کچھ۔ اس وقت میں نے تجھے ایک مشورے کے لئے بلایا تھا۔

دلاور :۔ مشورہ۔ مجھ سے۔ میں کس قابل ہوں چوہدری صاحب۔

حشمت :۔ میری آنکھ آدمی کو سات پردوں میں پہچان لیتی ہے جوان۔ تجھے اللہ نے بڑی سمجھ دی ہے۔ بیٹھ جا میری بات غور سے سن۔

دلاور :۔ جی۔

حشمت :۔ جو بات میں تجھ سے کرنے والا ہوں اس کا پتہ ساری دنیا میں میرے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔ میری اولاد کو بھی نہیں۔ میری بات کا مطلب سمجھ رہا ہے۔

دلاور :۔ جی ہاں چوہدری صاحب۔ آپ کا مطلب ہے کہ مجھے اس راز کو راز ہی رکھنا ہوگا۔ ہر حالت میں۔ ہر قیمت پر۔

حشمت :۔ (تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے) اسی لئے تو مجھے اتنا اچھا لگتا ہے۔ اشارے سے بات سمجھ لیتا ہے۔ میں ایک آدمی کے ہاتھوں بہت تنگ ہوں۔

دلاور :۔ (حیرت سے) آپ چوہدری جی۔

حشمت :۔ (غصہ دباتے ہوئے) ہاں۔ میں .... اس نے مجھے عاجز کر دیا ہے۔

دلاور :۔ کوئی بہت بڑا آدمی ہے جی۔

حشمت :۔ بڑا وڈا کچھ نہیں۔ ایک معمولی نارسٹ گارڈ ہے۔ بلکہ "تھا" کہنا چاہیئے۔

دلاور :۔ میں سمجھا نہیں جی۔ آپ سے تو بڑے بڑے وگ کانپتے ہیں۔ پھر یہ ......

حشمت :۔ وہ آدمی پاگل ہے۔ دیوانہ ہے۔ خبطی ہے۔ اس کا دماغ خراب ہو چکا ہے۔ عقل کام نہیں کرتی اس کی۔

دلاور :۔ کہاں رہتا ہے جی وہ ......

حشمت :۔ یہیں۔ اسی حویلی میں۔

دلاور :۔ (حیرت سے) اسی حویلی میں۔!! مگر .... میں نے کبھی دیکھا ہے اُسے۔

حشمت :۔ نہیں۔ اسے کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ وہ نیچے میرے تہہ خانے میں قید ہے۔

دلاور :۔ آپ کی قید میں ہے۔ اور پھر بھی آپ ...... آپ اس سے عاجز ہیں۔

حشمت :۔ (چھڑی زور زور سے میز پہ مارتے ہوئے غصے میں چلاتا ہے) ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔ میں عاجز ہوں اس کم بخت سے۔ دنیا کا کون سا عذاب ہے جو میں نے اسے نہیں دیا مگر وہ اپنی زبان نہیں کھولتا۔

دلاور :۔ آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں اس سے۔

حشمت :۔ چار صندوق ہیں جو اس نے چھپا رکھے ہیں کہیں اور نہیں بتاتا کہ کہاں چھپائے ہیں۔ تم بتاؤ میں کیا کروں۔

دلاور :۔ کوئی لالچ دیجئے اسے۔

حشمت :۔ کوئی لالچ اس پر اثر نہیں کرتا۔ کوئی دھمکی اس پر کارگر نہیں ہوتی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ کیا چیز ہے

دلاور :۔ اسے کچھ دیر قید میں رکھئے۔ ہو سکتا ہے اس کا حوصلہ ٹوٹ جائے۔

حشمت :۔ وہ پچیس برس سے میری قید میں ہے دلاور پچیس برس سے۔

دلاور :۔ (سخت حیرت اور دہشت کے ساتھ) پچیس برس سے۔ او مائی گاڈ۔

حشمت :۔ تم کچھ زور دو اپنے دماغ پر۔ کوئی طریقہ سوچو۔

دلاور :۔ لالچ اور خوف ہی دو ایسی چیزیں ہیں۔ چوہدری صاحب جن کے پل صراط سے آدمی کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں پر اگر اس شخص نے آپ سے ہار نہیں مانی تو وہ یقیناً کوئی بہت غیر معمولی آدمی ہوگا۔

حشمت :۔ وہ غیر معمولی نہیں دلاور جنونی ہے۔ اس کے دماغ میں ایک بات بیٹھ گئی ہے اور وہ کسی دوسری بات کو سننے کا روادار نہیں۔

دلاور :۔ کیا میں اس سے مل سکتا ہوں۔

حشمت :۔ ملوا دوں گا مگر سوال تو یہ ہے کہ اس کی زبان کیسے کھلوائی جائے۔ پچیس برس سے اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں زنجیریں ہیں۔ تہہ خانے کی تنہائی اور تاریکی میں وہ اکیلا پڑا ہے مگر اپنی ضد سے باز نہیں آتا۔

دلاور :۔ (آنکھیں کسی خیال سے چمک اٹھتی ہیں) اس کا مطلب یہ ہے کہ پچیس برس سے اس نے کسی دوست یا ہمدرد کی صورت نہیں دیکھی۔

حشمت :۔ نہیں ...... سوائے بخشو اور منگے کے کسی نے اسے نہیں دیکھا اور وہ بھی اس کی اصلیت سے واقف نہیں ہیں۔ نیاز علی اور انور کو بھی پتہ نہیں کہ وہ کون تھا ...... میرے مرحوم پتر غلام علی کے بعد تم دوسرے آدمی ہو جس کو میں نے اس کے متعلق بتایا ہے۔

دلاور :۔ تو آپ چاہتے ہیں کہ وہ اس جگہ کا پتہ بتا دے جہاں اس نے کوئی صندوق چھپا رکھے ہیں۔

حشمت :۔ چار بکسے ہیں بڑے بڑے ...... پیتل کی پتریاں ہیں ان کے اوپر ...... اور اندر ......

اور اندر ......

(دلاور کی آنکھیں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا ہے۔) اور ان کے اندر بڑی دولت ہے دلاور...... اتنی کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے..... سکندر پور جیسے دس گاؤں خریدے جا سکتے ہیں۔ اس دولت سے...... مجھے ان کا پتہ کرا دے دلاور........ میں تجھے منہ مانگا انعام دوں گا۔

دلاور:۔ (کچھ سوچتے ہوئے) میں کوشش کرتا ہوں چوہدری جی...... آپ ایسے کیجئے اپنے آدمیوں سے کہئے مجھے ضرب لگائیں لہولہان کر دیں۔

حشمت:۔ (غصے سے) اوئے کس میں ہمت ہے اتنی کہ تجھ پر ہاتھ اٹھا سکے...... تو حشمت خاں کا آدمی ہے..... اس کا خاص بندہ ہے۔ تجھ پر تو کبھی نیاز اور انور کو بھی ہاتھ نہیں اٹھانے دوں گا۔

دلاور:۔ (مسکراتے ہوئے) اس کی ضرورت ہے چوہدری صاحب...... آپ مجھے زخمی کر کے اس آدمی کے پاس تہہ خانے میں پھنکوا دیں.......

حشمت:۔ او نئیں جوان.........

(ایک دم کچھ سوچ کر رک جاتا ہے) کیا کہا ہے تو نے۔

دلاور:۔ میں نے عرض کیا ہے مجھے زخمی کر کے تہہ خانے میں ڈلوا دیں جہاں وہ آدمی قید ہے۔

حشمت:۔ (غور سے اسے دیکھتے ہے آہستہ آہستہ اس کے قریب آتا ہے) تو....... تو....... تو بڑا بہادر ہے۔ دلاور ...... پر....... نہیں....... میں تجھے مار نہیں پڑوا دوں گا۔

دلاور:۔ مار کے بغیر میں اس کا اعتماد حاصل نہیں کر سکوں گا چوہدری صاحب۔

حشمت:۔ مجھ کو سوچنے دے جوان....... تو نے تو مجھے پریشان ہی کر دیا ہے۔

سین ۱۲

انور:۔ (انگڑائی لیتے ہوئے) تاجا نہیں آیا ابھی تک۔

مولاداد:۔ آتا ہی ہوگا چوہدری انور.......

(گاڑی کی بریکیں ہارن کی تیز آواز مولاداد ایک دم بندوق پر ہاتھ ڈالتا ہے)

انور:۔ (ہنستے ہوئے) لو۔ آگیا۔ وہ

مولاداد:۔ (بندوق پکڑ کر ایک صوفے کے پیچھے نشست لیتا ہے سرگوشی میں تیز بولتا ہے) یہ تاجا نہیں ہے چوہدری انور....

(ایک دم دروازہ زور سے کھلتا ہے۔ ایک آدمی دروازے میں کھڑا ہے جس کے ہاتھ میں بندوق ہے۔ اس کے آگے انور کا ایک آدمی ہے۔)

نوادار:۔ پیچھے ہٹ جا، جوان۔ مجھے چوہدری انور سے ملنا ہے.......

مولاداد:۔ (بندوق تانے ہوئے باہر آتا ہے) بندوق پھینک دے جوان.......

نوادار:۔ (چوہدری انور کی طرف بڑھتے ہوئے بندوق اس کے آگے پھینکتا ہے) سلام چوہدری صاحب۔

انور:۔ (حیرت سے) وعلیکم اسلام....... تم کون ہو۔

نووارد :۔ میں صادق ہوں جی .... احمد پور کے چوہدری نذر عباس کا آدمی ....

انور :۔ نذر عباس کا آدمی .... نذر کہاں ہے۔

نووارد :۔ وہ احمد پور میں ہی ہیں جی .... وہ آپ کے دوست ہیں نا جی ....

انور :۔ ہاں ہاں نذر عباس میرا یار ہے۔ محسن ہے میرا ..... کیا بات ہے۔

نووارد :۔ ایک گڑبڑ ہو گئی جی ..... پولیس ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہے۔

انور :۔ پناہ چاہیئے تم لوگوں کو ..... کتنے آدمی ہیں تمہارے ساتھ۔

نووارد :۔ ہمیں پناہ نہیں چاہیئے جی ...... چوہدری جی نذر عباس کی ایک امانت رکھوانی ہے۔ آپ کے پاس ایک دو دن کے لئے ....

انور :۔ یہ سارا علاقہ حاضر ہے نذر کے لئے ..... کیا چیز ہے ..... کوئی سمگلنگ کا مال ہے۔

نووارد :۔ جی نہیں۔ ایک لڑکی ہے۔

انور :۔ لڑکی۔

نووارد :۔ ہاں جی ہم چوہدری صاحب کے حکم پر اسے اٹھا کر لائے ہیں پر اب پلس پیچھے لگی ہوئی ہے ..... اگر ہم اسے یہاں چھوڑ دیں تو .... پولیس کو ہم پیچھے لگا کرلے جائیں گے جی ..... آپ پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔

(انور مولاداد کی طرف دیکھتا ہے جو کوئی تاثر نہیں دیتا۔)

انور :۔ اچھا۔ ٹھیک ہے ..... لے آؤ اندر۔

(نووارد جاتا ہے .... مولاداد آہستہ سے انور کے پاس آ کر کہتا ہے)

مولاداد :۔ یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔ چوہدری جی ...... ابھی جبراں کا معاملہ ہی نہیں دبا ..... کیا پتہ یہ لڑکی کون ہے اور یہ اسے کس طرح اٹھا کے لائے ہیں۔ کہیں قتل وتل میں نہ پھنس جائیں۔

انور :۔ نذر عباس میرا یار ہے۔ مولاداد ....

(مولاداد کندھے اچکاتا ہے نووارد ایک لڑکی کو گھسیٹتا ہوا لاتا ہے جو سخت دہشت زدہ ہے)

نووارد :۔ یہ لیجئے چوہدری صاحب ...... میں اب چلتا ہوں ...... انشاءاللہ کل تک ہم اسے منگوا لیں گے ....

(نووارد جاتا ہے انور لڑکی کے قریب آتا ہے لڑکی بڑے سہمے ہوئے انداز میں اس کی طرف دیکھتی ہے)

انور :۔ (چند لمحے لڑکی کا جائزہ لیتا ہے۔ پھر ایک دم پیچھے ہٹتا ہے) لے جاؤ اس کو اور پچھلی کوٹھڑی میں بند کر دو۔

سین ۱۳

(سڑک کے کنارے تاجا اور ساتھی موٹر کا ٹائر بدل رہے ہیں۔ ثقلین پری پیکر قریب کھڑا ہے۔ پچھلی سیٹ پر ایک لڑکی اور دو سازندے بیٹھے ہیں)

تاجا:۔ لگتا ہے آج ہماری خیر نہیں .... شام ہو گئی ہے اور ابھی ہمیں چالیس میل جانا ہے۔

اکرم:۔ پر استاد اس میں ہمارا کیا قصور ہے......

تاجا:۔ (بوتل کھولتے ہوئے) قصور سے قصور کی بات تو تب ہے جب کوئی سننے کو تیار ہو۔ بس دعا کرو چوہدری انور کا موڈ اچھا ہو......... او بھائی ...... کیا نام ہے تیرا، یہ دیل کپ دے ذرا۔

ثقلین:۔ صاحب میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے اس کمترین کو شیخ ثقلین پری بیمہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ......

تاجا: بیڑہ غرق ایک تو یہ اردو بڑی گاڑھی بولتا ہے........ چل تسلے تو ہی پکڑا دے دیل کپ .....

لڑکی:۔ (کار کی کھڑکی سے منہ نکال کر بولتی ہے) ایک پان تو پکڑنا مارشل الائچی سپاری سونف والا۔

ثقلین: بی بی یہاں تو ببیل دبلودار اور شاہ بلوط کے شجر نظر آرہے ہیں۔ حکم ہو تو ان کے پتے اتار لاؤں۔

لڑکی:۔ دُر فٹے منہ ای ...... ہمیشہ ملی کر کے ہی بات کرتا ہے۔

سین نمبر ۱۴

انور:۔ یار اس تاجے نے بڑا موڈ خراب کیا ہے۔ پتہ نہیں کہاں مر گیا ہے۔

مولاداد:۔ میں نے فضل کو جیپ دے کر بھجوایا ہے......

(انور کچھ دیر سوچتا ہے آنکھیں کسی اندرونی جذبے سے چمکتی ہیں اس پر اغوا شدہ لڑکی کا چہرہ O/L ہوتا ہے مسکراتا ہے۔ اٹھ کر چادر اوڑھتا ہے۔ جاتے ہوئے مولاداد سے کہتا ہے)

انور:۔ وہ لوگ آئیں تو انہیں بٹھانا...... میں ابھی آتا ہوں۔

(انور جاتا ہے۔ مولاداد کی نظریں اس کا تعاقب کرتی ہے۔ گہری سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتا ہے)

سین نمبر ۱۵

(ایک کوٹھری کا دروازہ اندر کی طرف کھلتا ہے لڑکی گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی ہے دہشت زدہ ہو کر سر اٹھاتی ہے دروازے میں انور کھڑا مسکرا رہا ہے چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ ہے)

(لڑکی سہم کر پیچھے کو ہٹتی ہے انور اس کی طرف قدم بڑھاتا ہے لڑکی اپنے آپ کو چھپاتی ہے انور ایک قدم اور بڑھاتا ہے لڑکی کے بالکل قریب آجاتا ہے۔ جو دیوار کے ساتھ لگی ہوئی سخت دہشت سے اس کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اپنی چادر اتار کر ایک طرف پھینکتا ہے اس پر مولاداد کی آواز O/L ہوتی ہے)

مولاداد:۔ لڑکی کو ہاتھ مت لگانا چوہدری انور۔

انور:۔ (ایک دم تڑپ کر مڑتا ہے) تم یہاں کیا کر رہے ہو مولاداد!

مولاداد:۔ یہ آپ کے دوست کی امانت ہے چوہدری صاحب۔

انور :۔ تم کون ہو مجھے بتلانے والے۔ نذر عباس میرا دوست ہے تمہارا نہیں۔

مولاداد :۔ میں نے آپ کا نمک کھایا ہے چوہدری صاحب ...... آپ کو برے بھلے سے آگاہ کرنا میرا فرض ہے۔

انور :۔ تمہارا فرض پورا ہو گیا ہے۔ اب جاؤ۔

مولاداد :۔ (ایک ایک لفظ پر زور دے کر) یہ لڑکی آپ کے پاس امانت ہے چودھری صاحب۔

انور :۔ یہ میرا اور نذر کا معاملہ ہے ہم آپس میں طے کر لیں گے ...... تم جاؤ یہاں سے۔

مولاداد :۔ دوستی کا مان نہیں توڑتے چوہدری انور۔

انور :۔ یہ تم کہہ رہے ہو مولاداد ......

مولاداد :۔ ہاں چوہدری جی۔

انور :۔ تم جو میرے لئے لڑکیاں اٹھا کے لاتے رہے ہو۔

مولاداد :۔ وہ دوسری کہانی ہے چوہدری جی ...... میں تو آپ کو صرف بتا رہا ہوں کہ یہ لڑکی جو بھی ہے آپ کے پاس آپ کے دوست کی امانت ہے ......

(انور چند لمحے گومگو کے عالم میں دیکھتا ہے پھر مسکرا کر مڑتا ہے)

انور :۔ شائد تم ٹھیک کہہ رہے ہو مولاداد ..... مجھے یہاں نہیں آنا چاہیئے تھا۔

(دونوں باہر نکلتے ہیں لڑکی حیرت سے ان کی طرف دیکھتی ہے)

سین نمبر ۱۶

(دلاور ایک درخت کے تنے کے ساتھ لگ کر بیٹھا زمین پر بے مقصد لکیریں کھینچ رہا ہے۔ سید گل کی بیٹی اسے آوازیں دیتی ہوئی آتی ہے)

بچی :۔ چاچا۔ چاچا دلاور

(دلاور چونک کر دیکھتا ہے اٹھ کر اس کی طرف آتا ہے)

دلاور :۔ کیا بات ہے بیٹی۔

بچی :۔ تمہارا۔ مم۔ مم۔ مہمان آیا ہے چاچا۔

دلاور :۔ میرا مہمان ؟

بچی :۔ ہاں چاچا۔

(دلاور اس کی انگلی پکڑ کر چلنے لگتا ہے)

دلاور :۔ تمہیں کیسے پتہ تھا میں کہاں ہوں گا ....

بچی :۔ مجھے پتہ ہے تم روز اس درخت کے نیچے آ کے بیٹھے رہتے ہو .... تم کیا سوچتے رہتے ہو چاچا۔

دلاور :۔ کچھ نہیں بیٹا۔

سین نمبر ۱۷

(سید گل کے گھر کا صحن۔ دروازہ کھلتا ہے۔ دلاور اندر چلے آتے ہیں۔ حیات محمد انہیں دیکھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ دلاور چند لمحے تعجب کی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر آگے بڑھ کر گلے سے لگتا ہے۔)

دلاور:۔ چاچا۔ آپ۔

حیات محمد:۔ ہاں بیٹا...... تم تو لگتا ہے ہمیں بھول ہی گئے ہو...... بڑی مشکلوں سے تمہارا پتہ چلا ہے۔

دلاور:۔ بس چاچا...... کچھ مسئلہ ہی ایسا تھا...... کئی دفعہ سوچا کہ آپ کو خط لکھوں..... پھر یہ سوچ کر رک جاتا تھا کہ کیا لکھوں۔

حیات محمد:۔ اس کا مطلب ہے فتح شیر کا کچھ پتہ نہیں چلا۔

دلاور:۔ اگر اس کا پتہ چل گیا ہوتا چاچا..... تو چاچی کا کیا حال ہے۔

حیات محمد:۔ ٹھیک ہے...... سعیدہ بھی آئی ہوئی ہے آج کل...... اس کے لڑکا ہوا ہے۔

دلاور:۔ اچھا اسے میری طرف سے مبارک دینا۔

حیات محمد:۔ (جیب سے لفافہ نکالتے ہوئے) یہ میں کچھ رقم لایا تھا تمہارے لئے۔

دلاور:۔ رقم۔ میں نے کیا کرنی ہے۔

حیات محمد:۔ یہ تو نے کیا حال بنا رکھا ہے۔

آدمی کو قسمت کے لکھے پر شاکر ہونا چاہیئے۔ اگر ہمارے قسمت میں ہوا تو فتح شیر کہیں نہ کہیں مل جائے گا...... تم کیوں اپنی زندگی برباد کر رہے ہو۔

دلاور:۔ دشمن ملتا نہیں چاچا...... ڈھونڈا جاتا ہے...... اور پھر میری زندگی میں سوائے فتح شیر کی تلاش کے اب رہ کیا گیا ہے۔

حیات محمد:۔ دل چھوٹا نہیں کرتے بیٹا...... ابھی تم جوان ہو...... اگر تم اجازت دو تو میں...... کہیں تمہارے رشتے کی بات کروں۔

دلاور:۔ (بے دلی سے ہنستے ہوئے) شادی زندوں کی ہوا کرتی ہے چاچا...... میں تو اپنی جان فتح شیر کی نذر کر چکا ہوں...... فتح شیر میری مجبوری ہے چاچا...... دیکھو میں کیسے اس کی تلاش میں دربدر بھٹک رہا ہوں...... میں بھی اور میری پستول بھی......

حیات محمد:۔ (چند لمحے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں سر جھٹکتا ہے۔ ایک بیگ میں سے کچھ کاغذات نکالتا ہے دلاور کے آگے رکھتا ہے) ان پر دستخط کر دو

(دلاور قلم لے کر بغیر پوچھے دو تین جگہ پر دستخط کرتا ہے۔ حیات محمد کاغذات لپیٹ کر بیگ میں رکھتا ہے)

حیات محمد:۔ تم نے پوچھا نہیں یہ کاغذات کیسے ہیں۔

دلاور:۔ کیا ضرورت ہے۔ آپ کو پتہ ہے تو بس ٹھیک ہے...... کھانا کھایا آپ نے۔

حیات محمد:۔ کھانا میں گھر سے کھا کر چلا تھا۔

دلاور:۔ کمال کرتے ہیں آپ بھی ...... (بچی سے) بیٹی ذرا ماں سے کہو کھانا دے دے ہمیں۔

سید گل کی بیوی:۔ (ٹرے میں کچھ برتن رکھ کر لاتی ہے۔) کھانا تو میں پہلے ہی لا رہی تھی دلاور بھائی...

دلاور:۔ یہ سید گل کی بیوی ہے چاچا..... اور بھابی یہ میرا چاچا ہے.... حیات محمد۔

سید گل کی بیوی:۔ تمہارے آنے سے پہلے ہم نے بڑی باتیں کی ہیں بھائی دلاور... تم کھانا شروع کرو میں گرم گرم روٹیاں بھیجتی ہوں

سین نمبر ۱۸۱

(سید گل کے دروازے پر حیات دلاور سے گلے مل رہا ہے)

حیات محمد:۔ بس... بس..... اب تم آرام کرو..... میں چلا جاؤں گا۔

دلاور:۔ (احتجاجی لہجے میں) میں چھوڑ آتا ہوں نا.....

حیات محمد:۔ خود ہی کہہ رہے ہو کہ کسی کو میرے بارے میں نہیں بتانا.. اب اگر چوہدری یا تمہارے ساتھ دیکھا تو میں کیا جواب دوں گا

دلاور:۔ (سر کھجاتے ہوئے) یہ بھی ٹھیک ہے......

حیات محمد۔ اوہ.... میرا بیگ تو اندر ہی رہ گیا ہے۔ (جانے کے لئے مڑتا ہے دلاور روکتا ہے)

دلاور:۔ تم ٹھہرو میں لے کر آتا ہوں۔

(دلاور اندر جاتا ہے ایک جیپ گزرتی ہے جس میں انور مولا داد اور تاجا صادق اور نذر عباس بیٹھے ہیں ان کے چہرے باقاعدہ رجسٹر کرائے جائیں۔ حیات محمد سخت حیرت کے عالم میں ان کی طرف دیکھتا ہے۔ جیپ گزرتی ہے۔ دلاور بیگ لے کر آتا ہے حیات محمد جیپ کی طرف دیکھے جا رہا ہے)

دلاور:۔ کیا دیکھ رہے ہو چاچا۔

حیات محمد:۔ یہ۔ یہ کس جیپ تھی...!

دلاور:۔ (دور جاتی ہوئی جیپ کو دیکھتے ہوئے) چوہدری انور کی لگتی ہے۔ کیوں!

حیات محمد:۔ مجھے ایسے لگا جیسے..... میں نے اس فتح شیر کو بیٹھے دیکھا ہے۔

دلاور:۔ (حیرت سے) فتح شیر کو۔ چوہدری انور کی جیپ میں۔

(دلاور کے حیرت زدہ کلوز پر STOP FRAME ہوتا ہے۔)

قسط نمبر ۱۱

سین نمبر ۱

(دلاور دور ہوتی ہوئی جیپ کو دیکھتے ہوئے آخری جملہ بولتا ہے۔ پھر چند لمحے حیرت سے چچا حیات محمد کی طرف دیکھتا ہے۔)

دلاور : آپ کو یقین ہے چاچا کہ وہ ـــ وہ آدمی فتح شیر ہی تھا۔

حیات محمد : (گومگو کے عالم میں) شکل تو بالکل اسی کی تھی۔ پر ـــ اب دیکھو نا۔ دس گیارہ سال ہو گئے ہیں مجھے اسے دیکھے ہوئے۔ لیکن یہ چوہدری انور نیاز علی کا چھوٹا بھائی ہے نا۔

دلاور : ہاں۔

حیات محمد : پر اس کی جیپ میں فتح شیر کا کیا کام ؟

دلاور : یہی تو میں بھی حیران ہوں چودھری انور کے سارے آدمی میرے جانے ہوئے ہیں۔ لیکن مولا داد سے پتہ کرتا ہوں۔

حیات محمد : یہ مولا داد کون ہے ؟

دلاور : چودھری انور کا خاص آدمی ہے ـــ میرا یار ہے (دانت پیستے ہوئے) اگر فتح شیر اس جیپ میں تھا تو اب دنیا کی کوئی طاقت اسے موت سے نہیں بچا سکتی۔

حیات محمد : ذرا ہاتھ پیر بچا کے پُتر۔

دلاور : تم فکر نہ کرو چاچا۔ میں اسے قتل کرنے سے پہلے نہیں مروں گا۔ اور اس کے بعد ـــ اس کے بعد مجھے زندہ رہنے کی کوئی آرزو بھی نہیں ہے۔

حیات محمد : نہیں دلاور نہیں۔ (اسے بازو سے پکڑ کر تھپکتا ہے) تو میرے مرحوم بھرا کی نشانی ہے اس کی یادگار ہے میرے پاس۔ تو یہ کام مجھ پر چھوڑ دے۔ میں وعدہ کرتا ہوں ایک ہفتے کے اندر اندر فتح شیر کی لاش تیرے قدموں میں ہو گی۔

دلاور : نہیں چاچا نہیں۔ وہ میرا دین دار ہے میرا قرضی ہے یہ کام مجھے ہی کرنا ہے خود اپنے ہاتھوں سے۔

حیات محمد : (اسے سمجھانے کے لئے کچھ کہنے لگتا ہے مگر اس کی استقامت دیکھ کر خاموش ہو جاتا ہے) میرا خیال

تھا ہم کسی کو پیسے دے کر اس کا کام کرا دیتے۔ پر اب تیری یہی ضد ہے تو جا ــــ پر اللہ نے چاہا تو میں تجھے چاہے (پھانسی) نہیں لگنے دوں گا۔ چاہے میری ساری زمینیں کیوں نہ بک جائیں۔

دلاور: اچھا چاچا۔ رب راکھا۔ میں مولاداد سے پتہ کرتا ہوں کہ جیپ میں کون کون تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ فتح شیر مجھ سے اتنا قریب تھا اور مجھے اس کا پتہ نہیں چلا کیسے ہو گیا یہ۔

(دلاور جاتا ہے اور حیات محمد اسے جاتے ہوئے دیکھتا ہے پھر بیگ سے کاغذات نکال کر انہیں ایک نظر دیکھتا ہے۔ مسکرا کر اطمینان کی سانس لیتا ہے۔)

سین ۲

دلاور: پورا گاؤں چھان مارا ہے میں نے بھائی سید گل۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا وہ لوگ کدھر گئے ہوں۔

سید گل: کہیں شکار پر نہ نکل گئے ہوں۔

دلاور: نہیں مولاداد ہمیشہ اپنے گھر میں بتا کر جاتا ہے وہ لوگ یہیں کہیں ہیں مگر ــــ (مٹھیاں بھینچتے ہوئے) کہاں ہیں۔ (دونوں ہاتھوں سے اپنا سر جھنجھوڑتا ہے) اوہ خدایا اس تصور سے کہ فتح شیر میرے آس پاس ہی کہیں آزاد اور زندہ پھر رہا ہے۔ میری کنپٹیوں میں جیسے زلزلہ آیا ہوا ہے۔

سید گل: (سمجھانے کے انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے) انہیں ان کاموں کا تجربہ نہیں ہے بھائی دلاور میری مانو تو یہ کام مولاداد کو کرنے دو۔

دلاور: نہیں۔ نہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اور دیکھو سید گل تم بھی مولاداد سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گے۔ وہ جی دار بھی ہے اور میرا یار بھی۔ اسے پتہ چل گیا تو وہ میرا سارا کھیل بگاڑ دے گا۔ اسے فتح شیر کے بارے میں کچھ نہ بتانا۔

سید گل: اچھا بھائی دلاور ــــ جیسے تمہاری مرضی۔

(دلاور تیزی سے جاتا ہے۔)

سین ۳

(مولاداد کا گھر۔ کنڈی کھڑکتی ہے۔ مولاداد کا بیٹا صحن میں بستر پر لیٹا ہے وہیں سے آواز دیتا ہے۔)

رشید: کون ہے (کنڈی پھر کھڑکتی ہے) دروازہ کھلا ہے۔

(دلاور دروازے کو ذرا کھول کر اندر دیکھتا ہے۔ چہرہ بہت TENSE ہے۔ رشید کو دیکھ کر اپنے آپ کو قابو میں لانے کی کوشش کرتا ہے دروازے میں سے یہی سوال کرتا ہے۔)

دلاور: مولاداد نہیں آیا ابھی تک۔

رشید: نہیں چاچا۔

دلاور: اوہ ــــ تمہاری ماں کہاں ہے۔

رشید: وہ نیاز لے کر ماسٹر جی کے گھر گئی ہے۔ پھر تم اندر آؤ نا چاچا۔ وہاں کیوں کھڑے ہو۔

دلاور: (پریشانی میں) نہیں بیٹا اس وقت مجھے جلدی ہے مولاداد آئے تو اس سے کہنا دلاور چاچا تمہیں ڈھونڈ رہا ہے۔ فوراً مجھ سے ملے۔ کہنا بہت ضروری کام ہے۔

رشید: اچھا چاچا کہہ دوں گا —— پر وہ کہانی۔

دلاور: کہانی —— کل سناؤں گا۔

(دلاور جاتا ہے۔ رشید چند لمحے حیرت سے دیکھتا ہے پھر اپنے انگوٹھے کے ساتھ کھیلنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔)

سین ۔ ۴

(حشمت خاں کی حویلی۔ انور اور نذر عباس بیٹھے ہیں۔ آ جا۔ صادق اور مولا داد کھڑے ہیں۔)

انور: یار نذر عباس۔ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ تم نے اتنا بڑا رسک لے کیسے لیا۔ تمہارا ابا تو بڑا نمازی پرہیزگار آدمی ہے۔

نذر عباس: (آنکھ مار کر) ابے کو پتہ چلے گا تب ہے نا۔ اُدھر ہیڈ سے اپر ہیڈ ورکس کا ایس ڈی او اپنا یار ہے ان کا ریسٹ ہاؤس بالکل الگ تھلگ ہے۔ دو دو میل کوئی آبادی نہیں۔ وہ سارا سال بک۔ (BOOK) دیتا ہے۔ تیرے یار کے نام۔ (اپنے سینے پر فخر سے ہاتھ مارتا ہے۔)

انور: اچھا دیکھیں گے کسی دن تیرا موقع واردات۔

نذر عباس: جب حکم کرو۔

بخشو: (آتے ہوئے) بی بی جی پوچھتی ہیں چائے پیو گے کہ او . . . . . کی ناں لئی دا اے . . . کافی۔

انور: کیوں بھئی۔ کیا پیو گے۔

نذر عباس: طبیعت تو کسی شئے کو نہیں چاہ رہی۔ پھر بھابی کے ہاتھ کی کافی نہ پینا بھی کفران نعمت ہے۔ بڑی بڑی جگہ کافی پی ہے۔ امریکہ یورپ۔ جاپان۔ سنگاپور۔ ہانگ کانگ اور پاکستان کے سارے شہر دیکھے ہیں۔ پر قسم خدا کی تمہاری بھابی جو کافی بناتی ہیں۔ اس کا کوئی جوڑ نہیں۔

انور: (بخشو سے) کافی لے آؤ —— اور سنو۔ (باقی آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے) ان کو چائے پلا دو۔

بخشو: اچھا جی (جاتے ہوئے رکتا ہے) ویسے چودھری انور صاحب جی یہ کافی لفظ کچھ عجیب سا ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے کوئی کہہ رہا ہو۔ بس بس بہت کافی ہو گئی ہے —— کافی اور معافی ——

انور: (ہنسی روک کر) اچھا بکواس نہیں کر زیادہ۔

نذر عباس: ہنستے ہوئے) بڑے مخولیے ہیں تمہارے یہ نوکر —— وہ دوسرا کہاں ہے۔ کیا نام ہے اس کا۔ مہنگا

انور: ادھر میاں جی کے کمرے میں ہو گا۔

نذر عباس : ہاں یاد آیا۔ ابھی تو چودھری صاحب کو بھی سلام کرنا ہے۔ ابّے نے خاص طور پر تاکید کی تھی۔
انور : کافی پی کے چلتے ہیں۔

سین ۵

(رسالٹنٹ فلم میں دلاور مختلف آدمیوں ماسٹر فضل کریم۔ جیلے وغیرہ سے کچھ پوچھتا ہے سب لوگ ناواقفیت کا اظہار کرتے ہیں۔ آخری آدمی کچھ یاد کرتے ہوئے ایک طرف اشارہ کرتا ہے۔)

سین ۶

(نیاز علی کا بیڈ روم۔ نیاز علی بستر میں لیٹا انگریزی اخبار پڑھ رہا ہے اس کی بیوی صغریٰ ہاتھ میں ایک کپ لیے آتی ہے۔ نیاز علی اس کی طرف دیکھتا ہے مسکرا کر اخبار ایک طرف رکھتا ہے۔)

نیاز علی: یہ کیا ہے بھئی
صغریٰ : کافی ہے۔
نیاز علی: کافی ـــــ اس وقت ـــــ کیا بات ہے۔
صغراں : انور کے کچھ مہمان آئے ہوتے ہیں اس نے بنوائی تھی۔
نیاز : (کپ لے کر ایک گھونٹ بھرتا ہے) اچھی ہے۔
صغراں: ٹھنڈی تو نہیں ہوگئی۔
نیاز : نہیں ٹھیک ہے۔
(جاتی ہوئی صغراں کو روکتا ہے)
سنو۔
صغراں: جی۔
نیاز : بیٹھو۔
(پاؤں سکیڑ کر بستر پر بیٹھنے کی جگہ بنتی ہے۔ صغراں خاموشی سے بیٹھتی ہے)
ادھر آجاؤ۔ یہ تم روز بروز دبلی کیوں ہوتی جارہی ہو۔
صغراں : نہیں تو ـــــ ٹھیک ہوں۔
نیاز : کوئی ٹھیک ویک نہیں۔ بدھ کو مجھے شہر جانا ہے میرے ساتھ چلنا۔ میں تمہیں کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤں گا۔
صغراں: کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔
نیاز : (محبت آمیز غصے سے) آخر تم شہر جانے سے اتنا بھاگتی کیوں ہو۔ کوئی کھا تو نہیں جائے گا تمہیں وہاں۔
صغراں : چھوڑیئے کوئی اور بات کریں۔

نیاز: یعقوب چچا ہر بار تمہارا پوچھتے ہیں۔ زبیدہ چچی اور شکیلہ بھی اتنا کہتی ہیں مگر تم۔ پتا نہیں تمہیں کیا ہو گیا ہے؟

صغراں: بس مجھے نہیں جانا ہے وہاں۔

نیاز: لیکن کیوں؟ وہ لوگ تو تم سے اتنا پیار کرتے ہیں۔

صغراں: بات ان کے پیار کی نہیں ہے چوہدری نیاز صاحب میں خود وہاں نہیں جانا چاہتی۔ کچھ پودے ایسے ہوتے ہیں جن کے لیے تازہ ہوا اور روشنی زہر ہوتی ہے۔ مجھے اس حویلی کی چار دیواری میں زندہ رہنا ہے۔ مجھے یہیں رہنے دیں۔ میں کھڑکی سے باہر نہیں دیکھنا چاہتی۔

نیاز: کیوں؟

صغراں: اس لیے کہ کھڑکی کے باہر کی کوئی چیز میری دسترس میں نہیں۔ مجھ پر دنیا کی ہر شے حرام ہو گئی ہے کیونکہ میں سکندرپور کی چودھرانی ہوں۔ آپ مجھے سات پردوں میں رکھتے ہیں اس لیے کہ میں اس حویلی کی عزت ہوں۔ میاں جی کے پگ کے شملے کی طرح میں بھی پوری دنیا کی دسترس سے بلند اور بالاتر کوئی شے ہوں۔ لیکن میں میاں جی کے پگ کا شملہ نہیں چودھری نیاز صاحب۔ میں ایک انسان ہوں۔ میری صرف آنکھیں ہی زندہ نہیں ہیں۔ میں سوچتی بھی ہوں۔

نیاز: تو.. تو... تم کیا چاہتی ہو۔ تمہارا مطلب ہے تمہیں دوسروں کی دسترس میں ہونا چاہیے۔

صغراں: نہیں چودھری صاحب نہیں۔ میں تو آپ کو صرف یہ بتانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ میرا شہر میں جانا اور ایسے لوگوں کو دیکھنا جو زندوں کی طرح زندہ ہیں اچھا نہیں ہے۔

نیاز: ابھی تک تمہارے دماغ سے کانونٹ کے کیے ہوئے ڈرامے نہیں نکلے۔ آدمی کو ہر چیز اپنے حالات کے مطابق کرنی چاہیے صغراں تمہارے پاس کیا نہیں ہے گھر بار۔ نوکر چاکر۔ دولت۔ زمینیں۔

صغراں: جب کبھی میرے جانے کے لئے موٹر میں چاروں طرف موٹے موٹے پردے لگائے جاتے ہیں نا تو پتہ ہے مجھے لگتا ہے.... مجھے لگتا ہے جیسے میں کوئی مرغی ہوں جسے ڈربے میں بند کیا جا رہا ہے۔

نیاز: ایک تو یہ بڑی مصیبت ہے جب میں کوئی مشورہ تم سے کرنے لگتا ہوں تم اپنی تقریر شروع کر دیتی ہو۔ یہ میاں جی کا حکم ہے اور جب تک وہ زندہ ہیں، اس گھر میں وہی ہوگا جو وہ چاہتے ہیں۔

صغراں: (اٹھتے ہوئے) اسی لئے تو کہا ہے مت لے جایئے مجھے شہر۔

(صغراں جاتی ہے۔ نیاز علی چند لمحے پریشانی سے اسے جاتے دیکھتا ہے پھر سر جھٹک کر اخبار پڑھنے لگتا ہے۔)

سین ۔ ۷

انور اور نذر عباس کے سامنے کافی کے برتن پڑے ہیں۔ حشمت خان آتا ہے۔ پیچھے پیچھے مہنگا حقہ اٹھائے آ رہا ہے۔ حشمت بولتا ہوا آتا ہے۔ مولاداد، تاجا اور صادق کمرے میں نہیں ہیں)

حشمت: کدھر ہے پتر نذر عباس۔

نذر عباس : (اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے) سلام علیکم چودھری صاحب۔

حشمت : وعلیکم السلام۔ بیٹھ پتر بیٹھ۔ کیا حال ہے تیرے والد کا۔ سنا تھا وہ کچھ بیمار شیمار

نذر عباس : اب ٹھیک ہیں جی۔

حشمت : کیا کر رہے ہو تم لوگ اس ڈیم کے متعلق!

نذر عباس : کچھ نہیں جی۔ بس انتظار کر رہے ہیں۔

حشمت : نہ۔ بڑی اچھی خبر ہے جس کا انتظار کر رہے ہو۔ اس کو سمجھا پتر۔ یہ زمینیں یہ جاگیریں ہاتھ سے نکل گئیں۔ تو ہم لوگ کوڑی کے نہیں رہیں گے اپنا علاقہ اپنا ہی ہوتا ہے پتر۔

نذر عباس : پر چودھری صاحب . . . . .

حشمت : (بات کاٹتے ہوئے) تم منڈیوں کا تو شہر میں رہ کر حوصلہ ہی پست ہو گیا ہے۔ کس فائدے کی ہے تمہاری یہ ساری تعلیم۔ اتنی اتنی جماعتیں پڑھتے ہو تم لوگ پر اپنی زمینوں کی حفاظت نہیں ہوتی تم سے۔ اسی لیے میں کہتا تھا کہ انگریز کو یہاں سے مت جانے دو۔ اس کو اور کچھ نہیں تو کم از کم بندے کی تو پہچان تھی اللہ بخشے والد صاحب مرحوم کے پاس اس وقت کا کمشنر خود بادشاہ جارج پنجم کا پیغام لے کر آیا تھا کہ تم ہمارے دوست ہو ہماری مدد کرو۔ جرمن کے خلاف ہم کو سپاہی دو۔

مہنگا : اللہ بخشے میرے والد مرحوم کو بھی وڈے چودھری صاحب نے ہی بھرتی کروا کے لام پر بھجوایا تھا۔ سن سنتالی تک اس کے پیسے ملتے تھے جی۔

حشمت : اس علاقے کے ہزاروں گھروں کی تقدیر بدل دی ہے ہم لوگوں نے۔ آج جو لوگ ہمیں باتیں کرتے ہیں ان سے کوئی پوچھے کہ جو مزارع پورے سال میں سو روپیہ نہیں کماتا تھا اس کو ڈیڑھ سو روپے مہینے کی نوکری کس نے دوائی تھی۔ ان بھوکے ننگے لوگوں کے گھروں میں تو ایک ٹیم کی روٹی نصیب نہیں ہوتی تھی۔ اور ایک یہ ٹیم ہے کہ کمہاروں کے پتر ہماری آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بات کرنے لگے ہیں۔ اب بھی ویلا ہے پتر عباس۔ ہوش کرو۔ عقل کو ہتھ پاؤ۔

انور : پر میاں جی ہم لوگ کر بھی کیا سکتے ہیں۔ آپ خود ہی تو کہتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا ہے۔

حشمت : یہ سب ہماری غفلت کا نتیجہ ہے۔ ہماری کوتاہیاں ہیں جو ہمارے آگے آ رہی ہیں۔ ہم سب کلّے کلّے ہیں اس لئے ہر محاذ سے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ اپنی طاقت حکومت کو دکھاؤ۔ اس کو اندازہ کراؤ کہ ہم کیا ہیں کس بنیاد پر اس نے ہماری زمینیں لینے کا اعلان کیا ہے۔ کس سے پوچھ کر یہ ڈیم بنایا جا رہا ہے۔

انور : بھا نیاز سے کہیں نا کہ وہ اس سلسلے میں کچھ کرے۔ مجھ پر تو ہر وقت تنقید کرتا رہتا ہے۔

حشمت : یہ کام اکیلے نیاز علی کے بس کا نہیں پتر۔ اس کے لیے بڑے سوچ بچار کی ضرورت ہے پر سب سے پہلے تو ہم سب میں اتفاق رائے ہونا چاہیئے۔ پتر نذر عباس اپنے والد کو میری یہ باتیں سمجھانا۔ میں نیاز علی کو بھی بھیجوں گا۔ اس کے پاس۔

نذر عباس : اچھا جی۔

حشمت: کچھ کھایا پیا بھی ہے تم لوگوں نے۔

نذر عباس: بس جی ابھی کافی پی ہے

حشمت: کافی صرف سُنا کرو پتر۔ کھانے پینے کے لیے طاقت والی غذا استعمال کرنی چاہیئے میں تمہاری عمر کا تھا تو ایک ٹائم میں سالم بکرا کھا جایا کرتا تھا۔

سین نمبر ۸

(حویلی کا بیرونی حصہ۔ انور نذر عباس کو رخصت کر رہا ہے۔ مولا داد قریب ہی کھڑا ہے۔)

انور: اچھا یار نذر۔ رب راکھا۔ پر وہ ریسٹ ہاؤس والا پروگرام بھول نہ جانا۔

نذر عباس: تو فکر ہی نہ کر میری جان۔ بس آنے سے ایک دن پہلے مجھے اطلاع بھجوا دینا۔ انشاءاللہ ہر شے تجھے تیار ملے گی۔

انور: بڑے دن ہو گئے ہیں اپنے علاقے سے باہر شکار نہیں کیا۔ کیوں مولا داد۔

مولا داد: شکار تو شکار ہی ہوتا ہے چوہدری جی۔ چاہے کسی علاقے کا ہو۔

نذر عباس: یار انور تیرا یہ مولا داد تو کبھی کبھی مجھے پروفیسر لگنے لگتا ہے۔ اسی کی طرح دکھیوں سے بولتا ہے۔ اچھا خدا حافظ۔

(جیپ میں بیٹھتے ہوئے)

میں تیرے پیغام کا انتظار کروں گا۔ چل صادق۔

(جیپ سٹارٹ ہو کر جاتی ہے۔ انور الوداعی ہاتھ ہلاتا ہے۔ مولا داد کی طرف دیکھتا ہے۔)

(تھکن بھری انگڑائی لیتا ہے۔)

انور: چل مولا داد شہر چلیں بہت دنوں سے فلم نہیں دیکھی۔

مولا داد: (آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے) شام ہو رہی ہے۔ چوہدری جی۔ کل نہ چلے چلیں۔

انور: (ہنستے ہوئے) لگتا ہے تجھے اب گھر کی یاد آ رہی ہے۔

مولا داد: (ہنستے ہوئے) گھر چیز ہی ایسی ہے چوہدری انور۔

انور: کتنے سال ہو گئے ہیں تیری شادی کو۔

مولا داد: شادی! دس سال ہو گئے ہیں تقریباً۔

انور: دس سال؟ اور ابھی تک تیرا اس عورت سے جی نہیں بھرا۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔ انسان ایک ہی عورت کے ساتھ اتنا عرصہ کیسے رہ سکتا ہے۔

مولا داد: اپنے اپنے مزاج کی بات ہے چودھری جی ...... اب وڈے چودھری صاحب کو دیکھیں۔ ساری عمر کتوں کے ساتھ گزار دی ہے۔

دانور رک کر مولاداد کو گھورتا ہے۔ مولاداد ناواقف بنا نیچے دیکھتا رہتا ہے۔ انور
کچھ کہنے لگتا ہے پھر رک جاتا ہے۔)

انور : اچھا ـــــ گھر سے ہو کر ڈیرے پہ آنا۔

مولاداد : بہت اچھا جی۔

سین ۹

(دلاور ایک درخت کے نیچے خاموش بیٹھا خلا میں گھور رہا ہے ایک دم
اسے پتے چرچرانے کی آواز آتی ہے چونک کر پستول پر ہاتھ رکھتا ہے مڑتا ہے
مولاداد آتا ہوا دکھائی دیتا ہے اس کی طرف بڑھتا ہے۔)

مولاداد : خیر تو ہے شہزادے ..... بڑے پریشان نظر آ رہے ہو۔

دلاور : تم کہاں تھے سارا دن ....

مولاداد : میں چودھری انور کے ساتھ ... ان کے کچھ مہمان آئے ہوتے تھے .... پر تم سنا ہے مجھے بہت ڈھونڈتے رہے ہو .... خیریت ہے نا۔

دلاور : خیریت .... ہاں خیریت ہی ہے۔ تمہیں کیسے پتہ چلا میں یہاں ہوں۔

مولاداد : سیدگل کی بیٹی نے بتایا ہے .... میں گیا تھا۔ اس کی طرف پتہ کرنے۔

دلاور : اوہ .... ہاں .... ایک بات ہے بھائی مولاداد۔

مولاداد : حکم کر شہزادے ....

دلاور : آج صبح جب تم چودھری انور کے ساتھ جیپ میں سیدگل کے گھر کے آگے سے گزرے تھے۔ تو تمہارے ساتھ کون کون تھا۔

مولاداد : صبح .... میرے ساتھ .... آج تو سارا دن میں چودھری انور ہی کے ساتھ رہا ہوں .... دو اُن کے مہمان تھے .... ہاں تاجا بھی تھا ....

دلاور : تاجا! مہمان کون تھے ....

مولاداد : احمد نگر کے چودھری دلاور عباس کا بیٹا نذر عباس اور اس کا آدمی صادق .... مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو تم جانتے ہو انہیں ....

دلاور : نذر عباس اور صادق .... ؟ یہ احمد پور کس طرف ہے ....

مولاداد : یہ چونیاں سے دو میل آگے .... نہر کے ساتھ .... پر شہزادے، کوئی کام ہے تو مجھے بتا ....

دلاور : نہیں ایسے ہی پوچھ رہا تھا .... دراصل میں اس علاقے سے زیادہ واقف نہیں ہوں نا ....

مولاداد : (چند لمحے غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ دلاور نظریں جھکا لیتا ہے۔) کوئی چکر ضرور ہے شہزادے .... پر شاید تجھے مجھ پر اعتبار نہیں۔

دلاور: نہیں بھائی مولاداد... ایسی کوئی بات نہیں.... دراصل مجھے ایک شبہ ہے.... اگر صحیح نکلا تو تمہیں بتاؤں گا... چودھری انور کی جیپ مل سکتی ہے مجھے... ایک دن کے لیے۔

مولاداد: احمد پور جاؤ گے۔؟

دلاور: ہاں

مولاداد: مل جائے گی شہزادے... کب چاہیئے۔!

دلاور: ابھی مل جائے...

مولاداد: ٹھیک ہے.... پر شہزادے.... اگر کوئی خطرے والی بات ہے تو مجھے ابھی بتادے... ورنہ ساری زندگی میرے دل پر بوجھ رہے گا کہ تو نے مجھے خدمت کا موقع نہیں دیا۔

دلاور: نہیں.... مولاداد.... کوئی ایسی بات نہیں...

مولاداد: آؤ میرے ساتھ۔

سین ۱۰

(دلاور ایک کوٹھری کے دروازے پر دستک دیتا ہے۔ دروازہ کھلتا ہے تاجا حیرت سے دلاور کی طرف دیکھتا ہے۔ پھر اندر آنے کے لئے راستہ دیتا ہے۔)

تاجا: آپ....! دلاور صاحب اس وقت.... تشریف لایئے...

دلاور: نہیں... ایک بات پوچھنی ہے تم سے۔

تاجا: حکم کرو سرکار... آپ مولاداد کے یار ہو۔ اور مولاداد ہمارا استاد ہے۔

دلاور: تم کہاں کے رہنے والے ہو۔

تاجا: میری تو جم پال یہیں کی ہے... کئی سو سال سے ہمارا خاندان اسی گاؤں میں آباد ہے...

دلاور: اوہ.... اچھا.... اچھا بھائی تاجے معاف کرنا.... تمہیں بے وقت تکلیف دی میں نے

تاجا: پر.... آپ اندر تو آؤ... کوئی چائے پانی...

(دلاور اس کی بات سنے بغیر مڑتا ہے۔ تاجا حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں کندھے جھٹک کر مڑتا ہے۔)

سین ۱۱

(دلاور جیپ چلاتا ہوا جا رہا ہے۔ چہرے پر گہری سنجیدگی کے آثار ہیں۔)

سین ۱۲

(حشمت خان حقہ پی رہا ہے۔ بستر میں لیٹا ہے۔ مہنگا اور جگنو پاؤں دبا رہے ہیں۔ نیاز علی آتا ہے چہرے سے سخت کشیدگی کے آثار نمایاں ہیں۔ غصہ ضبط

کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ حشمت خان اسے غور سے دیکھتا ہے۔ حقّے کا کش لیتا ہے۔)

نیاز علی (غصہ روکنے کی ناکام کوشش میں) اب پانی سر سے گزر گیا ہے میاں جی! مجھ سے اب مزید برداشت نہیں ہوتا۔

حشمت: (ہنستے ہوئے) کیا بات ہے آج میرا پتر بڑے غصے میں ہے.... تو تو بڑے صبر والا ہے پُتّر نیاز علی.... کیا ہو گیا ہے۔

نیاز علی: یہ انور....!

(غصے کی شدت سے کچھ کہہ نہیں پاتا۔)

حشمت: اچھا اچھا انور کی کوئی شکایت آئی ہے پھر.... اب کیا کیا ہے اس نے....

نیاز علی: کیا نہیں کیا.... کوئی دن ایسا نہیں جاتا جب مجھے اس کے بارے میں کوئی نہ کوئی شکایت نہیں ملتے.... آخر میں کب تک.... (بخشو اور مہنگے سے) تم باہر جاؤ دونوں....

(مہنگا اور بخشو سوالیہ نظروں سے حشمت کی طرف دیکھتے ہیں۔)

حشمت: یہ دونوں اس گھر کے جدی نوکر ہیں پُتر نیاز علی.... اس حویلی کی دیواروں کی طرح جو بات سنتے ہیں اپنے دل میں رکھتے ہیں.... تو بات کر....

(مہنگا اور بخشو جاتے جاتے رک جاتے ہیں دونوں آکر چودھری حشمت کے پاؤں دبانے لگتے ہیں۔)

نیاز علی: اب اس گاؤں میں میں رہوں گا یا انور۔

حشمت: کیا خطا ہو گئی ہے انور سے... کچھ بتا تو سہی۔

نیاز علی: ابھی تھانہ فرید پور کا تھانیدار آیا تھا.... بتا رہا تھا کہ احمد پور کے چودھری نذر عباس نے کوئی لڑکی اٹھوالی ہے....

حشمت: نذر عباس تو آج سارا دن یہاں تھا....

نیاز علی: جی ہاں.... یہاں وہ لڑکی لینے کے لیے ہی آیا تھا.... (تیری عقل کو کیا ہو گیا ہے پتر نیاز علی.... کڑی فرید پور سے اغوا ہوئی ہے۔ اغوا کرنے والا احمد پور کا ہے.... یہ بیچ میں سکندر پور اور انور کہاں سے آ گئے اول تو مجھے یقین نہیں کہ یہ بات درست ہے پر فرض کر اگر ہے بھی تو پلس سے کہو وہ احمد پور جائے.... ہمارے پاس کیا لینے آئے ہیں وہ....

نیاز علی: تو اس لیے میاں جی کہ اس لڑکی کو انور کے ڈیرے میں رکھا گیا تھا.... پولیس کے پاس اس کا باقاعدہ ثبوت موجود ہے۔

حشمت: (سوچتے ہوئے) ہوں.... میرے خیال میں پُتر نیاز علی....اب انور کی شادی کر دینی چاہیے

نیاز علی: وہ پھر بھی ٹھیک نہیں ہو گا میاں جی . . . آپ کو نہیں پتہ . . . . اس کی عادتیں بہت خراب ہو چکی ہیں۔

حشمت : (ہنستا ہے) مجھے نہیں پتہ . . . . ہاہا . . . یہ تیرا خیال ہے پتر نیاز علی . . . مجھے سب پتہ ہے . . . . پر میں نے تجھے پہلے بھی بتایا ہے کہ اس عمر میں منڈے کھنڈے اس طرح کی شرارتیں کرتے رہتے ہیں . . .

نیاز علی: یہ شرارتیں نہیں ہیں میاں جی . . . . قابل دست اندازی پولیس جرائم ہیں . . . . وہ اس پر گرفتار ہو سکتا ہے

حشمت : حوصلہ پتر حوصلہ . . . . ایک تو تو گھبرا بڑی جلدی جاتا ہے . . . . انور تیرا بھائی ہے . . . . تیرا بازو ہے . . . . اس کو پیار سے سمجھا . . . .

نیاز علی : وہ میری سنتا کب ہے . . . . !

حشمت : اچھا اچھا تو فکر نہ کر . . . . میں اس کا انتظام کرتا ہوں . . . . میں کل ہی اسے یعقوب کے پاس شہر بھجوا دوں گا . اس نے مجھ سے کڑی کے امتحانوں تک مہلت مانگی تھی . . . . آتی سردیوں میں یہ کام بھی کر دیتے ہیں .

نیاز : شکیلہ بڑی نازک طبیعت کی لڑکی ہے میاں جی . . . . انور

حشمت : عورتوں کی طبیعتوں پر زیادہ دھیان نہیں دیا کرتے نیاز علی . . . ان کا کام مردوں کے لیے بچے پیدا کرنا ہوتا ہے . . . . اور بس . . . . دو چار بچے ہو جائیں تو سبھی عورتیں ایک جیسی ہو جاتی ہیں .

نیاز علی : وہ تو ٹھیک ہے میاں جی .

حشمت : تیری بیوی کے بچے نہیں ہوئے نا . . . . اس لیے اور پھر وہ پڑھ لکھ بھی کچھ زیادہ ہی گئی ہے . . . . میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لڑکیوں کو اتنا پڑھانے کی ضرورت کیا ہے تو فکر نہ کر شادی کے بعد انور بالکل ٹھیک ہو جائے . . . . میں نے تو یعقوب کو بھی منع کیا تھا .

نیاز علی : (بے یقینی کے انداز میں) اچھا جی .

حشمت : اور سن . . . . احمد پور کوئی آدمی بھجوا دے نذر عباس کی طرف . . . . اسے اطلاع کرا دو کہ پولیس اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے اگر لڑکی وہاں ہے تو اسے غائب کروا دے .

نیاز علی : میں نے یار محمد کو بھجوا دیا ہے جی . . . اور یہ بھی کہلوا دیا ہے کہ اس کیس میں انور کا نام نہ آئے .

حشمت : شاباش . . . . (بجنو سے) اوئے بجنو .

بجنو : جی چودھری جی .

حشمت : ذرا انور کو بھیج میرے پاس .

سین ۱۳

(شوکت کا دفتر . شوکت کچھ کام کر رہا ہے . چپڑاسی ایک چٹ لے کر آتا ہے . چٹ اسے دیتا ہے . شوکت چٹ پڑھتا ہے . کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ملاقاتی کون ہے . چپڑاسی کچھ پوچھے . لگتا ہے پھر رک جاتا ہے .)

شوکت : بلاؤ بھئی .... کون ہے۔

(چپڑاسی جاتا ہے چند لمحے بعد فرخ داخل ہوتا ہے۔ چہرے سے لگتا ہے کہ سخت کشمکش میں مبتلا ہے۔ شوکت اسے نہیں پہچانتا۔)

شوکت : تشریف رکھیے .... فرمایئے

فرخ : انکل میں .... میں فرخ ہوں ....

شوکت : (چند لمحے بعد سمجھتا ہے کہ وہ کون ہے ایک دم اس کے تیور بدل جاتے ہیں کرسی سے اٹھتا ہے) یہاں کیوں آئے ہو۔

فرخ : انکل .... میں .... دراصل وہ .... غلطی ... غلط فہمی .... آپ لوگوں کو کچھ غلط فہمی ہوگئی ہے۔

شوکت : ہمیں غلط فہمی ہوئی ہے یا صحیح فہمی .... یہ ہمارا مسئلہ ہے .... تم کیوں آئے ہو۔

فرخ : میں آپ کو یہ بتانے کے لیے حاضر ہوا ہوں کہ ....

شوکت : (بات کاٹتے ہوتے) تمہاری عمر سے زیادہ میری ملازمت کا تجربہ ہے .... اور تم مجھے سمجھانے آئے ہو .... بہت خوب .... پلیز گیٹ آؤٹ AND NEVER COME AGAIN۔

فرخ : آپ میری بات تو سنیئے انکل۔

شوکت : اگر تم میں شرافت کی ذرا سی بھی رمق ہوتی تو تم ہرگز یہ بیہودہ اور لچر حربے استعمال نہ کرتے۔

فرخ : انکل شاید سیمیں نے آپ کو بتایا نہیں۔

شوکت : مسٹر میں تمہارے منہ سے اپنی بیٹی کا نام سننا پسند نہیں کرتا۔ GO PLEASE GET OUT

فرخ : (قدرے VOILATE ہوکر) آپ میری بات تو سنیں۔

شوکت : خوب تو اب تم دھمکیاں بھی دو گے مجھے .... (گھنٹی بجاتا ہے)

فرخ : دیکھئے پلیز .... آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں .... دراصل جو خط ...

شوکت : (چپڑاسی کمرے میں داخل ہوتا ہے) حبیب الرحمٰن .... ان صاحب کو باہر کا دروازہ بتادو۔

(فرخ غصے اور بے بسی میں شوکت کی طرف دیکھتا ہے مڑتا ہے کمرے سے نکل جاتا ہے۔)

سین ۱۴

(سیمیں کا گھر۔ ماں اور سیمیں۔)

ماں : (غصے سے) جب میں نے تمہیں منع کیا تھا تو تم اس سے ملے کیوں۔

سیمیں : امی .... وہ .... کب ملی ہوں اس سے۔

ماں : جھوٹ مت بولو .... کیا آج تم اس کے ساتھ کینٹے ادم میں نہیں گئی تھیں۔

سیمیں : وہ .... وہ تو .... ٹھیک ہے میں اس سے ملی تھی .... مگر .... یقین کریں امی .... یہ کسی کی شرارت ہے۔ فرخ نے آپ کو صرف ایک مرتبہ ٹیلی فون کیا تھا اور وہ بھی اپنی امی کے آنے کی اطلاع کے لیے۔

اس کے علاوہ نہ اس نے کبھی فون کیا ہے اور نہ ہی وہ خط اس کا تھا۔

ماں : کسی اور کو کیا پڑی ہے کہ وہ اس کے نام سے فون کرتا یا خط لکھتا پھرے۔

سیمیں : یہی تو ہماری سمجھ میں بھی نہیں آ رہا... لیکن ہے کوئی نہ کوئی ضرور۔

ماں : (سمجھانے کے انداز میں) تم ابھی بچی ہو سیمیں۔ تمہیں نہیں پتہ لوگ کس کس طرح کے ہوتے ہیں... وہ لوگ اچھے نہیں ہیں۔

سیمیں : میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ آپ نے اس دن اس کی امی کی اتنی انسلٹ کی... آج ابا نے دفتر میں اسے اتنا بے عزت کیا ہے۔ آخر آپ لوگوں کو کیا حق پہنچتا ہے ان سب باتوں کا...

ماں : اس لیے کہ تم ہماری بیٹی ہو۔

سیمیں : میں آپ کی بیٹی ہوں اس لیے آپ جس کو چاہیں بے عزت کر سکتی ہیں۔ معاف کیجئے گا۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔

ماں : اسی لیے کہا ہے نا تم ابھی بچی ہو۔ اس لڑکے کی حرکتوں سے بہت بدنامی ہوئی ہے... میں کسی صورت میں تمہاری شادی اس بے ہودہ خاندان میں نہیں کر سکتی... یہ بات اچھی طرح سمجھ لو...

(ماں جاتی ہے۔ سیمیں سخت پریشانی کے عالم میں ایک کرسی پر بیٹھتی ہے سوچتی ہے)

سین ۱۵

(فرخ بڑھے ہوئے شیو کے ساتھ اپنے بستر میں لیٹا ہے۔ ماں ایک ٹرے میں کھانا لے کر آتی ہے۔)

ماں : کھانا کھا لو بیٹا۔

فرخ : بھوک نہیں ہے امی۔

ماں : تھوڑا سا کھا لو...

فرخ : سچ امی۔ بالکل جی نہیں چاہ رہا۔

ماں : تم نے دوپہر کو بھی کچھ نہیں کھایا۔

فرخ : بتایا ہے نا آپ کو... طبیعت نہیں چاہ رہی۔

ماں : وہ تو ٹھیک ہے بیٹا... مگر میں اب بوڑھی ہو گئی ہوں... دو وقت کا فاقہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔

فرخ : کیا مطلب... آ۔ آپ نے کھانا نہیں کھایا۔

ماں : پہلے کبھی کھایا ہے تمہارے بغیر؟

فرخ : مگر آپ... آپ کھانا کھائیں نا...

ماں : نہیں کھایا جاتا بیٹے...!! میں نے کوشش کی تھی۔

فرخ : اوہ اوہ .... پلیز .... اچھا چلیے میں کھاتا ہوں آپ کے ساتھ ....

ماں : تم ہاتھ دھو آؤ میں پانی لے کر آتی ہوں ....

(ماں TURN کرتی ہے DISSOLVE کے ساتھ فرخ تولیے کے ساتھ ہاتھ پونچھتا ہوا کرسی پر بیٹھتا ہے ۔ ماں غور سے اس کی طرف دیکھ رہی ہے فرخ ماں کی طرف دیکھتا ہے ۔ پھر اس کی نظروں کی تاب نہ لاکر روٹی کا لقمہ توڑتا ہے ۔)

فرخ : اب کھائیے نا آپ ۔

ماں : (لقمہ توڑتے ہوئے) تم سیمیں کو بہت پسند کرتے ہو ۔؟

فرخ : یہ آپ پوچھ رہی ہیں ؟

ماں : میرا مطلب تھا .... جو کچھ ہوا ہے ۔ اس کے بعد بھی ۔

فرخ : محبت کوئی جگنو تو نہیں ہوتی امی جی کہ ذرا سی درز ملے تو مٹھی سے نکل جائے ....

ماں : ہاں ۔ شاید تم ٹھیک کہتے ہو ۔ لیکن بیٹے جب حقیقت کے جھلسا دینے والے سورج کی دھوپ آنگن میں اترتی ہے تو جگنو نظر نہیں آتے یوں کہو .... کہ وہ ہوتے تو ہیں مگر ان کا وجود بہت غیر اہم بہت ثانوی سا رہ جاتا ہے ۔

فرخ : (لقمہ توڑتے ہوئے رک جاتا ہے) انسانی جذبوں کا پھیلاؤ اتنا زیادہ ہوتا ہے امی کہ اسے لفظوں میں سمیٹا نہیں جا سکتا .... جگنو واقعی سورج کا مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن اگر سورج کو بجھا دیا جائے تو .... خیر چھوڑیئے .... آپ کھانا کھائیے ۔

ماں : صبح تمہیں چھٹی ہے نا ....

فرخ : جی ۔

ماں : یعقوب بھائی پوچھ رہے تھے تمہارا .... کل ان کی طرف ہو آنا ۔

فرخ : امی .... آجکل میرا کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا ۔

ماں : مجھے اندازہ ہے بیٹے مگر تنہا رہنے سے پریشانی بڑھتی ہے کم نہیں ہوتی .... (سرسری لہجے میں) شکیلہ کیسی لگتی ہے تمہیں ۔

فرخ : شکیلہ .... اچھی ہے کیوں ....

ماں : کچھ نہیں .... ایسے ہی ، میں سوچ رہی تھی اگر .... دراصل مجھے وہ بہت اچھی لگتی ہے .... بڑی بھولی سی ہے ۔

(فرخ چند لمحے ماں کی طرف دیکھتا ہے جو نظریں بچاتی ہے ۔ لقمہ توڑتے توڑتے رک جاتا ہے ۔)

سین ۱۶

(حشمت کا بیڈ روم)

حشمت : اور وہاں یعقوب کو کوئی شکایت کا موقع نہ دینا۔ تیرا چاچا ہی نہیں تیرا ہونے والا سوہرا (سسر) بھی ہے

انور : آپ فکر نہ کریں میاں جی۔

حشمت : (ہنستے ہوئے) فکر کرنی پڑ گئی ہے پتر۔ لگتا ہے تو تھوڑے ہی دن میں کچھ زیادہ ہی جوان ہو گیا ہے۔ گھوڑا اتھرا ہو جائے تو اسے فوراً لگام ڈال دینی چاہیئے۔ اور اس دفعہ یعقوب کے گھر میں رہنا۔

انور : پر میاں جی —— میرے آدمی۔

حشمت : کیا ضرورت ہے تجھ کو آدھا پنڈ ساتھ لے جانے کی۔ تیرا اپنا گھر ہے۔ کوئی دشمن کا ڈیرا نہیں ایک دو نوکر لے جا بہت ہیں۔ یعقوب کے نوکر بھی تو سب تیرے ہی ہیں۔

انور (ہچکچاتے ہوئے) دراصل میاں جی میرا خیال ہے میں اور نذر عباس مل کر شہر میں کچھ کاروبار کرنے کی سوچ رہے تھے۔

حشمت : (بے تحاشا ہنستا ہے) اوئے انور تو تو سچ مچ جوان ہو گیا ہے۔ سوچنے بھی لگا ہے (ایک دم رنجیدہ ہو کر) پر پتر جو کچھ کرنا ہے زمینوں پر رہ کر کرو۔ شہر مجھے اچھا نہیں لگتا۔

انور : آپ خود ہی تو کہہ رہے ہیں کہ شہر چلا جاؤں۔ وہاں کچھ تو کرنا چاہیے مجھے۔

حشمت ، یہ بات بھی ٹھیک ہے پر میں تو تجھے چند دنوں کے لیے بھجوا رہا ہوں۔ جا وہاں گھوم پھر۔ عیش کر۔ تیرا دماغ کاروبار والا نہیں پتر۔

انور : (لاڈ سے) پھر بھی میاں جی۔ آپ مجھے موقع تو دیں۔

حشمت : کیا کاروبار ہے تیری نظر میں۔

انور : جی .... وہ —— ف —— فلم بنائیں گے جی۔

حشمت : فلم بناؤ گے —— تم اور نذر عباس۔ دیکھ پتر جس کام کا پتہ نہ ہو۔ اس میں ہاتھ نہیں ڈالنا چاہیئے پھر تو شریفوں کا —— معزز خاندان کا چشم و چراغ ہے فلموں والے لوگ اچھے نہیں ہوتے۔

انور : ہم نے تو فلم بنائی ہے میاں جی۔ بڑا فائدہ ہے اس میں ثقلین پری پیکر بتا رہا تھا کہ چار پانچ لاکھ روپے کے خرچے سے چھ سات ماہ میں چودہ پندرہ لاکھ کا منافع ہو جاتا ہے۔

حشمت ، یہ کون ہے۔ کیا نام بتایا تو نے۔ پری کیا . . .

انور ، پری پیکر —— جی۔

حشمت ، پری پیکر (مزلے کر نام دہراتا ہے) پری پیکر۔ اوئے یہ کیا نام ہوا (ہنستا ہے) یہ کوئی مرد ہے۔

انور : ہاں جی میوزک ڈائرکٹر ہے یہ جو گانے ہوتے ہیں نا فلموں میں۔ ان کی موسیقی بناتا ہے۔

حشمت : (ہنستے ہوئے) اچھا اچھا۔ جا بنالے پری پکیر۔ کیسا بے وقوف نام ہے۔

انور : میاں جی ——— وہ ——— کچھ پیسے بھی ———

حشمت : لے لے ——— نیاز علی سے لے لے۔

انور : اس سے نہیں میں نے مانگنے جی۔ ہر بات پر وہ جرح کرتا ہے میں کوئی محتاج ہوں اس کا۔

حشمت : آرام سے پُتر آرام سے۔ چل تو نہ کہہ میں کہہ دوں گا اسے۔

(صغراں ہاتھ میں دودھ کا گلاس لیے آتی ہے۔)

صغراں : سلام علیکم میاں جی۔

حشمت : جیتی رہو۔ صغراں پتر۔ نیاز علی سو گیا ہے۔

صغراں : نہیں میاں جی۔

حشمت : اسے ذرا بھیج میرے پاس (کچھ سوچ کر رکتا ہے)

انور : تو چلا جا بھائی کے پاس۔ اس کو ساری بات بھی بتا دینا۔ صغراں پُتر۔ نیاز علی سے کہنا جتنے پیسے یہ مانگے دے دینا۔

صغراں : اچھا میاں جی۔ آؤ انور۔

انور : تم چلو بھابی میں آتا ہوں۔

صغراں : دودھ لاؤں تمہارے لیے۔

انور : میں ادھر ہی آ کر پیتا ہوں۔

سین ۱۷

(نیاز علی کا بیڈروم۔ نیاز اور انور آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔ صغراں بستر میں لحاف اوڑھے بیٹھی ان کی باتیں سن رہی ہے۔)

نیاز : ٹھیک ہے انور۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ پر تو ساری رقم ایک ساتھ نہ لے جا۔ نئے لوگ ہیں نئی جگہ ہے آدمی کو احتیاط کرنی چاہیے۔

انور : تمہارے خیال میں میں احمق ہوں۔ گدھا ہوں۔ عقل نہیں ہے مجھ میں۔

نیاز : (تحمل سے) یہ بات نہیں انور۔ شہر کے لوگ بڑے چالاک ہوتے ہیں۔ ہاتھ پہ ہاتھ مار کر رقم غائب کر دیتے ہیں تو پچاس ہزار لے جا۔ کام شروع کر۔ جب تجھے ضرورت ہوگی میں پیسے بھجوا دوں گا۔

انور : یہ پیسے کس کے ہیں بھا نیاز علی۔

نیاز : میں تمہارا بڑا بھائی ہوں انور۔ تجھے سمجھانا میرا فرض ہے۔

انور : تم اپنے پاس رکھو اپنا یہ فرض۔ یہ جائداد جتنی تمہاری ہے اتنی ہی میری بھی ہے۔ میں چاہے اپنے حصے کو آگ لگا دوں چاہے اسے دریا میں بہا دوں۔ تمہیں کیا۔

نیاز علی : (ذرا بلند آواز میں) انور۔ ٹھیک ہے تم جاؤ میں میاں جی سے بات کر کے صبح تمہیں جواب دوں گا۔

انور : (صغراں سے) اسے بتاؤ بھابی۔ میاں جی نے کیا کہا تھا۔

صغراں : انور ٹھیک کہہ رہا ہے۔ میاں جی نے کہا ہے جو یہ مانگے اسے دے دو۔

نیاز : (مٹھیاں بھینچتے ہوئے) ایک تو میاں جی بھی ـــ ٹھیک ہے۔ رقم تمہیں صبح مل جائے گی۔

انور : (اٹھتے ہوئے) دس بجے سے پہلے۔ (دروازے میں رک کر طنزیہ انداز میں) یعقوب چچا کو کوئی پیغام دینا ہو تو بتا دو۔

نیاز : انہیں سلام کہنا میرا۔ میں دو چار دن میں خود آؤں گا۔ ان سے ملنے۔

انور : بڑے شوق سے ملنا۔ لیکن مہربانی کر کے میرے بارے میں کوئی بات نہ کرنا۔ میں تنگ آچکا ہوں۔ تمہاری بندگی کے اس سائے سے۔ مجھے نہیں چاہیے سرپرستی کسی کی۔

(انور جاتا ہے نیاز علی چند لمحے تشویش کے عالم میں کمرے میں ٹہلتا ہے پھر صغراں سے مخاطب ہوتا ہے)

نیاز : اس کی باتیں سنی ہیں نا تم نے

صغراں : میرے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے نیاز صاحب۔ ہمارے خاندان کی ہر نسل میں عورتیں مردوں کے اس قسم کے جھگڑے دیکھتی آتی ہیں۔ یہی تو ایک تفریح ہے ہمارے لیے۔

نیاز : مجھے ڈر ہے میں کسی دن غصے میں اس پر ہاتھ نہ اٹھا بیٹھوں۔

صغراں : ایسا نہ کرنا چودھری صاحب آپ کے ایسا سوچنے سے پہلے انور آپ پر ہاتھ اٹھا چکا ہو گا۔ اس کو یہ بات میاں جی سے ورثے میں ملی ہے۔

(نیاز کا کلوز۔ غصے میں کچھ سوچ رہا ہے۔)

سین ۱۸

(دلاور ایک دروازے پر دستک دیتا ہے۔ صادق دروازہ کھولتا ہے حیرت سے دلاور کی طرف دیکھتا ہے۔)

دلاور : تم صادق ہو۔

صادق : ہاں کیا بات ہے؟

دلاور : تم کل چودھری نذر عباس کے ساتھ سکندر پور آئے تھے۔

صادق : (ایک دم گھبرا کر) میں... ہاں ـــ مگر تم کون ہو۔

دلاور : چلو ادھر جیپ میں بیٹھو

صادق : تم۔ تم پولیس والے تو نہیں لگتے۔

دلاور : میں پولیس والا نہیں ہوں۔ مگر مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔ چلو۔

صادق : (ہمت مجتمع کرتے ہوئے) جو بات کرنی ہے۔ یہیں کرو۔ میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔

(دلاور صادق کے منہ پر ایک زور کا تھپڑ مارتا ہے۔ اسے گریبان سے گھسیٹ کر زمین پر گراتا ہے۔ پستول اس کے سینے پر رکھتا ہے۔ خوفناک سرگوشی کے انداز میں بولتا ہے۔)

دلاور : چپ چاپ جیپ میں بیٹھ جاؤ ——— ورنہ چھ کی چھ گولیاں اتار دوں گا تمہارے جسم میں اٹھو۔

صادق : (سخت دہشت کے عالم میں) مم ۔مم .... مگر ....

دلاور : اٹھتے ہو یا ———

(صادق سخت دہشت زدہ انداز میں آگے آگے چلتا ہے۔ جیپ میں بیٹھتا ہے۔ دلاور جیپ سٹارٹ کرتا ہے۔)

سین ۱۹

(دلاور نے صادق کو ایک درخت کے ساتھ باندھ رکھا ہے۔ صادق سخت دہشت زدہ ہے۔ گڑگڑا رہا ہے۔)

صادق : خدا کے لیے گولی نہ چلا ... میری ماں مرے جو میں جھوٹ بولوں ... میں کسی فتح شیر کو نہیں جانتا .... میں نے تو آج تک لنڈ پور کی شکل بھی نہیں دیکھی ....

دلاور : (اپنے آپ سے) یہ کیسے ہو سکتا ہے .... ؟ جیپ میں انور اور مولا داد کے علاوہ ملجا تم اور نذر عباس تھے ... تمہیں تینوں میں سے کوئی فتح شیر ہے ..... مگر ....

صادق : اللہ پاک کی قسم ہے بھائی ... میرے بچے مریں جو جھوٹ بولوں میں کسی فتح شیر کو نہیں جانتا۔

دلاور : مولا داد بتا رہا تھا کہ تم نذر عباس کے لئے سارے غیر قانونی کام کرتے ہو .... پر ایسے کام کرنے والے اتنے بزدل تو نہیں ہوتے .....

صادق : پیٹ کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے بھائی ....

دلاور : شائد چاچا حیات محمد کی نظر واقعی کمزور ہو گئی ہے۔

صادق : جی۔

دلاور : تجھ سے نہیں کہہ رہا ..... مجھے سوچنے دے۔

سین ۲۰

(یعقوب فون پر کسی سے بات کہہ رہا ہے فرخ اور شکیلہ خاموش بیٹھے ہیں۔ یعقوب فون کے دوران ان کی خاموشی نوٹ کرتا ہے۔)

یعقوب : ارے بھئی ٹھیک ہے .... اب بس بھی کرو .... ہفتے میں ایک دن ہوتا ہے۔ چھٹی کا، وہ

بھی تم لوگ غارت کر دیتے ہو۔۔۔۔ ہوں۔۔۔ ارے بھئی دے دو۔۔۔ ہاں ہاں دو چار ہزار سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔۔ یہ کلرک بڑی زبردست قوم ہے۔۔۔ کسی فائل پر بیٹھ جائے تو لاکھوں کا چکر روک دیتا ہے۔۔۔۔ دفع کرو، پانچ ہی دے دو۔۔۔ مگر کاغذات کل دوپہر تک میری میز پر ہونے چاہئیں۔۔۔۔ At any cost آہ۔۔۔۔ ہوں۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔۔ اچھا بھئی باقی باتیں پھر۔۔۔۔ (بلند آواز میں) میرا بھتیجا آیا ہوا ہے فرخ۔۔۔۔ اور سخت بور ہو رہا ہے۔ میرے اس فون سے (فرخ ایک رسمی مسکراہٹ دیتا ہے۔ جیسے کہہ رہا ہو۔ نہیں نہیں۔۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں) خدا حافظ۔

(یعقوب فون رکھ کر ان کی طرف آتا ہے۔)

یعقوب: بھئی معاف کرنا برخوردار۔۔۔۔ دراصل یہ بزنس کے بکھیڑے کچھ ایسے ہیں کہ جان نہیں چھوڑتے۔۔۔۔ اور پھر میں اکیلا آدمی۔۔۔ اتنا زیادہ کام اب مجھ سے ہوتا نہیں۔۔۔ یہ تو تمہارے جیسے کسی جوان آدمی کے کرنے کا کام ہے۔۔۔ امتحان کب ہو رہے ہیں تمہارے۔

فرخ: جی۔۔۔ جولائی میں۔۔۔

یعقوب: لاحول ولاقوۃ۔۔۔۔ کیسا بیہودہ سیزن چنا ہے، ان لوگوں نے امتحان کے لیے۔۔۔ بھئی جولائی میں تو بڑی سخت گرمی ہوگی۔۔۔۔

فرخ: جی،۔۔۔۔ وہ تو ہے مگر۔۔۔ یہ شیڈول تو کئی سالوں سے بگڑا ہوا ہے۔

یعقوب: تمہارے امتحان بھی جولائی میں ہی ہیں شکیلہ بیٹی۔

شکیلہ: جی، ابو۔۔۔ ان کے ساتھ ہی ہیں۔۔۔۔

یعقوب: بھئی میں کروں گا یہ بات تمہارے وائس چانسلر صاحب سے۔۔۔ میرے بہت اچھے ملنے والے ہیں۔۔۔ یہ امتحانات وغیرہ تو موسم بہار میں ہونے چاہیں۔۔۔۔ کیوں فرخ!

فرخ: جی

یعقوب: بھئی میں بہت دیر سے نوٹ کر رہا ہوں تم دونوں بہت چپ چپ ہو۔۔۔ کوئی بات بھی نہیں کر رہے ایک دوسرے سے۔۔۔ نوجوانوں کے پاس تو سنا ہے۔ موضوعات کا ڈھیر ہوتا ہے۔ گفتگو کے لیے۔۔ کوئی ناراضگی ہے؟

شکیلہ: نہیں ابو۔۔۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔۔۔ فرخ بھائی کوئی بات ہی نہیں کر رہے۔

یعقوب: تو بھئی فرخ۔۔۔۔ اب فرد جرم تو تم پر عائد ہو گئی ہے۔۔۔۔ تم اپنی صفائی میں کیا کہنا چاہتے ہو۔ (ہنستا ہے۔)

فرخ: کچھ نہیں یعقوب چچا۔۔۔ دراصل میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔۔۔۔

یعقوب: (کچھ یاد کرتے ہوئے) اوہ۔ ایک منٹ۔۔۔۔ ایک چیز ہے میرے پاس تم دونوں کے لئے۔۔۔۔ میں ابھی آیا۔

(یعقوب جاتا ہے فرخ اور شکیلہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ پھر سر جھکا لیتے ہیں۔)

شکیلہ: چائے بنوا دوں آپ کے لیے ....

فرخ: نہیں ــ ابھی تو پی ہے۔

شکیلہ: ایک کپ اور پی لیں ... کافی بنوا دوں۔

فرخ: شکریہ .... میں دن میں کافی نہیں پیتا۔

شکیلہ: اور میں اگر رات کو پی لوں تو دو بجے تک نیند نہیں آتی ....

(دونوں پھر خاموش ہو جاتے ہیں۔ فرخ کسی گہری سوچ میں شکیلہ ناخن کھرچنے لگتی ہے۔)

(یعقوب ایک لفافہ ہاتھ میں لیے آتا ہے۔)

یعقوب: ارے تم لوگ پھر چپ بیٹھے ہو.... دیکھو بچو.... جوان لوگ اداس اور خاموش بیٹھے اچھے نہیں لگتے۔ یہ عمر ہنسنے کھیلنے کی ہے .... لو .... یہ ایک بڑے مزیدار شو کا کارڈ ہے ..... تم دونوں دیکھ آؤ ....

شکیلہ: یہ کیا ہے ابو ....

یعقوب: چینی بازیگر آئے ہوئے ہیں بیٹی شہر میں.... آج سات بجے ان کا شو ہے اوپن ایر تھیٹر میں... تمہاری امی کی طبیعت ٹھیک نہیں .... اس لیے میں تو جا نہیں سکتا .... تم دونوں ہو کر آؤ۔

فرخ: (لفافہ لے کر پڑھتے ہوئے) مگر یہ تو مسٹر اینڈ مسز یعقوب کے نام کا ہے ....

یعقوب: ارے بھئی وہاں تم سے کوئی نہیں پوچھے گا.... مگر ہاں ذرا جلدی چلے جانا.... ورنہ اچھی سیٹ نہیں ملے گی۔

فرخ: (گومگو کے عالم میں) مگر.... چچا.... وہ۔

یعقوب: بھئی شکیلہ بیٹی۔ تم ہی سمجھاؤ اسے .... اگر مگر بہت کرتا ہے یہ ہر بات میں۔

شکیلہ: لیکن ابو.... اگر فرخ بھائی کا موڈ نہیں ہے تو رہنے دیں۔

یعقوب: لو۔ ایک تو یہ بڑی مصیبت ہے۔ لگتا ہے تم جوان لوگوں نے مجھ بوڑھے کے خلاف اتحاد کر لیا ہے۔ میں کچھ نہیں سنوں گا۔

(گھڑی دیکھتے ہوئے)

چلو بھاگ جاؤ تم دونوں۔ چھ بجنے والے ہیں۔ اٹھو۔

شکیلہ: (لاڈ سے ہنستے ہوئے) اچھا میں کپڑے تو بدل لوں۔

یعقوب: یہ جس فیشن کے کپڑے آج کل تم لوگ پہنتے ہو۔ مجھے تو ان کے بدلنے نہ بدلنے کا کوئی خاص پتہ

نہیں چلتا ... (ہنستا ہے)

انور : (دروازے سے آواز دیتا ہے) السلام علیکم۔

(یعقوب ہنستے ہنستے ایک دم رکتا ہے۔ انور کو دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ بدلتا ہے پھر اپنے آپ کو قابو میں کرتے ہوئے بڑی محبت سے اس کی طرف بڑھتا ہے۔)

یعقوب : (انور کو گلے سے لگاتے ہوئے) تم کب آئے؟

انور : بس جی سیدھا ہی آ رہا ہوں۔

یعقوب : اس طرح اچانک بغیر اطلاع دیئے۔ خیریت تو ہے۔

انور : بالکل خیریت ہے۔

(فرخ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہے۔)

یعقوب : یہ میرے ایک بہت ہی عزیز مرحوم دوست کا بیٹا ہے۔ فرخ اور فرخ یہ انور ہے میرا بھتیجا۔

فرخ : (ہاتھ ملاتے ہوئے) بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔

(انور چند لمحے غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ پھر مسکرا کر صوفے پر بیٹھ جاتا ہے۔)

انور : تمہارا کیا حال ہے شکیلہ؟

شکیلہ : میں بالکل ٹھیک ہوں انور بھائی۔

انور : (اِدھر اُدھر دیکھ کر) چچی جان نظر نہیں آ رہیں۔

یعقوب : اس کی ذرا طبیعت خراب ہے۔ اندر اپنے کمرے میں ہے۔ جاؤ مل آؤ۔

انور : اچھا جی۔

(جاتے جاتے رکتا ہے)

میرے دو تین آدمی ہیں باہر۔ ان کا ذرا انتظام کرا دیں۔ میاں جی نے تاکید کی تھی کہ اس بار میں آپ ہی کی طرف رہوں۔

یعقوب : (ہنستے ہوئے) ہاں ہاں کیوں نہیں۔ یہ گھر ہے کس کا۔

(انور اندر جاتا ہے۔ یعقوب کے چہرے کے تاثرات بدلتے ہیں یک دم۔ چند لمحے کچھ سوچتا ہے پھر بڑبڑاتا ہے۔)

یہ مصیبت کہاں سے آ گئی ہے۔

شکیلہ : (بیزاری سے) اف توبہ اب یہ یہاں رہیں گے۔

یعقوب : میں کرتا ہوں کچھ اس کا بندوبست۔ یوں کرو تم فوراً نکل جاؤ۔ شاباش۔ چابی باہر ڈرائیور کے پاس ہے۔ بلکہ اسے چھوڑ ہی جاؤ۔ تم خود ہی ڈرائیو کر لینا شکیلہ۔

شکیلہ : ٹھیک ہے ابو۔ آیئے فرخ بھائی۔

فرخ : (بے خیالی میں) اچھا... اچھا چچا خدا حافظ۔

(سپر رکتے ہوئے)

میں ذرا چچی جان کو سلام کرلوں۔

یعقوب : (روکتے ہوئے) اوہوں۔ بھئی میں پہنچا دوں گا۔ تمہارا سلام۔ تم جاؤ۔ دیر ہو رہی ہے۔

(شکیلہ اور فرخ نکلتے ہیں۔ دوسری طرف سے انور داخل ہوتا ہے انہیں جاتے دیکھتا ہے۔)

انور : یہ کہاں جا رہے ہیں؟

یعقوب : (بات بنانے کی کوشش) یہ.... فرخ کی امی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔ ہاسپٹل میں ہیں وہ میں نے شکیلہ کو بھیجا ہے۔ ذرا ان کی خبر لے آئے۔ بیٹھو نا تم کھڑے کیوں ہو؟

(انور ایک نظر یعقوب پر ڈالتا ہے پھر کچھ سوچتے ہوئے بیٹھتا ہے۔)

انور : آپ نے شکیلہ کو بہت زیادہ آزادی دے رکھی ہے۔

یعقوب : بھئی شہری ماحول کے کچھ اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ ویسے بھی لڑکیوں میں خوداعتمادی ہونی چاہیئے۔

انور : عورت کا مقام گھر کے اندر ہوتا ہے چاچا۔ مجھے یہ بالکل پسند نہیں ہے۔

یعقوب : بھئی وہ ایم اے میں پڑھتی ہے۔ گاڑی خود چلاتی ہے بیڈمنٹن کھیلتی ہے۔ راؤنڈنگ کرتی ہے۔

انور : یہ سب باتیں تو صغراں بھابی میں بھی تھیں مگر ان کا فائدہ کیا ہے؟

سین ۲۱

(جلیبے چلائے والے کی دکان)

تاجا : پر ماسٹر جی اس میں ہمارا نقصان کیا ہے۔ خرچہ تو سارا وڈے چودھری صاحب کریں گے۔

بخشو : آنا جانا کھانا پینا سارا انتظام انہوں نے کیا ہوا ہے۔

مہنگا : بسیں صبح مسیت کے ساتھ والے میدان میں آجائیں گی۔ مزے سے ہنستے کھیلتے جائیں گے۔ گورنر ہوس کے باہر ادھے گھنٹے کا مظاہرہ ہے۔ شام کو فلم دیکھ کے گھر کو آجائیں گے۔

ماسٹر : یہ بات اتنی آسان نہیں ہے برخوردار مہنگے۔ وہاں گڑبڑ بھی ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے گورنمنٹ سخت ایکشن لے لے۔ خواہ مخواہ اندر ہو جائیں گے کچھ لوگ۔

بخشو : پر ماسٹر جی ہم نے کوئی دنگا فساد تھوڑا کرنا ہے۔ ایک جلوس نکالنا ہے چھوٹا سا۔

ماسٹر : جلوسوں پر پابندی لگی ہوئی ہے پتر بخشو۔ میں نے ابھی کل اخبار میں پڑھا تھا۔

تاجا : آپ کیوں خواہ مخواہ ان کو ریکار رہے ہیں ماسٹر جی۔ چودھری ریاست علی صاحب شہر پہنچ چکے ہیں۔ گورنر صاحب سے ان کی بات چیت شروع ہو گئی ہے ہمارا مظاہرہ تو صرف دباؤ ڈالنے کے لیے ہے۔

علم دین: برخوردار محمد رشید کہہ رہا تھا کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ حکومت کا اٹل فیصلہ ہے۔

بخشو: آدمی کا منہ چنگا نہ ہوئے تو اس کو بات ہی اچھی کرلینی چاہیئے۔

مہنگا: (مذاق اڑانے والے لہجے میں) علم دین کا پتر چار جماعتیں کیا پڑھ گیا ہے ہمارے پنڈ کی تو شامت ہی آگئی ہے۔

(نقل اتارتے ہوئے)

برخوردار محمد رشید یہ کہتا ہے۔ برخوردار محمد رشید وہ کہتا ہے۔ اپنے برخوردار کو باندھ کے رکھ علم دین بڑے چودھری صاحب کو کسی دن غصہ آگیا تو محمد رشید کو اس کی برخورداری سمیت ہسپتال بھجوا دیں گے۔

ماسٹر: تمہیں شرم آنی چاہیئے مہنگے۔ علم دین تمہارے باپ کی عمر کا ہے۔

مہنگا: اس کو بھی تو سمجھاؤ نا ماسٹر جی۔ اب ایک کام اگر پورے گاؤں کی بہتری کے لیے ہو رہا ہے تو اسے کیا ضرورت ہے اس میں روڑے اٹکانے کی۔

ماسٹر: ہم یہاں لڑنے کے لیے نہیں آئے مہنگے۔۔۔ جب گاؤں کے چار سجن ایک جگہ بیٹھ کر کوئی ایسی بات کرتے ہیں جس کا تعلق پورے گاؤں سے ہو تو ہر آدمی کو بات کرنے کا موقع دینا چاہیئے۔ سب کی بات غور سے سننی چاہیئے۔

تاجا: اس طرح تو ساری عمر لوگوں کی باتیں سننے میں گزر جائے گی۔ ماسٹر جی۔۔۔۔ اب اگر چودھری صاحب نے گاؤں کی فلاح کے لیے ایک کام شروع کیا ہے تو ہم سب کو ان کا ساتھ دینا چاہیئے۔۔۔۔ اگر ہمارا گاؤں ڈیم کے چکر سے نکل گیا۔ تو اس میں ہم سب کا فائدہ ہے۔۔۔۔ کیوں بھائیو۔۔۔۔

فضل کریم: تاجا ٹھیک کہہ رہا ہے ماسٹر جی۔ کیوں جیلے۔

جیلا: میری تو صرف ایک تمنا ہے۔ بھائی فضل کریم۔۔۔۔ اللہ کی اس اتنی بڑی زمین میں مجھے وائی بیجی کے لیے ایک ٹکڑا ایسا مل جائے جو میرا اپنا ہو۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے۔ چاہے وہ یہاں ہو چاہے کسی اور جگہ۔

بخشو: تجھ سے تو بات کرنی ہی فضول ہے۔۔۔ بلی کو خواب میں چھیچھڑے نظر آتے ہیں اور تجھ کو زمین۔

مہنگا: تو دعا کر جیلے۔۔۔ اگر ہمارا پنڈ بچ گیا تو میں تجھے وڈے چودھری صاحب سے زمین لے کر دوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔۔۔

مہنگا: (ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہوئے) اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔۔ میں بھی جیلوں گا صبح تمہارے ساتھ منا ہرے میں۔۔۔

(کیمرہ ماسٹر کے چہرے پر آتا ہے جو کسی گہری سوچ میں غرق ہے۔)

سین نمبر ۲۲

(علم دین کا گھر)

رشید: آپ ان سب لوگوں کو سمجھایئے ماسٹر جی۔۔۔ انہیں اندازہ نہیں کہ یہ آگ سے کھیلنے جا رہے ہیں۔

ماسٹر: میں نے بہت سمجھایا ہے بیٹے... مگر ان کی سمجھ میں میری بات نہیں آتی۔

رشید: چودھری اپنے مفاد کے لیے بے گناہ لوگوں کو مروا دیں گے...

ماسٹر: چودھریوں کے آدمی گھر گھر جا کے لوگوں کو اکٹھا کر رہے ہیں.... اور یہ صرف ہمارے ہی گاؤں میں نہیں۔ آس پاس کے پندرہ بیس گاؤں میں بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔

رشید: (ہاتھ ملتے ہوئے) اور یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ وہ کیا کرنے جا رہے ہیں... میں خود ملوں گا چودھری حشمت خان صاحب سے۔

علم دین: نہیں بیٹا.... نہیں... میں تمہیں ان کے پاس نہیں جانے دوں گا... جب سے تم وکیل بنے ہو وہ تم سے سخت ناراض ہیں۔

رشید: حالانکہ انہیں تو خوش ہونا چاہیے۔

ماسٹر: وہ خوش نہیں ہوں گے بیٹا، وہ اس علاقے میں اپنے علاوہ کسی کا نام نہیں سننا چاہتے.... علم دین ٹھیک کہتا ہے.... تمہیں چودھری صاحب سے نہیں ملنا چاہیے۔

رشید: مگر ماسٹر جی... اس کا انجام برا ہوگا.... بہت سے لوگوں کو خواہ مخواہ جیل ہو جائے گی۔

ماسٹر: میں انہیں پھر سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔

رشید: میں بھی چلوں گا آپ کے ساتھ...

ماسٹر: تم نہ چلو تو بہتر ہے بیٹا... چودھریوں کے آدمی بڑے ہتھ چھٹ ہیں.... مجھے ڈر ہے کہیں.....

رشید: آپ بالکل فکر نہ کریں ماسٹر جی... اول تو وہ مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتے.... اور اگر کسی نے ہاتھ اٹھایا بھی تو مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ میں اسے روک سکوں۔

ماسٹر: وہ بہت ظالم لوگ ہیں بیٹا۔

رشید: کوئی بات نہیں ماسٹر جی.... میں نے اس گاؤں کا اناج کھایا ہے اس کی ہوا میں سانس لی ہے اگر اس کی خاطر مجھے مار بھی پڑ گئی تو میں سمجھوں گا میں نے اپنی زمین کا قرض ادا کیا ہے۔

سین ۲۳ (ثقلین ایک ہارمونیم لیے بیٹھا ہے۔ ساتھ ایک طبلچی ہے۔)

ثقلین: میں آپ کو ایک اور استھائی سناتا ہوں۔

انور: استھائی کیا بتائی تھی تم نے کیا ہوتی ہے۔

ثقلین: یہ مکھ ہوتا ہے گانے کا سرکار، غزل کا مطلع سمجھ لیں...

(ایک ڈمی استھائی کو بغیر لفظوں کے سناتا ہے) انترا اس کے بعد ہوتا ہے۔

انور: اچھا۔ سناؤ۔

ثقلین: (طبلے والے کو اشارہ کرتا ہے گاتا ہے۔) جو بھی کچھ ہے محبت کا پھیلاؤ ہے۔

انور: یار ماسٹر ... تیری آواز بہت بُری ہے۔
ثقلین: آپ میری آواز پہ نہ جائیں سرکار... بول اور راگ سنیں... ویسے بھی فارسی کے کسی شاعر نے کہا ہے کہ آواز سگاں کم نکند رزق گدارا۔
تو عرض کیا ہے .... جو بھی کچھ ہے محبت کا پھیلاؤ ہے
تیرے میرے ابد کا کنارہ ہے یہ
استعارہ ہے یہ۔
انور: یہ تو بڑا مشکل گانا ہے... کوئی آسان سا سناؤ...
ثقلین: ببلے .... چل ذرا تو اپنا پانی کا ببلا سنا چودھری صاحب کو۔
ببلہ: اچھاجی۔
ثقلین: یہ لیجئے چودھری صاحب... ذرا اس کے سانس کے کمال دیکھئے... میرا شاگرد ہے یہ۔
(ببلہ اپنے گانے کا پہلا بند سناتا ہے۔ انور بڑے حیرت آمیز انداز میں اسے سنتا ہے۔)
انور: واہ بھئی واہ .... یہ بہت اچھی چیز ہے۔ اسے ہم رکھیں گے اپنی فلم میں۔
ثقلین: (ساتھیوں سے) اچھا اب تم لوگ جاؤ مجھے چودھری صاحب سے ایک پرائیویٹ بات کرنی ہے۔
(ببلا انور کی طرف اشارہ کرتا ہے جیسے ثقلین سے اس کے بارے میں کوئی بات کہہ رہا ہو) اچھاہاں ... چودھری صاحب ان کو ذرا فارغ کردیں...
انور: کیا مطلب...
ثقلین: یہ تو دیہاڑی دار ہیں ناجی۔ ان کو ریہرسل فیس ہم روز کے روز دیتے ہیں۔
انور: (سمجھتے ہوئے۔ جیب میں ہاتھ ڈالتا ہے) اچھا اچھا... کتنے پیسے ہیں۔
ثقلین: (گنتے ہوئے) بس آپ ایک لالولال دے دیں۔
انور: (حیرت سے) لالولال۔
ببلہ: بڑا قائداعظم ؟؟
ثقلین: سو کا نوٹ مانگ رہے ہیں۔
انور: ایک تو تم لوگ باتیں بڑی عجیب زبان میں کرتے ہو... یہ لو .... اور یہ تمہارا انعام ہے۔
(ببلے کو سو کا ایک نوٹ دیتا ہے۔ ثقلین اسے آنکھ لگاتا ہے کہ لے لو۔)
ببلہ: اللہ آپ کو اور دے چودھری جی۔ سلام علیکم۔
(دونوں کے جانے کے بعد ثقلین انور کے قریب ہو کر رازدارانہ انداز میں بات

کرتا ہے۔)

ثقلین : ابھی آگے بہت خرچ ہیں چودھری صاحب ۔ ذرا ہاتھ روک کر خرچ کریں . . .

انور : خرچے کی تم فکر نہ کرو . . . پردہ ہیروئن کہاں ہے . . . . جن سے تم نے مجھے ملوایا تھا

ثقلین : اس جمعے کو اخباروں میں ہماری پروڈکشن کا اشتہار آرہا ہے پھر دیکھئے گا آپ ہر طرف لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں گی . . .

(انور مسکراتا ہے ثقلین آداب کرتا ہے ۔)

سین ۲۴

(ایک سینک بار کے باہر فرخ اور شکیلہ کار میں بیٹھے آئس کریم کھا رہے ہیں دوسری طرف سے شوکت بیگم اور سیمیں آرہے ہیں۔ ماں بیٹی کے ہاتھ میں کچھ پیکٹ ہیں جیسے شاپنگ سے آرہے ہیں۔)

شکیلہ : اوہو ایک تو یہ لوگ نیپکن نہیں دے کے جاتے . . . . (ہارن دیتی ہے)

فرخ : ٹھہرو میں لے کر آتا ہوں۔

(فرخ دروازہ کھول کر باہر نکلتا ہے نیپکن لے کر آتا ہے۔ نیپکن شکیلہ کو دے کر اپنی کار کا دروازہ کھولنے لگتا ہے ایک دم رک جاتا ہے سامنے سیمیں کھڑی سخت اور حیرت اور افسوس سے اس کی طرف دیکھ رہی ہے۔ سیمیں پہلے شکیلہ کی طرف پھر فرخ کی طرف دیکھتی ہے ۔ فرخ کچھ کہنے کے لیے منہ کھولتا ہے۔)

قسط نمبر ۱۲

سین ۱

(موٹر میں شکیلہ اور فرخ خاموش بیٹھے ہیں۔ شکیلہ دو ایک بار ایسی نظروں سے فرخ کی طرف دیکھتی ہے جیسے کچھ کہنا چاہ رہی ہو مگر پھر رک جاتی ہے۔ فرخ کے چہرے سے سخت پریشانی ہویدا ہے۔ شکیلہ بالآخر فرخ کو مخاطب کرتی ہے)

شکیلہ:- ایک بات پوچھوں فرخ بھائی؟

فرخ (بے خیالی میں) اوں۔ کیا؟

شکیلہ:- آپ میں اور سیمیں میں کچھ جھگڑا ہے کیا؟

فرخ:- (حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر) تم۔ تم سیمیں کو جانتی ہو۔

شکیلہ:- جی ہاں۔ بہت اچھی طرح۔ اسی لئے تو پوچھا ہے۔ آپ کی اور اس کی تو غالباً خاصی انڈرسٹینڈنگ ہے، ہے نا۔

فرخ:- تمہیں کیسے پتہ چلا۔

شکیلہ:- یونیورسٹی میں تو ایسی باتیں آگ کی طرح پھیلتی ہیں فرخ بھائی۔

فرخ:- ہاں۔ وہ۔ دراصل کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کیا معاملہ ہے۔

شکیلہ:- میرا خیال ہے وہ آپ کو میرے ساتھ دیکھ کر ناراض ہو گئی ہے۔

فرخ:- (بے خیالی کے انداز میں) ہاں۔ شاید۔

شکیلہ:- مگر فرخ بھائی۔ معاف کیجئے گا یہ تو بڑی فلش سی بات ہے۔ اتنی انڈرسٹینڈنگ کے بعد اگر آدمی اتنی ذرا سی بات پہ۔۔ I mean ۔۔۔ آدمی میں کچھ تھوڑی بہت TOLERANCE کچھ ایک دوسرے پر اعتماد ہونا چاہیئے

فرخ:- یہ بات نہیں شکیلہ۔ دراصل۔ خیر چھوڑو۔ لمبا قصہ ہے۔ تم بور ہو گی۔ ایسا کرو مجھے میرے گھر اتار دو۔

شکیلہ:- شاید ابا جان کھانے پر ہمارا انتظار کر رہے ہوں۔

فرخ:- تم ان سے میری طرف سے معذرت کر لینا۔ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔

شکیلہ:- As you like

(گاڑی ایک موڑ مڑتی ہے) کٹ

سین ۲

(جیلے کی دکان)

رشید :۔ (سمجھانے کے انداز میں) دیکھو بھائی فضل کریم ۔ تم دراصل میری بات نہیں سمجھ رہے ۔ میرے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مجھے اپنے گاؤں سے ، اس کی مٹی سے محبت نہیں ہے ۔ مجھے بھی تمہاری طرح اسے چھوڑنے کا بہت رنج ہے ۔

فضل کریم :۔ رنج ہے تو مظاہرے کی مخالفت کیوں کر رہے ہو ۔

رشید :۔ اس لئے کہ یہ بے فائدہ ہے ۔ ڈیم نے بننا ہے اور یہ بن کے رہے گا ۔

جیلا :۔ مگر بھائی رشید ہنگا بتا رہا تھا کہ چودھری صاحب نے سارا معاملہ سیٹ کر لیا ہے ۔ اوپر بات ہو چکی ہے اور اب صرف ایک مظاہرے کی کسر ہے ۔

ماسٹر :۔ کیسی باتیں کرتے ہو بھائی جیلے ۔ یہ اربوں روپے کا منصوبہ ہے ۔ حکومت اسے کسی چودھری حشمت یا چودھری ریاست کی تڑی میں آ کر ختم نہیں کر سکتی اور پھر یہ بھی تو سوچو کہ اس ڈیم کے بننے سے ملک کو کتنا فائدہ ہو گا ۔ یہ جو ہزاروں لاکھوں ایکڑ اراضی پانی کی کمی کی وجہ سے غیر آباد اور بنجر پڑی ہے اس ڈیم کی وجہ سے کاشت کے قابل ہو جائے گی ۔

رشید :۔ بے شمار لوگوں کو اس سے روزگار مہیا ہو گا ۔ ملک کی پیداوار بڑھے گی ۔ لوگوں میں خوشحالی آئے گی ۔

یار محمد :۔ یہ ساری باتیں اپنی جگہ پہ ٹھیک ہیں بھائی رشید ۔ مگر یہ بھی تو سوچو زمین آدمی کی ماں برابر ہوتی ہے ہم اپنی ماں کو کیسے چھوڑ دیں ۔

رشید :۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بھائی یار محمد ۔ ہم سب کے بزرگ پتہ نہیں کہاں کہاں سے آ کر اس زمین پر آباد ہوئے تھے ۔ رزق کی تلاش میں اللہ کی زمین پر پھرنا انسان کے مقدر میں ہے ۔

ماسٹر :۔ اور پھر یہ ہجرت تو پوری قوم کے فائدے کے لئے ہے ۔ کیا اس گاؤں کی زمین تمہارے لئے مادرِ وطن سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے ۔

یار محمد :۔ (بغلیں جھانکتے ہوئے) مگر ۔ ۔ ۔ جی ۔ ۔ ۔ وہ ۔

ماسٹر :۔ ہجرت تو ہمارے نبی کریمؐ کی سنت ہے گھر چھوٹنے کا دکھ تو بڑا ہوتا ہے پر ذرا سوچو کہ ہمارے دکھ کے اس پیڑ سے آنے والے موسم میں سکھ کے کیسے کیسے پھول مہکیں گے ۔

علم دین :۔ ماسٹر جی ٹھیک کہہ رہے ہیں یار محمد ۔ ہم تم ان چار ہاتھ پاؤں سے روٹی کھانے والے لوگ ہیں ۔ تمہیں تو اپنی محنت کا پھل کھانا ہے ۔ یہ مظاہرے اور ہنگامے تو چودھری لوگ اپنے مفاد کی خاطر کر رہے ہیں ۔

فضل کریم :۔ (خوف زدہ انداز میں) آہستہ بات کر چاچا ۔ چودھری حشمت کو پتہ چل گیا تو مصیبت پڑ جائے گی ۔

رشید :۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تم لوگ چودھری صاحب سے اتنا ڈرتے کس لئے ہو ؟ ہم سب پاکستان کے آزاد شہری

ہیں۔ ہمارے حقوق ہیں جن کی حفاظت کے لیے حکومت نے اتنے قانون اتنے محکمے بنا رکھے ہوئے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ تم لوگوں کو اپنے حقوق کا پتہ نہیں۔

فضل کریم (خوف زدہ انداز میں اٹھتے ہوئے) اچھا جی تم اپنے حقوق کی حفاظت کرو۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میں تو چلا۔

یار محمد:۔ ٹھہرو میں بھی چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔ کہیں یہ اپنے ساتھ ہمیں بھی نہ مروا دیں۔

(فضل کریم اور یار محمد جاتے ہیں چند لمحے خاموشی۔ جیلا ماسٹر کے آگے چائے رکھتا ہے)

ماسٹر:۔ سنا ہے، تم بھی جا رہے ہو جیلے۔

جیلا:۔ (دست پٹاتے ہوئے انداز میں) مینگے نے مجھ سے وعدہ کیا ہے جی کہ وہ بڑے چودھری صاحب سے کہہ کر مجھے کچھ زمین دلوا دے گا۔ مجھے جانے دیں ماسٹر جی۔

ماسٹر:۔ جاؤ بھئی جاؤ۔ میں تمہیں روکنے والا کون ہوتا ہوں۔ میرا کام سمجھانا تھا سمجھا دیا۔ تم سب لوگ سمجھ دار ہو۔ اپنی مرضی کے مالک ہو۔ اللہ تمہارے حال پہ رحم کرے۔

رشید:۔ میں پھر کہتا ہوں ماسٹر جی آپ مجھے چودھری حشمت صاحب سے بات کرنے دیں۔

(نتھو ایک دم بڑھ کر اس کا بازو پکڑتا ہے اور ہذیانی انداز کی سرگوشی میں بولتا ہے)

نتھو:۔ نہ پُتر نہ۔ وہاں نہ جانا۔ چودھری حشمت آدمی نہیں اپنی حویلی کی ایک دیوار ہے۔ اُچی، پکی اور پتھر کے دل والی۔

رشید:۔ اچھا میں چودھری نیاز سے بات کرتا ہوں۔ وہ تو بڑی ٹھنڈی طبیعت کا ہے۔

نتھو:۔ سپ کی اولاد بھی سپ ہی ہوتی ہے پُتر اس حویلی میں آدم زاد کا گزارہ نہیں وہ سارے سپ ہیں زہریلے اور اُڈنے۔ علم دین اس کو روک۔ اس کو وہاں نہ جانے دینا۔ نہیں تو یہ بھی تیری جیراں کی طرح۔۔۔۔

(رشید کو دونوں ہاتھوں سے روکتا ہے)

نہ پُتر نہ۔ دور رہ۔ اس حویلی سے جتنا ہو سکے دور رہ۔

رشید:۔ تم فکر نہ کرو نتھو چاچا۔ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ آئیے ماسٹر جی۔

علم دین:۔ (قدرے خوف زدہ انداز میں) شام ہو چلی ہے بیٹا محمد رشید۔ اب گھر چلو۔ صبح بات کریں گے باقی لوگوں سے۔

رشید:۔ سویرے تک تو بہت دیر ہو جائے گی ابا جی۔ آپ گھر جائیں میں آجاؤں گا۔ آؤ ماسٹر جی۔

ماسٹر:۔ (پگڑی سر پہ جاتے ہوئے) چلو بھئی۔ چاہ کے پیسے میرے حساب میں لکھ لینا۔

(رشید اور ماسٹر جاتے ہیں۔ نتھو علم دین کے پاس آتا ہے۔)

نتھو:۔ (خوف زدہ سرگوشی میں) سردی زیادہ ہو گئی ہے بھرا علم دین جیراں بہت ڈرتی تھی سردی سے۔ پوری سردیاں کمرے میں انگیٹھی بال کے رکھا کرتی تھی۔ کھوہ میں بڑی سردی لگی ہو گی اس کو۔ میرا خیال ہے اس کو ایک انگیٹھی بال کے دے آؤں۔ ٹھیک ہے نا۔

(علم دین غم زدہ انداز میں اس کا کندھا تھپکتا ہے اور اثبات میں سر ہلاتا ہے۔ نتھو بڑبڑاتا ہوا جاتا ہے۔ علم دین اور جیلا اپنی اپنی جگہ کسی گہری سوچ میں پڑے ہیں) کٹ

سین ۳

(رشید اور ماسٹر مختلف دیہاتیوں سے باتیں کر رہے ہیں۔ انہیں کچھ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک دو آدمی خوف زدہ ہیں۔ دو تین ان کی بات غور سے سنتے ہیں اور اثبات میں سر ہلاتے ہیں) کٹ

سین ۴

(حشمت کی حویلی میں اس کے تمام ملازمین۔ جھنگا۔ نخشو۔ تاجا۔ غوث محمد۔ یار محمد۔ سید گل رب نواز۔ کچھ دیہاتی۔ ان کے علاوہ فضل کریم۔ جیلا۔ نیاز علی اور مولاداد جمع ہیں۔ حشمت سخت غصے میں ہے)

حشمت:۔ اس کمہار کے پتر کی اب یہ جرأت ہو گئی ہے کہ ہمارے خلاف تقریریں کر رہا ہے۔ نیاز علی۔

نیاز:۔ جی میاں جی۔

حشمت:۔ فوراً بندے بھیج اور اس کو بلا ایہاں۔ ذرا میں اس سورمے کی شکل تو دیکھوں۔

نیاز:۔ اچھا میاں جی۔

(دو چار آدمیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اٹھتے ہیں)

حشمت:۔ (آدمیوں سے) اگر وہ سیدھی طرح نہ آئے تو اس کو بن کے لیا ؤ میرے پاس۔ پر ذرا دھیان سے سمجھ گئے ہو کہ نہیں میری بات۔

(تاجا۔ غوث محمد۔ رب نواز وغیرہ منہ پر ڈھاٹے باندھتے ہیں)

تاجا:۔ آپ فکر نہ کریں چودھری جی انشا اللہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی جی۔

حشمت:۔ شاد اشے۔ جاؤ۔

تاجا:۔ (ہچکچاتے ہوئے) ماسٹر جی بھی اس کے ساتھ ہیں جی۔

حشمت:۔ اس کو بھی۔

(ایک دم کچھ سوچ کر رک جاتا ہے)

پر نہیں ماسٹر کو کچھ نہ کہنا۔ اس کو میں خود سمجھاؤں گا۔ تم اس کی بجائے علم دین کو لے آؤ۔ دونوں کی غلط فہمی ایک ساتھ

ہی نکل جائے تو اچھا ہے۔

(آدمی جاتے ہیں حشمت چند لمحے بے قراری سے اِدھر اُدھر ٹہلتا ہے۔)

جلوس کا سارا انتظام مکمل ہو گیا ہے نیاز علی۔

نیاز :۔ جی میاں جی۔ سب بندوبست ہو گیا ہے۔

حشمت :۔ (شاطرانہ انداز میں) ہوں۔

(لہجہ بدل کر باقی لوگوں سے)

میں تو جو کچھ کر رہا ہوں تم لوگوں کے، اس علاقے کے فائدے کے لئے کر رہا ہوں۔ میں تو جب یہ سوچتا ہوں کہ ہمیں اس علاقے سے اپنے بزرگوں کی ہڈیوں اور ان کی یادگاروں کو چھوڑ کر جانا پڑے گا تو میرے کلیجے پر جیسے برچھی لگتی ہے۔ اور یہ کمہار کا پتر وکیل، یہ لوگوں سے کہتا ہے کہ میں یہ سب کچھ اپنے فائدے کے لئے کر رہا ہوں۔ اس نے ساری عمر پیو کو مٹی کی ہانڈیاں، کٹالیاں اور پیالے بناتے دیکھا ہے۔ اُسے کیا پتہ کہ زمین کیا ہوتی ہے۔ اس کی قدر تو تم لوگ جانتے ہو۔

(سب لوگ اثبات میں سر ہلاتے ہیں)

حشمت :۔ نیاز علی۔

نیاز :۔ جی

حشمت :۔ (جانے کے لئے مڑتے ہوئے) علم دین اور اس کا پتر آئے تو انہیں میرے کمرے میں لے آنا۔

(حشمت جاتا ہے۔ مولا داد کا کلوز جو کچھ سوچ رہا ہے) Cut

سین ۵

(حشمت اپنے بستر پر نیم دراز حقہ پی رہا ہے۔ علم دین اور رشید اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ ایک طرف نیاز علی بیٹھا ہے۔ جھنگا، بخشو، تاجا اور مولا داد حکم کے منتظر کھڑے ہیں)

رشید :۔ میں نے عرض کیا ہے چودھری صاحب۔ میں نے آپ کے بارے میں کسی سے کچھ نہیں کہا۔ میں تو صرف لوگوں کو سمجھا رہا تھا کہ۔۔۔۔

حشمت :۔ (مذاق اُڑانے والا لہجہ) سمجھا رہا تھا۔ تُو بڑا دانا ہے۔ حکیم افلاطون ہے۔ اوئے تیرے پیو کی تو ساری عمر گارا گوندھتے لنگھ گئی ہے۔ تُو نے اتنی عقلیں کہاں سے سیکھ لی ہیں۔

رشید :۔ عقل کسی کی جائیداد تو نہیں ہوتی چودھری جی۔ اور پھر میرے باپ نے ساری عمر محنت کر کے حق حلال کی روٹی کمائی ہے۔ آپ کو اس کے پیشے کا مذاق نہیں اڑانا چاہیئے۔

(علم دین اس کا کندھا دباتا ہے کہ چُپ رہو)

حشمت :۔ (تیوڑی چڑھاتا ہے پھر ہنسنے لگتا ہے) بڑا مان ہے تجھے اپنے باپ پر۔ اتنا مان تو کبھی ہم نے اپنے بزرگوں پر نہیں کیا۔ حالانکہ ہم پشتوں سے جاگیردار ہیں۔

رشید :۔ باپ پر مان اس کی جاگیر دیکھ کر نہیں کیا جاتا چودھری جی۔

(علم دین پھر اشارے سے اُسے روکتا ہے)

حشمت :۔ (آتے ہوتے غصّے کو روکتا ہے) اپنے بیٹے کی باتیں سُن رہے ہو علم دین۔۔۔

علم دین :۔ (خوف زدہ انداز میں ہاتھ جوڑتے ہوتے) بچہ ہے چودھری جی۔ آپ اسے معاف کر دیں۔

(رشید دبے ہوئے غصّے سے باپ کے بندھے ہوئے ہاتھوں پر ہاتھ رکھتا ہے)

رشید :۔ کس بات کی معافی مانگ رہے ہیں آپ۔۔۔ کیا کیا ہے مَیں نے ؟

حشمت :۔ (قریب آکر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا ہے) کیا نام ہے تیرا۔

رشید :۔ محمد رشید

حشمت :۔ میں تجھ پر سختی نہیں کرنا چاہتا۔۔۔ رشید۔ اس لئے کہ مجھے تیرے باپ کا لحاظ ہے۔ اس نے ساری عمر ہماری خدمت کی ہے۔ تیرے حق میں یہی بہتر ہے کہ شہر چلا جا۔ غائب ہو جا یہاں سے۔

رشید :۔ مگر کیوں ؟

حشمت :۔ اس لئے کہ یہ میرا حکم ہے؟ تم اس علاقے کے سیدھے سادے لوگوں میں ایک دوسرے سے نفرت پھیلا رہے ہو۔ اور گاؤں کے چودھری کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں اس شخص کو علاقے سے نکال دوں جو امن و امان کو تباہ کر رہا ہے۔

رشید :۔ (حیرت سے) ایں۔۔۔ مَیں تباہ کر رہا ہوں اس علاقے کے امن و امان کو۔

حشمت :۔ ہاں۔۔۔ تم۔۔۔ اس علاقے میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی پل پل کی خبر مجھ کو پہنچتی ہے۔ جب سے تم گاؤں میں واپس آتے ہو مسلسل بک بک کئے جا رہے ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ چار جماعتیں پڑھ کر تمہیں ہمارے صدیوں کے دستور پر تنقید کرنے کا حق مل گیا ہے۔ پر یاد رکھو۔ کمہار کا پتر کمہار ہی رہتا ہے۔

رشید :۔ آپ بار بار مجھے کیوں جتلا رہے ہیں کہ میں ایک کمہار کا بیٹا ہوں۔ میں نے اس سے انکار کب کیا ہے مجھے تو فخر ہے کہ میرا باپ ایک محنت کش آدمی ہے۔ دوسروں کی محنت پر عیش کرنے والا۔۔۔

علم دین :۔ (جھاڑتے ہوتے) بک بک بند کر دو محمد رشید۔

حشمت :۔ (سخت طیش میں) کل دوپہر کے بعد اگر یہ مجھے گاؤں میں نظر آیا تو علم دین سمجھ لینا کہ تمہارا کوئی بیٹا نہیں تھا۔

علم دین :۔ (گڑگڑاتے ہوتے) نہیں چودھری جی نہیں میں اسے سمجھا دوں گا۔ اب یہ کوئی بات نہیں کرے گا۔

رشید سے :۔ چل۔ چل میرے ساتھ۔

(رشید چند لمحے کچھ سوچتا ہے پھر مجبور ہو کر جاتا ہے۔ حشمت اسے جاتا دیکھتا ہے۔

آہستہ آہستہ اس کے چہرے کا تاؤ کم ہوتا ہے۔ بستر پر لیٹ کر حقّے کا ایک کش لیتا ہے)

حشمت :۔ پُتر نیاز علی۔

نیاز :۔ جی میاں جی۔

حشمت :۔ اس وقت مجھے انور بہت یاد آرہا ہے۔

نیاز :۔ (حیرت سے) کیوں میاں جی۔

حشمت :۔ اس لئے کہ اگر وہ تیری جگہ یہاں ہوتا تو علم دین کا بیٹا زندہ سلامت اپنے گھر پہنچتا۔

نیاز :۔ (سخت تاسف کے ساتھ بولتا ہے) پر میاں جی آپ نے تو خود ہی اُسے کل تک کی مہلت دی ہے

حشمت :۔ اس لئے دی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ پتر ۔ ۔ ۔ ۔ اس لئے دی ہے۔

(مولاداد سے کیمرہ نیاز پہ جاتا ہے جو سخت کش مکش میں مبتلا ہے) CUT

سین ۶

(دلاور اپنے بستر پہ دونوں ہاتھ سر کے نیچے دیئے کچھ سوچ رہا ہے۔ دروازے پہ دستک ہوتی ہے۔ پھر مولاداد کے کھانسنے کی آواز آتی ہے۔ دلاور دروازے کی طرف منہ کرکے آواز دیتا ہے۔ خود اٹھ کر بیٹھتا ہے)

دلاور :۔ آجاؤ بھائی مولاداد۔

(مولاداد آتا ہے۔ دلاور اٹھ کر اس سے ہاتھ ملاتا ہے۔ ایک موڑھا کھینچ کر چارپائی کے سامنے رکھتا ہے)

مولاداد :۔ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ دروازے پر مَیں ہوں۔

دلاور :۔ تمہاری کھانسی بڑی مخصوص قسم کی ہے بھائی مولاداد، تم اس کا علاج کیوں نہیں کراتے۔

مولاداد :۔ (افسردگی سے) یہ کھانسی نہیں ہے شہزادے۔ یہ تو میری عمر کے دس سال ہیں جنہوں نے میرے گلے میں یہ پٹہ اور میرے سینے میں یہ الجھن ڈال دی ہے۔

(گلے کی مالا کو چھوتے ہوئے کھانستا ہے)

دلاور :۔ کیا بات ہے آج بہت اُداس لگ رہے ہو تم۔

مولاداد :۔ کچھ نہیں شہزادے۔ بس ایسے ہی کبھی کبھی مجھ پہ دورہ پڑتا ہے۔ بغیر کسی وجہ کے اُداس ہونے کو دل چاہتا ہے۔ کبھی تمہیں بھی خیال آتا ہے شہزادے۔ کہ تم کیا ہو اور جو کچھ کر رہے ہو کیوں کرتے ہو۔

(دلاور چند لمحے غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ پھر زور سے ہنس پڑتا ہے)

دلاور :۔ لگتا ہے آج بھابی سے کچھ ناراضگی ہوگئی ہے۔

مولاداد :۔ نہیں شہزادے وہ تو بڑی اچھی ہے۔ بڑی صبر والی ہے۔ کوئی اور عورت ہوتی تو ۔ ۔ ۔ ۔ پر وہ بڑے حوصلے والی ہے۔ میرے اور شیدے کے لئے دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت کو ہنس کر جھیل لیتی ہے اس لئے تو میری سمجھ میں نہیں آتا میری اس اُداسی کا سبب کیا ہے۔

دلاور :۔ یہ کوئی ایسی انہونی بات نہیں ہے بھائی مولاداد۔ ہر انسان کی زندگی میں ایسے لمحے آتے ہیں جب اسے اپنا وجود بے حقیقت معلوم ہونے لگتا ہے۔ میرے ساتھ بھی اکثر ایسا ہوا ہے۔

مولاداد :۔ تم بڑے ظالم ہو شہزادے۔

دلاور :۔ (حیرت سے) مَیں۔

مولاداد :۔ ہاں۔ جب سے تم نے اس گاؤں میں قدم رکھا ہے میری طبیعت ہی بدل گئی ہے۔ بڑی مشکلوں سے میں نے زندہ رہنے کی ایک راہ نکالی تھی پر تم نے آ کر ۔۔۔ اب کسی پر اٹھنے سے پہلے میرا ہاتھ پھڑکنے لگا ہے۔

دلاور :۔ (مسکراتے ہوئے) چلو یہ تو اچھی بات ہے ۔۔۔ سچ پوچھو تو مجھے چودھریوں کی خاطر بے گناہ لوگوں پر تمہارا ہاتھ اٹھانا اچھا بھی نہیں لگتا۔

مولاداد :۔ کیا اچھا ہے اور کیا بُرا۔ یہ تو بڑی لمبی باتیں ہیں شہزادے ۔۔۔ پر اس وقت تو میرا روزگار یہی ہے اور یہ کمزوری میرے لئے بہت بڑی ہے۔

دلاور :۔ یہ کمزوری نہیں ہے مولاداد ۔۔۔

مولاداد :۔ (بے چینی سے اُٹھتے ہوئے) ہے، شہزادے ۔۔۔ ہے ۔۔۔ میرے کام میں یہ کمزوری ہے چودھریوں کے گھر میں میری جو عزت ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ مجھے جو کام کہا جاتا ہے میں اُس کے صحیح یا غلط ہونے کے چکر میں نہیں پڑتا ۔۔۔ کرکے دکھا دیتا ہوں ۔۔۔ پر ۔۔۔ پر اب مجھے سوچنے کی بیماری لگ گئی ہے ۔۔۔ کئی دنوں سے میں ایک ہی بات سوچے جا رہا ہوں۔

دلاور :۔ کوئی پرائیویٹ بات ہے ۔۔۔

مولاداد :۔ نہیں شہزادے ۔۔۔ اور ہوتی بھی تو تیرے لئے نہ ہوتی ۔۔۔ شیدا اب سمجھ دار ہو رہا ہے میں چاہتا ہوں کہ وہ ۔۔۔ ایک بدمعاش کا بیٹا بن کر بڑا نہ ہو۔

دلاور :۔ یہ تو بڑی اچھی سوچ ہے ۔۔۔

مولاداد :۔ دیکھنے اور سننے میں واقعی بڑی اچھی ہے ۔۔۔ پر میں اپنے حالات میں گوڈے گوڈے پھنسا ہوا ہوں شہزادے ۔۔۔ میرے چاروں طرف دیواریں ہیں ۔۔۔ کوئی دروازہ نظر نہیں آتا

دلاور :۔ تم شہر کیوں نہیں چلے جاتے ۔۔۔

مولاداد :۔ میرا یہاں سے کہیں جانا اتنا آسان نہیں ہے، شہزادے ۔۔۔ چودھری یعقوب کی طرف سے کچھ امید ہے ۔۔۔ وہ کام ہو گیا تو شاید رہائی کی کوئی تدبیر نکل آئے (اُٹھتے ہوئے) اچھا شہزادے میں چلتا ہوں تجھ سے باتیں کرکے جی کا بوجھ کچھ ہلکا ہو گیا ہے ۔۔۔ (دروازے تک جا کر مڑتا ہے) تم تو نہیں جا رہے نا کل شہر ۔۔۔

دلاور :۔ شہر ۔۔۔؟ کیوں؟

مولاداد :۔ (یاد کرتے ہوئے) اوہ ۔۔۔ تم تو یہاں نئے ہی نہیں ۔۔۔ کل اُسی ڈیم کے سلسلے میں

چودھری صاحب بندے بھجوا رہے ہیں شہر۔ مظاہرے کے لئے۔

دلاور: ۔مظاہرے کے لئے؟

مولاداد: ۔ہاں ۔۔۔۔ بڑا لمبا چکر ہے۔۔۔۔ تمہیں اگر کہیں بھی، تو کوئی بہانہ کر لینا ۔۔۔ کچھ بھی ہو جاتے ۔۔۔ جانا نہیں۔۔۔

دلاور: ۔مگر۔۔۔ کیوں؟

مولاداد: ۔میرا دل کہتا ہے کہ وہاں گڑبڑ ہو گی۔۔۔۔

دلاور: ۔(سنجیدگی سے) تم جا رہے ہو؟ (مولاداد اثبات میں سر ہلاتا ہے) کیوں؟

مولاداد: (ہنستے ہوئے) میری فکر نہ کر دشہزادے۔۔ مجھے بے موت مرنے کا شوق نہیں ہے۔ اگر گڑبڑ ہوتی تو میں سب سے پہلے نکل آؤں گا۔۔۔۔ اچھا اب رب راکھا۔

(مولاداد جاتا ہے دلاور کا کلوز۔ سوچ میں ہے) cut۔

سین ۷

(دلاور سویا ہوا ہے۔ سید گل اُس کا کندھا ہلاتا ہے)

سید گل: ۔بھائی دلاور۔۔۔۔ دلاور بھائی۔۔۔۔

(دلاور ایک دم چونک کر آنکھیں کھولتا ہے)

دلاور: ۔کیا بات ہے سید گل۔

سید گل: ۔تمہیں بڑے چودھری صاحب بلا رہے ہیں حویلی میں۔

دلاور: ۔(انگڑائی لیتے ہوتے) اچھا۔۔ میں ہاتھ منہ دھو کر آتا ہوں۔

سید گل: ۔چودھری صاحب کی طبیعت کا تمہیں پتہ ہے۔۔۔۔ میری مانو، تو فوراً چلے چلو۔۔۔

دلاور: بھئی۔۔۔ اب ایسی بھی کیا۔۔۔ (سید گل کی طرف دیکھ کر ہنستا ہے) تمہاری تو جان نکلی جا رہی ہے بھائی سید گل۔۔۔

سید گل: ۔چودھری صاحب کا غصہ بڑا خطرناک ہے بھائی۔

دلاور: ۔۔۔۔ آؤ چلیں۔

دلاور: ۔ایک منٹ، میں واسکٹ تو پہن لوں۔۔۔۔

(دلاور واسکٹ پہنتا ہے۔ اس پہ مولاداد کا جملہ V/O ہوتا ہے)

"تمہیں اگر کہیں بھی تو بہانہ کر لینا۔۔۔ کچھ بھی ہو جائے۔۔۔ جانا نہیں"۔

(دلاور سر جھٹک کر مڑتا ہے) cut

سین ۸ حشمت کی حویلی

حشمت: ۔اوئے تم کدھر غائب ہو جاتے ہو دلاور۔۔۔

دلاور :۔ نہیں تھا چودھری جی۔۔۔۔

حشمت :۔ میں نے پرسوں بھی تمہارا پتہ کرایا تھا۔۔۔ اور کل بھی۔۔۔ تم کسی کو بتا کر بھی نہیں جاتے۔۔۔۔

دلاور :۔ بس جی وہ ایک کام تھا۔۔۔

حشمت :۔ ایک کام کا وعدہ تونے مجھ سے بھی کیا تھا۔۔۔ یاد ہے!

دلاور :۔ جی ہاں۔۔۔ بالکل یاد ہے۔۔۔

حشمت :۔ پھر۔۔۔؟

دلاور :۔ (واسکٹ اتارتا ہے تہہ کرکے رکھتا ہے) اسے کہیں رکھوا دیجئے۔۔۔ مجھے یہ بڑی پسند ہے۔

حشمت :۔ تو میرا یہ کام کردے جوان۔۔۔ ایسی دس ہزار واسکٹیں بنوا دوں گا تجھے۔۔۔ تجھے اتنا بڑا انعام دوں گا کہ تونے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا۔۔۔

دلاور :۔ میں یہ کام کسی انعام کے لئے نہیں کر رہا چودھری جی۔

حشمت :۔ بڑی آنکھ (اکڑ) والا ہے تو۔۔۔ پر ایک بات ہے دلاور۔۔۔ میرا جی نہیں چاہتا تجھے مار پڑوانے کو۔۔۔ کوئی اور طریقہ نہیں ہو سکتا۔۔۔

دلاور :۔ نہیں چودھری جی۔۔۔ جو حالات آپ نے بتائے ہیں۔۔۔ اس حساب سے مجھے مار پڑنی بہت ضروری ہے۔

حشمت :۔ (سوچتے ہوئے) بات تیری بھی ٹھیک ہے۔۔۔

دلاور :۔ بلوا لیجئے پھر کچھ لوگوں کو۔۔۔ پر چوٹ ایسی لگائیں جو دیکھنے میں زبردست ہو۔۔۔

حشمت :۔ تو بڑا اچھا یار ہے دلاور۔ CUT

سین ۹

(تہہ خانے کا دروازہ ایک دھماکے کے ساتھ کھلتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دلاور سخت زخمی حالت میں سیڑھیوں سے لڑھکتا ہوا شیر محمد کے قریب آکر گرتا ہے شیر محمد ایک دم چونک کر اٹھتا ہے اور کراہتا ہے۔ حشمت دروازے میں کھڑا کینہ پرور نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔)

حشمت :۔ اب یہاں سے تیری لاش ہی نکلے گی دلاور۔ بلا اب اپنے حمائتیوں کو۔۔۔ انہیں کہہ۔ ہمت ہے تو لے جائیں تجھے یہاں سے نکال کے۔۔۔ (دلاور کراہتا اور لمبے لمبے سانس لیتا ہے) جب تک تیرا بھائی مقدمہ واپس نہیں لیتا تو یہیں رہے گا۔۔۔

(حشمت ہاتھ کی شمع وہیں طاق پہ رکھ جاتا ہے حشمت دروازہ بند کرکے مڑتا ہے۔ شیر محمد اس اثنا میں بے چینی سے اپنی زنجیروں کو حرکت دے رہا ہے قریب آکر دلاور کا چہرہ روشنی میں کرتا ہے۔ دلاور کے چہرے پر زخموں کے نشان ہیں

بڑبڑاتا ہے)

دلاور:۔ پانی۔۔۔۔ پانی

(شیر محمد زنجیروں سمیت تیزی سے حرکت کرتا ہے۔ ایک گھڑے سے بمشکل پانی نکال کر جست کا پیالہ دلاور کے پاس لاتا ہے جو جلدی جلدی پانی پیتا ہے۔ آنکھیں کھول کر چند لمحے حیرت سے شیر محمد کی طرف دیکھتا ہے)

دلاور:۔ آپ آپ۔۔۔ آپ کون ہیں۔۔۔ ۔ cut

سین ۱۰

(شکیلہ کا بیڈ روم۔۔۔۔ بستر میں لیٹی کچھ پڑھ رہی ہے۔ انور دروازہ کھول کر بے تکلفی کے انداز میں اندر آتا ہے۔ شکیلہ حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہے)

انور:۔ تم یہاں بیٹھی ہو۔۔۔

شکیلہ:۔ اور کہاں بیٹھوں۔۔۔ یہ میرا کمرہ ہے۔

انور:۔ باقی لوگ کہاں ہیں۔۔۔

شکیلہ:۔ (حیرت اور غصے سے) اپنے اپنے کمروں میں ہوں گے۔

انور:۔ (چاروں طرف دیکھتے ہوئے) کتابیں بہت پڑھتی ہو تم۔۔۔

(میز پر پڑی ہوئی کتابیں یوں ہی الٹتا پلٹتا ہے)

شکیلہ:۔ (دبے دبے غصے سے) انور بھائی۔۔۔ ونسک دیئے بغیر کسی کے بیڈ روم میں آنا۔۔۔ (اپنا جملہ چبک کر کے اُسے نرم کرنے کی کوشش کرتی ہے) یہ اچھے آداب کے خلاف ہے۔۔۔

انور:۔ (ہنستے ہوئے) اچھے۔۔۔ آداب!۔۔۔ کن آداب کی بات کر رہی ہو تم۔۔۔ یہ سب شہر والوں کے چونچلے ہیں۔ کسی سے کوئی چیز پکڑو تو تھینک یو کہو۔۔۔ کھانسو تو سوری بولو۔۔۔ اُباسی (جماہی) آئے تو منہ کے آگے ہاتھ رکھ لو۔۔۔ کیا بکواس ہے یہ سب۔۔۔

شکیلہ:۔ یہ بکواس نہیں ہے انور بھائی۔ اٹی کیٹس کے پیچھے ہمیشہ social اور Hygenical اسباب ہوتے ہیں۔۔۔

انور:۔ یہ سب فراڈ میں نے بھی پڑھا ہوا ہے۔۔۔ پر جو مزہ منہ کھول کر اُباسی لینے میں ہے وہ منہ کے آگے ہاتھ رکھ کی yawn کرنے سے نہیں آسکتا (yawn کے لفظ کو جان بوجھ کر انگلش اسٹائل میں لمبا کر کے برتتا ہے۔ کتاب اس کے ہاتھ سے لیتا ہے) کیا پڑھ رہی ہو؟

شکیلہ:۔ (غصے سے کتاب واپس چھینتے ہوئے) انور بھائی۔۔۔ یہ مجھے بالکل پسند نہیں۔۔۔

انور:۔ کیا؟

شکیلہ:۔ یہی۔۔۔ آپ کی بے تکلفی۔۔۔

انور :۔ (ایک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے) اور مجھے بھی تمہارا یہ سٹائل بالکل اچھا نہیں لگتا۔۔۔ اُردو ایسے بولتی ہو جیسے کسی پر احسان کر رہی ہو۔۔۔۔ ہم دیہاتی لوگ ہیں۔۔۔ ہمیں یہ نخرے اچھے نہیں لگتے۔۔۔

شکیلہ :۔ (غصے اور شرمندگی کی وجہ سے سخت Tense ہے) آپ۔۔۔ آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔

انور :۔ دیکھو بی بی۔۔۔۔ میں آدمی ہوں ذرا صاف بات کرنے والا۔۔۔ جو باتیں مجھے پسند نہیں ہیں وہ میں تمہیں ابھی سے بتا رہا ہوں۔۔۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں تم بھی صغراں بھابی کی طرح کڑک مرغی بن جاؤ اور ساری حویلی میں کڑ کڑ کرتی پھرو۔۔۔۔

شکیلہ :۔ کیا۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا مطلب ہے آپ کا ان باتوں سے۔

انور :۔ مطلب بڑا صاف ہے۔۔۔۔ میاں جی تم سے میری شادی کر رہے ہیں۔۔۔ اور میں نہیں چاہتا کہ۔

شکیلہ :۔ (سخت حیرت سے) آپ۔۔۔۔ تم۔۔۔۔ دماغ ٹھیک ہے آپ کا۔

انور :۔ میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے۔۔۔۔ البتہ اب اگر میں نے تمہیں کسی لڑکے کے ساتھ بات کرتے دیکھا تو ضرور خراب ہو جائے گا۔۔۔۔ اور جب میرا دماغ خراب ہوتا ہے ایک آدھ لاش ضرور گرتی ہے۔

شکیلہ :۔ آپ۔۔۔۔ آپ پلیز چلے جائیے میرے کمرے سے۔

انور :۔ (ہنستے ہوئے اٹھتا ہے) ابھی تم اپنے باپ کے گھر ہو۔۔۔ اس لئے یہ بات کہہ سکتی ہو۔۔۔ مگر یہ یاد رکھنا میں ایسی باتیں بھولا نہیں کرتا۔۔۔۔۔

(جاتا ہے۔) ۔کٹ

سین ۱۱

(یعقوب کا ڈرائنگ روم)

زبیدہ :۔ کمال ہے آپ میری بات پر دھیان ہی نہیں دے رہے۔۔۔۔ لڑکی نے رو رو کر آنکھیں سُجا لی ہیں۔۔۔

یعقوب :۔ اوہو۔۔۔ بھئی کیا مصیبت ہے۔۔۔ کہہ جو رہا ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔ اب اس وقت یہ نیا جھگڑا کھڑا نہ کرو۔۔۔

زبیدہ :۔ آپ۔۔۔۔ کیسے باپ ہیں۔

یعقوب :۔ میں جیسا بھی ہوں۔۔۔۔ فی الحال گزارہ کرو۔۔۔ فرخ والا معاملہ ذرا طے ہو لے پھر میں انور کا انتظام بھی کر دوں گا۔۔۔۔ شکیلہ کو سمجھاؤ۔۔۔۔ صرف چند دن اور برداشت کر لے۔

زبیدہ :۔ میں پوچھتی ہوں انور کو جرأت کیسے ہوئی شکیلہ سے یہ بات کرنے کی۔۔۔

یعقوب :۔ اسے جرأت نہیں کہتے زبیدہ۔۔۔۔ بے وقوفی کہتے ہیں۔۔۔ اور یہ بے وقوفی اس میں تمہارے معدے کی گیس کی طرح خاصی افراط سے پائی جاتی ہے۔

زبیدہ :۔ یہ وقت مذاق کا نہیں ہے!

یعقوب:۔ (اس کے قریب آکر سمجھانے کے انداز میں) بس چند دن مجھے اور دے دو زبیدہ ۔۔۔ ایک دفعہ فرخ کا مسئلہ نبٹ لینے دو ۔۔۔۔ پھر دیکھنا میں انور کو کیسے تیر کی طرح سیدھا کرتا ہوں ۔۔۔۔

زبیدہ:۔ (نیم رضامندی سے) اچھا ٹھیک ہے مگر انور سے کہہ دیجئے گا ۔۔۔ وہ اپنی ایجنسی میں رہا کرے کوئی ضرورت نہیں اُسے یہاں آنے کی ۔۔۔۔

یعقوب:۔ پھر وہی بچوں والی باتیں ۔۔۔ میں کہہ رہا ہوں ۔۔۔ ابھی اُسے بالکل مت چھیڑو ۔۔ بلکہ شکیلہ کو بھی سمجھا دو کہ وہ اس کی باتوں کا خیال نہ کرے ۔۔۔

زبیدہ:۔ آپ خود ہی سمجھا لیں ۔

یعقوب:۔ زبیدہ ۔۔۔ پلیز ۔۔۔ (کچھ سوچتے ہوتے) اچھا ٹھیک ہے ۔۔ میں کچھ کرتا ہوں CUT

سین ۱۲

(مولاداد شہر کی ایک سڑک پر تیزی سے بھاگا جا رہا ہے ۔ دور کہیں سے پولیس کی سیٹی سنائی دیتی ہے ۔۔۔ ایک گلی میں داخل ہوتا ہے ۔۔۔ اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا لوگوں کی بھیڑ میں سے گزرتا ہوا ماتھے سے پسینہ پونچھتا ہے ۔۔۔ بظاہر بے پرواہی سے مگر حقیقتاً بڑے چوکس انداز میں چلتا ہے) CUT

سین ۱۳

(یعقوب اپنے دفتر میں کسی فائل کے مطالعے میں مصروف ہے ۔ دروازہ کھلتا ہے ۔ چپڑاسی کی گھبرائی ہوئی آواز آتی ہے)

چپڑاسی:۔ صاحب جی ۔۔۔ یہ صاب ۔۔۔

(یعقوب سر اٹھا کے دیکھتا ہے دروازے میں مولاداد کھڑا ہے جسے چپڑاسی بازو سے پکڑ کر واپس کھینچنے کی کوشش کر رہا ہے ۔ مولاداد اپنی جگہ سے نہیں ہلتا ۔)

یعقوب:۔ (حیرت سے) مولاداد تم ۔۔۔

مولاداد:۔ جی چوہدری جی ۔۔۔

یعقوب:۔ اتنے اچانک آؤ ۔۔۔ آؤ ۔۔۔ بیٹھو ۔

(چپڑاسی کے چہرے کے تاثر بدلتے ہیں ۔ مولاداد کے بازو پر اُس کی گرفت ہلکی ہوتی ہے)

مولاداد:۔ (مسکراتے ہوئے) یہ کیکڑا میرا بازو نہیں چھوڑ رہا ۔۔۔

یعقوب:۔ عالم ۔۔۔ آنے دو صاحب کو اندر ۔۔۔ پی اے سے بولو، چائے بنوائے

مولاداد:۔ (مسکراتے ہوئے اپنے کپڑے درست کرتا ہے) جا اب چلا بھی جا شہزادے ۔۔ سر لش

ہی ہو گیا ہے میرے ساتھ۔۔۔۔

(چیڑا اسی کچھ نہ سمجھتے ہوئے جاتا ہے مولاداد آگے آتا ہے)

یعقوب :۔ (اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہے) بیٹھو! بڑے اچھے موقعے پر آئے ہو تم۔۔۔ میں کل ہی تمہیں یاد کر رہا تھا۔ کیسے آئے۔

مولاداد :۔ بس آپ نے یاد کیا تھا۔۔۔ اسلئے چلا آیا۔

یعقوب :۔ (ہنستے ہوئے) وہ تو ٹھیک ہے۔۔۔ اچھا یہ باتیں بعد میں ہوں گی پہلے یہ بتاؤ۔۔۔ انور، نیاز سے لڑ کر آیا ہے یا۔۔۔۔

مولاداد :۔ گرما گرمی ہوئی تھی جی خاصی۔۔۔ اسی لئے بڑے چودھری صاحب نے چودھری انور کو آپ کے پاس بھجوا دیا ہے۔۔۔

یعقوب :۔ (اطمینان کا سانس لے کر مسکراتے ہوئے) تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ لوہا گرم ہو چکا ہے۔۔ اچھا مولاداد۔۔۔ ایک کام کرو۔۔۔

مولاداد :۔ حکم کیجئے۔۔۔

یعقوب :۔ انور اس بار میری کوٹھی میں ٹھہرا ہے۔۔۔ کہہ رہا تھا، میاں جی کا حکم ہے۔۔۔ تم کوئی ایسا چکر چلاؤ کہ وہ میرے گھر سے چلا جائے۔۔۔ ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی خالی ہے۔

مولاداد :۔ (چند لمحے سوچتے ہوئے) ہو جائے گا چودھری جی۔۔۔ اور حکم؟

یعقوب :۔ بس فی الحال تم یہی کر دو۔۔۔ باقی۔۔۔ اگر ضرورت پڑی تو میں تمہیں پھر بتاؤں گا۔

مولاداد :۔ اُن کی نظم شروع ہو گئی ہے کہ نہیں۔۔۔۔

یعقوب :۔ اُس کے بارے میں مَیں نے پوچھا نہیں۔۔۔ اصل میں میری اپنی مصروفیت بہت ہے۔۔۔ کچھ بات وہ کر تو رہا تھا اس سلسلے میں؟

مولاداد :۔ ایک چھوٹی سی تکلیف میں نے بھی دینی ہے آپ کو۔

یعقوب :۔ پیسے چاہئیں کچھ۔۔۔

(جیب میں ہاتھ ڈالتا ہے)

مولاداد :۔ نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ پیسے نہیں چاہئیں۔۔۔ بس آپ اتنا کیجئے گا اگر کوئی آپ سے میرے بارے میں پوچھے تو میں آج صبح سے آپ کے پاس ہوں۔

یعقوب :۔ (اُس کی بات سمجھتے ہوئے) یعنی۔۔۔ تم یہ چاہتے ہو کہ کسی اور جگہ سے تمہاری عدم موجودگی ثابت کر نی ہے۔۔۔

(مولاداد اثبات میں سر ہلاتا ہے)

کوئی خطرناک بات تو نہیں۔۔۔۔

مولاداد:۔ جی نہیں۔۔۔میں دراصل بڑے چودھری صاحب کے حکم پر گاؤں کے سوسوا سو آدمی لے کر آیا تھا منظاہرے کے لئے۔۔۔

یعقوب:۔ منظاہرے کے لئے۔۔۔ کیسا منظاہرہ۔

مولاداد:۔ وہی جی ڈیم کے سلسلے میں۔ پندرہ بیس پنڈوں سے ہم نے کوئی ڈیڑھ دو ہزار بندہ اکٹھا کیا تھا۔۔۔ پر جی پولیس نے ہمیں گورنر ہاؤس تک پہنچنے ہی نہیں دیا۔۔۔

یعقوب:۔ ہوں۔۔۔ پھر۔

مولاداد:۔ جب میں وہاں سے بھاگا ہوں جی تو گھیرا پڑ چکا تھا۔ اور لاٹھی چارج شروع تھا۔

یعقوب:۔ کس نے مشورہ دیا تھا میاں جی کو۔

مولاداد:۔ پتہ نہیں جی۔۔۔ کچھ رل مل کے ہی فیصلہ کیا ہے سب نے۔۔۔

یعقوب:۔ پتہ نہیں کیا کرتے ہیں یہ۔۔۔ ہاں تم بتا رہے تھے۔۔۔۔

مولاداد:۔ اپنے پنڈ کے آدمیوں میں سے میں نے فضل کریم اور حسین علی کو گرفتار ہوتے دیکھا تھا۔۔۔ اگر انہوں نے بیان میں میرا نام لے دیا تو۔۔۔

یعقوب:۔ تم فکر نہ کرو۔۔۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں۔۔۔ میں ابھی فون کرکے پتہ کرتا ہوں۔۔۔ پر پتہ نہیں میاں جی کو یہ مشورہ دیا کس بے وقوف نے تھا۔ CUT

سین ۱۴۰

(انور کا کمرہ)

ڈائریکٹر:۔ (اپنی گفتگو کے دوران مختلف باتوں کے (VISUL FRAMES) دو انگلیوں کے ذریعے سے مختلف فریم بناتا ہے) اس کی آپ بالکل فکر نہ کریں چودھری جی۔۔۔ میں نے کہانی میں فور ٹریک رکھی ہے۔ دو پیٹر گاؤں میں۔۔۔ دو شہر میں۔۔۔ چار ہیروئنوں کے ساتھ فلم اناؤنس ہوگی تو ایک دفعہ تو پوری انڈسٹری میں کھلبلی مچ جاتے گی۔

پری پیکر:۔ چھ گانے رکھے ہیں میں نے اور چھ کے چھ سپرہٹ، دو ڈوئٹ، دو سولو، دو کورس، اور ایک سے ایک اعلیٰ۔۔۔ اس کو چھپاؤ اُسے نکالو۔۔۔ اسے نکالو اسے چھپاؤ۔۔۔

انور:۔ مگر پری پیکر۔۔۔۔ ابھی تو کہانی لکھی بھی نہیں گئی۔

پری پیکر:۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا چودھری صاحب۔۔۔ گانوں کی سیچوئیشن تو نکالنی ہوتی ہیں ماشاءاللہ اپنے پروانہ صاحب اس کام میں بڑے ماہر ہیں۔۔۔ فلم لائن میں آنے سے پہلے یہ اخبار میں ہوتے تھے۔ وہاں خبروں کی سرخیاں نکالتے تھے یہاں گانوں کی سیچوئیشن نکالتے ہیں۔ اینڈ END میں قوالی کی سیچوئیشن تو ایسی نکالتے ہیں کہ واہ واہ واہ، آپ نے ان کی فلم دیکھی تھی۔۔۔ وہ۔۔۔ کیا نام تھا اس کا پروانہ جی۔۔۔

پروانہ:۔ انصاف کی توپ۔

پری پیکر :۔ نہیں جی۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔ جس میں وہ لڑکی تھی۔۔۔۔ لمبے سے ناک والی۔

پروانہ :۔ خطرناک حسینہ کی بات کر رہے ہیں آپ۔

پری پیکر :۔ وہی۔۔۔ وہی۔۔۔۔ (انور سے) کیا بات کر رہا تھا میں۔

انور :۔ (ہنستے ہوئے) ایک تو یہ بڑی مصیبت ہے تم ہر بات بیچ میں بھول جاتے ہو۔

ڈائریکٹر :۔ لمبے ناک والی لڑکی تو ٹھیک نہیں ہوتی۔۔۔۔ اور مجھے ہیروئن چاہیئے۔ ایک دم سے فسٹ کلاس۔ ادھر سے شوٹ کرو تو لگے کہ الزبتھ ٹیلر ہے۔ ادھر سے فریم بناؤ تو معلوم ہو کر ایکوئل ویلش کو کاسٹ کر لیا ہے۔

نذر عباس :۔ یار ڈاکٹر صاحب یہ تو ہاتھوں سے ایسے ایسے کام کیا کرتے ہو۔

پری پیکر :۔ صفدر صاحب در اصل ہر چیز کو کیمرے کی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔

ڈائریکٹر :۔ میں نے سکرپٹ بھی اسی طرح لکھوایا ہے۔۔۔۔ ذرا پڑھیئے پروانہ صاحب۔۔۔ ہیروئن نمبر تین اور ہیرو نمبر چار کا پہلا سین۔۔۔ ملاحظہ کیجئے کیسا اوریجنل LOVE SCENE بنایا ہے۔

(پروانہ کاپی کے صفحے لیتے ہوئے باغ کے لانگ شاٹ سے ہیرو کو مڈ شاٹ پر آتے ہیں اور ہیروئن کے کلوز سے فاسٹ کٹ کرتے ہوئے نوم اِن کرتے ہیں۔ جہاں گلاب کے پھول پر ایک تتلی بیٹھی پنکھ پھیلا رہی ہے وہاں سے وائیڈ اینگل لینز کے ساتھ PAN کرتے ہوئے ہیروئن کی باتیں آنکھ کے کلوز سے ڈزالو ہوتے ہیں)

نذر عباس :۔ یہ فلم کی کہانی ہے؟

انور :۔ مجھے تو یہ کوئی جیومیٹری کا سوال معلوم ہوتا ہے۔

ڈائریکٹر :۔ (فخر سے ہنستے ہوئے) مجھ میں اور باقی ڈائریکٹروں میں یہی فرق ہے۔ در اصل میں کرتا ہوں ہالی وڈ کے سٹائل پر کام۔۔۔۔ ہمارے ہاں فلم میکنگ میں ٹیکنیکل سائیڈ بالکل اگنور ignore کر دیا جاتا ہے۔

انور :۔ (بور ہوتے ہوئے) وہ تو سب ٹھیک ہے ڈائریکٹر صاحب۔۔۔ پر وہ ہیروئن کب آئیں گی؟

ڈائریکٹر :۔ پانچ ہزار دے کر آج صبح مس کٹاری کو میں نے سائن کر لیا ہے۔۔۔ اُس کی آج آؤٹ ڈور تھی۔۔۔ (گھڑی دیکھتے ہوئے) ابھی تھوڑی دیر میں پہنچ جائے گی۔

پری پیکر :۔ آپ اُن کے آنے سے پہلے۔۔۔ کچھ میرا مطلب ہے کھانے پینے کا اگر۔۔۔

انور :۔ (جیب سے نوٹ نکال کر دیتے ہوئے) ہاں ہاں منگوا لو۔۔۔

پری پیکر :۔ جو مرضی ہے منگوا لو۔۔۔ یہ محکمہ تمہارا ہے۔۔۔

(پری پیکر اور ڈائریکٹر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہیں) CUT.

سین نمبر ۱۵

(سیمیں، فرخ۔ سیمیں کے چہرے سے کشیدگی کے آثار نمایاں ہیں۔ فرخ پریشان ہے)

فرخ :۔ پلیز سیمیں۔۔۔ بے وقوفوں والی باتیں مت کرو۔۔۔ میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔

سیمیں :تم۔۔۔ تم نے مجھے بے وقوف کہا۔۔۔

فرخ :۔ اوہو۔۔۔ بھئی خدا کے لئے میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔۔۔ میں نے تمہیں بتایا ہے کہ یعقوب چچا نے مجھے اور شکیلہ کو زبردستی وہ چائنیز شو دیکھنے کے لئے بھیج دیا تھا۔۔۔

سیمیں :۔ (طنزیہ انداز میں) کہاں ہو رہا تھا یہ شو۔۔۔

فرخ :۔ اوپن ایئر تھیٹر میں۔۔۔ تمہیں میری بات کا یقین نہیں تو اخبار میں دیکھ لو۔

سیمیں :۔ (اداسی انداز میں) اور وہاں سے کون سی آئس کریم کھانے تم چھ میل گئے۔۔۔۔ رستے میں کہیں نہیں ملتی تھی۔

فرخ :۔ (گھبرا کر) وہ۔۔۔ دراصل شکیلہ کہہ رہی تھی۔۔۔ وہاں سے بہت اچھی ملتی ہے۔

سیمیں :۔ (گھورتے ہوئے) شکیلہ کہہ رہی تھی۔۔۔
یہ اتنی دوستی کب سے ہو گئی ہے تمہاری شکیلہ سے؟

فرخ :۔ دیکھو۔۔۔ تم خواہ مخواہ شک کر رہی ہو۔۔۔ تم جیسی پڑھی لکھی اور سمجھدار لڑکی کو یہ زیب نہیں دیتا۔۔۔

سیمیں :۔ بہت خوب۔۔۔ یعنی اب قصور بھی میرا ہی ہے۔

فرخ :شکیلہ پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ تم مائنڈ کر گئی ہو۔۔۔

سیمیں :۔ اوہ۔۔۔ تو یہاں تک باتیں ہوئیں اُس سے۔

فرخ :۔ پلیز سیمیں۔۔۔ خواہ مخواہ بات بڑھا رہی ہو۔۔۔ اُسے تمہارے اور میرے بارے میں پتہ ہے۔ وہ ہم دونوں کی دوست ہے۔

سیمیں :۔ (چند لمحے اسے Prose کرنے والی نظروں سے دیکھتی ہے) مجھ سے کبھی جھوٹ نہ بولنا فرخ! میں صرف تمہارے اعتماد کے سہارے پر کھڑی ہوں۔۔۔

فرخ :۔ (خلوص اور محبت کے ساتھ) ایسا کبھی مت سوچنا سیمیں۔۔۔ میں تم سے بے وفائی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔۔۔

سیمیں :۔ لگتا ہے کوئی باقاعدہ منصوبہ بنا کر ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے۔۔۔ میں جب بھی تم سے ملتی ہوں جہاں بھی جاتی ہوں۔۔۔ امی کو ہر بات کی اطلاع ہو جاتی ہے۔

فرخ :۔ یہی میرے ساتھ بھی ہو رہا ہے۔۔۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔۔۔ میرا تو کوئی ایسا دشمن نہیں ہے۔

سیمیں :۔ میں نے بھی بہت سوچا ہے۔۔۔ میرا ایک بے وقوف سا کزن ہے۔۔۔ گزشتہ کئی سالوں سے مجھ پر عاشق ہے۔۔۔ مگر وہ بہت ہی بے وقوف ہے۔۔۔ پھر وہ یہاں ہے بھی نہیں آج کل۔

فرخ :۔ میری امی بہت ناراض ہیں۔

سیمیں :۔ اُن کی ناراضگی بجا ہے۔۔۔

فرخ :۔ اوپر سے چچی زبیدہ نے معاملہ اور خراب کر دیا ہے۔۔۔ اتنی ہوا دے رہی ہیں اس بات کو۔۔۔ کاش کسی طرح مجھے پتہ چل جائے کہ اس سارے چکر کے پیچھے ہے کون، (لہجے میں سخت نفرت ہے)

سیمیں :۔ (ڈر کر) کوئی لڑائی جھگڑا نہ کرنا۔۔۔

فرخ :۔ نہیں۔۔۔ میں صرف اس شخص کو گردن سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا تمہاری امی کے پاس لانا چاہتا ہوں بس یہی ایک طریقہ ہے ان کی غلط فہمی دور کرنے کا۔۔۔

سیمیں :۔ (پرس سے ایک کاغذ نکالتے ہوئے) میں نے وہ خط امی کی الماری سے نکال لیا ہے۔۔۔ یہ دیکھو۔۔

فرخ :۔ (پڑھتے ہوئے) اوہ ہینڈ رائٹنگ کتنا گندا ہے۔۔۔

سیمیں :۔ خط پڑھو، وہ اس سے بھی زیادہ گھٹیا ہے۔

فرخ :۔ (جلدی جلدی خط پڑھتے ہوئے) واقعی بڑا بے ہودہ خط ہے۔۔۔ شاید اسی لئے تمہاری امی مجھے بار بار لچر اور چھچھورا کہہ رہی تھیں۔

سیمیں :۔ جی جناب۔۔۔

فرخ :۔ تم یہ خط میرے پاس رہنے دو۔۔۔

سیمیں :۔ تم رکھ لو۔۔۔ مگر خدا کے لئے اس کا کوئی حل سوچو!۔۔۔

فرخ :۔ حل۔۔۔ حل۔۔۔ ہاں حل تو سوچنا ہی پڑے گا۔

(کیمرہ پین کرتا ہوا یعقوب کے آدمی پر جاتا ہے، کہیں چھپ کر ان کی نگرانی کر رہا ہے) .cut

سین ۱۶

(تہہ خانہ۔۔۔ شبیر محمد اور دلاور آمنے سامنے بیٹھے ہیں)

دلاور :۔ اب چودھری حشمت چاہتا ہے کہ میں عدالت میں جا کر اپنے بیان سے پھر جاؤں۔ پر میں یہ کبھی نہیں کروں گا۔۔۔ چاہے میری جان کیوں نہ چلی جائے۔

شبیر محمد :۔ شاباش جوان۔۔۔ مرد کی شان یہی ہے کہ حق بات کے لئے جان پر کھیل جائے۔

دلاور :۔ میں نے خدا کو بھی منہ دکھانا ہے جی۔۔۔ قتل میرے سامنے ہوا تھا۔۔۔ مقتول کے بیوی بچوں کے بین اب تک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔۔۔ میں ان سے اتنا بڑا ظلم نہیں کر سکتا۔۔۔

شبیر محمد :۔ تو جوان آدمی ہے۔۔۔ یہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر کر۔۔۔ ورنہ میری طرح۔۔۔ میرا مطلب ہے حشمت بڑا ظالم آدمی ہے۔۔۔ کوشش کر کے اس کے پھندے سے نکل جا۔

دلاور :۔ دروازہ بڑا مضبوط ہے جی۔۔۔ اور باہر چاروں طرف اس کے آدمی ہیں۔۔۔

شبیر محمد :۔ (کچھ سوچتے ہوئے) ایک منٹ ٹھہر۔۔۔ میں تجھے ایک چیز دیتا ہوں شاید تیرے کام آسکے۔

(شبیر محمد ایک نیم تاریک کونے میں جا کر ہاتھوں سے زمین کھودتا ہے۔ دلاور چند لمحے اپنی جگہ پر بیٹھا بیٹھا اس کی طرف دیکھتا ہے۔ پھر اس کے قریب آتا ہے زنجیروں کی جھنکار اور تیز تیز سانسوں کی آواز آتی ہے۔ اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر لوہے کا ایک باریک سا پتر نکالتا ہے۔ اسے روشنی میں کرتا ہے) یہ لے

دلاور:۔ (پتری ہاتھ میں لیتے ہوئے) (حیرت سے) یہ کیا ہے؟

شبیر محمد:۔ (فخر سے) یہ میں نے بنائی ہے۔۔

دلاور:۔ مگر یہ ہے کیا۔۔۔؟

شبیر محمد:۔ اس کی دھار دیکھ۔۔۔ (دلاور دھار پر ہاتھ پھیرتا ہے) تیز ہے نا۔ زیادہ موٹا نہیں ہے پھر اُسے زنگال بھی لگا ہوا ہے۔ اگر تو ہمت کرے تو اس کو کاٹ سکتا ہے۔

(دلاور اثبات میں سر ہلاتا ہے۔ دروازے کی درز میں سے کنڈی کا پتر نظر آتا ہے)

دلاور:۔ مگر۔۔۔

(سوالیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھتا ہے۔)

شبیر محمد:۔ تم پوچھنا چاہتے ہو کہ یہ کام میں نے خود کیوں نہیں کر لیا۔۔۔ میں نے کوشش کی تھی پر پتری لوہے کی بجائے میرے ہاتھوں میں کھب جاتی ہے۔ (زخمی ہاتھوں کی ہتھیلیاں اُسے دکھاتا ہے) میں نے زنجیر کاٹنے کی کوشش بھی کی تھی۔۔۔ پر اس کا سنگل بہت موٹا ہے۔۔۔

دلاور:۔ (متاثر ہوتے ہوتے) مگر۔۔۔ آپ کس جرم میں قید ہیں یہاں۔۔۔

شبیر محمد:۔ جُرم۔۔۔ جُرم کر کے تو لوگ جیل میں جاتے ہیں پُتر۔۔۔ حشمت خاں تو صرف بے گناہ لوگوں کو قید کرتا ہے۔۔۔ تم اپنی طرف دیکھو۔۔۔ تم نے کیا جرم کیا ہے؟

دلاور:۔ ہاں۔۔۔ وہ۔۔۔ میں تو دراصل یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ آپ کون ہیں۔۔۔ اور حشمت خاں نے آپ کو کیوں اس طرح زنجیریں ڈال رکھی ہیں۔۔۔

شبیر محمد:۔ میں بھی تو اُسی اللہ کا ایک بندہ ہوں بیٹا جس نے یہ ساری دنیا بنائی ہے۔۔۔ اور حشمت خاں نے مجھے یہ زنجیریں اس لئے ڈال رکھی ہیں کہ میری آزادی میں اس کی موت ہے۔۔ اور وہ اپنی زندگی کے لئے مجھے تو کیا پوری دنیا کو زنجیریں ڈال سکتا ہے۔۔۔ وہ انسان نہیں بیٹا۔۔۔ ایک عفریت ہے، آسیب ہے جو انسان کے روپ میں پیدا ہو گیا ہے۔

دلاور:۔ آپ۔۔۔ کب سے قید ہیں یہاں۔۔۔

شبیر محمد:۔ تم۔۔۔ شاید اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے ہو گے۔

دلاور:۔ (سخت دہشت زدہ ہو کر) نہیں۔۔

شیر محمد: میں ٹھیک کہہ رہا ہوں بٹیا۔۔۔ پر تو دل چھوٹا نہ کر۔۔۔ اللہ نے چاہا تو تو ضرور نکل جائے گا یہاں سے۔۔۔

دلاور: پر جی۔

شیر محمد: (کندھا تھپکتے ہوئے) جا۔ ابھی وہ لوگ روٹی لے کر آئیں گے۔۔۔ جتنی کنڈی کٹتی ہے کاٹ لے۔۔۔

دلاور: (اٹھتا ہے دو قدم چل کر رک جاتا ہے) پر۔۔۔ اگر انہوں نے کنڈی دیکھ لی تو۔۔۔

شیر محمد: دروازے کے قریب بہت اندھیرا ہے۔۔۔ وہاں سے کچھ پتہ نہیں چلتا۔۔۔

دلاور: میرے خیال میں اوپر کی بجائے نیچے سے کاٹوں تو بہتر ہے۔۔۔ اس طرح انہیں نظر بھی نہیں آئے گا۔۔۔

شیر محمد: (تعریفی انداز میں) تو بڑا ہشیار لگتا ہے۔۔۔

(دلاور شمع دروازے کے قریب کر کے تیزی کے ساتھ کنڈی کاٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ چند لمحے بعد اپنے زخمی ہاتھ دیکھتا ہے۔ چہرے پر تکلیف کے آثار ہیں۔ شیر محمد کی طرف مڑتا ہے)

دلاور: یہ تو میرے ہی ہاتھ کاٹ رہی ہے۔۔۔

شیر محمد: آزادی اپنی قیمت مانگتی ہے بٹیا۔۔۔

(دلاور مڑ کر اس کی طرف دیکھتا ہے) کٹ

سین ۱۷

(ذکیہ ایک خط پڑھ رہی ہے۔ فرخ خاموش بیٹھا متوقع نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ ذکیہ خط پڑھ کر میز پر رکھتی ہے۔ چند لمحے فرخ کی طرف دیکھتی ہے جیسے بات شروع کرنے کا ڈھب سوچ رہی ہو)

ذکیہ: ظاہر ہے یہ ہینڈ رائٹنگ تمہارا نہیں ہے۔۔۔ اور تم سے میں ایسے بے ہودہ خط کی توقع بھی نہیں کر سکتی۔۔۔

فرخ: مگر سیمیں کی امی کو یقین ہے کہ یہ خط میں نے ہی لکھا ہے۔

ذکیہ: (سمجھانے کے انداز میں) دیکھو بٹیا۔۔۔ سوال یہ نہیں کہ خط تم نے لکھا ہے یا نہیں۔۔۔ اصل قصہ یہ ہے کہ وہ لوگ بہت بدتہذیب اور انتہائی غیر مہذب ہیں۔

فرخ: امی۔۔۔ در اصل۔۔۔ ان کا۔۔۔ ایٹیچیوڈ اس غلط فہمی کی وجہ سے ہوا ہے۔۔۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ آپ فرخ کی امی ہیں جس نے یہ خط لکھا ہے۔ میرا مطلب ہے مجھے وہ یہ خط والا فرخ سمجھ رہی تھیں اور چونکہ اس خط والے فرخ پر انہیں غصہ تھا اس لئے جب آپ نے یہ کہا کہ میں فرخ کی امی ہوں تو انہیں

یہ پتہ چلا کہ آپ میری امی ہیں بلکہ وہ یہ سمجھیں کہ آپ اس فرخ کی امی ہیں جس نے یہ خط لکھا ہے۔۔۔ اور ظاہر ہے کہ میں وہ فرخ نہیں ہوں لیکن چونکہ ۔۔۔۔

ذکیہ :۔ (فرخ کی پریشانی کو بھانپتے ہوئے اس کا شانہ تھپکتی ہے) آرام سے بیٹا آرام سے۔۔۔ تمہاری اس تقریر نے مجھے کنفیوز کر دیا ہے۔

فرخ :۔ دراصل یہ سب کچھ ہوا ہی اسی کنفیوژن کی وجہ سے ہے۔۔۔ اب اگر انہیں یہ بتا دیجئے کہ میں وہ فرخ نہیں ہوں۔۔۔ بھئی خط والا فرخ۔۔۔ اور آپ اس خط والے فرخ کی نہیں بلکہ میری امی ہیں تو معاملہ بالکل صاف ہو سکتا ہے۔۔۔

(اپنے جملے کی تکمیل پر اطمینان کا سانس لیتا ہے)

ذکیہ :۔ پلیز بیٹے۔۔۔۔ یہ بات تم انہیں سمجھانے کی کوشش نہ کرنا۔

(فرخ کے چہرے پر ایک دم اطمینان کی جگہ شرمندگی کے آثار پیدا ہوتے ہیں)

فرخ :۔ دراصل امی۔۔۔۔ میں۔۔۔ EXPLOIT نہیں کر رہا آپ کو۔۔۔

ذکیہ :۔ اچھا۔ مجھے کچھ سوچنے دو۔

فرخ :۔ (ماں کے گھٹنوں سے لگے ہوتے) آپ کتنی اچھی ہیں۔۔۔

ذکیہ :۔ میں یعقوب بھائی کو یہ خط دکھاؤں گی۔۔۔ ان کا مشورہ بہت ضروری ہے۔

فرخ :۔ آپ دیکھئے گا۔۔۔ وہ ہماری ضرور مدد کریں گے۔۔۔ وہ تو میرے ساتھ سیمیں کے والد کے پاس جانے کو تیار تھے۔۔۔

ذکیہ :۔ یہ سارا معاملہ کچھ عجیب طرح سے الجھا ہوا ہے۔۔۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔۔۔

فرخ :۔ آپ صرف ان کو CLEAR کر دیجئے کہ کوئی شخص میرے نام پر ان کو دھوکہ دے رہا ہے۔

ذکیہ :۔ مگر وہ شخص ہے کون۔۔۔ کچھ پتہ بھی تو چلے۔۔۔

فرخ :۔ (مایوسی سے) یہی تو سمجھ میں نہیں آرہا۔۔۔ مگر امی۔۔۔ ہم اُسے ڈھونڈ لیں گے۔ آپ صرف سیمیں کی امی کو سمجھائیے۔

ذکیہ :۔ خیر اُس عورت سے تو میں بات کرنے کو تیار نہیں۔۔۔ البتہ یعقوب بھائی سے کہوں گی کہ وہ سیمیں کے والد سے ملیں۔ CUT

سین نمبر ۱۸

(پری بیگم ایک لڑکی کو گانے کی ریہرسل کرا رہی ہے۔ سازندے سر دھن رہے ہیں انور اور نذر عباس لڑکی کو دیکھ رہے ہیں۔ لڑکی ایک شعر پڑھتی ہے۔ اس کے بعد طبلچی زور زور سے طبلہ بجاتا ہے)

پری بیگم :۔ (طبلے کے پیٹ میں آ کر تال دیتا ہے واہ واہ کرتی ہے) واہ۔۔۔ کہاں میں جیس دون گاجی۔۔۔

اونگا بونگا۔۔۔ کانگو۔۔۔ ڈرم۔۔۔ کلوٹ۔۔۔ واٹلن۔۔۔ گٹار اور سارنگی۔۔۔ بالکل نیا ایکسپریمنٹ کیا ہے میں نے۔۔۔

لڑکی :۔ (خالص طوائفانہ انداز میں) اور ریہرسل ہوگی ماسٹر جی کہ بس۔۔۔ انور کو LOOK دے کر مسکراتی ہے۔۔۔۔ (انور نذر عباس کی طرف دیکھتا ہے) بڑی ریہرسل کراتے ہیں ماسٹر جی۔۔۔ گلا ٹسک جاتا ہے۔

انور :۔ کیا پیو گی۔۔۔۔

لڑکی :۔ کچھ پلا دیں۔۔۔ سچ بڑی پیاس لگ رہی ہے۔۔۔

(ایک بازاری سی LOOK دیتی ہے)

مولا داد :۔ (آتے ہوتے) جیپ تیار ہے چودھری جی۔

انور :۔ (اس کی آمد سے DISTURB ہوتا ہے) اچھا۔۔۔ پر مولا داد۔۔۔ ۔۔۔ تم خواہ مخواہ ضد کر رہے ہو۔

مولا داد :۔ ضد کی بات نہیں ہے چودھری جی۔ یہاں یہ کام مناسب نہیں ہے۔

انور :۔ پر میاں جی نے مجھ کو تاکید کی تھی یہاں رہنے کی۔

مولا داد :۔ اُس کا حل بھی میں بتاؤں گا آپ کو۔۔۔

نذر عباس :۔ مولا داد ٹھیک کہتا ہے انور۔۔۔ تیرا یہاں (بیاہ) ہونا ہے۔۔۔ ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی ٹھیک ہے۔

انور :۔ (جیب سے کچھ پیسے نکال کر پری پیکر کو دیتا ہے) ان آدمیوں کو روٹی شوٹی کھلا دینا۔۔۔ ثمینہ کو ہم اس کے گھر اتار دیں گے۔۔۔ کیوں ثمینہ!

لڑکی :۔ ٹھیک ہے جی۔۔۔

(پری پیکر اس کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہے)

انور :۔ پتہ سمجھ لیا ہے نا۔۔۔ اب کل وہیں آنا۔۔۔

پری پیکر :۔ آپ فکر ہی نہ کریں جی۔۔۔ ہم پورے دس بجے پہنچ جائیں گے۔

انور :۔ (نذر عباس کی طرف دیکھ کر ہنستا ہے) دس بجے تو بڑی سویر ہوتی ہے۔

پری پیکر :۔۔۔ دوپہر کے بعد آنا۔

پری پیکر :۔ بالکل ٹھیک ہے جی۔

(پری پیکر مسکراتا ہے نظر مولا داد سے ملتی ہے جو اسے گھور رہا ہے۔ گھبرا کر دوسری طرف دیکھنے لگتا ہے) CUT

سین نمبر ۱۹

(علم: ...ن کا گھر)

ماسٹر :۔ علم دین، ٹھیک کہتا ہے بیٹا محمد رشید۔ تم کچھ دنوں کے لئے شہر چلے جاؤ۔

رشید :۔ کمال کرتے ہیں آپ ماسٹر جی، یہ بیسویں صدی ہے۔۔۔ ہم ایک آزاد ملک میں رہتے ہیں۔

علم دین :۔ یہ سکندر پور ہے بیٹا محمد رشید۔

رشید :۔ آپ کچھ بھی کہیں ابا جی۔۔۔ میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔۔۔

ماسٹر :۔ حالات بہتر ہو جائیں گے تو پھر آجانا۔ میں چودھری صاحب سے بات کروں گا۔

رشید :۔ اگر میں آج یہاں سے چلا گیا ماسٹر جی تو پھر میرے واپس آنے کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔۔۔

ماسٹر :۔ نہیں بیٹا نہیں۔۔۔ دل چھوٹا نہیں کرتے۔۔۔ علم دین تمہارے بھلے کی بات کر رہا ہے۔۔

رشید :۔ میں نے قانون کی تعلیم حاصل کی ہے ماسٹر جی۔۔۔ اور اس تعلیم نے مجھے بتایا ہے کہ اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے دوسروں کے حقوق کی حفاظت بھی ضروری ہوتی ہے۔

علم دین :۔ حشمت خاں بڑا ظالم آدمی ہے پتر محمد رشید۔

رشید :۔ قانون کی نظر میں وہ بھی اتنا ہی آدمی ہے ابا۔۔ جتنے میں تم یا کوئی اور۔

ماسٹر :۔ اللہ تمہاری حفاظت کرے بیٹا۔۔۔ اس علاقے میں یہ بات سوچی تو بہت ساروں نے ہے پر کہنے کا حوصلہ سب سے پہلے تم ہی نے کیا ہے۔ cut

سین نمبر ۲۰

(یعقوب کا گھر۔۔۔ ملازم کمرے کا دروازہ کھول کر ذکیہ کو اندر لاتا ہے یعقوب مسکرا کر اپنی جگہ سے اٹھتا ہے۔ زبیدہ بھی خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرتی ہے)

ذکیہ :۔ السلام علیکم۔

یعقوب :۔ وعلیکم السلام۔۔۔ شکر ہے بھابھی۔۔۔ آپ کو بھی کبھی ہماری یاد آئی۔۔۔

زبیدہ :۔ ادھر آجائیں۔۔۔ ادھر میرے پاس بیٹھیں۔

ذکیہ :۔ آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟

زبیدہ :۔ (ایک دم منہ بیماروں والا بناتی ہے) لعنت بھیجو اس طبیعت پر۔۔۔ اس نے تو کبھی ٹھیک ہونا ہی نہیں۔۔۔ سمجھ میں نہیں آتا، ہر طرح کا علاج کرا کے دیکھ لیا ہے۔

یعقوب :۔ (ہنستے ہوئے) اسے کوئی بیماری ویماری نہیں ہے بھابھی۔۔۔ اسے وہم ہے بیماری کا۔۔۔ اور وہم کا علاج تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں ہے۔۔۔

زبیدہ :۔ اللہ نہ کرے کبھی آپ کو ہو نا۔۔۔ تو پتہ چلے۔۔۔ کم بخت سیدھی سر کی طرف چڑھتی ہے۔

یعقوب :۔ کھانا کھانے کے بعد تو گیس سمجھ میں آتی ہے پر۔۔۔ بغیر کچھ کھائے پیئے یہ جو گیس ہوتی ہے نا یہ میں نے پہلی بار سُنی ہے۔

زبیدہ :۔ جس کو ہوتی ہے نا اُسے ہی پتہ چلتا ہے۔

ذکیہ :۔ (اس نوک جھونک سے محظوظ ہوتے ہوئے) آپ کیا یعقوب بھائی، ہر وقت میری اتنی پیاری بھابھی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں ۔۔۔۔

یعقوب :۔میں تو اسی کے بھلے کے لئے کہتا ہوں۔۔۔ ہر وقت بیماری کے بارے میں سوچتے رہنے سے آدمی اور بیمار ہو جاتا ہے۔

زبیدہ :۔ (اٹھتے ہوتے) مجھے کوئی شوق تو نہیں ہے نا اس کا۔۔۔ میں آپ کے لئے چائے بنواتی ہوں میری دوائی کا بھی ٹائم ہو رہا ہے۔۔

(زبیدہ جاتی ہے۔ ذکیہ کی مسکراہٹ ایک دم سمٹتی ہے۔ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگتی ہے۔یعقوب بھی سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔چند لمحوں کی خاموشی)

یعقوب :۔کیا بات ہے بھابی۔۔۔ کیا سوچ رہی ہیں ؟

ذکیہ :۔کچھ نہیں یعقوب بھائی۔۔۔ (بیگ میں سے ایک کاغذ نکالتی ہے) چند لمحے کچھ سوچتی ہے پھر کاغذ یعقوب کی طرف بڑھاتی ہے) یہ پڑھیئے ذرا۔۔۔

(یعقوب خط اس کے ہاتھ سے لیتا ہے۔خط دیکھتے ہی اس کے چہرے کا تاثر بدلتا ہے مگر اپنے آپ کو قابو میں رکھتے ہوئے خط پڑھنا شروع کرتا ہے۔چہرے پر حیرت کے تاثرات ہیں)

یعقوب :۔ (حیرت سے) یہ۔۔۔ یہ کیا ہے ؟

ذکیہ :۔آپ کی سمجھ میں کیا آتا ہے ؟

یعقوب :۔یہ فرخ کا خط ہے۔۔۔ مگر۔۔۔ کچھ عجیب سا انداز ہے اس کا۔۔۔ فرخ تو بڑا سلجھا ہوا لڑکا ہے۔

ذکیہ :۔ (اطمینان کا سانس لیتے ہوئے) آپ بالکل ٹھیک سمجھے ہیں۔۔۔ یہ خط فرخ کا نہیں ہے۔

(یعقوب سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے) کسی نے شرارت کی ہے۔

یعقوب :۔ (بظاہر لاپرواہی کے انداز میں) آپ کو کیسے ملا یہ خط۔۔۔ یہ تو غالباً سیمیں کے نام ہے۔

ذکیہ :۔یہ کسی نے سیمیں کی امی کو بھجوایا تھا۔۔۔ اور کوئی شخص فرخ بن کر اس کے گھر فضول قسم کے ٹیلی فون بھی کرتا رہا ہے۔

یعقوب :۔کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔۔۔ نہیں۔۔۔ کسی کو کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔۔۔

ذکیہ :۔اور اسی لئے سیمیں کی ماں نے اس دن ہمارے ساتھ ایسی بدتمیزی سے گفتگو کی تھی۔

یعقوب :۔ہاں، شاید۔۔۔ مگر۔۔۔ یہ تو بڑی گھٹیا حرکت ہے جس کسی نے بھی کی۔

ذکیہ :۔اب آپ بتائیے۔۔۔ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔۔۔

یعقوب :۔ (گو مگو کے عالم میں) آپ کو۔۔۔ فرخ کیا کہتا ہے ؟

ذکیہ:۔ اس کا خیال ہے ہمیں سیمیں کے گھر والوں کو پوری صورتِ حال بتانی چاہیئے۔۔۔ تاکہ اُن کی غلط فہمی دُور ہو سکے۔۔۔۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

یعقوب:۔ (قدرے گھبراتے ہوئے انداز میں) ہاں۔۔۔ بالکل۔۔۔ آپ کریں اُن سے بات۔

ذکیہ:۔ میرا خیال تھا۔۔۔ اگر یہ بات سیمیں کی ماں کے بجائے اس کے باپ سے کی جاتی تو زیادہ بہتر تھا۔

یعقوب:۔ (اُس کے جملے کا مطلب سمجھتے ہوئے) آپ کا مطلب ہے میں بات کروں۔ (ذکیہ اثبات میں سر ہلاتی ہے) ٹھیک ہے۔۔۔ فون کر کے ان کے گھر۔ (اٹھتا ہے)

ذکیہ:۔ فون تو ہے۔۔۔ مگر۔۔۔ یہ بات آپ کو بالمشافہ مل کر کرنی چاہیئے۔۔۔

یعقوب:۔ ہاں۔ ٹھیک ہے۔۔۔ میں صبح ملوں گا اس سے۔۔ کسی دفتر میں ہے وہ۔۔۔

سین نمبر ۲۱

(تہہ خانہ۔۔۔ دلاور چند لمحے دروازے کی کنڈی پہ پتری چلاتا ہے۔ پھر کنکھیوں سے شیر محمد کی طرف دیکھتا ہے جو سر دیوار سے لگائے بیٹھا تھا ادھر اُدھر دیکھ کر پتری دروازے میں پھنسا کر زور لگاتا ہے۔ پتری ٹوٹ جاتی ہے۔ جلدی سے شیر محمد کی طرف دیکھتا ہے کہ اسے تو پتہ نہیں چلا۔ شیر محمد نڈھال ہو رہا ہے)

دلاور:۔ (شیر محمد کو سنانے والے انداز میں) اوہ۔۔۔ یہ کیا ہوا؟

شیر محمد:۔ (نقاہت زدہ انداز میں) کیا ہوا بیٹے۔

دلاور:۔ یہ۔۔۔ پتری ٹوٹ گئی ہے جی۔

(شیر محمد جلدی سے اٹھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اُٹھ کر گرتا ہے۔ دلاور پتری اس کے قریب لاتا ہے)

شیر محمد:۔ اوہ۔۔۔ یہ تو بہت بُرا ہوا۔

دلاور:۔ اور کوئی چیز نہیں ہے آپ کے پاس۔

شیر محمد:۔ نہیں۔۔۔ یہ بھی میں نے بڑی مشکلوں سے بچا کے رکھی ہوئی تھی حشمت خاں لومڑی کی طرح چالاک ہے۔

(نقاہت سے کھانستا ہے لمبے لمبے سانس لیتا ہے)

دلاور:۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔ (آگر اس کا ہاتھ پکڑتا ہے) آپ کو تو بہت تیز بخار ہے۔

شیر محمد:۔ میری فکر نہ کرو بیٹا۔۔۔ میں تو اپنے دن پورے کر ہی چکا ہوں۔۔۔ ہو سکے تو تم یہاں سے نکل جاؤ

دلاور:۔ آپ کو کیوں قید کر رکھا ہے چودھری صاحب نے۔

شیر محمد:۔ بڑی لمبی کہانی ہے بیٹا۔

دلاور:۔ کاش میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا۔

شیر محمد:۔ (اُس کا کندھا تھپکتا ہے) اللہ تمہیں خوش رکھے۔

دلاور:۔ آپ نے بتایا نہیں ۔۔۔ کیوں قید کر رکھا ہے آپ کو چودھری صاحب نے۔

شیر محمد:۔ میں نے تہیہ کیا تھا کہ یہ راز اپنے سینے میں لے کر مروں گا ۔۔۔ لیکن پتہ نہیں کیوں تم پر اعتماد کرنے کو جی چاہ رہا ہے ۔۔۔ شاید اس لئے کہ میں نے پچیس برس میں حشمت خاں اور اس کے پالتو نوکروں کے علاوہ کسی کی شکل نہیں دیکھی۔ میں کسی انسان کی صورت کو ترس گیا تھا۔ جو بات میں تم سے کرنے والا ہوں اُس کی ہوا بھی حشمت خاں کو نہ لگنے دینا۔ ورنہ ۔۔۔ تمہارا بھی یہی حشر ہوگا (زنجیریں جھنکاتا ہے) میرا نام شیر محمد ہے بیٹا ۔۔۔

قسط نمبر ۱۳

سین ۱

(شیر محمد اپنی کہانی شروع کرتا ہے۔ دلاور گہری دلچسپی سے سن رہا ہے)

شیر محمد: میں سید پور کے جنگلات میں فارسٹ گارڈ تھا، پاکستان بننے سے پہلے کی بات ہے ..... چودھری حشمت اکثر وہاں شکار کھیلنے آیا کرتا تھا۔

(یہاں سے SILENT FILM شروع ہوتی ہے جس میں شیر محمد کی باتوں کو VISUAL میں دکھاتے ہیں جس پر شیر محمد کی آواز V.O ہوتی ہے) مجھے وہ اپنے غیر انسانی تکبّر اور نخوت کی وجہ سے اچھا نہیں لگتا تھا مگر میں اس کی پذیرائی پر مجبور تھا کیونکہ وہ اس علاقے کا سب سے بڑا جاگیردار تھا اور میں ایک معمولی فارسٹ گارڈ۔ ویسے میرے ساتھ اس کا رویہ بہت اچھا تھا، شاید اسی لئے آہستہ آہستہ ہم دونوں میں خاصی بے تکلفی پیدا ہو گئی تھی۔

سین ۲

(چودھری حشمت عمر تقریباً ۴۰ سال اور شیر محمد۔ فارسٹ گارڈ کا کمرہ ...
حشمت شکاری لباس میں ملبوس ...... دونوں کسی بات پر ہنس رہے ہیں)

حشمت: (ہنستے ہوئے) یار، شیر محمد تجھ کو تو کسی فلم میں ایکٹر ہونا چاہیئے .... تو تو ضائع ہو رہا ہے ان جنگلوں میں .... پر تو نوٹ کیسے کرتا ہے ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو۔

شیر محمد: جنگل بڑی ظالم جگہ ہے حشمت صاحب ..... اس کی خاموشی اور تنہائی میں تو دل کی دھڑکن بھی گھڑی کی ٹک ٹک کی طرح سنائی دینے لگتی ہے۔ درخت باتیں کرتے ہیں..... ہوا سرگوشیاں کرتی ہے اور ٹوٹتے ہوئے پتے آوازیں دے کر آدمی کو روک لیتے ہیں ..... میں نے یہ سب کچھ اسی جنگل سے سیکھا ہے۔

حشمت: میری بھی ساری عمر انہی جنگلوں میں گزری ہے مجھ سے تو کبھی ان پتوں، ہواؤں، درختوں وغیرہ نے باتیں نہیں کیں۔

شیر محمد: (ہنستے ہوئے) وہ اس لئے کہ انہیں پتہ ہوتا ہے بات کس سے کرنی چاہیئے ..... آپ کا

کیا ہے ذرا کوئی بات مزاج کے خلاف ہوگئی تو درخت کٹوا دیں گے۔ آپ کا بس چلے تو اپنی مرضی کے خلاف چلنے والی ہوا کی بھی مشکیں بندھوا دیں۔

حشمت: بہت غلط رائے ہے تمہاری میرے بارے میں ..... اچھا یہ بتاؤ درخت قطاروں میں کیوں لگائے جاتے ہیں .... پھولوں کی کیاریاں کیوں بنائی جاتی ہیں..... اور پودوں کی کانٹ چھانٹ کیوں کی جاتی ہے۔

شیر محمد: اس لئے کہ ...... وہ ایک ترتیب میں رہیں..... سمیٹری ہو ان میں کوئی چیز اپنی حد سے تجاوز نہ کرے..... یہی اصول ہے سب سے بڑا ......

حشمت: یہ قدرت کا قانون ہے شیر محمد..... اور قدرت اپنے قانون بہت سوچ سمجھ کر بناتی ہے.... چلو مٹی پاؤ اس بحث پر..... چائے بنواؤ ذرا۔

شیر محمد: ابھی بناتا ہوں.... پر ایک بات ہے..... (حشمت اس کی طرف دیکھتا ہے)
آپ کے حساب سے تو میں بھی ایک درخت ہی ہوا۔

حشمت: (ہنستے ہوئے) پر تم شیشم کے درخت ہو!! جنگے اور مضبوط۔

شیر محمد: (میز سے پیالیاں اٹھاتے ہوئے سرسری لیکن معنی خیز لہجے میں) اور آپ..... آپ کون سا درخت ہیں حشمت صاحب۔

حشمت: (گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے) میں درخت نہیں ہوں شیر محمد.... رکھا ہوں اس جنگل کا..... فارسٹ گارڈ ہوں، تمہاری طرح۔

سین ۳

(شکار کے کچھ سین ۔ حشمت گھوڑا دوڑاتا جنگل میں پھر رہا ہے۔ فائر کرتا ہے۔
فتح یابی سے مسکراتا ہے۔ اپنے آدمیوں کو اشارہ کرتا ہے کہ شکار کو پکڑ کے لائیں
آدمی ایک طرف بھاگتے ہیں..... مڑ کر پھر کسی طرف کا نشانہ لیتا ہے۔)

(شیر محمد اپنے دفتر میں بیٹھا کچھ پڑھ رہا ہے۔ شیشوں پر بارش .... گرج چمک
باہر سے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آتی ہے ایکدم کتاب ہاتھ سے رکھتا ہے
اٹھتا ہے..... دروازہ زور سے کھلتا ہے حشمت شکاری لباس میں ملبوس
پانی میں شرابور اندر آتا ہے) شیر محمد: (مسکراتے ہوئے) آپ ؟
(ہاتھ ملاتا ہے)

حشمت: (کپڑوں سے پانی جھاڑتے ہوئے آتش دان کے قریب آتا ہے) بہت اچھا ہوا تم سے ملاقات ہوگئی..... بیٹھو۔

شیر محمد: (کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھتا ہے) آپ کا پروگرام کیسے بن گیا اچانک؟

حشمت: کل رات کو مجھے پتہ چلا کہ نہر کے اس طرف..... سفیدے کے پاس..... ایک سفید چیتیا دیکھا گیا ہے اس کے لئے آیا تھا..... تم شہر خیریت سے گئے تھے نا.....

شیر محمد: ہاں جی بالکل خیریت تھی..... ذکیہ..... میری بیٹی، پاس ہوئی ہے بی اے میں..... اس کو مبارک دینے گیا تھا..... ماشاءاللہ فرسٹ ڈویژن آئی ہے اس کی۔

حشمت: (ہنستے ہوتے) آخر دھی (بیٹی) کس کی ہے؟..... کبھی لاؤ نا اس کو سکندر پور..... ہم بھی اپنی دھی کو کچھ انعام شنام دیں۔

شیر محمد: میں تو بہت کہتا ہوں اس سے..... پر اسے پڑھائی سے ہی فرصت نہیں ملتی..... اچھا..... اس دفعہ چھٹیوں میں لاؤں گا اسے۔

حشمت: (ہنستے ہوتے) میرا خیال ہے وہ ہم پنڈ والوں کو جاہل اور جنگلی سمجھتی ہے۔

شیر محمد: نہیں۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ آپ کے بچے ولائیت میں پڑھتے ہیں اور آپ خود گریجویٹ ہیں۔

حشمت: (آتشدان کے قریب ہو کر ہاتھ رگڑتے ہوتے) تعلیم بڑی اچھی چیز ہے، شیر محمد..... پر مجھے لگتا ہے جو لوگ کتابیں لکھتے ہیں ان کو بہت ساری باتوں کا پتہ نہیں ہوتا۔

شیر محمد: مثلاً۔

حشمت: مثلاً یہ کہ سب انسان برابر ہوتے ہیں..... یعنی چودھری حشمت خان اور علم دین کمہار میں کوئی فرق نہیں۔ حالانکہ یہ فرق اندھوں کو بھی نظر آتا ہے۔

شیر محمد: یہ بات تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار کہی ہے.....

حشمت: اس کا مطلب اور ہے شیر محمد..... وہ دوسرا مسئلہ ہے..... اس کا مطلب یہ ہے کہ غریبوں غلاموں اور کمزوروں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ ان کی پرورش کرنی چاہیئے..... سو وہ میں کرتا ہوں۔

شیر محمد: آپ کو پتہ ہے رسول کریمؐ نے حضرت بلالؓ کو کعبے کی چھت پر چڑھ کر اذان دینے کے لئے کیوں کہا تھا۔

حشمت: اس لئے کہ ان کی آواز اچھی تھی..... دور تک جاتی تھی.....

شیر محمد: نہیں حشمت صاحب..... نہیں حضرت عمرؓ خطاب نے جناب بلالؓ کو اپنا سردار اس لئے کہا تھا کہ رنگ ونسل اور رتبے کی وہ سب دیواریں جو قریش کو نے اپنے لوگوں کے درمیان بلند کر رکھی تھیں انہیں گرا دیا جائے..... اپنے رب کے حضور میں محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے کئے جائیں۔

حشمت: تو اگر مولوی ہوتا نا شیر محمد تو تجھے میں اپنے گاؤں میں گھسنے نہ دیتا..... بڑے غلط خیالات ہیں تیرے..... ان پر تو پابندی عائد ہونی چاہیئے۔

شیر محمد: (مسکراتے ہوتے) اب تو پابندیاں ختم ہونے والی ہیں حشمت صاحب..... اتنی صدیوں کے

گھپ اندھیرے کے بعد اب ان زمینوں پر پھر سے آزادی کا سورج طلوع ہونے والا ہے..... "پاکستان" بن رہا ہے حشمت صاحب۔

حشمت: بھئی صاف بات ہے...... میری سمجھ میں نہیں آتا تمہارا یہ پاکستان۔ اچھی بھلی حکومت چل رہی ہے.. انگریز جیسی اعلیٰ قوم نور دئے زمین پر نہیں...... پتہ نہیں یہ تمہارے قائداعظمؒ کو کیا ہو گیا ہے اچھی بھلی وکالت کرتے کرتے سیاست میں پڑ گیا ہے۔

شیر محمد: آزادی دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے حشمت صاحب۔

حشمت: تو اب کس نے زنجیریں ڈالی ہوئی ہیں تمہیں..... کس چیز کی آزادی نہیں ہے..... کھاؤ، پیئو، پہنو نوکریاں کرو..... انگریز تو تمہارے کسی کام میں دخل نہیں دیتا۔

شیر محمد: یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی..... میرے سر میں دماغ نہیں ہے۔؟

شیر محمد: دماغ ہے؟ حشمت صاحب.....، پر اس دماغ میں حشمت خاں اور علم دین کے لئے علیحدہ علیحدہ خانے بنے ہوئے ہیں..... اور جس دماغ میں انسانوں کے لئے بھی مرغیوں کی طرح ڈربے بنے ہوں اس میں پاکستان کی بات ذرا مشکل ہی سے آتی ہے.....

حشمت: نہ..... تم میری بات نہیں سمجھے شیر محمد..... مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے پاکستان بننے پر..... مجھے کیا فرق پڑتا ہے اس سے..... میرے کہنے کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ انگریز بڑی طاقت ور قوم ہے اس نے جرمن کو شکست دی ہے..... تم اس کا کیا بگاڑ لو گے۔

شیر محمد: دل میں جذبہ اور ارادے میں مضبوطی ہونی چاہیے حشمت صاحب..... خدا کی قسم انگریز تو کیا اگر ساری دنیا کی طاقت ور تریں مل کر بھی چاہیں تو کسی قوم کو آزادی سے باز نہیں رکھ سکتیں۔

حشمت: (دیوار پر ٹنگی ہوئی شیر محمد کی وردی کو چھوتا ہے جیسے اسے احساس دلا رہا ہو پھر ہنستے ہوئے کہتا ہے) اگر تمہاری ان باتوں کا پتہ حکومت کو چل جاتے..... تو وہ تجھے فوراً نوکری سے نکال دے.....

شیر محمد: لوگ اپنی جانیں دینے پر تلے ہوتے ہیں حشمت صاحب..... آپ مجھے نوکری سے ڈرا رہے ہیں۔

حشمت: (کپڑے پہنے ہوتے کھڑکی کی طرف دیکھتا ہے) بارش رک گئی ہے..... میں اب چلتا ہوں..... ابھی ان لاشوں کو بھی لواحقین تک پہنچانا ہے۔

شیر محمد: (چونک کر) لاشیں..... کون سی لاشیں۔

حشمت: (بے پرواہی سے) کچھ نہیں..... وہ چھینے سے مقابلے کے دوران میرے دو آدمی مارے گئے ہیں..... بڑا اچھا وار چھینا تھا۔

شیر محمد: مم..... مگر..... آپ نے مجھے بتایا ہی نہیں.....

حشمت: کیا بتاتا..... تم کوئی ڈاکٹر ہو۔ ایک ان میں سے موقع پر ہی مر گیا اور دوسرے کی حالت ایسی تھی کہ اب تک مر گیا ہو گا.....

شیر محمد: (سخت حیرت اور غم سے) تو.... تو..... آپ اسے زخمی چھوڑ کر یہاں بیٹھے ہوتے ہیں۔
حشمت: میں نے تم کو بتایا ہے نا شیر محمد..... اس کی حالت نہیں تھی بچنے کی.... مجھے بہت تجربہ ہے ان باتوں کا..... زخمی کی شکل دیکھ کر بتا سکتا ہوں..... یہ بچے گا کہ نہیں....
شیر محمد: مگر..... یہ تو قتل ہے حشمت صاحب..... ایک آدمی مر رہا ہے اور آپ یہ سوچ کر اسے مرنے دے رہے ہیں کہ آپ کے خیال میں اس کا بچنا مشکل ہے۔ چلیئے میں چلتا ہوں آپ کے ساتھ۔
حشمت: (ہنستے ہوئے) اچھا بھئی۔ تم بھی اپنا شوق پورا کر لو..... آؤ..... پر اگر وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے مر نہ گیا ہو تو میرا نام بدل لینا....
(طنزیہ انداز میں) آؤ نا..... کہیں دیر نہ ہو جائے تمہیں.. لے لو لے لو۔ دوائیاں بھی لے لو۔
(شیر محمد الماری سے فرسٹ ایڈ بکس نکال رہا ہے، مڑتا ہے۔ شیر محمد کا کلوز جو گہرے غم اور حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے)

سین ر ۴

(تہہ خانہ۔ دلاور کا کلوز جو سخت حیرت سے یہ کہانی سن رہا ہے۔ شیر محمد کھانستا ہے نڈھال ہو کر گرتا ہے۔ دلاور اسے پانی پلاتا ہے)
دلاور: اوہ خدایا..... کتنے ظالم انسان ہیں چودھری صاحب؟
شیر محمد: اسے انسان مت کہو بیٹا..... وہ بھیڑیا ہے..... اسے اپنی زمینوں کے علاوہ کسی کی پرواہ نہیں..... ان کے لئے اس نے اور اس کے بزرگوں نے انگریزوں کی خدمتیں کی ہیں۔ ان کے لئے جنگلوں میں سپاہی بھرتی کرائے ہیں۔ ماؤں سے ان کے بچے..... عورتوں سے ان کے سہاگ چھینے ہیں۔
دلاور: آپ کا ان کا جھگڑا کیسے ہوا؟..... آپ کی باتوں سے تو لگتا ہے کہ وہ.....
شیر محمد: بتاتا ہوں بیٹے بتاتا ہوں..... مجھے لگتا ہے شاید میرا وقت آ گیا ہے جو بات میں تمہیں بتانے لگا ہوں اسے جاننے کے لئے ہی حشمت نے اتنے برسوں سے مجھے یہاں قید کر رکھا ہے اگر تم کسی طرح اس کے ہاتھ سے بچ جاؤ..... تو یہ بات حکومت کے کسی ذمہ دار افسر تک ضرور پہنچا دینا.... بولو، کرو گے نا یہ کام..... (دلاور اعتماد کے ساتھ سر ہلاتا ہے) جیتے رہو..... اللہ تمہیں زندگی دے..... تم جیسے بہادر نوجوان ہی پاکستان کا سرمایہ ہیں..... یہ جولائی سن سنتالیس کی بات ہے پاکستان کے قیام کا اعلان ہو چکا تھا۔ ساری قوم کی طرح میں بھی بہت خوش تھا..... ایک دن حشمت خاں شکار کھیلنے کے لئے جنگل میں آیا ہوا تھا.. شام کے وقت ہم دونوں گھوڑوں پہ باتیں کرتے جا رہے تھے.....
شاید اس وجہ سے کہ پاکستان اب ایک حقیقت بن رہا تھا۔ اس دن بہت بدلے ہوئے انداز میں باتیں کر رہا تھا۔

سین مر۵

(حشمت اور شیر محمد گھوڑوں پر جنگل میں سے گزر رہے ہیں ان پر ان کی
باتیں ملاہ ہوتی ہیں)

حشمت: کل چودھری ریاست علی آیا ہوا تھا میری طرف .... ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ قائداعظمؒ سے ملاقات کرکے اسے اپنی حمایت کا یقین دلائیں۔ ایک بات ہے شیر محمد یہ تمہارا قائداعظمؒ دیکھنے میں نہیں لگتا کہ اتنا ہوشیار ہوگا..... بالکل ہی دبلا پتلا سا ہے.... قومی لیڈر کو رہنما کو ذرا جاندار ہونا چاہیئے.... کرتی دیکھے تو کہے..... شاوا..... بھئی..... شاوا جوان۔

شیر محمد: آپ کے ذہن میں طاقت سے مراد جوانی ہوتی ہے..... حالانکہ انسان اور حیوان میں فرق صرف دماغ کا ہی ہے۔

حشمت: دماغ تو اس کا بڑا چوکس ہے.... میں نے بیان پڑھے ہیں اس کے اخباروں میں.... انگریز کو بڑا پریشان کیا ہوا ہے اس نے.... سنا ہے اس کی بڑی پریکٹس تھی وکالت کی.....

شیر محمد: جی ہاں..... ایک ہزار روپے روز سے زیادہ کی آمدنی تھی.....

حشمت: (حیرت سے) اچھا..... پر یار شیر محمد..... یہ تو بڑا گھاٹے کا سودا ہے۔

شیر محمد: یہ سودا نہیں ہے حشمت صاحب۔ قوم کی آزادی پیسوں سے نہیں تولی جاتی.....

(دور سے فائرنگ کی آوازیں آتی ہیں۔ دونوں ایک دم رکتے ہیں حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ آوازیں پھر آتی ہیں۔ دونوں آوازوں کی سمت دیکھتے ہیں، دور سے ایک پرانے طرز کی جیپ لڑکھڑاتی ہوئی آتی ہے راستے سے ہٹ کر درختوں میں گھستی ہے تھوڑی دیر نگاہوں سے اوجھل اس کا شور اور دھماکہ ہوتا ہے دونوں اس طرف گھوڑے دوڑاتے ہیں۔)

سین مر۶

(ایک پرانے طرز کی جیپ نشیب میں ایک درخت کے ساتھ تقریباً الٹنے کے انداز میں رکی ہوتی ہے اس کا انجن چل رہا ہے اور پچھلے پہیے ہوا میں اٹھے ہوتے ہیں حشمت اور شیر محمد گھوڑے دوڑاتے اس کے پاس آتے ہیں۔ دونوں گھوڑوں سے اترتے ہیں۔ شیر محمد بھاگ کر جیپ کے پاس جاتا ہے۔ سوئچ آف کرتا ہے۔ ایک زخمی آدمی کو کھینچ کر باہر نکالتا ہے آدمی زمین پر گر کر لمبی لمبی سانسیں لیتا ہے۔ سخت زخمی ہے آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ حشمت شیر محمد کو ایک طرف ہٹا کر تیزی سے آگے بڑھتا ہے زخمی کے زخموں کی حالت دیکھتا ہے اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹتا ہے شیر محمد سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہے)

حشمت: (نفی میں سر ہلاتے ہوتے) یہ نہیں بچے گا شیر محمد ۔ ۔ ۔ ۔

شیر محمد: (انداز سے معلوم ہوتا ہے جیسے اسے بھی حشمت کی رائے سے اتفاق ہو) پھر بھی ہمیں کوشش تو کرنی چاہیئے ۔ ۔ ۔

(زخمی کو بلاتے ہوتے) تم کون ہو ۔ ۔ ۔ ۔ اور کس نے مارا ہے تمہیں ۔ ۔ ۔ ۔

(بہت سے گھوڑوں کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز آتی ہے ۔ زخمی خوف سے کانپتا ہے)

زخمی: وہ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ آگئے ۔ ۔ ۔ ۔ خدا کے لئے مجھے کہیں چھپا دیں۔

حشمت: اوئے کون لوگ ہیں یہ ۔ ۔ ۔ ۔

(زخمی گھبرا کر تیزی سے چھپنے کی کوشش کرتا ہے نڈھال ہو کر گر پڑتا ہے شیر محمد اسے اٹھا کر اوٹ میں کرتا ہے ان کے اوپر سے بہت سے گھڑ سوار لانگ شارٹ میں تیزی سے جاتے ہوتے دکھائی دیتے ہیں' زوم اِن کرتے ہیں گھوڑوں کی آوازیں دور ہوتی جاتی ہیں۔ شیر محمد رومال سے زخمی کا چہرہ صاف کرتا ہے)

شیر محمد: یہ گاڑی تمہاری ہے ۔ (زخمی نفی میں سر ہلاتا ہے) تم کون ہو؟

زخمی: (شکستہ لہجے میں) میں ڈرائیور ہوں جی اس گاڑی کا ۔ ۔ ۔ یہ سرکاری گاڑی ہے ۔

(کراہ کر منہ دوسری طرف کرتا ہے)

ڈاکوؤں نے اس پر حملہ کر دیا تھا جی ۔

حشمت: ڈاکوؤں نے اس میں سے کیا لینا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ یہ تو بڑی پرانی سی جیپ ہے ۔ ۔ ۔ ۔

زخمی: اس میں لاکھوں روپے کا سونا ہے جی ۔ ۔ ۔ ۔

حشمت: سونا؟ اس میں؟

زخمی: ہاں جی ۔ ۔ ۔ ۔ میرے ساتھ گارد بھی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ایک انگریز کیپٹن بھی تھا ۔ ۔ ۔ ۔ سب مارے گئے جی ۔ ۔

حشمت: مگر تم یہ سونا کہاں لے جا رہے تھے؟

زخمی: ہمیں تو گورداسپور تک پہنچانے کا حکم ملا تھا جی ۔ ۔ ۔ ۔ آگے کوئی اور جیپ جاتے گی (آہ! کراہتا ہے)

شیر محمد: میرا خیال ہے حکومت ریزرو گولڈ کی شفٹنگ کر رہی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ مگر ڈاکوؤں کو کیسے پتہ چلا ۔ ۔ ۔ ۔

(زخمی کے قریب جھکتے ہوتے) گورداسپور میں کہاں پہنچانا ہے تم نے یہ سونا ۔ ۔ ۔ چند لمحے جواب کا انتظار کرتا ہے پھر گھبرا کر زخمی کے منہ پر ہوش میں لانے والے ہلکے ہلکے تھپڑ لگاتا ہے) آنکھیں کھولو ۔ آنکھیں کھولو جوان ۔

حشمت: (اٹھ کر کپڑے جھاڑتے ہوتے) کوئی فائدہ نہیں شیر محمد ۔ ۔ ۔ ۔ مردے جواب نہیں دیا کرتے ۔

شیر محمد: (حیرت اور دکھ سے) تو یہ ۔ ۔ ۔ ۔ مر گیا ہے؟

حشمت: ہاں۔

شیر محمد: اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟

(حشمت اس کی بات کا جواب دیئے بغیر جیپ کی طرف جاتا ہے ایک فولادی بکس کھینچ کر زمین پر رکھتا ہے اور اس کے بعد دو اور بکسے زمین پر رکھتا ہے انہیں باری باری اٹھا کر وزن کا اندازہ کرتا ہے شیر محمد حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے حشمت کچھ حساب لگاتا ہے۔)

حشمت: اگر ان میں واقعی سونا ہے تو ہم اس وقت کروڑپتی ہیں۔ شیر محمد۔

شیر محمد: مگر یہ دولت ہماری نہیں حشمت صاحب

حشمت: دولت اس کی ہوتی ہے شیر محمد جس کے پاس ہو۔ اٹھاؤ انہیں اور آؤ نکل چلیں . . .

شیر محمد: نہیں . . . . . حشمت صاحب . . . . نہیں۔

حشمت: بے وقوف نہ بنو شیر محمد . . . . . . ہماری یہاں موجودگی کا کسی کو علم نہیں . . . . اگر ہم یہ سونا لے کر نکل جائیں تو اس کا الزام ہم پر نہیں ان ڈاکوؤں پر ہوگا . . . جنہوں نے اس گاڑی پر حملہ کیا تھا۔

شیر محمد: یہ جرم ہے حشمت صاحب۔

حشمت: جرم وہ ہوتا ہے جو ثابت ہو جاتے . . . . . آؤ . . . اٹھاؤ اسے . . . . یہ موقع پھر ہاتھ نہیں آئے گا . .

شیر محمد: ہمیں پولیس کو اطلاع دینی چاہیئے . . . . .

(حشمت چند لمحے غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر کچھ سوچ کر شاطرانہ انداز میں مسکراتا ہے۔ شیر محمد کی طرف دیکھتا ہے جو جیپ میں رکھے ہوتے ایک بیگ کو کھول کر مختلف کاغذات دیکھ رہا ہے۔)

حشمت: تو تم یہ دولت حکومت کو واپس کرنا چاہتے ہو۔

شیر محمد: ہاں۔

حشمت: (شاطرانہ انداز میں) کس حکومت کو؟ (شیر محمد چونک کر اس کی طرف دیکھتا ہے) جس کے خلاف تم ہر وقت باتیں کرتے رہتے ہو . . . جو تمہارے بقول تمہارے ملک کو لوٹ کر کھا رہی ہے . . . اپنے ملک کی یہ دولت تم انگریز کو واپس کرنا چاہتے ہو . . . . . (شیر محمد گہری سوچ میں پڑ جاتا ہے) یہ دولت ہماری ہے۔ شیر محمد۔ انگریز کا اس پر کوئی حق نہیں۔

شیر محمد: آپ ٹھیک کہتے ہیں حشمت صاحب . . . . پر . . . . . .

حشمت: (مسکراتے ہوتے) تمہاری سات پشتیں سنور جائیں گی۔ شیر محمد۔ اتنی دولت تم نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوگی۔

شیر محمد: (سوچتے ہوتے ایکدم جیسے کسی خیال سے چونک اٹھتا ہے) ایک آئیڈیا آیا ہے میرے ذہن

ہیں حشمت صاحب۔

حشمت: (ہنستے ہوئے) دولت سامنے ہو تو آبیڈیے خود بخود آتے ہیں شیر محمد۔

شیر محمد: (اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے) ہم ان بکسوں کو کہیں چھپا دیتے ہیں (حشمت کامیابی کی سکراہٹ کے ساتھ اس کی بات سنتا ہے اثبات میں سر ہلاتا ہے) آج کیا تاریخ ہے۔

حشمت: (قدرے حیرت سے) چھ....

شیر محمد: مہینے سوا مہینے بعد پاکستان بن جائے گا.... ہم اس وقت تک اسے چھپا کے رکھیں گے...

حشمت: (شیر محمد کی بات سمجھتے ہوئے) پھر!

شیر محمد: یہ ہم اپنی طرف سے اپنی قوم کو تحفہ دیں گے....

حشمت: کیا ہو گیا ہے تمہیں شیر محمد..

(ایکدم گھوڑوں کے قدموں کی آوازیں سن کر رکتا ہے شیر محمد کو کھینچ کر آڑ میں کرتا ہے دور جاتی ہوئی آوازیں سنتا ہے کسی منصوبے کی چمک اس کی آنکھوں میں ابھرتی ہے)

حشمت: تم ٹھیک کہتے ہو شیر محمد۔ یہی سب سے بہتر ہے.... آؤ.. (صندوق کی طرف اشارہ کر کے) اس طرف سے پکڑو۔

سین ۷

(شیر محمد اور حشمت بکسے کو شیر محمد کے دفتر سے ملحقہ ایک کوٹھڑی میں رکھتے ہیں۔ شیر محمد کوٹھڑی کو تالا لگاتا ہے۔ دونوں کا سانس پھولا ہے شیر محمد کرسی پر گر کر ماتھے سے پسینہ صاف کرتا ہے۔ حشمت خاں کسی گہری سوچ میں ہے)

حشمت: تمہارے خیال میں یہ یہاں محفوظ ہے۔

شیر محمد: بالکل.... اس کی چابی صرف میرے پاس ہوتی ہے... اور یہاں کوئی آنا جانا بھی نہیں۔

حشمت: میرا خیال ہے اسے ہم حویلی لے چلتے ہیں.... وہاں زیادہ محفوظ رہے گا...

شیر محمد: یہ بڑا اہم واقعہ ہے حشمت صاحب بہت بڑے پیمانے پر اس کی تفتیش ہو گی.... اگر کسی کے کانوں میں اس کی بھنک بھی پڑ گئی تو آپ خواہ مخواہ مصیبت میں پڑ جائیں گے..... اسے یہیں رہنے دیں۔

حشمت: (سوچتے ہوئے اٹھتا ہے) تو ٹھیک ہے شیر محمد پر.... مگر بہت چوکس رہنا... اس کے یہاں ہونے سے تمہاری زندگی نوکری دونوں خطرے میں ہیں۔

سین ۸

(تہہ خانہ۔ دلاور گہری دلچسپی سے سن رہا ہے)

شیر محمد: حشمت نے بالکل ٹھیک کہا تھا دلاور..... اس کے جانے کے بعد میں نے سوچنا شروع کیا تو پتہ

نہیں کیوں سب سے زیادہ ڈر مجھے حشمت خاں سے آیا.... مجھے اس کی خصلت کا اندازہ تھا.... میرا دل بار بار کہتا تھا کہ حشمت اس دولت کو حاصل کرنے کی کوشش ضرور کرے گا..... چنانچہ اس رات میں نے تینوں صندوق اس کوٹھڑی سے نکال لیے (یہاں سے کیمرہ ایکشن پر جاتا ہے اس پر شیر محمد کی آواز fade ہوتی ہے)

سین نمبر ۹

(شیر محمد تینوں صندوق میز پر رکھتا ہے ہتھوڑی اور چھینی کے ساتھ اس کی حفاظتی پٹی اور تالہ توڑتا ہے۔ صندوق میں سونے کی اینٹیں قرینے سے چُنی ہوتی ہیں۔ ایک اینٹ اٹھا کر دیکھتا ہے اسے میز پر رکھتا ہے)

سین نمبر ۱۰

(رات کا وقت۔ شیر محمد سویا پڑا ہے۔ ایک بندوق آؤٹ فریم سے اس کے سینے پر آتی ہے اس پر حشمت کی غصے بھری آواز fade ہوتی ہے.... شیر محمد آنکھیں کھولتا ہے۔)

حشمت: آنکھیں کھول شیر محمد۔

شیر محمد: کیا بات ہے حشمت صاحب.... یہ بندوق کیوں تان رکھی ہے مجھ پر۔

حشمت: جھوٹے اور دغاباز آدمی کا فیصلہ میں ہمیشہ بندوق سے کرتا ہوں شیر محمد۔

شیر محمد: (بندوق ایک طرف ہٹا کر بیٹھتا ہے) بات کیا ہے؟

حشمت: وہ سونا کہاں ہے؟

شیر محمد: وہیں جہاں ہونا چاہیئے تھا۔

حشمت: وہاں نہیں ہے وہ.. صندوق خالی ہیں۔

شیر محمد: اوہ.... تو آپ وہاں سے ہو آئے ہیں.... اس کا مطلب ہے میرا شبہ درست تھا۔

حشمت: (تیز نظروں سے شیر محمد کی طرف دیکھتا ہے اس کی گردن پر بندوق کا دباؤ ڈالتا ہے) سونا میرے حوالے کر دے۔ شیر محمد... تو اس کے قابل نہیں ہے۔

شیر محمد: یہ سونا آپ کا نہیں ہے حشمت صاحب۔

حشمت: میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا دولت جس کے پاس ہو.... اس کی ہوتی ہے۔

شیر محمد: آپ کے حساب سے تو اس وقت وہ دولت چونکہ میرے پاس ہے.... اس لئے میری ہے۔

حشمت: ہاں.... مگر صرف اس وقت تک.... جب تک میں اسے تم سے چھین نہیں لیتا... چلو... نکالو کہاں چھپایا ہے اسے۔

شیر محمد: آپ کو یاد ہو گا ہم نے وہ سونا پاکستان کے لئے چھپایا تھا۔

حشمت: میرے پاس ان فضول باتوں کے لئے وقت نہیں ہے.... اگر تم دغابازی سے کام نہ لیتے

تو میں یقیناً اس میں سے آدھا تمہیں دے دیتا .... مگر اب میں تمہیں اپنی مرضی سے دوں گا ...

شیر محمد: مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیئے۔ حشمت صاحب ..... یہ دولت پاکستان کی امانت ہے اور یہ میں صرف اسی کے حوالے کروں گا .....

سین ۱۱

(تہہ خانہ)

حشمت: اب بھی وقت ہے شیر محمد .... سونے کا پتہ مجھے بتا دو ...

شیر محمد: (زخمی حالت میں کراہتے ہوتے) نہیں۔

حشمت: تیری ہڈیاں گل جائیں گی یہاں شیر محمد ... اور کسی کو خبر نہیں ہوگی .... میری بات مان لے ....

شیر محمد: میں عہد شکن نہیں ہوں حشمت خاں .. وہ سونا میرے ملک کی امانت ہے تم چاہے میری ہڈیوں کا سرمہ بنا دو میں تمہیں اس کا پتہ نہیں بتاؤں گا۔

حشمت: تیرے بیوی بچے تیرا انتظار کر رہے ہیں شیر محمد ... ان کی زندگی تباہ نہ کر ... مجھے جگہ کا پتہ بتا دے۔ میں تجھے مالا مال کر دوں گا۔

شیر محمد: نہیں حشمت خاں .... نہیں۔

(حشمت کا چہرہ غصے سے سرخ ہو جاتا ہے آگے بڑھ کر شیر محمد کا گلا دباتا ہے شیر محمد کا منہ سرخ ہو جاتا ہے۔ حشمت اس کے بالکل قریب ہو کر پھنکارتا ہے)

حشمت: بول کہاں چھپایا ہے وہ سونا۔

(شیر محمد آنکھوں کی حرکت سے انکار کرتا ہے حشمت پھر اس کا گلا دبانے لگتا ہے۔ ایکدم کچھ سوچ کر رک جاتا ہے۔ اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹتا ہے۔ لمبے لمبے سانس لیتا ہے جیسے اپنے حواس قابو میں کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔)

سین ۱۲

(تہہ خانہ۔ شیر محمد کا چہرہ پسینے سے شرابور ہے۔ دلاور کے چہرے پر گہری ہمدردی کے تاثرات ہیں)

شیر محمد: اس دن سے آج تک حشمت خاں میری زبان کھلوانے کے لئے یہ حربہ استعمال کر چکا ہے وہ مجھے قتل نہیں کرتا کیونکہ اس طرح وہ سونا ہمیشہ کے لئے اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

دلاور: (سخت متاثر ہو کر) خدایا ــــــ کیا انسان اتنا ظالم بھی ہو سکتا ہے۔

شیر محمد: میرے دل میں ایک حسرت ہے بیٹا ... کسی طرح وہ سونا حکومت تک پہنچ جاتے۔ اس کے بعد میں سکون سے مر سکوں گا۔ اگر تم یہاں سے نکل سکو تو میرا یہ کام ضرور کرنا بیٹا۔ خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔

دلاور: (سخت پریشانی میں) م .... مگر۔ شیر محمد صاحب .... میں تو ....

شیر محمد: شاید یہی ایک آرزو ہے جو مجھے زندہ رکھے ہوئے ہے۔ میں موت سے نہیں ڈرتا بیٹے۔ اگر مجھے یقین ہوجائے کہ وہ امانت میرے پاکستان تک پہنچ جائے گی تو میں اسی لمحے، اسی وقت مرنے کے لئے تیار ہوں۔

دلاور: آ۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔ کی ایک بیٹی بھی تو تھی۔

شیر محمد: وہ بھی۔۔۔ اس کی ماں بھی۔۔۔۔ وہ تو مرچکی ہیں، فسادات میں ماری گئی تھیں۔

دلاور: یہ بات بھی آپ کو چوہدری صاحب نے بتائی ہوگی۔

شیر محمد: ہاں۔۔۔ (دلاور گہری سوچ میں) میرا یہ کام کروگے نا بیٹے۔

دلاور: جی۔

شیر محمد: اللہ تمہیں زندگی دے۔

دلاور: مگر یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ وہ سونا آپ نے کہاں چھپایا تھا۔؟

شیر محمد: وہ وہیں ہے بیٹے۔ میرے کوارٹر کے پیچھے ایک بڑا سا پیپل کا درخت ہے اس کی کھوہ میں گڑھا کھود کر میں نے وہ سارا سونا چھپا دیا۔۔۔ اُدھر کوئی نہیں جاتا۔۔۔ مگر یہ بات حکومت کے کسی بڑے ذمہ دار آدمی کو بتانا۔

دلاور: اگر میں یہاں سے نکل سکا تو سب سے پہلے میں آپ کو چھڑانے کی کوشش کروں گا۔

شیر محمد: میری فکر مت کرو بیٹا۔۔۔ یہ کام زیادہ ضروری ہے۔

سین ۱۳ء

(دلاور حشمت خاں کے سامنے سر جھکائے کھڑا ہے۔ حالت بڑی خراب ہے۔
حشمت بے چینی سے چاروں طرف ٹہل رہا ہے۔ پھر دلاور کے قریب
آتا ہے)

حشمت: تجھ سے مجھے بڑی امیدیں ہیں دلاور۔۔۔ ذرا اپنی اس لیاقت کو آواز دے، اپنے دماغ پر زور ڈال۔

دلاور: کوشش کر رہا ہوں چوہدری جی۔۔۔ پر وہ بہت ہوشیار آدمی ہے۔۔۔ وقت لگے گا۔

حشمت: سونے کے بارے میں اس نے کوئی بات کی تجھ سے؟

دلاور: (آنکھیں چراتے ہوئے) نہیں چوہدری جی۔

حشمت: سمجھ میں نہیں آتا یہ آدمی کس مٹی کا بنا ہوا ہے۔

دلاور: تہہ خانے کا دروازہ۔۔۔۔ میرا مطلب ہے کنڈی ذرا بدلوا لیں چوہدری جی۔ اگر اس کے ہاتھ کھلے ہوتے تو اب تک۔۔۔۔۔

حشمت: کیا مطلب ہے تیرا۔؟

دلاور: مطلب یہ ہے جی کہ اس کے پاس ایک پتری تھی جس سے دروازے کی کنڈی کٹ سکتی ہے۔

حشمت: کدھر ہے وہ پتری۔

دلاور: وہ میں نے توڑ دی ہے جی۔

حشمت : شاباش ... پر تو مگر نہ کر جوان اس حویلی سے فرار ہونا آسان کم از کم نہیں اور اگر وہ نکل بھی گیا ہوتا تو میرے آدمی اسے ضرور پکڑ لیتے۔

(دلاور کا کلوز کسی گہری سوچ میں ہے ایک نظر حشمت کی جوانی کی تصویر پر ڈالتا ہے)

سین ۱۴

(شیر محمد کی جوانی کی تصویر ایک فریم میں لگی ہے۔ جسے ذکیہ فریم کھول کر ٹھیک کر رہی ہے۔ فرخ بستر میں لیٹا کوئی کتاب پڑھ رہا ہے۔ کیمرہ اوپن ہوتا ہے تو تصویر نظر نہیں آتی۔ کیونکہ فریم کا رخ نیچے کی طرف ہے)

فرخ : یہ آپ نانا ابا کی تصویر کے ساتھ کیا کر رہی ہیں امی۔

ذکیہ : تھوڑی سی ٹیڑھی ہو گئی تھی بیٹے۔ ٹھیک سے سیٹ نہیں ہو رہی۔ تمہارے نانا ابا کو ٹیڑھی چیزوں اور غلط باتوں سے نفرت تھی۔

فرخ : کاش میں کبھی انہیں دیکھ سکتا۔

ذکیہ : مجھے یقین ہے بیٹے وہ کبھی نہ کبھی ہم سے ضرور آملیں گے۔

فرخ : مگر امی ...

ذکیہ : میرا دل کہتا ہے بیٹے وہ زندہ ہیں۔ (فرخ رحم آمیز نظروں سے ماں کی طرف دیکھتا ہے جو اس کی طرف دیکھ کر غم زدہ انداز میں مسکراتی ہے) تم یہی سوچ رہے ہو نا کہ ماں اپنے دل کو جھوٹی تسلیاں دے رہی ہے۔

فرخ : نہیں — وہ ..... آپ نے خود ہی تو بتایا تھا کہ نانا ابا ..... اور پھر امی اب تو پچیس برس ہو چکے ہیں اس بات کو۔

(ذکیہ تصویر کے تناسب سے مطمئن ہو کر اسے میز پر رکھتی ہے۔ تصویر شیر محمد کی ہے چند لمحے اس کی طرف دیکھتی ہے)

ذکیہ : تمہارے نانا ابا بہت اچھے آدمی تھے فرخ ... بہت اچھے۔

فرخ : عجیب پر اسرار قسم کی گمشدگی ہے ان کی۔ آج تک کوئی سراغ نہیں ملا۔

ذکیہ : جس دن وہ گم ہوئے تھے اس دن ان کے دفتر سے دو میل دور مین روڈ پر ڈاکوؤں نے سرکاری خزانے پر حملہ کیا تھا۔ پولیس نے بہت کوشش کی کہ اس ڈکیتی کے ساتھ ان کا کوئی تعلق قائم ہو سکے۔ وہ دن بڑی اذیت کے تھے فرخ۔ آج بھی سوچتی ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ گھر سے نکلنا ہمارے لئے عذاب تھا اخبارات اس ڈکیتی کے ذکر سے بھرے رہتے تھے۔ عجیب عجیب سرخیاں لگتی تھیں تو پھر (دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیتی ہے) اب بھی سوچتی ہوں تو بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ وہ تو خدا کا شکر ہے کچھ دنوں بعد وہ ڈاکو پکڑے گئے اور دنیا کو پتہ چل گیا کہ تمہارے نانا کا اس ڈکیتی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ورنہ شاید میں خودکشی کر چکی ہوتی۔

فرخ : ہاں امی ہمارے اخبار والے خبریں بناتے اور سرخیاں نکالتے وقت یہ بالکل نہیں سوچتے کہ ان کی ایک معمولی سی غلطی کا خمیازہ کتنے خاندانوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔

ذکیہ : امی اس صدمے سے ایسی بستر پر پڑیں کہ پھر اٹھ نہ سکیں۔ مجھے یونیورسٹی چھوڑ کر سکول ٹیچری کرنی پڑی۔ تمہارے ابو سے میری شادی اسی کا نتیجہ تھا۔ بہرحال اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے تمہارے نانا ابا کے دامن سے رسوائی کا وہ داغ دھو دیا۔

فرخ : مجھے افسوس ہے امی۔ آپ نے زندگی میں اتنے دکھ اٹھاتے ہیں۔ اور اب پھر میری وجہ سے پریشان۔ کاش میں آپ کو کوئی سکھ پہنچا سکتا۔

ذکیہ : (پاس آکر محبت سے اس کا سر تھپکتی ہے) تم تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو بیٹے۔ ایک ہی تو جواز ہے میرے زندہ رہنے کا۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے جو کچھ بھی ہوا ایک غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ میں اسے پرسٹیج پوائنٹ نہیں بناؤں گی۔ یعقوب بھائی صبح شوکت صاحب سے بات کریں گے۔

(فرخ ماں کے کندھے پر سر رکھتا ہے۔ ماں اس کا سر تھپکتی ہے۔ بشیر محمد کی تصویر کے ساتھ ان کا فریم بنتا ہے۔

سین ۱۵۶

(شوکت کا دفتر۔ شوکت اپنی سیٹ سے کھڑے ہو کر یعقوب کا استقبال کرتا ہے)

شوکت : آیئے۔ آیئے۔ تشریف لایئے۔

یعقوب : مجھے یعقوب کہتے ہیں ... میں

شوکت : ارے صاحب آپ کو کون نہیں جانتا۔ آپ شہر کے اتنے مشہور آدمی ہیں وہ کیا پلازا بنا رہے ہیں آپ آجکل ایس۔ وائی پلازا۔ اس کی تو بہت پبلسٹی آرہی ہے ٹی وی پر بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ تشریف لایئے۔

یعقوب : (بیٹھتے ہوئے) شکریہ۔

شوکت : کیا پئیں گے۔ چائے یا ٹھنڈا۔

یعقوب : کچھ بھی نہیں۔ تھینک یو۔

شوکت : نہیں صاحب یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کچھ نہ کچھ تو آپ کو پینا ہی پڑے گا۔

یعقوب : دراصل میں دوپہر کے کھانے سے پہلے ...... ڈاکٹرز نے منع کر رکھا ہے۔

شوکت : ارے صاحب ڈاکٹرز کی بھلی پوچھتے ہیں آپ۔ کسی کو کھاتے پیتے تو دیکھ ہی نہیں سکتے۔ حالانکہ میں نے اکثر بیاہ شادیوں پر نوٹ کیا ہے کہ ڈاکٹر حضرات سب سے زیادہ کھاتے ہیں۔

یعقوب : اینی تھنگ یو لائیک (ANY THING YOU LIKE)

شوکت : (گھنٹی بجاتا ہے) میرے ایک ڈاکٹر دوست ہیں بہت مشہور کارڈیالوجسٹ ہیں۔ ایک دفعہ انہوں نے

مجھے ہارٹ اٹیک کے بارے میں ایک بہت موٹی سی کتاب دی کہنے لگے اسے پڑھو بڑی COMPRIHENSIVE قسم کی سٹڈی ہے یہ (چپراسی دروازہ کھول کر آتا ہے) دو تین لاؤ بھئی بہت ٹھنڈی سی۔ تو جناب میں نے وہ کتاب پڑھی۔ ایک دن ڈاکٹر صاحب میرے گھر آتے کہنے لگے بھئی میری وہ کتاب پڑھی میں نے کہا ہاں کہنے لگے پھر کچھ سمجھ میں آئی ہے بات۔ میں نے کہا ہاں۔ بولے کیا؟۔ میں نے کہا میڈیکل کی ساری ماڈرن ریسرچ سے ایک بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ اگر تم FATS کا استعمال کرو گے تو تمہیں ہارٹ اٹیک ہو جائے گا نہیں کرو گے تو کینسر ہو جائیگا۔

(یعقوب اور شوکت دونوں ہنستے ہیں)

یعقوب: بڑے کمال کا نتیجہ نکالا ہے جناب آپ نے۔

شوکت: اور کیا یہ سب ان لوگوں نے ہم آپ جیسے شریف آدمیوں کو ڈرانے کے ہتھکنڈے نکالے ہوتے ہیں۔ حالانکہ اس کام کے لئے قدرت نے بیوی کا انسٹی ٹیوشن بنایا ہے۔

یعقوب: (ہنستے ہوئے) آپ باتیں بڑی دلچسپ کرتے ہیں شوکت صاحب۔

شوکت: اچھا یہ بتایئے۔ کیسے زحمت کی آپ نے۔

یعقوب: (ایک دم سنجیدہ ہوتے ہوتے) میں ... دراصل ... میں آپ سے ایک بہت اہم مسئلے پر گفتگو کرنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔

شوکت: فرمایئے میں ہمہ تن گوش ہوں۔

یعقوب: میرے ایک مرحوم دوست کا لڑکا ہے فرخ۔ (شوکت ایک دم سنجیدہ ہوتا ہے) آپ غالباً اُسے جانتے ہیں؟

شوکت: (سنجیدگی سے) جی ہاں۔ آپ فرمایئے۔

یعقوب: اس کی والدہ آئی تھیں میرے پاس کہ میں ان کی طرف سے آپ سے بات کروں۔ آپ کی بیٹی سے شاید میرا مطلب ہے وہ غالباً آپ کے یہاں اپنے بیٹے کا رشتہ کرنے کی خواہش مند ہیں۔

شوکت: جی ہاں ... اور میری بیگم اس سلسلے میں انہیں انکار بھی کر چکی ہیں۔

یعقوب: ہاں وہ بتایا تھا مجھے انہوں نے وہ کہہ رہی تھیں شاید کوئی غلط فہمی۔ فرخ کے کسی خط سے شاید آپ لوگ ناراض ہیں۔ وہ جو کہتا ہے وہ اس نے ...... دیکھئے شوکت صاحب۔ اب زمانہ ہی کچھ ایسا آگیا ہے کہ کیا عرض کروں۔ ہمیں شاید ان باتوں سے ایڈجسٹ کرنا ہی پڑے۔

(چپراسی آکر میز پر دو گلاس رکھتا ہے۔ جن میں کوئی مشروب ہے)

شوکت: جو اس کے آنے سے ایک دم چپ ہو گیا تھا (چپراسی سے) ٹھیک ہے تم جاؤ (چپراسی جاتا ہے) اس لڑکے نے بڑی بے ہودگیاں کی ہیں یعقوب صاحب آپ کو شاید تفصیلات کا علم نہیں۔

یعقوب: ضرور کی ہوں گی۔ میں اسے بچپن سے جانتا ہوں۔ خاصا لاپرواہ لڑکا ہے لیکن شادی کے بعد اکثر لڑکے سدھر بھی تو جاتے ہیں۔

شوکت : لیکن صاحب میں یہ رسک کس لیے لوں، میری لڑکی کے لیے ماشاءاللہ درجنوں رشتے ہیں ۔

یعقوب : آپ کی بات بھی درست ہے ۔ میں تو دراصل اس لئے آیا تھا کہ مجھے بھابی نے بہت مجبور کیا ہے میں آپ پر یقیناً زور دیتا مگر اب آپ کی شرافت دیکھ کر میرا حوصلہ نہیں پڑ رہا ۔ دراصل ذکیہ بھابی بھی .... خیر جانے دیجئے اس بات کو اب جبکہ آپ خود ہی رشتہ نہ کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو میں کیوں بیچ میں خواہ مخواہ پارٹی بنوں لیکن میرا خیال ہے آپ کو شاید اس بات کا علم نہیں تھا ۔

شوکت : کس بات کا ؟

یعقوب : بہت پرانی بات ہے مگر ۔ وہی ذکیہ بھابی کے والد کے بارے میں ..

شوکت : والد کے بارے میں ... نہیں ... کیا بات ہے ؟

یعقوب : کچھ نہیں وہ ایک ڈکیتی کا الزام تھا ان پر مگر اب تو انہیں روپوش ہوتے بھی بیس پچیس سال ہو چکے ہیں ... لیکن پلیز ... اگر کبھی یہ بات ہو تو میرا حوالہ نہ دیجئے گا ۔ اپنے مرحوم دوست کی وجہ سے میرا اس فیملی سے تعلق کچھ اس قسم کا ہے کہ آپ تو سمجھتے ہیں ان باتوں کو ۔

شوکت : آپ بالکل فکر نہ کریں ۔ یوں بھی جب ہمارا ان سے کوئی تعلق ہی نہیں تو ہمیں کیا ضرورت ہے ۔

یعقوب : (اٹھتے ہوئے) اچھا اب اجازت دیجئے ۔ انشاءاللہ پھر کبھی بہتر ماحول میں ملاقات ہو گی ۔

شوکت : جب آپ کا جی چاہے ۔

یعقوب : تو گویا آپ کی طرف سے میں ذکیہ بھابی کو صاف انکار کی اطلاع دے دوں ۔

شوکت : بالکل ۔

یعقوب : لیکن دیکھئے پلیز ۔ میرا نام نہ آتے بیچ میں ۔

شوکت : آپ کا نام کیوں آنے لگا یعقوب صاحب ۔ بلکہ میں تو آپ کا شکر گزار ہوں ... آپ بالکل فکر نہ کیجئے ۔

یعقوب : (ہاتھ ملاتے ہوئے) اچھا ۔ تو پھر اجازت ۔

شوکت : (ہاتھ ملاتے ہوئے) فی امان اللہ ۔

سین نمبر ۱۶

(ذکیہ کا گھر ۔ یعقوب اور ذکیہ بیٹھے ہیں)

یعقوب : یہ مسئلہ تو کچھ الجھ ہی گیا ہے بھابی ۔ بڑے ہی ان ریزن ایبل قسم کے لوگ ہیں ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے ۔

ذکیہ : فرخ کی اداسی اور پریشانی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی ۔

یعقوب : لیکن اب آپ ہی بتائیے نا ۔ ہم کیا کر سکتے ہیں ۔ لڑکی کے والدین ہماری بات ہی سننے کو تیار نہیں ۔

ذکیہ : ساری ساری رات جاگتا رہتا ہے۔ نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ مجھ سے اس کی یہ حالت برداشت نہیں ہوتی۔ آخر کیا حق ہے انہیں دو معصوم زندگیوں سے کھیلنے کا۔

یعقوب : بات حق یا ناحق کی نہیں بھابی۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ لڑکی کے والدین فرخ کا نام تک سننا پسند نہیں کرتے۔ اب ظاہر ہے ان کی لڑکی ہے۔ فیصلے کا حق انہی کے پاس ہے۔

ذکیہ : لیکن ان کی یہ بے جا ضد ...... میری سمجھ میں نہیں آتا اتنے پڑھے لکھے اور سمجھدار ہو کر وہ لوگ کیوں اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔

یعقوب : میری مانیں تو کچھ مہینوں کے لئے فرخ کو کہیں دور ملک سے باہر بھجوا دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس کی طبیعت بہل جائے۔ ایکسپورٹ کے سلسلے میں میرے کچھ کلائینٹس ہیں۔ یورپ اور امریکہ اور جاپان وغیرہ میں ...... آپ پسند کریں تو میں اسے ایک بزنس سٹڈی ٹور پر بھجوا دیتا ہوں۔

ذکیہ : (نفی میں سر ہلاتے ہوئے) اوّل تو وہ جائے گا نہیں یعقوب بھائی ...... اور پھر اس کے امتحان ہونے والے ہیں۔

یعقوب : امتحان کو گولی ماریں بھابی .. اگلے سال دے لے گا اور نہ بھی دے تو کیا فرق پڑتا ہے۔

ذکیہ : (حیرت سے) یہ اس کا فائنل امتحان ہے۔ یعقوب بھائی اس کے مستقبل کا دار و مدار اسی پر ہے۔

یعقوب : آپ کیوں بھول جاتی ہیں کہ وہ سکندر پور کے چودھری غلام علی کا لڑکا ہے۔

ذکیہ : زمینوں کے چکر بڑے جان لیوا ہوتے ہیں۔ اللہ بخشے آپ کے مرحوم بھائی کہا کرتے تھے کہ زمین ہر نسل سے خون کا خراج لیتی ہے۔ میں اپنے بیٹے کو اس جہنم میں جھونکنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ سکندر پور چودھری حشمت کا دوسرا نام ہے۔ آپ کے والد مجھے یا میرے بیٹے کو کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔

یعقوب : میں نے تو پتہ نہیں کیا کیا سوچ رکھا تھا فرخ کے لئے مگر اب بہر حال میرا خیال ہے کہ میں میاں جی کو آپ کے اور فرخ کے بارے میں بتا ہی دوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مان ہی جائیں۔

(ایسے انداز میں ذکیہ کی طرف دیکھتا ہے۔ جیسے اس کے رد عمل کو جاننا چاہتا ہو)

ذکیہ : نہیں یعقوب بھائی ...... پہلے فرخ کو اپنی تعلیم مکمل کر لینے دیں ...... پھر دیکھا جائے گا ...... آپ خود ہی تو کہا کرتے ہیں اس کے بھائی نیاز اور انور چھٹے ہوئے بدمعاش ہیں۔

یعقوب : وہ تو ہیں ...... اسی لئے مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ دونوں فرخ کو ...... (ایسا انداز بناتا ہے جیسے کوئی بڑی خوفناک بات کرنے والا ہو۔ پھر بات بدلتا ہے) کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔

ذکیہ : اس بات کو چھوڑیں آپ ...... فی الحال تو ...... (موٹر سائیکل کی آواز) شاید فرخ آ گیا ...... اس کے سامنے اس مسئلے پر کوئی بات نہ کیجئے گا ......

(فرخ آتا ہے۔ شیو بڑھا ہوا ...... سخت اداس ہے)

فرخ : السلام علیکم۔

یعقوب : وعلیکم اسلام .... ارے بھئی کہاں ہو تم .... اس دن کے بعد پھر آئے ہی نہیں ....

فرخ : بس جی .... وہ کچھ ....

ذکیہ : کھانا لاؤں ....

فرخ : بھوک نہیں ہے امی۔

ذکیہ : تھوڑا بہت کھالو۔

یعقوب : اچھا بھابی میں اب چلتا ہوں .... کچھ کام ہے .... پھر آؤں گا ...

ذکیہ : جی بہتر۔

یعقوب : اچھا بھئی فرخ میاں .... وقت ملے تو آنا ادھر .... تمہاری چچی بہت پوچھ رہی تھی ....

فرخ : جی اچھا ....

یعقوب : (جاتے ہوتے) خدا حافظ۔

ذکیہ : (دروازے تک اسے چھوڑتی ہے) خدا حافظ .... (فرخ کی طرف مڑتی ہے) سیمیں سے ملے تھے (فرخ نفی میں سر ہلاتا ہے) کیوں ؟

فرخ : وہ آج بھی یونیورسٹی نہیں آئی۔

ذکیہ : میرا اس سے ملنا بہت ضروری ہے بیٹے .... اس کی کسی سہیلی کے ہاتھ پیغام بھجوادو۔

فرخ : اچھا امی، کل پھر کوشش کروں گا ....

ذکیہ : اس مسئلے کو سلجھانے کا اب صرف ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے .... ہم سب مل کر اس آدمی کا کھوج نکالیں جو یہ ساری شرارت کر رہا ہے۔

سین ۱۷

سیمیں : (قدرے گھبرائے ہوتے انداز میں) امی مجھے کچھ بتاتی ہی نہیں آنٹی ....

ذکیہ : وہ شخص کبھی تمہاری امی سے ملا بھی ہے ؟

سیمیں : مجھے کچھ پتہ نہیں .... مگر میرا اندازہ ہے کہ وہ ساری اطلاعات انہیں ٹیلی فون پر دیتا ہے۔

ذکیہ : آخر ایسا کون آدمی ہو سکتا ہے .... ! جب کسی منصوبے کے تحت کوئی کام کیا جاتا ہے تو اس کے پیچھے کوئی MOTIVE کوئی REASON ہوتا ہے .... میری سمجھ میں نہیں آتا .... تم دونوں سے کسی کو کیا پرخاش ہو سکتی ہے۔

سیمیں : بہر حال ایک بات تو طے ہے کہ وہ جو کوئی بھی ہے۔ ہمیں بہت قریب سے جانتا ہے۔

فرخ : مگر سوال تو پھر وہی ہے کہ وہ ہے کون اور ایسا کیوں کر رہا ہے ؟

ذکیہ : مجھے افسوس ہے سیمیں کہ مجھے تم سے ایسی باتیں کرنا پڑی ہیں .... بیٹیوں سے ایسے سوال نہیں کرنے چاہئیں مگر اب صورت حال ایسی ہے کہ .... مجھے مجبوراً ....

سیمیں : کوئی بات نہیں آنٹی آپ پوچھیں ۔

ذکیہ : (ایک ایک لفظ احتیاط سے انتخاب کرتے ہوئے) تمہارے عزیزوں میں سے تو کوئی ..... میرا مطلب ہے خاندان میں کوئی ایسا لڑکا ہو جو تمہیں پسند کرتا ہو اور تمہارے اور فرخ کے متعلق ... پسندیدگی کو جان کر یہ حرکتیں کر رہا ہو۔

سیمیں : میں نے بھی اس امکان پر غور کیا تھا ..... مگر ... میری سمجھ میں تو کوئی نہیں آتا ... میرا ایک بے وزن ساکزن ہے اس قسم کا ... لیکن وہ دو تین سال سے کویت گیا ہوا ہے ۔

ذکیہ : اور فرخ کا تو کوئی عزیز یہاں ہے ہی نہیں .... پھر .....

فرخ : ایک دفعہ کہیں وہ مجھے مل جاتے سہی ... پھر آپ دیکھیئے میں کیسے اس کی ہڈیاں توڑتا ہوں ۔

ذکیہ : تحمل بیٹے .... تحمل سے کام لو .... اچھا سیمیں یہ بتاؤ ... اس سوال کا جواب بہت سوچ سمجھ کر دینا .... اگر ... فرض کرو تمہارے والدین اس رشتے پر کسی طرح رضامند نہیں ہوتے .... کیا تم پھر بھی فرخ کا ساتھ دو گی ۔

سیمیں : (چند لمحے غور سے ذکیہ کی طرف دیکھتی ہے پھر استقامت بھرے لہجے میں جواب دیتی ہے) جی ہاں ۔

ذکیہ : (قدرے حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہے) اس کے نتیجے میں تمہیں اپنے ماں باپ چھوڑنے بھی پڑ سکتے ہیں ۔

سیمیں : مجھے پتہ ہے ۔

ذکیہ : یہ بات اتنی آسان نہیں ہے بیٹی ۔

سیمیں : میں اس کے نتائج سے پوری طرح آگاہ ہوں آنٹی ... میں اپنے ماں باپ کا دل بھی دکھانا نہیں چاہتی ... مگر دوسری طرف ... اگر آپ اور فرخ میرا ساتھ دیں تو میں یہ رسک بھی لے لوں گی ۔

(ذکیہ چند لمحے حیرت اور حسرت کے ملے جلے جذبات سے اسے دیکھتی رہتی ہے پھر بڑھ کر اسے سینے سے لگاتی ہے)

ذکیہ : میں تمہارے ساتھ ہوں بیٹی ..... میں تمہارے ساتھ ہوں ۔

سین نمبر ۱۸

(انور کا کمرہ)

ڈائریکٹر : ساری انڈسٹری میں دھوم مچی ہوئی ہے جی ہماری پروڈکشن کی ..... روز دس پندرہ ڈسٹری بیوٹر آتے ہیں میرے پاس کہ چودھری انور صاحب سے ملوا دو ... فلم کا سودا کرنا ہے ... پر جی میں نے سب کو صاف صاف کہہ دیا ہے کہ ڈسٹری بیوشن ہم خود کریں گے ۔

پری پیکر : بالکل ٹھیک کہا ہے آپ نے ... یہ تو ہی بات ہے ورد ہمیں بی فاختہ اور کوے انڈے

کھائیں .... مال سارا پر وڈیوسر کا لگتا ہے اور آدھے سے زیادہ پرائٹ ڈسٹری بیوٹر کھا جاتے ہیں۔

انور: بھئی یہ کاروباری باتیں میرے پلے نہیں پڑتیں۔ ان کا فیصلہ تم خود کرو .... ہمیں تو ثمینہ بائی سے وہ غزل سنوا دو۔ .. وہ کل کیا بنائی تھی تم نے ماسٹر .... پاؤں والی .... کیا تھا کہ .... کدھر جاتے ہیں۔

پری پیکر: پان لگ لگ کے مری جان کدھر جاتے ہیں، یہ مرے قتل کے سامان کدھر جاتے ہیں۔

ذرا سنا دو میڈم چودھری صاحب کو .... (ہارمونیم پکڑ کر آگے رکھتا ہے طبلچی سے) اکبر دا ہے استاد۔

طبلے والا: مجھے یاد ہے سرکار۔

ثمینہ: (نقلی اداؤں کے ساتھ) ہائے اللہ چودھری صاحب .... بالکل جی نہیں چاہ رہا اس وقت .... مجھے بھوک لگ رہی ہے۔

انور: کھانا بھی آجاتا ہے تم گانا تو شروع کرو۔ ادھر میرے پاس بیٹھ کر گاؤ....

ثمینہ: ہائے اللہ۔ ایک تو آپ تنگ بہت کرتے ہیں۔

پری پیکر: (باجے پر انگلیاں پھیرتے ہوئے) جی میڈم .... شروع کریں۔

ثمینہ: کرو جی شروع .... اب چودھری صاحب کا حکم ٹالا بھی تو نہیں جا سکتا۔

انور: (طبلے والے سے) یار تم ذرا اپنا ہتھ ہولا ای رکھنا .... بڑا رولا پاتے ہو تم۔

طبلے والا: جو حکم سرکار ...

(مولا داد آتا ہے۔ ساتھ محمد سلیم گلوکار ہے)

انور: آؤ آؤ مولا داد .... پری پیکر نے ایک غزل تیار کی ہے .....

مولا داد: یہ ایک تحفہ میں بھی لایا ہوں چودھری انور .... (سلیم سے) اگے آ شہزادے۔

انور: یہ کون ہے ....

مولا داد: یہ سنگر ہے چودھری جی .... ہیر بڑی اچھی پڑھتا ہے۔

پری پیکر: ہماری فلم اردو کی ہے مولا داد صاحب .... اس میں ہیر نہیں چلے گی ....

مولا داد: میری بات کے بیچ مت بولا کر شہزادے .. کسی دن خرچ ہو جائے گا میرے ہاتھ سے .. خرچ ہونے کا مطلب آتا ہے تجھے۔

پری پیکر: جی، جی، بالکل۔

انور: اس کو کہاں سے پکڑ لاتے ہو .....

مولا داد: کچھ دن پہلے پنڈ آیا تھا یہ .... قوم کا سرمایہ۔ بڑا سچل سُر ہے اس کے گلے میں .... ریڈیو سٹیشن کے باہر کھڑا تھا .... میں نے کہا، چل تجھے فلم میں چانس دیں .. کچھ سنا نہ شہزادے ایک تو تُو شرماتا بہت ہے۔

پری پیکر: شرمانے والا آرٹسٹ تو نہیں چلتا اس ٹریڈ میں .... یہاں تو آدمی کو میڈم کی طرح ہونا چاہیئے۔

مولاداد: یہ میڈم کی طرح نہیں ہے شہزادے۔ یہ بندہ ہے ... ذرا دھیان سے دیکھ .... ذرا
واجا دے اس کو .... چل بھئی جوان شاباش۔
انور: (ایک نظر ثمینہ پر ڈالتا ہے جو بڑی ادا سے رد ٹھتی ہے پھر مولاداد کی طرف دیکھتا ہے)
پہلے غزل نہ سن لیں۔
مولاداد: یہ غزل تو آپ پچھلے پندرہ دن سے سُن رہے ہیں چوہدری جی .... کوئی کم کی شے بھی
سن لیں .... چل بھئی شروع ہو جا قوم کے سرمائے۔۔
محمد سلیم: جھجکتے ہوئے ہارمونیم کے سامنے بیٹھتا ہے (پری پیکر سے اجازت لیتا ہے) اجازت ہے جی
(پری پیکر ایک اندازِ بے نیازی سے سر ہلاتا ہے۔ محمد سلیم گانا شروع کرتا ہے طبلچی چند لمحے غور سے سنتا ہے
پھر تال دیتا ہے) بدلی رُت اب آن ملو ....
(سب لوگ اس کی آواز سے متاثر ہو کر اس کا نوٹس لیتے ہیں۔ محمد سلیم ایک انترہ
پڑھتا ہے پھر خاموش ہو جاتا ہے .... "سب لوگ" واہ واہ کرتے ہیں)
مولاداد: (پری پیکر سے) کیوں شہزادے .... کیسا ہے یہ لڑکا ....
پری پیکر: بے استاد ہے۔ پر اچھا ہے .... سُر ہے اس کے گلے ہیں .... چند دن میرے ساتھ رہے
گا تو کندن ہو جائے گا۔
انور: پر ماسٹر تم نے فلم میں کوئی مردانہ گانا رکھا ہی نہیں۔
ڈائریکٹر: اس کی آپ فکر نہ کریں .... میں پردانہ سے کہہ کر سچوئیشن نکال لوں گا .... اس لڑکے کی آواز
(انگلیوں سے فریم بناتا ہے جیسے آواز دیکھ رہا ہو) سیڈ سانگ SAD SONG کے لئے بڑی فٹ ہے۔
(دروازے پر دستک کی آواز .... مولاداد اپنی جگہ سے آواز دیتا ہے)
مولاداد: کون ہے شہزادے۔
نوکر: (اندر آتے ہوئے) سلام چوہدری صاحب
انور: وعلیکم اسلام .... کیا بات ہے نور علی .... کیسے آتے ہو۔
نوکر: چوہدری یعقوب صاحب نے بھیجا ہے جی .... پنڈ سے چوہدری نیاز صاحب اور بی بی جی
آئی ہیں .... آپ کو بلا رہے ہیں۔
انور: اوہو .... ایک تو یہ نیاز علی جن کی طرح چمٹ گیا ہے مجھ سے .... (نوکر سے) جا انہیں کہہ دے
میں شام کو آؤں گا ....
نوکر: (مڑتے ہوئے) بہتر ہے جناب۔
مولاداد: (نوکر کو روکتے ہوئے) اک منٹ شہزادے .... (انور سے) میرا خیال ہے چوہدری
صاحب آپ ادھر سے ہو ہی آئیں .... اس باتی نے تو یہیں رہنا ہے .... کیوں شہزادی (ثمینہ غصے کے پوز

ہیں سر جھٹکتی ہے مولاداد اسے گردن سے پکڑتا ہے گھبرا کر اس کی طرف دیکھتی ہے) یہ پونڈ چودھری صاحب کو ہی دکھایا کر شہزادی..... سمجھ گئی ہے کہ نہیں۔

(شینہ سخت خوفزدگی کے عالم میں اثبات میں سر ہلاتی ہے)

انور: (کچھ سوچ کر نوکر سے) تم چلو میں آتا ہوں۔

سین ۱۹

(تہہ خانہ۔ شیر محمد اور دلاور دونوں دیوار سے لگے بیٹھے ہیں۔ دلاور کے چہرے پہ گہری سنجیدگی کے آثار ہیں۔ شیر محمد کی طرف دیکھتا ہے جو اس سے بے خبر بیٹھا ہے۔ اٹھ کر اس کے قریب آتا ہے۔ جیب سے ایک چابی نکال کر شیر محمد کی زنجیریں کھولنے لگتا ہے۔)

شیر محمد: (حیرت سے) یہ کیا کر رہے ہو.....

دلاور: آپ کی زنجیریں کھول رہا ہوں.....

شیر محمد: مگر کیوں..... کیسے..... یہ چابی تم نے کہاں سے لی۔

دلاور: دوپہر کو جب مہنگا روٹی دینے آیا تھا، میں نے اس کی جیب سے نکال لی تھی۔

شیر محمد: مگر بیٹا..... زنجیریں کھولنے سے کیا فرق پڑتا ہے..... میں اب ان کا اس قدر عادی ہو گیا ہوں کہ یہ مجھے کچھ نہیں کہتیں۔

دلاور: (دبی زبان میں) آہستہ بولیئے..... میں آپ کو اس تہہ خانے سے نکال رہا ہوں..... آپ سیدھے احمد پور جایئے..... وہاں میرا چاچا ہے حیات محمد..... مشہور آدمی ہے..... اسے کہیے گا مجھے دلاور نے بھیجا ہے..... وہاں میرا انتظار کیجئے گا..... میں دو تین دن تک پہنچ جاؤں گا.....

شیر محمد: (سخت حیرت سے) پر بیٹا تم تو..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو..... مجھے یہاں سے کیسے نکالو گے۔ اور خود.....

دلاور: اس کی آپ فکر نہ کریں..... میں نے سارا انتظام کر لیا ہے..... بس آپ کسی طرح سکندر پور سے نکل جائیں۔..... اگر آپ پکڑے گئے تو ہم دونوں مارے جائیں گے۔

شیر محمد: (چند لمحے غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر اسے بازو سے پکڑتا ہے) سچ سچ بتاؤ تم کون ہو۔

دلاور: میں ایک انسان ہوں شیر محمد صاحب.....

شیر محمد: مجھے کیوں آزاد کرا رہے ہو تم..... حشمت خاں تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا.....

دلاور: انہیں میں سنبھال لوں گا۔۔

شیر محمد: مگر کیسے..... تم تو خود..... مگر نہیں..... تم مزدور اس کے آدمی ہو..... اس میں یقیناً کوئی چال ہے۔

دلاور: میں چودھری حشمت کا آدمی ضرور ہوں شیر محمد صاحب..... مگر یقین کیجئے جو کچھ میں کر رہا ہوں

اس میں کوئی چال نہیں ..... آپ ایک عظیم انسان ہیں..... آپ کی مدد کرنا احسان نہیں اپنے انسان ہونے کا ثبوت دینا ہے..... آپ کی داستان سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں..... کوئی شخص اپنے ارادے میں اتنا ثابت قدم بھی رہ سکتا ہے..... میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

شیر محمد: مگر بیٹا..... تم شاید حشمت خاں کو اچھی طرح نہیں جانتے..... وہ تمہیں کتوں سے پھڑوا دے گا۔

دلاور: میں حشمت خاں کو بھی جانتا ہوں اور اس کے کتوں کو بھی..... آپ میری فکر نہ کریں..... مجھے کچھ نہیں ہوگا..... بس آپ دیر نہ کریں..... میں آپ کو راستہ سمجھاتا ہوں۔

سین نمبر ۲۰

(تہہ خانے کا دروازہ آہستہ آہستہ کھلتا ہے۔ شیر محمد باہر جھانکتا ہے... باہر نکل کر ادھر ادھر دیکھتا ہے۔ پنجوں کے بل چلتا ہوا برآمدے سے گزر رہا ہے... پھر کٹ کر کے اسے ایک دیوار پر چڑھتے ہوتے دکھاتے ہیں اس پر مہنگے کی آواز لاؤڈ ہوتی ہے۔)

مہنگا: اوئے..... یہ کون ہے دیوار پر.....

(شیر محمد اور مہنگے کی آنکھیں چار ہوتی ہیں۔ مہنگا حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ شیر محمد دیوار کے دوسری طرف چھلانگ لگاتا ہے۔ مہنگا تیزی سے بھاگتا ہوا اور "چودھری جی، چودھری جی" کی آواز دیتا ہوا حشمت خاں کے کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ حشمت ایکدم آنکھیں کھولتا ہے۔ حیرت اور غصے سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ مہنگا سخت پریشانی کے عالم میں بولتا ہے۔)

مہنگا: چودھری جی..... وہ..... وہ..... بھاگ گیا جی.....

حشمت: (ایک دم چونک کر) کون؟

مہنگا: وہ..... جی..... تہہ خانے والا قیدی...

حشمت: (اٹھ کر چنگھاڑتے ہوئے) کیا بک رہا ہے۔

مہنگا: میں نے خود دیکھا ہے جی اسے..... وہ باڑے والی دیوار سے کود رہا تھا۔

حشمت: اوئے یہ کیسے ہو سکتا ہے..... ادھر آ میرے ساتھ..... (ایک دم رکتا ہے) اوئے تجھ کو پورا یقین ہے کہ وہ شیر محمد ہی تھا.....

مہنگا: جی... جی چودھری جی۔

حشمت: رب نواز سے کہہ سارے کتے کھول دے..... اور تم سب جاؤ اس کے پیچھے..... چاروں طرف سے گھیر لو اس کو..... بخشو کو ساتھ لے لو وہ بھی اسے پہچانتا ہے..... چل دفعہ ہو جا میری شکل کیا دیکھ رہا ہے۔

(مہنگا ڈر کر بھاگتا ہوا جاتا ہے حشمت چند لمحے کچھ سوچتا ہے۔ پھر تیز تیز

چلتا ہوا تہہ خانے کے دروازے پر آتا ہے جو کھلا ہوا ہے۔ جھٹکے سے دروازہ کھولتا ہے سامنے کوئی شخص زمین پر پڑا ہے آگے بڑھ کر اس کا چہرہ روشنی میں کرتا ہے۔)

حشمت: (بڑبڑاتے ہوئے) دلاور۔

(دیکھو دلاور پر آتا ہے جو بیہوشی میں لمبے لمبے سانس لے رہا ہے۔ اس کا چہرہ لہو سے تر ہے۔)

قسط نمبر ۱۴

سین نمبر ۱

قسط نمبر EPISODE 13 کے آخری سین کو دوبارہ دکھانے کے بعد کُتوں پر CUT کرتے ہیں جو غراتے ہوئے بھاگ رہے ہیں۔ اُن کے ساتھ حشمت کے مختلف ملازمین ہیں۔ رب نواز۔ سید گل۔ یار محمد۔ بخشو۔ مہنگا۔ کُتوں کے رکھوالے اور دو ایک اور آدمی مختلف ہتھیاروں سے لیس تیزی سے ایکدوسرے کو اشارہ کرتے اِدھر اُدھر بھاگ رہے ہیں۔)

بخشو : وہ گیا کس طرف کو تھا مہنگے۔

مہنگا : یار مَیں نے تو اس کو دیوار پر سے چھال مارتے دیکھا تھا اب آگے رب جانے کدھر گیا ہے۔

بخشو : بالکل ٹھیک ہے۔ پر اگر وہ پکڑا نہ گیا تو آج ہم سب کی خیر نہیں۔

(آسمان کی طرف دیکھ کر کانوں کو ہاتھ لگاتا ہے)

مولا رحم کرے۔

مہنگا : تم نے سب آدمیوں کو اس کا حُلیہ سمجھا دیا ہے۔ ویسے اُس کا حُلیہ تو اب مجھے بھی یاد نہیں۔ چارے پاسے بال ہی بال ہیں۔

بخشو : بالکل ٹھیک ہے۔ مَیں نے بھی یہی بتایا ہے انہیں ------- پر تم احتیاطاً رب نواز اور یار محمد کے ساتھ ہو جاؤ۔ مَیں سید گل، منے اور فیقے کو لیکر اس طرف سے جاتا ہوں۔ تم ادھر سے گھیرا ڈالو۔

مہنگا : (ایک طرف کو تیزی سے جاتے ہُوئے) اپنے بندوں کو سمجھا دینا اُسے زندہ پکڑنا ہے۔

بخشو : بالکل ٹھیک ہے۔ (آدمیوں سے) آؤ میرے ساتھ۔

(ایک کُتا زور سے غراتا ہے)

اس کو تو پراں رکھ۔

رکھوالا: یہ بڑا بے قابو ہو رہا ہے جی۔

بخشو: اسے قابو میں رکھنا، کہیں اُس آدمی کی تکا بوٹی کر دے اور بعد میں تم اپنی ہڈیاں ڈھونڈتے پھرو۔ چلو۔۔۔۔۔۔

(سب ایک طرف کو بھاگتے ہیں)

سین نمبر ۲

(دلاور کے منہ پر پانی پڑتا ہے کراہ کر ادھ کھلی ویران آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ چوہدری اس پر جھکا ہوا ہے)

حشمت: اوئے دلاور ہوش کر۔ ہوش کر دلاور!

(دلاور چند لمحے خالی خالی نظروں سے چوہدری کی طرف دیکھتا ہے۔ آہستہ آہستہ چوہدری کے چہرے کے گرد سے دھند چھٹتی ہے۔ دلاور اُٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرتا ہے۔ کراہ کر دوبارہ لیٹ جاتا ہے۔ سر پہ ہاتھ لگاتا ہے جو خون سے بھر جاتا ہے۔

حشمت: تجھکو کیا ہوا ہے دلاور۔ شیر محمد کہاں ہے۔

دلاور: شیر محمد۔۔۔۔۔۔ شیر محمد تو نیچے۔۔۔۔۔۔ وہ کہیں بھاگ تو نہیں گیا چوہدری صاحب!

(چوہدری طیش بھرے غصے میں سر اثبات کے انداز میں ہلاتا ہے)

دلاور: اوہ۔۔۔۔۔۔

(گہرے زخم کا اندازہ کرتا ہے)

حشمت: پر وہ بھاگا کیسے۔ زنجیریں کس نے کھولی تھیں اُس کی، نکلا وہ کیسے وہاں سے۔ بول دلاور۔ جواب دے۔

دلاور: (حیرت سے) کہیں۔ کہیں آپ مجھ پر تو شبہ نہیں کر رہے چوہدری جی!

حشمت: میری بات کا جواب دے دلاور۔

دلاور: (ایک ایک لفظ تولتے ہوئے) دوپہر کو مہنگا روٹی لیکر آیا تو شاید زنجیروں کی چابی اس سے گر گئی تھی۔ بہرحال مجھے علم نہیں کہ وہ شیر محمد کے ہاتھ کیسے لگی۔ اُس نے مجھے کہا، کہ اُس نے پیشاب کرنا ہے میں اسے کھول دُوں۔ چونکہ روز میرے سامنے مہنگا اور بخشو اُسے دو دفعہ کھولتے ہیں اس لیے میں نے سوچا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور پھر ہو سکتا ہے میری اس بات سے اُس کے دل میں میرا اعتبار بیٹھ جائے۔

حشمت: پھر۔۔۔۔۔۔

دلاور: (جیسے یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہے) پھر...... اُس کے بعد مجھے کچھ ٹھیک یاد نہیں ہے جی۔

...... زنجیریں کھلوا کر وہ......

(یاد کرنے کے لیے رُکتا ہے)

میرے پاس سے گذرا ہے۔ میں اپنے دھیان میں بیٹھا تھا پھر جیسے کوئی چیز زور سے میرے سر میں لگی

(سر پر ہاتھ لگا کر دیکھتا ہے)

پتہ نہیں کیا چیز تھی جی۔ اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں۔

(حشمت چند لمحے گہری اور غصے بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ کمرے میں ٹہلتا ہے جیسے فیصلہ کر رہا ہو کہ اسے کیا کرنا چاہیئے۔ پھر دلاور کی طرف آتا ہے۔)

حشمت: تجھے پتہ ہے شیر محمد کی قیمت میرے نزدیک کیا تھی؟

دلاور: جی چوہدری صاحب۔

حشمت: وہ تیری غفلت کی وجہ سے فرار ہوا ہے دلاور اور اگر وہ پکڑا نہیں گیا تو...... میں معاف کرنے کا قائل نہیں ہوں دلاور۔ یہی میری کامیابی کا راز ہے۔

دلاور: میں آپ سے معافی مانگوں گا بھی نہیں چوہدری صاحب۔

(حشمت حیرت سے اسکی طرف دیکھتا ہے)

اگر یہ میری غلطی ہے تو مجھے اس کی سزا ملنی چاہیئے۔

(حشمت اس کے قریب آ کر اس کا سر بالوں سے پکڑ کر اُٹھاتا ہے چند لمحے اُسے بے یقینی حیرت اور تعریف کے ملے جلے انداز میں دیکھتا ہے)

حشمت: پتہ نہیں تجھ میں کیا جادو ہے؟ چل اُٹھ گھوڑے پر بیٹھ۔

دلاور: جی!

حشمت ہم خود پکڑیں گے اُسے۔

(دلاور اُسے حیرت سے دیکھتا ہے)

بڑی مُدتیں ہو گئی ہیں شکار کھیڈے۔ شیر محمد نے بھاگ کر مجھے پھر سے جوان کر دیا ہے۔ تُو نے کبھی چیتا مارا ہے دلاور۔

دلاور: نہیں جی۔

حشمت: بڑا جی دار جانور ہے۔ شکاری کی اکھ میں اکھ ڈالتا ہے تو بڑے بڑے جوانوں کے ہاتھ سے بندوقیں گر جاتی ہیں۔ میں نے ستانوے چیتے مارے ہیں دلاور۔ آج اٹھانوے ہو جائیں گے تو یہیں ٹھہر میں بندوقیں لیکر آتا ہوں۔

(حشمت جاتا ہے۔ دلاور گہری سوچ میں پڑ جاتا ہے)

سین نمبر ۳

(شیر محمد کھیتوں میں گرتا پڑتا بھاگا جا رہا ہے بار بار پیچھے مُڑ کر دیکھتا ہے دُور سے کُتوں کے بھونکنے کی آواز آتی ہے ایکدم رُک جاتا ہے سخت خوفزدہ ہو کر چاروں طرف دیکھتا ہے۔ سمت بدل کر بھاگنا شروع کر دیتا ہے۔)

سین نمبر ۴

(مہنگا اور بخشو اپنی اپنی ٹولی اور کتوں کے ساتھ درختوں اور فصلوں کے درمیان بھاگے جا رہے ہیں۔ یار محمد ٹھوکر کھا کر گرتا ہے ٹانگ پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے سخت تکلیف میں ہے اس کے ہاتھ سے کتا زنجیر چھڑانے کی کوشش کر رہا ہے۔ بخشو بھاگتے بھاگتے رکتا ہے۔ واپس آتا ہے۔ سانس چڑھا ہوا ہے)

بخشو : کیا ہُوا!

یار محمد: (تکلیف سے کراہتے ہُوئے) لگتا ہے گِٹّا نکل گیا ہے۔

(بخشو اُسے اُٹھا کر کھڑا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یار محمد تکلیف کی شدت سے دوہرا ہو جاتا ہے)

بخشو : بالکل ٹھیک ہے۔ پر یار محمد اس وقت تو صرف تیرا گِٹّا نکلا ہے۔ اگر وہ آدمی نہ پکڑا گیا تو چوہدری صاحب ہم سب کی جانیں کڈھ لیں گے۔ اُٹھ۔

(یار محمد بے بسی سے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر شدید تکلیف میں لنگڑاتا ہوا ایک ٹانگ پر بھاگتا ہے۔)

سین نمبر ۵

(حشمت اور دلاور گھوڑوں پر بیٹھے دُور سے آتے ہیں کیمرے کو کراس کرتے ہیں۔ حشمت ایک جگہ رُک کر چاروں طرف دیکھتا ہے۔ گھوڑے کو کچی سڑک کے بجائے میدان میں ڈالتا ہے دلاور بھی اس کے ساتھ ہے دونوں میدان میں دُور تک جاتے دکھائی دیتے ہیں۔)

سین نمبر ۶

(شیر محمد ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑا ہے۔ پسینے اور تھکن سے چُور ہے لمبے لمبے سانس لے رہا ہے۔ اُس پر کُتوں کی نزدیک آتی ہوئی آواز ۵۱۷ ہوتی ہے۔ بھڑک کر بھاگتا ہے گرتا ہے اُٹھ کر پھر بھاگتا ہے سامنے درختوں کا ایک جھُنڈ ہے اس کی طرف دوڑتا ہے۔ بار بار پیچھے مڑ کر

دیکھتا ہے۔ ایک دم کسی کو دیکھکر رُک جاتا ہے سامنے ایک کھُلی جگہ پر درخت کے نیچے ایک دیہاتی آدمی درویشانہ وضع قطع میں دو زانو بیٹھا منہ ہی منہ میں کچھ بُڑبڑا رہا ہے۔ اس کے چاروں طرف زمین پر ایک دائرہ کھنچا ہے۔ سامنے اُوٹ پٹانگ چیزیں۔ پانی کا پیالہ وغیرہ دھرے ہیں۔ شیر محمد اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ آدمی بدستور بُڑبڑاتے ہوئے اسے روکنے کے انداز میں اپنا ہاتھ بلند کرتا ہے۔ شیر محمد رُک جاتا ہے۔ وہ آدمی پھر پڑھنے لگتا ہے۔ کتوں کی آوازیں آتی ہیں۔ شیر محمد چند لمحے سوچتا ہے پھر ایک طرف کو بھاگتا ہے درختوں سے نکلتا ہے تو ایکدم رُک جاتا ہے کچھ فاصلے پر سے حشمت اور دلاور گھوڑوں پر سے گذرتے ہیں۔ مڑ کر دوبارہ درختوں کی طرف بھاگتا ہے۔)

سین نمبر ۷

(حشمت اور دلاور گھوڑے دوڑاتے چاروں طرف دیکھتے جا رہے ہیں۔ دُور سے کوئی آدمی ہاتھ ہلاتا آوازیں دیتا ہوا آتا ہے۔ دونوں رُکتے ہیں۔ رب نواز بھاگتا ہوا آتا ہے۔ سانس پھُولا ہوا ہے۔)

رب نواز: پکڑ لیا چوہدری جی۔

حشمت: (تنا ہُوا چہرہ ایک دم ڈھیلا پڑتا ہے) شادا جوان کدھر ہے۔

(رب نواز درختوں کے جھنڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سانس اب تک پھُولا ہوا ہے مگر خوش ہے)

رب نواز: وہاں جی۔ چوہدری کریم بخش کے کھوہ کے پاس۔

دلاور کا REACTION

حشمت: آ دلاورا۔

(ہنستا ہے۔ اس کی ہنسی کی آواز اس کے گھوڑے کی ٹاپوں سے مل کر دُور ہوتی ہے۔ رب نواز اُن کے پیچھے پیچھے بھاگتا ہے اُن کے دُور جانے کے بعد شیر محمد ایک درخت کے پیچھے سے سر نکالتا ہے۔ حیرت سے اُن کی طرف دیکھتا ہے۔ سانس پھُولا ہوا ہے۔ تقریباً بھاگنے کے انداز میں مخالف سمت کی طرف بڑھتا ہے۔)

سین نمبر ۸

(وظیفے والا آدمی حشمت کے آدمیوں کی گرفت میں حیرت زدہ کھڑا ہے

اس کی چیزیں بکھری پڑی ہیں۔ حشمت کے چہرے سے شدید غصّہ پیدا ہے)

حشمت : اوئے۔ یہ کس کو پکڑ لیا ہے۔ کھوتے کے پترو۔

(دلاور کے چہرے پر اطمینان کے تاثرات ابھرتے ہیں)

کدھر ہے منگا۔ کدھر ہے بخشو۔

یار محمد : (سخت خوفزدگی کے عالم میں) وہ۔ وہ دوسری طرف تھے چوہدری جی۔

حشمت : دفع ہو جاؤ اور ڈھونڈو اُسے۔

(سب لوگ تیزی سے جاتے ہیں۔ آدمی حیرت زدہ انداز میں کھڑا ہے۔
حشمت خاں گرج کر بولتا ہے۔ وہ ڈر کر زمین پر گرتا ہے)

اوئے۔ تُو کون ہے؟

آدمی : ہم..... میں ...... میں

حشمت : کیا کر رہا تھا یہاں

آدمی : و..... و...... وظیفہ

(حشمت گھور کر اُسے دیکھتا ہے۔ روتے ہوئے)

پیر صاحب نے بتایا تھا جی۔ آج ۳۷ واں دن تھا۔ تین دن رہ گئے تھے جی۔ پر آپ کے آدمیوں نے میری ساری محنت برباد کر دی ہے۔

(حشمت کے قریب آتا ہے۔ حشمت انتہائی غصّے سے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر ٹھوکر مار کر زمین پر گراتا ہے)

حشمت : محنت کا پُتّر۔

(گھوڑا موڑ کر تیزی سے ایک طرف کو بڑھتا ہے۔ دلاور اس کے ساتھ ہے۔ آدمی چند لمحے حیرت سے ان کی طرف دیکھتا ہے پھر اپنی چیزیں اُٹھا کر ترتیب سے رکھتا ہے اور دوبارہ اُسی پوز میں بیٹھ کر کچھ پڑھنے لگتا ہے۔)

سین نمبر ۹

(حویلی۔ حشمت کا کمرہ۔ منگا۔ بخشو۔ دلاور۔ دلاور کے کپڑے بدلے ہوئے ہیں سر پر پٹی بندھی ہے)

حشمت : یہ بہت بُرا ہُوا ہے دلاور۔ اگر وہ بکس تک پہنچ گیا تو بڑی مشکل ہو جائیگی۔ اوئے بخشو۔

بخشو : جی چوہدری جی۔

حشمت : تہہ خانے سے ساری چیزیں ہٹا دو۔

بخشو : (جاتے ہوئے) بالکل ٹھیک ہے جی۔

حشمت: پوری گل سن لیا کر طوفان میل کے پُتر۔
بخشو: (رکتے ہوئے) بالکل ٹھیک ہے جی۔
حشمت: مہنگے کو بھی ساتھ لے لے۔ کوئی چیز وہاں نہ رہے۔
بخشو: بالکل ٹھیک ہے جی۔
حشمت: اِدھر آؤ تم دونوں۔

(دونوں آگے آتے ہیں)

تم نے اس آدمی کو کبھی نہیں دیکھا۔ سمجھ گئے ہو۔
بخشو: بالکل ٹھیک ہے جی۔
حشمت: (غصے سے) کیا بالکل ٹھیک ہے۔ طوطے کی طرح ایک ہی بات کرتا جاتا ہے۔
بخشو: بالکل ٹھیک.......

(بات بیچ میں چھوڑ کر سر جھکا لیتا ہے)

حشمت: اگر کبھی تھانے یا عدالت میں شیر محمد تمہارے سامنے آئے تو..... تم نے اس سے واقفیت ظاہر نہیں کرنی۔ سمجھ میں آ گئی ہے بات۔
مہنگا: جی چوہدری جی۔ ہم تو اس کے سلام کا جواب بھی نہیں دیں گے جی۔
حشمت: چلو بھاگو اب۔

(دونوں جاتے ہیں۔ حشمت کمرے میں ٹہلتا ہے۔ دلاور اس کے بولنے کا انتظار کر رہا ہے حشمت جیسے اپنے آپ سے بات کرتا ہے)

میرے خیال میں وہ سب سے پہلے لاہور جائیگا۔ وہاں اس کا گھر تھا۔

(کچھ سوچ کر دلاور کی طرف مڑتا ہے)

تو ایسا کر دلاور۔ لاہور چلا جا۔ اس کے گھر کا پتہ میں تجھکو دیتا ہوں۔ میرے پاس لکھا ہوا ہے..... وہ وہاں ضرور پہنچے گا۔
دلاور: اگر وہ وہاں پہنچے تو...... مجھے کیا کرنا ہے جی۔
حشمت: کسی طرح بھی ہو اُسے پکڑ لینا۔ کوئی مشکل ہو تو یعقوب کو بتانا۔ نیاز اور انور بھی وہیں ہیں۔ اور تیرا وہ یار مولا داد بھی۔ پکڑ لو تو اس کو سیدھے یہیں لے آنا۔
دلاور: بہت اچھا جی۔
حشمت: (کچھ سوچتے ہوئے) نہیں۔ یہاں نہ لانا اُسے.....۔ اُسے وہیں کسی جگہ بند رکھنا۔ یعقوب کی بڑی کوٹھیاں ہیں وہاں۔
دلاور: جی بہت اچھا۔

حشمت: پر اگر اس سے پہلے وہ بکس تک پہنچ جائے تو اُسے ہر صورت قتل کر دینا۔

دلاور: (دہشت سے) قتل جی۔

حشمت: ہاں ہاں ہاں۔ قتل۔ اس کا مرنا بہت ضروری ہے۔ دلاور، اُوئے تُو فکر نہ کریں کبھی اپنے آدمیوں کو اکیلا نہیں چھوڑتا۔ دس دس ہزار کی پیشی والے وکیل کر کے دیتا ہوں پر یہ کام اس وقت کرنا جب کوئی اور چارا نہ رہے۔

دلاور: جی، بہتر ------ مَیں جاؤں جی

حشمت: (قریب آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے) جا رب راکھا۔ میرا یہ کام ہو گیا دلاور! تو تجھے مالا مال کر دُوں گا۔

(دلاور شکائتی انداز میں اُس کی طرف دیکھتا ہے)

سین نمبر ۱۰

(شہر میں۔ انور کا مکان۔ دلاور۔ مولا داد)

مولا داد: (گہری سنجیدگی سے) یہ تُو نے بڑا خطرناک کام کیا ہے۔ شہزادے۔

دلاور: مَیں کیا کرتا بھائی مولا داد ------ اگر میں ایسا نہ کرتا تو میرا ضمیر ساری زندگی مجھے ملامت کرتا ---- شیر محمد بہت عظیم آدمی ہے ------ ذرا اندازہ کرو اُس نے پچیس برس ایک تنگ و تاریک تہہ خانے میں زنجیریں پہنے پہنے گذار دیئے مگر اپنے قول سے نہیں پھرا ------

مولا داد: یہ تو ٹھیک ہے شہزادے پر ------ میں تو تیری طرف سے فکر مند ہوں ---- اگر چوہدری صاحب کو کسی طرح پتہ چل گیا کہ اُسے تہہ خانے سے تم نے نکالا تھا تو ------ تم چوہدری صاحب کو جانتے نہیں ہو دلاور۔

دلاور: مَیں اُنہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں مولا داد ---- مجھے پتہ ہے وہ شخص اپنے دشمن کو کبھی معاف نہیں کرتا، لیکن میں مجبور تھا ---- یہ کتنی بڑی بات ہے مولا داد ---- کہ ایک آدمی اپنے وطن سے کئے ہوئے وعدے کی خاطر اپنی جوانی، اپنے بچے، اپنا مستقبل سب کچھ قربان کر دے۔

مولا داد: شائد تم ٹھیک کہتے ہو ------ پر اب تم نے سوچا کیا ہے ---- کیسے ملو گے اُس سے۔

دلاور: مَیں آج ہی اپنے گاؤں نکل جاؤں گا ---- یہ کام بہت سوچ سمجھ کے کرنے کا ہے ---- تم صرف یہ کرنا کہ یہاں سے میری عدم موجودگی کا کسی کو پتہ نہ چلے ---- باقی باتیں میں شیر محمد سے ملنے کے بعد کروں گا ----

مولا داد: تو آگ سے کھیل رہا ہے شہزادے۔

دلاور: جب گھر میں آگ لگ جائے مولا داد ---- تو پھر اسی میں سے رستہ بنانا پڑتا ہے۔

مولا داد: (چند لمحے کچھ سوچتا ہے پھر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے) ٹھیک ہے شہزادے

......تو بے فکر ہو کے جا...... یہاں میں سنبھال لوں گا...... (دلاور ایسے انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہے جیسے شکریہ ادا کر نیوالا ہو اُس کی آنکھوں کی ممنونیت سے مولاداد مسکراتا ہے) یاروں کے شکریے ادا نہیں کیا کرتے شہزادے...... یہ تو کام ہی نیکی کا ہے...... تیرے لیے تو میں ہنس کے پھاہے (پھانسی) لگ سکتا ہوں...... تو چل۔

سین نمبر ۱۱

(شیر محمد کے چہرے سے جھاڑ جھنکار ہٹ چکا ہے...... کپڑے بھی صاف ستھرے ہیں...... کسی گہری سوچ میں ہے اُس سے کچھ فاصلے پر حیات محمد خاموش بیٹھا ہے، حقہ پی رہا ہے...... کبھی کبھی اس کی طرف دیکھ لیتا ہے...... چہرے سے کچھ غیر مطمئن سا دکھائی دیتا ہے...... چند لمحوں بعد اسکی بیوی دروازے میں آتی ہے۔)

بیوی: روٹی بھیج دوں۔

حیات محمد: بھئی یہ تو مہمان سے پوچھنا چاہیئے...... کیوں جناب؟

شیر محمد: جی...... ٹھیک ہے۔

حیات محمد: تو آیئے پھر ہاتھ منہ دولیں۔

(اُٹھتا ہے)

شیر محمد: (پریشانی کے انداز میں) دلاور نہیں آیا ابھی تک......

(حیات محمد غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو کہ معاملہ کیا ہے)

سین نمبر ۱۲

(شکیلہ کا بیڈ روم۔ صغراں ایک کرسی پر چادر لیے خاموش بیٹھی ہے شکیلہ ہاتھ میں کچھ کتابیں لیے باہر سے آتی ہے صغراں کو دیکھکر قدرے حیرت سے مسکراتی ہے کتابیں اُچھال کر بستر پر پھینکتی ہے۔)

شکیلہ: ارے باجی۔ آپ یہاں بیٹھی ہیں۔

صغراں: ہاں وہ تمہارے ابو اور چوہدری نیاز کچھ کاروبار کی باتیں کر رہے تھے...... میں اُٹھ کر اِدھر آگئی......

شکیلہ: یہ آپ نیاز بھائی کو ہمیشہ چوہدری نیاز کیوں کہتی ہیں...... بہت عجیب سا لگتا ہے۔

صغراں: (بے دلی سے ہنستے ہوئے) ہاں شاید لگتا تو ہے...... مگر...... بس یوں ہی......

شکیلہ: آپ اتنی پڑھی لکھی اتنی INTELEGENT ہیں...... مگر لگتا ہے گاؤں میں رہ کر آپ

بھی بالکل ...... (خوشدلی سے ہنستی ہے) پینڈو ہوگئی ہیں۔

صغراں: (بے دلی سے ہنستے ہوئے) ایسا ہونا پڑتا ہے شکیلہ تم نے TAMING OF THE-SHREW

شکیلہ: نہیں ...... فلم دیکھی تھی ...... AND IT WAS EXCELLENT

صغراں: مجھے لگتا ہے وہ میری ہی کہانی ہے جب میں کانونٹ میں پڑھتی تھی ...... تو مجھے یوں لگتا تھا جیسے ساری دنیا میرے قدموں کے نیچے ہے ..... ہر سال اینول (ANNUAL) ڈرامے میں ہیروئن بنا کرتی تھی میں ......

شکیلہ: میری ایک فرینڈ ہے لبنیٰ اس کی بڑی بہن پڑھتی تھی آپ کے ساتھ ...... وہ بہت تعریف کرتی ہیں آپ کی ...... کہہ رہی تھیں اب آئیں تو ہماری طرف ضرور لانا ......

صغراں: (نفی میں سر ہلاتے ہوئے) نہیں شکیلہ۔ میں اب کسی سے نہیں ملنا چاہتی ......

شکیلہ: مگر کیوں؟ آپ کو کوئی روکتا تو نہیں۔

صغراں: (کرسی سے اٹھ کر بے چینی سے کمرے میں ٹہلتی ہے) تم نے کبھی مکڑی کا جالا دیکھا ہے شکیلہ۔

شکیلہ: ہاں۔ بہت خوبصورت ہوتا ہے۔ نرم نرم ..... سفید سفید۔

صغراں: تم نے کبھی کسی مکھی کو اس میں پھنسے ہوئے دیکھا ہے؟ (شکیلہ نفی میں سر ہلاتی ہے) نہیں دیکھا نا ..... اسی لیے ...... (خوفزدہ سرگوشی کے انداز میں) یہاں شادی نہ کرنا شکیلہ ...... کچھ بھی ہو جائے ...... انکار کر دینا ......

شکیلہ: میں سمجھی نہیں باجی ..... کیسی شادی ..... کیسا انکار؟

صغراں: تمہاری اور انور کی شادی .....

شکیلہ: میری شادی انور سے ...... ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔

صغراں: ایسا ہونیوالا ہے شکیلہ ...... ہم لوگ اسی لیے آئے ہیں ...... میاں جی نے چوہدری نیاز کو شادی کی تاریخ طے کرنے کے لیے بھیجا ہے۔

سین نمبر ۱۲

(یعقوب۔ نیاز)

یعقوب: تم میرے بیٹے کی جگہ ہو نیاز ...... تمہی بتاؤ میں یہ رشتہ کیسے کر دوں ...... جانتے بوجھتے ہوئے اپنی بیٹی کو ..... شکیلہ میری اکلوتی بیٹی ہے نیاز!

نیاز: (ہمدردانہ لہجے میں) آپ ٹھیک کہتے ہیں چاچا ...... مگر سوال تو یہ ہے کہ میاں جی کو یہ بات کون سمجھائے ...... مجھ میں تو ہمت نہیں۔

یعقوب: انور کے طور طریقے تم سے پوشیدہ نہیں ...... اُس سے شکیلہ کی شادی کرنے کا مطلب یہ ہے

کر جانتے بوجھتے ہوئے اپنی بچی کو آگ میں دھکا دے دوں۔

نیاز: میں تو خود اُس سے اتنا تنگ ہوں کہ بتا نہیں سکتا۔۔۔۔ کوئی دن ایسا نہیں جاتا جب اُس کی کوئی نہ کوئی شکایت مجھ تک نہیں پہنچتی۔۔۔۔۔۔ علاقے کے چھٹے ہوئے بدمعاشوں سے اُس کی دوستی ہے۔۔۔۔۔۔ میں ذرا بات کرتا ہوں تو میاں جی اُس کی سائیڈ لینے لگتے ہیں۔ اصل میں اُسے بگاڑا ہی انہوں نے ہے۔

یعقوب: اب اس صورت میں تمہی بتاؤ۔۔۔۔ میں کیسے۔۔۔۔۔ تمہی کوئی حل نکالو بیٹا۔۔۔۔

نیاز: میاں جی کسی کی بات سُنیں تب ہے نا۔۔۔۔ اب ان کے دماغ میں یہ بات سما گئی ہے کہ شکیلہ سے انور کی شادی ضروری ہے۔۔۔۔۔ اس طرح گھر کی دولت گھر میں رہے گی۔۔۔۔۔ خاندان مضبوط ہوگا۔

یعقوب: مگر اس مضبوطی کے لیے میں کیوں قربانی کا بکرا بنوں۔ میری بچی کا کیا قصور ہے اس میں۔۔۔۔

نیاز: تو پھر میں کیا جواب دوں میاں جی کو۔۔۔۔۔

یعقوب: تم کسی طرح انہیں ٹال دو۔۔۔۔۔ کچھ دنوں کے لیے۔

نیاز: مجھے تو انہوں نے شادی کی تاریخ طے کرنے کے لیے بھیجا تھا۔۔۔۔۔ اور آپ کو پتہ ہے اُن کے مزاج کا۔۔۔۔۔ آپ تو سامنے ہوں گے نہیں، میری شامت آجائے گی۔

یعقوب: (سوچتے ہوئے) اُن سے کہنا کہ۔۔۔۔۔ شکیلہ کے امتحان ہو رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ میں خود آؤں گا چند دنوں تک سکندر پور۔۔۔۔ وہاں بیٹھ کے بات کریں گے۔۔۔۔۔

نیاز: اچھا ٹھیک ہے۔۔۔۔ انور کی طرف آدمی بھجوا دیا تھا۔

یعقوب: ہاں۔۔۔۔

نیاز: (گھڑی دیکھتے ہوئے) آیا نہیں ابھی تک۔۔۔۔۔

یعقوب: اُسے اپنے مشاغل سے فرصت ملے گی تو آئے گا نا۔۔۔۔ اُسے تو اتنی بھی شرم نہیں کہ یہ اُس کے چچا کا گھر ہے۔۔۔۔ میاں جی یہاں اس کی شادی کی بات کر رہے ہیں اور یہاں اُس کی انیکسی میں روز رنگ برنگی عورتیں آتی تھیں۔

نیاز: مگر وہ یہاں سے گیا کیوں۔۔۔۔ میاں جی نے تو اُسے تاکید کی تھی کہ۔۔۔ یہیں رہے۔

یعقوب: شاید یہ جگہ اُس کی حرکتوں کے لیے موزوں نہیں تھی۔۔۔۔۔ میں نے تو بہت روکا تھا۔۔۔۔ اب آنا ہے تو تم پوچھنا۔۔۔۔۔

نیاز: (بے دلی سے ہنستے ہوئے) مجھے وہ کیا سمجھتا ہے۔

یعقوب: (فقرہ پردازی کے انداز میں) آخرش تم اُس کے بڑے بھائی ہو۔۔۔۔ تمہارا حق ہے اُس پر۔۔۔۔ میں تمہاری جگہ ہوتا تو اسے اتنی ڈھیل کبھی نہ دیتا۔

نیاز : (دبے غصے سے) ڈھیل تو مَیں بھی نہ دیتا ..... مگر میاں جی ..... ان کی ہلاشیری نے اُسے کھُنکی گھوڑے کی طرح اتھرا کر دیا ہے۔

سین نمبر ۱۴

(رشید کا گھر۔ رشید۔ علم دین۔ ماسٹر۔ فضل دین ... گاؤں کے کچھ لوگ)

رشید : ضمانتیں تو مَیں کرا دوں گا ماسٹر جی ...... پر اِن سے یہ بھی تو پوچھیں ..... مَیں نے اور آپ نے انہیں اس کام سے کتنا منع کیا تھا۔

ماسٹر : ٹھیک ہے بیٹا محمد رشید ..... لیکن غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے ..... اور جو لوگ ایک غلطی کر کے سمجھ جائیں اُن پر غصّے نہیں ہونا چاہیئے ...... اُن کی مدد کرنی چاہیئے ......

بوڑھا دیہاتی : ساری عمر تمہیں دعائیں دوں گا پتر ..... میرے حسین علی کو اُنہیں نے کُٹ کُٹ کے پھاوا کر دیا ہے .... تمہاری چاچی نے کل سے روٹی نہیں کھائی ..... میری نُوں (بہو) کے بچہ ہونیوالا ہے اُس نے رو رو کر اپنا ستیاناس کر لیا ہے ......

(چادر سے آنسو پونچھتا ہے)

ماسٹر : (تسلی دیتے ہوئے) حوصلہ کر کرم علی .... اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا ..... ہم کل سویرے ہی شہر جا کے دونوں لڑکوں کی ضمانتیں کرا لیں گے ...... کیوں بیٹا رشید۔

رشید : ٹھیک ہے ماسٹر جی .....

ماسٹر : اب تم لوگ جاؤ ..... مگر خدا کے لیے کوئی کام کرنے سے پہلے اپنا بُرا بھلا سوچ لیا کرو ..... چوہدری حشمت صاحب نے اپنا کوئی پُتر کوئی پوترا کیوں نہیں بھیجا مظاہرے کے لیے ..... اُن کی زمینیں تو تم سب کی مجموعی زمینوں سے وی (بیس) گُنی ہیں۔

فضل کریم : (شرمندہ انداز میں) آپ ٹھیک کہتے ہیں ماسٹر جی ...... غلطی ہماری تھی ...... بخشو اور مہنگا اُس دن اتنی ددھ ودھ (بڑھ بڑھ) کے باتیں کر رہے تھے مگر اب نظر ہی نہیں ملاتے ....

ماسٹر : اُن کا قصور نہیں ہے بیٹا فضل کریم ...... وہ تو تانگے کے گھوڑے ہیں .... جدھر مالک اشارہ کرتا ہے اُدھر چل پڑتے ہیں ...... اُن کی اپنی آنکھوں پر تو کھوپے چڑھے ہوئے ہیں۔

سین نمبر ۱۵

(حویلی کا کوئی گوشہ ... مہنگا۔ بخشو دونوں کسی سوچ میں ہیں)

مہنگا : یار بخشو ......

(سر کھجاتا ہے کچھ سوچ کر رک جاتا ہے۔ بخشو چند لمحے اُس کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھتا ہے)

بخشو : اب کچھ بکواس بھی کر ..... ایک تو چوہدری صاحب کے حقے کی طرح تجھے ہر دس منٹ بعد

تازہ کرنا پڑتا ہے۔

مہنگا : ایک بات ہے یار...... پر کسی سے کرنا نہیں...

بخشو : بالکل ٹھیک ہے...... پر تو نے کیا سوچ کر مجھے یہ بات کہی ہے...... ساری زندگی میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ میں نے تیری بات کسی دوسرے کو پہنچائی ہو۔ بڑا افسوس ہے یار۔

(ناراض ہو جاتا ہے)

مہنگا : نہیں...... یہ بات نہیں بخشو...... دراصل پتہ نہیں کیوں میرا دل نہیں چاہ رہا...... علم دین کے پتر پر ہاتھ اُٹھانے کو...... وہ بڑا ہی اچھا لڑکا ہے یار۔

بخشو : بالکل ٹھیک ہے۔ یار، سَوں رب دی...... مَیں بھی اُس وقت سے اسی جھمیل بھوسی میں پڑا ہوں...... پر یار...... ہمارے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے...... چوہدری صاحب کا حکم ہے۔

مہنگا : (رازدارانہ انداز میں) ایک ترکیب ہے میرے ذہن میں (بخشو اشارے سے پوچھتا ہے۔ کیا) چوہدری صاحب کا حکم تو ہم ٹال نہیں سکتے...... پر جے ہم اپنی جگہ رب نواز اور سید گل وغیرہ کو بھیج دیں تو کیسا ہے۔

بخشو : بالکل ٹھیک ہے...... (کچھ سوچ کر مایوسی سے سر ہلاتا ہے) پر چوہدری صاحب نے حکم تو ہمیں دیا تھا......

مہنگا : بات سمجھنے کی کوشش کر بخشو...... انہوں نے کہا تھا کہ محمد رشید اُن کے آڈر کے باوجود گاؤں سے نہیں گیا اس لیے اُس کو پھینٹی لگائی جائے...... تو پھینٹی تو کوئی بھی لگا سکتا ہے۔

بخشو : (خوش ہو کر) بالکل ٹھیک ہے...... (کچھ سوچ کر) پر یار مجھے کتوں سے بڑا ڈر لگتا ہے۔

مہنگا : (افسردگی سے) کبھی کبھی میں سوچتا ہوں تو ایسے لگتا ہے جیسے میرے ساتھ بھی ایک پوشل (دوپچھ) لگی ہوئی ہے۔ چوہدری صاحب کے نزدیک تو ہم بھی......

بخشو : ایسی باتیں نہ سوچا کر مہنگے...... (افسردگی سے ہنستے ہوئے) شائد اللہ نے ہمیں اسی لیے بنایا ہے...... چل اُٹھ، چوہدری صاحب کے جاگنے کا ٹیم ہو گیا ہے...... اُن کا حُقہ تازہ کریں...... آج کل ویسے بھی اُن کا پارا چڑھا ہوا ہے۔

مہنگا : (بخشو کے سٹائل میں) بالکل ٹھیک ہے۔

(دونوں افسردگی سے ہنس پڑتے ہیں)

سین نمبر ۱۶

(حشمت خاں۔ ماسٹر۔ علم دین۔ مہنگا۔ بخشو)

حشمت : (اکڑتے ہوئے) ہاں ہاں ہاں مَیں نے پڑوائی ہے اُسے مار...... اور اگر وہ انسان کا بچہ نہیں بنا تو میں اُس کے ٹوٹے کر کے نہر میں پھنکوا دوں گا۔ اوئے تو ان کو سمجھاتا کیوں نہیں ماسٹر۔

ماسٹر: (قدرے مستحکم لہجے میں) کیا سمجھاؤں چوہدری جی ....

حشمت: (اُسی انداز میں) اِن کو سمجھا ماسٹر، کائنات میں ہر چیز کا ایک اپنا مقام ہوتا ہے .... اپنے مقام کو پہچانیں کیڑی اگر ہاتھی کے منہ آئے گی تو کون سا پہاڑ ڈھائے گی ..... اس گاؤں کی بہتری کس بات میں ہے۔ اِس کا پتہ مجھ کو ہے .... قدرت کی طرف سے یہ کام میرے سپرد ہوا ہے کہ میں ان کے مفادات کا خیال رکھوں۔ اُن کا تحفظ کروں۔

ماسٹر: مگر چوہدری صاحب .... اس کے لیے مارنا پیٹنا تو ضروری نہیں ہوتا۔ یہ بات آرام سے بھی سمجھائی جا سکتی ہے ....

حشمت: سمجھائی تھی ماسٹر، سمجھائی تھی، یہ کھڑا ہے علم دین تیرے سامنے، اس سے پوچھ۔ پر اُس کے دماغ میں خناس وڑا (سمایا) ہوا ہے ..... یہ خناس صرف ڈنڈے کی زبان سمجھتا ہے۔ ماسٹر۔ اوئے بولتا کیوں نہیں علم دین۔

علم دین: میں کیا بولوں چوہدری جی ..... میرا ایک ہی بیٹا ہے ... میں نے چاک پر اپنا لہو پسینہ ایک کر کے اُسے پڑھایا ہے ..... اس کو بڑا مارا ہے جی اِن لوگوں نے۔

حشمت: ٹھیک مارا ہے ..... جو تعلیم انسان کو چھوٹے وڈے کا فرق نہیں سمجھاتی .... اس کا نتیجہ یہی ہونا چاہیئے۔

ماسٹر: آپ گاؤں کے راکھے ہیں چوہدری جی ..... آپ کا کام لوگوں کو قانون سکھانا ہے ... اُسے توڑنا نہیں۔

(حشمت گھور کر ماسٹر کی طرف دیکھتا ہے ماسٹر اِس بار نظریں نہیں جھکاتا)

یہ بڑا غلط کام کیا ہے آپ کے آدمیوں نے!

حشمت: ایک بات سمجھانے کے دس طریقے ہوتے ہیں ماسٹر .... یہ فیصلہ کرنا میرا کام ہے کہ کس آدمی کو بات کس طرح سمجھانی چاہیئے۔ اس لیے میں اس گاؤں میں سکول بنانے کے خلاف تھا ...... ان کمہاروں، موچیوں اور مزارعوں کے پتروں کو اپنی کھل سے باہر نہیں ہونا چاہیئے .... اس سے سارے پنڈ کا نظام خراب ہوتا ہے ..... کیا فائدہ ہے اس تعلیم کا .... پندرہ پندرہ سال پڑھ کے شہروں میں دو دو سو کی نوکریوں کے لیے دھکے کھاتے پھرتے ہیں ... اپنے آبائی کم کیوں نہیں کرتے ..... اس میں زیادہ پیسہ ہے۔

ماسٹر: تعلیم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے چوہدری صاحب .... رسولِ کریمؐ بار بار اس کی تاکید کیا کرتے تھے۔

حشمت: اوئے۔ وہ دین کے علم کی بات کرتے تھے ماسٹر .... اُن کے زمانے میں کہاں تھے یہ کالج اور یونیورسٹیاں .... میں تو اس تعلیم کے خلاف ہوں۔

ماسٹر : ہر آدمی کو اللہ تعالیٰ نے حق دیا ہے چوہدری جی ۔۔۔۔ کہ وہ علم حاصل کرے ۔ اپنے لیے بہتر سے بہتر زندگی حاصل کرنے کی کوشش کرے ۔ دنیا اسی طرح آگے بڑھتی ہے چوہدری جی ۔

حشمت : اوئے ۔ تُو نے کبھی شہد کا چھتّہ دیکھا ہے ماسٹر ۔۔۔ (ماسٹر اثبات میں سر ہلاتا ہے) تو نے کبھی غور کیا ہے ۔۔۔۔ اُس میں کیسی تنظیم ہوتی ہے ۔۔۔ ملکہ مکھی کے لیے کس طرح ساری مکھیاں مل کر محل بناتی ہیں اس کی خدمت کرتی ہیں ۔۔۔ اوئے کتنا سُوہنا لگتا ہے وہ چھتّہ ۔۔۔۔ جب سے یہ کائنات بنی ہے یہی سلسلہ چلتا آرہا ہے اُن کا ۔۔۔

ماسٹر : مکھیوں اور انسانوں میں فرق ہوتا ہے چوہدری جی ۔

حشمت : کیا فرق ہوتا ہے ۔۔۔ ؟ (ماسٹر ایک لمحے کے لیے اس سوال سے بوکھلا سا جاتا ہے ۔ کچھ جواب دینے کی ناکام سی کوشش کرتا ہے) مَیں بتاتا ہوں تجھے ۔۔۔۔ مکھیاں علم دین کے پُتر کی طرح کتابیں نہیں پڑھتیں ۔۔۔۔ اپنی ملکہ مکھی کی تابعدار ہوتی ہیں ۔۔۔۔ اُس کے کاموں میں دخل نہیں دیتیں ۔

علم دین : مَیں اسے سمجھاؤں گا چوہدری جی ۔۔۔۔ پر وہ گاؤں سے جانے کے لیے تیار نہیں ہے ۔۔۔ آپ اُس پر سے یہ پابندی اُٹھالیں ۔۔۔۔ اس بات کی ذمہ داری مَیں لیتا ہوں کہ وہ آپ کے کسی کام میں دخل نہیں دے گا ۔

حشمت : یہی اس کے حق میں بہتر ہے ۔ اب جاؤ ۔۔۔ اور ماسٹر تو بھی ذرا عقل کو ہتھ پا ۔ (ڈال) تیرا مجھے بڑا لحاظ ہے پَر ہر لحاظ کی ایک حد ہوتی ہے ۔

(ماسٹر حشمت سے نظر ملانے کی ناکام کوشش کرتا ہے پھر سر جھکا کر باہر کی طرف مڑتا ہے علم دین اس کے ساتھ ہے)

سین نمبر ۱۷

(حیات محمد کا گھر ۔ دلاور ۔ شیر محمد ، حیات محمد)

دلاور : تو اب مسئلہ یہ ہے کہ شیر محمد صاحب کو حکومت کے کسی ذمہ دار آفیسر سے کیسے ملوایا جائے ۔۔ چوہدری حشمت خاں اور اُس کے آدمی اُن کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں

حیات محمد : مسئلہ بڑا قانونی اور پیچیدہ قسم کا ہے پُتر دلاور ۔۔۔۔ میرا خیال ہے سردار علی وکیل سے مشورہ کیا جائے ۔

دلاور : اوہو چاچا ۔ آپ لوگ ابھی تک سردار علی وکیل کے چکروں سے نہیں نکلے ۔ پھر یہ بات کسی غیر آدمی سے کرنے کی نہیں ۔۔۔۔ ہمیں بہت سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا ہوگا ۔

حیات محمد : ویسے میرے خیال میں تو سردار علی سے مشورہ کر لینا بہتر تھا ۔ پر اب تم کہتے ہو تو خیر ۔۔۔ (سوچتے ہوئے) چوہدری غلام رسول کا پُتر آج کل ایس پی لگا ہوا ہے شہر میں ۔۔۔۔ اُس سے بات کریں ۔

دلاور : کون ...... سعید گل ...... (حیات محمد اثبات میں سر ہلاتا ہے) وہ تو میرا یار ہے ....

ایل ایل بی میں میرے ساتھ تھا ..... (ایکدم کچھ سوچ کر اُداس سا ہو جاتا ہے) پر .... نہیں .... میرا اُس سے ملنا ٹھیک نہیں ہے وہ پولیس کا ایس، پی ہے۔ اور میں ایک سزا یافتہ مجرم۔

حیات محمد: اُس کو پتہ ہے پُتر کہ قتل تم نے نہیں کیا تھا .... سارے علاقے کو اس کی خبر ہے ....

دلاور : نہیں چاچا .... میرا دل نہیں مانتا .... البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ تم شیر محمد صاحب کو ساتھ لے کر اُن سے ملو۔

شیر محمد: (جو اُن کی باتیں غور سے سُن رہا تھا) میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں بیٹا دلاور .... تم میرے لیے اتنی تکلیف اُٹھا رہے ہو۔

دلاور : اس میں تکلیف کی کون سی بات ہے شیر محمد صاحب .... میں تو اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ مجھے ایک اتنے عظیم آدمی کی خدمت کا موقع مِل رہا ہے۔

شیر محمد: تم تو ایسے میری تعریفیں کر رہے ہو جیسے میں نے کوئی بہت بڑا تیر مارا ہے .... (ہنستے ہوئے) بھئی صرف پچیس سال قید ہی رہا ہوں نا یئں۔

دلاور : آپ کی قید اتنی اہم نہیں شیر محمد صاحب جتنا وہ مقصد عظیم ہے جس کے لیے آپ قید رہے ہیں آپ ایسے کیجئے، صبح تڑکے ہی چاچے کے ساتھ شہر چلے جایئے .... سعید گل بڑا اچھا آدمی ہے .... انشاء اللہ وہ سارا معاملہ سنبھال لے گا۔

شیر محمد: اللہ کرے ایسا ہی ہو۔

دلاور : بس آپ کوشش کیجئے گا کہ حشمت خاں کے آدمی کی نظر آپ پر نہ پڑے .... آپ کے سر کے لیے وہ بڑی سے بڑی قیمت دے سکتا ہے (حیات محمد سے) آپ ٹھہریں گے کہاں۔

حیات محمد: کمال کرتے ہو پُتر .... سعیدہ کا گھر ہے وہاں ..... وہیں رہیں گے۔

دلاور : سعیدہ ..... ہاں وہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔ میں کل شام آپ سے وہیں ملوں گا .... کس جگہ رہتی ہے وہ ....

سین نمبر ۱۸

(یعقوب، نیاز، زبیدہ، صغراں، شکیلہ۔ کھانے کی میز پر بیٹھے ہیں)

زبیدہ : (صغراں سے) یہ کباب لو نا صغراں .... تم تو کچھ کھا ہی نہیں رہیں۔

صغراں: نہیں آپا .... بس .... پیٹ بھر گیا۔

زبیدہ: لو، ابھی تم نے کھایا ہی کیا ہے۔ شکیلہ بیٹی تم ذرا اٹینڈ کرو نا باجی کو۔

شکیلہ : کوشش تو کر رہی ہوں امی۔

یعقوب: ارے بھئی نیاز، یہ لڑکیاں تو سمارٹ رہنے کے چکر میں کھانے سے بھاگتی ہیں ....

تمہیں کیا ہوا ہے..... تم تو کھاؤ کچھ۔

نیاز: میں تو کھا رہا ہوں چاچا..... دراصل اگر رات کو میں زیادہ کھالوں تو.... گیس ہو جاتی ہے کچھ۔

یعقوب: (زور سے ہنستا ہے) لو بھئی زبیدہ.... ایک اور آگیا تمہارا ہم شوق.... (نیاز مسکراتے ہوئے حیرت کے ساتھ یعقوب کی طرف دیکھتا ہے) تمہاری چچی کو بھی یہی شوق..... میرا مطلب ہے۔ شکایت ہے!

زبیدہ: آپ کو تو اللہ موقع دے..... (پلیٹ اپنے آگے سے سرکاتی ہے) لیجیئے نہیں کھاتی ہیں۔

یعقوب: لاحول ولا قوۃ...... ایک تو تم ناراض ایک منٹ میں ہو جاتی ہو۔ اچھا بابا۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ تم کھانا کھاؤ (دروازہ کھلتا ہے انور داخل ہوتا ہے سب اسے دیکھکر ایک لمحے کے لیے چپ سے ہو جاتے ہیں۔ یعقوب اپنی جگہ سے اٹھتا ہے) آؤ بھئی انور۔ آؤ۔ بیٹھو.... بہت دیر کر دی تم نے..... تمہاری پلیٹ لگی ہے..... (نوکر سے) بابے.... انور بیٹے کے لیے گرم کھانا لاؤ.....

انور: آپ لوگ کھایئے..... میں کھانا کھا کر آیا ہوں....

یعقوب: کمال ہے بھئی.... خیر.... اچھا بیٹھو تو سہی۔

انور: (کرسی گھسیٹ کر بیٹھتا ہے) طبیعت کیسی ہے چاچی

زبیدہ: اب بہتر ہے بیٹا۔

صغراں: کہاں تھے تم...... شام سے ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

انور: بس بھابی..... فلم بنا رہا ہوں نا.... ایک پارٹی آئی ہوئی تھی۔ وہیں دیر ہوگئی۔

نیاز: کام کیسا چل رہا ہے۔

انور: ٹھیک ٹھاک ہے۔

یعقوب: چائے میرا خیال ہے، ادھر بیٹھ کے پیتے ہیں۔ کیوں زبیدہ۔

زبیدہ: (اٹھتے ہوئے) بہتر، سبز قہوہ بنواؤں یا چائے...

یعقوب: (استفسار کے انداز میں) کیوں بھئی۔

(سب لوگ ایسے انداز سے کندھے اُچکاتے ہیں جیسے کہہ رہے ہوں، جو مرضی بنوائیں، نیاز کی طرف دیکھتا ہے)

نیاز: کچھ بھی.... میرا خیال ہے قہوہ بہتر رہے گا۔

یعقوب: اور تم صغراں۔

صغراں: (نیاز کی طرف اشارہ کرکے) یہ قہوہ کہہ رہے ہیں۔ ٹھیک ہے۔

انور: (شکیلہ کی طرف دیکھ کر بڑے معنی خیز انداز میں بولتا ہے) بیوی ہو تو بھابی صغراں جیسی ...... بھا نیاز کے پیچھے اس طرح چلتی ہے جیسے راکھے کے پیچھے مجھ (بھینس) چلتی ہے ....

(مسکراتے ہوئے داد طلب نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتا ہے۔ سب لوگ ایکدم خاموش ہو جاتے ہیں انور کے چہرے کی مسکراہٹ سمٹتی ہے۔ شکیلہ غصے سے اُس کی طرف دیکھتی ہے۔ پیر پٹخ کر کرے سے نکل جاتی ہے سب لوگوں کے REACTION)

سین نمبر ۱۹

(انور کا گھر۔ ساتھ والے کرے سے گانے بجانے کی آواز کبھی آہستہ کبھی تیز ہو جاتی ہے۔ دلاور اور مولا داد باتیں کر رہے ہیں)

دلاور: ضد نہ کرو مولا داد..... یہ راز زیادہ دن تک چھپا نہیں رہے گا۔۔۔ چوہدری حشمت خاں کو جس وقت بھی اصلیت کا پتہ چلا وہ میری جان کا دشمن ہو جائے گا۔.... میں نہیں چاہتا کہ تم بھی اُس کے انتقام کی لپیٹ میں آؤ....

مولا داد: بھیڑے (بڑے) کاموں کے لیے میں نے بڑے زخم کھائے ہیں شہزادے۔ دو چار پھٹ (زخم) کسی چنگے کام کے لیے بھی کھا لینے دے۔

دلاور: تمہاری بیوی ہے مولا داد۔ بچہ ہے۔ نہیں۔ میں تمہیں اِس کام میں نہیں پڑنے دونگا۔

مولا داد: میں تو کسی سلام دُعا والے کو مشکل ویلے میں کلّا (اکیلا) نہیں چھوڑتا شہزادے.... تُو تو میرا یار ہے۔

دلاور: میں کیسے سمجھاؤں تمہیں۔ (میوزک کی آواز ایکدم بلند ہوتی ہے پری پیکر کوئی پکا راگ گاتا ہے) ایک تو یہ شور کچھ سمجھ میں نہیں آنے دے رہا۔

مولا داد: (لپک کر دروازے میں جاتا ہے آواز دیتا ہے) اُوے پری پیکر (میوزک ایکدم بڑے بے ہنگم طریقے سے رُکتا ہے) ذرا ایدھر تو آ شہزادے (چند لمحوں بعد پری پیکر لرزتا ہوا دروازے میں آتا ہے۔ مولا داد پیچھے ہٹ کر اُسے اندر آنے کا رستہ دیتا ہے) یہ تُو گا رہا تھا شہزادے۔

پری پیکر: (کھیسیں نکال کر) جی، جی جی .... کمترین نغمہ سرائی کر رہا تھا۔

مولا داد: یہ کمترین کیا ہوتا ہے۔

پری پیکر: کم ترین .... لعنی فدوی۔ ناچیز۔ مراد ہے یہ بندۂ عاجز۔

مولا داد: اچھا پھر بندۂ [illegible] سن کھول کے سن لے ..... میں تیرے اس گانے سے بہت عاجز آ گیا ہوں ..... اگر اب تیری منحوس آواز میرے کانوں میں آئی (پری پیکر کی گردن جھنجوڑتا ہے) تو تیری

اس نغمہ سرائی سمیت دریا میں پھینک دوں گا..... سمجھ گیا ہے شہزادے۔

پری پیکر: (شدید خوفزدگی کے عالم میں ہکلاتے ہوئے) ب۔ب بالکل ...... میرا اگلا تو چھوڑیں مولاداد صاحب۔ یہی تو میرا رزق ہے۔

مولاداد: تیرے رزق کا چکر بھی میں سمجھتا ہوں شہزادے..... سارے بندے چوہدری انور نہیں ہوتے..... مجھے ذرا اپنے کاموں سے فارغ ہو لینے دو..... ایک ایک پیسے کا حساب کروں گا تم لوگوں سے..... چل اُٹھا یہ اپنے طبلے سارنگیاں..... اور غائب ہو جا۔

پری پیکر: وہ جی..... چوہدری انور صاحب۔

مولاداد: چوہدری انور صاحب آج نہیں آئیں گے شہزادے (چٹکی بجاتے ہوئے) پھُٹاں کھا جا۔

(پری پیکر کچھ کہنے کے لیے مُنہ کھولتا ہے مگر مولاداد کے انداز سے گھبرا کر باہر نکل جاتا ہے دلاور یہ سارا منظر بہت دلچسپی سے دیکھ رہا ہے)

ہاں تو کیا بات ہو رہی تھی شہزادے۔

سین نمبر ۲۰

(سعیدہ کا گھر۔ سعیدہ کی دولہا کے ساتھ شادی کی تصویر فریم میں لگی ہے وہاں سے کیمرہ PAN کرتا ہوا حیات محمد پر آتا ہے جس کے چہرے سے پریشانی ٹپک رہی ہے سامنے سعیدہ کا خاوند جمیل بیٹھا ہے جمیل کے چہرے سے عیاشی اور سنگدلی کے آثار ہویدا ہیں)

حیات محمد: میرے پاس اب کچھ نہیں ہے جمیل پُتر۔ پچھلی دفعہ بھی مَیں نے تجھے دلاور کی زمین بیچ کر پیسے دیئے تھے۔

جمیل: ابھی اُس کی بڑی زمین پڑی ہے چاچا.....

حیات محمد: نہیں پُتر نہیں..... دلاور کو پتہ چل گیا تو یہ بہت بُرا ہو گا۔

جمیل: (عیارانہ انداز میں) تم اِس کے مختار خاص ہو چاچا..... قانونی طور پر وہ تمہارا کیا بگاڑ سکتا ہے

حیات محمد: بات قانون کی نہیں پُتر جمیل..... کچھ دِن صبر کر..... مَیں کچھ انتظام کرتا ہوں۔

جمیل: رقم کی مجھے فوری ضرورت ہے چاچا..... شادی کے وقت تو تم نے بڑا گج وج کے کہا تھا کہ سعیدہ کے نام دو مربعے ہیں..... کدھر ہیں وہ..... مجھے تو صرف چھ کنال کا پتہ ہے۔

حیات محمد: تھے تو دو مربعے ہی پُتر۔ پر چوہدری نواز سے مقدمے میں بڑا روپیہ ضائع ہو گیا ہے۔

جمیل: تم نے اپنا مقدمے بازی کا شوق پورا کر لیا ہے چاچا..... پر میرا قصور کیا ہے۔ مجھے تو صرف زمین چاہیئے۔

حیات محمد: سردار علی وکیل کہہ رہا تھا.....

جمیل : مجھے رقم چاہیئے.... تمہارے پاس نہیں ہے تو جاتے ہوئے اپنی بیٹی کو بھی لیتے جانا۔
(اُٹھتا ہے)

حیات محمد: جمیل۔ جمیل پتر۔ بات تو سُن میری۔

جمیل : مَیں ذرا بندہ ہوں کھری اور صاف بات کرنیوالا۔ سعیدہ کے حصّے کا ڈیڑھ لاکھ روپیہ مجھے دے دو میرا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں۔

(جمیل جاتا ہے حیات محمد چند لمحے سخت پریشانی کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہے۔ شیر محمد آتا ہے۔ قمیض کے بٹن بند کر رہا ہے اطمینان کا ایک لمبا سانس لیتا ہے)

شیر محمد: طبیعت فریش FRESH ہوگئی ہے نہانے سے۔

(حیات محمد چونک کر اُس کی طرف دیکھتا ہے۔ اُس پر دلاور کا جملہ O/L ہوتا ہے)

بس آپ کوشش کیجیئے گا کہ حشمت خاں کے کسی آدمی کی نظر آپ پر نہ پڑے... آپ کے سر کے لیے وہ بڑی سے بڑی قیمت دے سکتا ہے۔

شیر محمد : کیا خیال ہے... چلا جائے۔

حیات محمد: (چونک کر) کیا...

شیر محمد : (حیرت سے اُس کی طرف دیکھتا ہے) میں کہہ رہا تھا... چلیں؟

حیات محمد: (گھبراتے ہوئے انداز میں) وہ... مَیں نے... پتہ کرایا ہے اپنے داماد سے... سعید گل کسی دورے پر گیا ہوا ہے... کل آئے گا۔

شیر محمد: اوہ... یہ تو بہت بُرا ہوا۔ اب کیا کریں۔

حیات محمد: آپ یہیں رُک کر میرا انتظار کریں۔ مجھے ایک دو کام ہیں کچہری میں۔ دوپہر تک آجاؤنگا۔

(اُس کا جواب سُنے بغیر کمرے سے نکل جاتا ہے۔ شیر محمد حیرت سے کندھے جھٹکتا ہے صوفے پر بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگتا ہے۔)

سین نمبر ۲۱

(دلاور اور مولا داد ایک دروازے پر دستک دیتے ہیں۔ فرخ دروازہ کھولتا ہے سوالیہ انداز میں اُن کی طرف دیکھتا ہے)

فرخ : فرمایئے!

دلاور : یہاں کوئی خاتون ذکیہ نامی رہتی ہیں؟

فرخ : جی ہاں وہ میری والدہ ہیں آپ کی تعریف؟

دلاور : وہ ہمیں نہیں جانتیں ۔ کیا وہ گھر پر تشریف رکھتی ہیں ۔

فرخ : (ہچکچاتے ہوئے) جی ہاں ۔ مگر آپ ۔

مولا داد : (ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے) ہم اُنہیں اُن کے باپ کے بارے میں ایک اطلاع دینے آئے ہیں شہزادے ۔

فرخ : (حیرت سے) باپ کے ۔ نانا ابا کے بارے میں ۔ آ ۔ آپ ۔ اندر تشریف لائیے ۔ (دلاور اور مولا داد کمرے میں آتے ہیں) آپ تشریف رکھئے ۔ میں اُنہیں بُلاتا ہوں (دروازے کی طرف منہ کرکے آواز دیتا ہے) امیّ ۔ امیّ (دروازے سے آتی ہوئی ماں سے ٹکرانے لگتا ہے) سوری ۔

ذکیہ : کیا بات ہے ، تم اتنے ...

(گھر میں اجنبی دیکھ کر خاموش ہو جاتی ہے ۔ سوالیہ نظروں سے فرخ کو دیکھتی ہے)

فرخ : امی یہ آپ سے ملنے آئے ہیں ۔ نانا ابا کے بارے میں ۔

(دلاور اور مولا داد اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

ذکیہ : (تیزی سے آگے آتے ہوئے) اباجان کے بارے میں ۔ تشریف رکھئے ۔ (EXCITED انداز میں) آپ میرے والد کو جانتے ہیں ۔ (ایکدم کچھ سوچکر انہیں غور سے دیکھتی ہے) مگر آپ لوگ تو خاصے کم عمر معلوم ہوتے ہیں ۔

دلاور : آپ ذکیہ خاتون ہیں (ذکیہ اثبات میں سر ہلاتی ہے) وہ سید پور کے جنگلات میں فارسٹ آفیسر تھے ۔

ذکیہ : جی ہاں ۔ مگر ۔ یہ بات تو بہت پُرانی ہے ۔ کیا آپ لوگ انہیں جانتے ہیں ۔

دلاور : جی ۔

ذکیہ : (خوف بھرے تجسّس سے) وہ زندہ ہیں نا ۔

دلاور : جی ہاں (فرخ کا ری ایکشن خوش اور حیران ہے)

ذکیہ : شدید جذبات کو قابو میں کرنے کی کوشش کرتے ہوئے) آپ اُن سے ملے ہیں ۔

دلاور : جی ہاں ۔

ذکیہ : (دھڑکتے ہوئے دِل کے ساتھ) کب ؟

دلاور : کل ۔

ذکیہ : (بے ساختگی سے اُٹھکر اُس کا کندھا پکڑ لیتی ہے) کل ۔ کہاں ۔ خدا کے لیے مجھے بتائیے میرے ابا کہاں ہیں ۔ تم نے سُنا فرخ ۔ تمہارے نانا ابا زندہ ہیں ۔

فرخ : (EXCITED انداز میں) جی امّی ۔ جناب آپکو پتہ ہے اس وقت کہاں ہیں ؟

(دلاور کا کندھا جھنجھوڑتا ہے)

دلاور: (مسکراتے ہوئے) جی ہاں — آپ پلیز تحمل سے کام لیجئے۔ آپ بھی تشریف رکھیں خاتون؟

ذکیہ: اوہ خدایا۔ تو کتنا رحیم وکریم ہے۔ مجھے اُن کے پاس لے چلو بیٹا۔

مولا داد: اُن کے پاس جانا اتنا آسان نہیں ہے بی بی۔ ہم یہی بات کرنے آئے ہیں۔

(ذکیہ سخت حیرت اور صدمے سے اُن کی طرف دیکھتی ہے۔ اُس کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انہیں بلیک میلر سمجھ رہی ہے)

ذکیہ: آ— آپ لوگ کون ہیں (آواز خوف کی وجہ سے بیٹھی ہوئی ہے)

مولا داد: گھبراؤ نہیں بی بی۔ ہم تمہارے دوست ہیں۔ تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں۔

ذکیہ: میرے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔ تم سب لے لو۔ مگر خدا کے لیے مجھے میرے ابا جان سے ملا دو۔

دلاور: آپ غلط سمجھی ہیں بہن جی۔ ہم خدانخواستہ کوئی بلیک میلر نہیں ہیں۔ دراصل فوری طور پر آپ سے اُن کا ملنا اچھا نہیں ہے۔ اُن کی جان خطرے میں ہے۔

فرخ: بیمار ہیں نانا ابا۔

مولا داد: (اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے) نہیں شہزادے۔ ایک بہت بڑا— بہت ظالم آدمی اُن کی جان کا دشمن ہو رہا ہے۔

فرخ: (غصّے سے) آپ مجھے بتایئے وہ کون ہے؟

مولا داد: صبر کر شہزادے۔ یہ تیری اوقات سے بہت اُچّی کھیڈ ہے۔

ذکیہ: خدا کے لیے پہیلیاں نہ بھجوایئے۔ صاف صاف بتایئے کیا قصہ ہے؟

دلاور: (اُٹھتے ہوئے) قصہ ہم آپ کو پھر بتائیں گے بی بی اس وقت یہی پتہ کرنا تھا کہ ان کی بیٹی زندہ ہے یا نہیں۔ انشاء اللہ ایک دو دن میں وہ آپ سے آملیں گے۔ جہاں اتنا صبر کیا ہے دو دن اور انتظار کریں۔

ذکیہ: مجھے یوں لگ رہا ہے۔ جیسے میرا دل پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ مجھے اُن کے پاس لے چلو بیٹا۔

دلاور: مولا داد نے آپ کو بتایا ہے نا بی بی۔ اس وقت یہ مناسب نہیں ہے۔ چوہدری حشمت خاں اُن کی جان کا دشمن ہو رہا ہے۔

ذکیہ: (شدید تحیّر کے عالم میں) چوہدری حشمت خاں۔ سکندر پور والے؟

دلاور: (حیرت سے اُس کی طرف دیکھتا ہے) جی ہاں۔ مگر آپ انہیں کیسے جانتی ہیں۔

ذکیہ: (سخت پریشانی کے عالم میں) بیٹھ جاؤ بیٹا۔ بیٹھ جاؤ (صوفے پر گرتی ہے) میرا سر چکرا رہا ہے۔ کیا کہا تھا تم نے۔ چوہدری حشمت خاں میرے ابا کا دشمن ہے۔

مولا داد: دشمن نہیں بی بی - جانی دشمن - اس سے پیشتر کہ وہ پُلس تک پہنچیں وہ اُنہیں قتل کر دینا چاہتا ہے۔

ذکیہ: مگر کیوں - چوہدری حشمت کا میرے ابا سے کیا تعلق ہے؟ ابا تو - تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے بیٹا۔

مولا داد: ہمیں کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی بی بی - (غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے) میں بڑی دیر سے تم کو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہوں - تم کبھی چوہدری یعقوب کے گھر گئی ہو (ذکیہ اثبات میں سر ہلاتی ہے) تم کو پتہ ہے کہ چوہدری یعقوب چوہدری حشمت کا پُتر ہے (ذکیہ پھر اثبات میں سر ہلاتی ہے۔ مولا داد اور دلاور حیرت سے اُسے دیکھتے ہیں) تم کیسے جانتی ہو اُن لوگوں کو۔۔۔

ذکیہ: چوہدری یعقوب میرے — (ایک دم فرخ کی طرف دیکھ کر بات بدلنے کی کوشش کرتی ہے۔ مولا داد اور دلاور ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہیں) وہ میرے مرحوم شوہر کے دوست ہیں۔

دلاور: ہم آپ کے ہمدرد ہیں بی بی - ہم سے کوئی بات چھپایئے نہیں - لگتا ہے ان سب باتوں میں کوئی بہت گہرا تعلق ہے۔

ذکیہ: میری سمجھ میں نہیں آتا - چوہدری حشمت کی میرے والد سے کیا دُشمنی ہو سکتی ہے۔

دلاور: یہ ایک بہت لمبی کہانی ہے بی بی۔

ذکیہ: (بے بسی کے انداز میں) خدا کے لیے آپ لوگ صاف صاف بات کیجیئے - میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا - آپ مجھے اُن کے پاس لے چلیں - پلیز

مولا داد: فی الحال یہ ممکن نہیں ہے بی بی - تم کو بتایا تو ہے ایک بار (دلاور سے) چل شہزادے۔

ذکیہ: (دلاور کو پکڑ کر رو پڑتی ہے) مجھ پر رحم کرو بیٹا میں پچیس سال سے اپنے باپ کی صورت کو ترس رہی ہوں۔

دلاور: (شدید متاثر ہوتا ہے) دیکھیئے بہن - آپ — آپ خدا کے لیے رویئے نہیں - میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ کل شام تک آپ کو اُن سے ضرور ملوا دُوں گا۔

ذکیہ: کل شام تک — کل شام تک تو میں مر جاؤں گی بیٹا۔

مولا داد: ہماری بات — سمجھنے کی کوشش کرو بی بی - چوہدری حشمت کو تمہارے والد کی سُوہ (سراغ) مل گئی تو ساری کیتی کرائی پر پانی پھر جائیگا۔

ذکیہ: یہ تم بار بار چوہدری حشمت کا نام کیوں لا رہے ہو بیچ میں - ابا تو انہیں جانتے بھی نہیں تھے۔

دلاور: (فیصلہ کن انداز میں) بیٹھیئے بی بی - میں آپ کو سمجھاتا ہوں - جن دنوں آپ کے والد سید پور میں فارسٹ آفیسر تھے چوہدری حشمت وہاں شکار کھیلنے آیا کرتا تھا۔

DISSOLVE FOR TIME LAPSE

دلاور : اسی لیے ہم چاہتے ہیں کہ آپ ابھی ایک دو دن اُن سے نہ ملیں۔ کیس رجسٹر ہو جائے۔ بات اعلیٰ حکام تک پہنچ جائے۔ اس کے بعد چوہدری حشمت کے لیے اُن پر ہاتھ ڈالنا بہت مشکل ہو گا۔

ذکیہ : (سخت پریشان ہے بار بار کچھ کہنے کے لیے مُنہ کھولتی ہے فرخ کی طرف دیکھکر خاموش ہو جاتی ہے) تم ٹھیک کہتے ہو بیٹا۔

فرخ : (جوشیلے انداز میں) کمال کر رہی ہیں امی۔ آپ یعقوب چچا سے کیوں نہیں بات کرتیں۔

مولا داد : اُن سے بات نہ کرنا شہزادے۔ نقصان اُٹھاؤ گے چوہدری یعقوب حشمت خاں کا پُتر ہے۔

فرخ : مگر مجھے یقین ہے اُنہیں اس سارے واقعے کے بارے میں کوئی علم نہیں ہو گا۔

مولا داد : علم نہ بھی ہو — پھر بھی اُس سے بات نہ کرنا۔

ذکیہ : یہ صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں فرخ۔ اس صورتِ حال میں یعقوب بھائی بھی ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ وہ خود بھی اپنے باپ سے بہت ڈرتے ہیں۔

مولا داد : (دلاور سے) یہ پچا کچھ لمبا ہی پڑ گیا ہے شہزادے

دلاور : ہاں لگتا تو کچھ ایسا ہی ہے۔ خیر — اب تو جو ہو سو ہو اچھا بہن جی۔ ہمیں اجازت دیجئے انشاءاللہ کل ملاقات ہو گی۔

ذکیہ : (شرمندگی کے ساتھ) مَیں بہت شرمندہ ہوں، آپ کو چائے بھی نہیں پُوچھی۔ دراصل یہ خبر ہی کچھ ایسی تھی کہ — آپ بس دو منٹ بیٹھئے — مَیں۔

دلاور : (جاتی ہوئی ذکیہ کو روکتا ہے) تکلف نہ کریں بہن پھر سہی۔ ہمیں بھی اس وقت جلدی ہے۔

مولا داد : چل شہزادے۔ دیر ہو رہی ہے۔ اچھا بی بی۔ ربّ راکھا۔

ذکیہ : خدا حافظ۔

(دونوں جاتے ہیں ذکیہ صوفے پر بیٹھ کر گہری سوچ میں ڈوب جاتی ہے۔
فرخ خاموشی سے آکر اُس کے قریب بیٹھتا ہے۔ ذکیہ اُسکی طرف دیکھکر مسکراتی ہے)

سین نمبر ۲۲

(حشمت خاں کار میں بیٹھا شہر کی سڑکوں سے گزر رہا ہے۔ گاڑی یعقوب کے پورچ میں آکر رُکتی ہے حشمت خاں گاڑی سے اُترتا ہے)

سین نمبر ۲۳

(ایک بلڈنگ کی لِفٹ۔ مولا داد، دو تین آدمیوں کی لائن میں کھڑا لِفٹ کا انتظار کر رہا ہے۔ دوسری طرف سے لِفٹ آکر رُکتی ہے۔ مولا داد اس میں

سوار ہوتا ہے۔ حیات محمد حیرت سے اُس کی طرف دیکھتا ہے۔ مولا داد اُس
سے بے خبر ہے۔ لفٹ کا دروازہ بند ہوتا ہے حیات محمد چند لمحے حیرت اور
تذبذب کے عالم میں کھڑا رہتا ہے۔ اپنی آنکھیں ملتا ہے۔ بے یقینی کے
انداز میں سر جھٹکتا ہے۔ دروازے کی طرف چلتا ہے)

سین نمبر ۲۴

(یعقوب کا دفتر۔ یعقوب اپنی کُرسی پر پیچھے کی طرف جُھکا پنسل سے بال
کُھجا رہا ہے۔ مولا داد دروازہ کھول کر آتا ہے۔ یعقوب سیدھا ہو کر
بیٹھتا ہے)

یعقوب: آؤ مولا داد۔ کیسے آئے بیٹھو۔

مولا داد: بس جی آپ کو سلام کرنے حاضر ہوا تھا۔ چوہدری انور والا کام ٹھیک ہو گیا تھا جی۔

یعقوب: (اثبات میں سر ہلاتا ہے) ہاں ۔۔ (کچھ سوچتے ہوئے سرسری سے انداز میں پوچھتا ہے) تم کسی شیر محمد نامی آدمی کو جانتے ہو مولا داد۔

مولا داد: (ایکدم سخت حیرت زدہ ہوتا ہے پھر اپنے آپکو سنبھالتا ہے)

شیر محمد: کیا کرتا ہے جی۔

یعقوب: (گہری نظروں سے اُس کی طرف دیکھتا ہے) چھپا رہے ہو مجھ سے (مولا داد گھبرا کر آنکھیں چُراتا ہے یعقوب ہنستا ہے) مجھے سب پتہ ہے (مولا داد کا ری ایکشن) تم ڈرتے ہو میاں جی سے۔

مولا داد: (کچھ نہ سمجھتے ہوئے) جی۔ وہ۔ بس

یعقوب: سُنا ہے میاں جی نے اس آدمی کو کئی سالوں سے تہہ خانے میں بند کر رکھا تھا اور اب وہ بھاگ گیا ہے۔

مولا داد: آپ کو کیسے پتہ چلا جی

یعقوب: اللہ بخشے بھائی غلام علی نے ذکر کیا تھا ایک دفعہ مجھ سے مگر مجھے یہ نہیں پتہ تھا کہ میاں جی نے اسے اب تک قید کر رکھا ہے۔ کیا وہ بہت پریشان ہیں اُس کے بھاگ جانے سے۔

مولا داد: پتہ نہیں جی۔ میں تو کئی دنوں سے یہاں آپ کے پاس ہوں۔

یعقوب: ہاں تمہیں نہیں پتہ ہو گا۔ ایسے کرو تم فوراً چلے جاؤ اور انہیں بتاؤ کہ وہ آدمی شیر محمد مل گیا ہے۔

مولا داد: (اپنی حیرت کو قابو میں کرنے کی کوشش کر کے) مل گیا ہے؟

یعقوب: (اپنی دُھن میں) ہاں۔ انہیں بتانا۔ وہ شخص حیات محمد نامی ایک آدمی کے قبضے میں ہے حیات محمد ابھی مجھ سے مل کر گیا ہے۔ وہ غالباً کوئی سودا بازی کرنا چاہتا ہے۔ مجھے چونکہ پورے

واقعات کا علم نہیں۔ اس لیے تم میاں جی سے پُوچھ آؤ۔ وہ خود آئیں گے یا میں ان کی جگہ بات کروں۔
اور یہ بھی پُوچھ لینا کہ کیا بات کرنی ہے۔ سمجھ گئے ہو نا۔

مولا داد: جی۔ بالکل۔ میں ابھی جاتا ہوں۔

(مولا داد کا کلوز۔ سخت پریشان اور حیرت زدہ ہے)

قسط نمبر ۱۵

سین نمبر ۱

(قسط نمبر ۱۴ کا آخری سین دکھایا جاتا ہے۔ مولا داد کے کلوز سے ڈزالو کر کے لانگ شاٹ میں کسی پارک کے بنچ پر ایک شخص کو تنہا بیٹھا دکھاتے ہیں زوم اِن کرتے ہیں۔ مولا داد کسی گہری سوچ میں پڑا ہے بے خیالی میں ایک پتے کو بُری طرح مسل رہا ہے۔ چند لمحے تذبذب کی کیفیت میں رہتا ہے۔ اُٹھ کر ایک طرف کو چلتا ہے کیمرہ کچھ دُور اس کا تعاقب کرتا ہے۔)

سین نمبر ۲

(انور کا کمرہ)

پری پیکر: بات یہ ہے دلاور صاحب کہ ہمارے ملک میں آرٹسٹ کی، فنکار کی قدر نہیں ہے۔ اب آپ میری طرف دیکھیں اگر میں ہالی وُڈ میں ہوتا تو آج گلبرگ میں میری کوٹھی ہوتی۔ میرے نیچے دس گز لمبی گاڑی ہوتی اور بنک میں بیلنس ہوتا۔

دلاور: (مسکراہٹ دباتے ہوئے) یعنی بنک بیلنس

پری پیکر: وہی ---- پر جناب اِدھر ہمارے ملک میں آرٹسٹ کی ---- فنکار کی قدر نہیں ہے۔

دلاور: ہالی وُڈ میں تم نے کیا کرنا تھا پری پیکر۔

پری پیکر: کمال کرتے ہو جی ---- میوزک دینا تھا ---- اور آتا کیا ہے ہمیں۔

دلاور: مگر اُن کا میوزک تو ---- وہ تو اور طرح کا ہوتا ہے۔

پری پیکر: کچھ نہیں ہے جی۔ بس ایسے ہی مسٹری ہے ---- سسپنس پیدا کی ہوئی ہے اُن لوگوں نے سارا چکّر ہیر پھیر آرکسٹرا کا ہے۔ آپ دیکھیں میں آپ کو سناتا ہوں (کسی انگریزی گانے

کی نقل اُتارتا ہے اُردو یا پنجابی میں بھی ڈھالا جا سکتا ہے طبلے والا سنگت کرتا ہے) اب دیکھیں یہی گانا میں آپ کو اُردو میں سُناتا ہوں (گاتا ہے) فالو کر رہے ہیں نا آپ میری بات ---- اصل چکر آرکسٹرا کا ہے ۔

دلاور : (ایسے انداز میں داد دیتا ہے جیسے بات ٹالنے کی کوشش کر رہا ہو) بہت اچھے ۔ واہ ۔ تم تو بڑے اُستاد ہو پری پیکر ۔ (گھڑی دیکھتے ہوئے) یہ مولا داد کدھر رہ گیا ۔

پری پیکر : (گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھتا ہے پھر مطمئن انداز میں مُسکراتا ہے) طبیعت ذرا کچھ سخت ہے مولا داد صاحب کی ۔

دلاور : (مُسکراتے ہوئے) تم بہت ڈرتے ہو اس سے ۔

پری پیکر : نہیں ۔ ڈرتا تو خیر میں نہیں ہوں ---- میں تو خود انڈسٹری میں بڑا ہتھ چھُٹ مشہور ہُوں غلط سُر لگانے پر میں نے بڑے بڑے شرگردوں (شاگردوں) ریپٹے (تھپیڑ) لگائے ہیں ۔

دلاور : کن کو ؟

پری پیکر : شرگدوں کو ---- میرا مطلب ہے شگھدروں کو ---- یہ بُلبلہ بھی میرا شگھدر ہے ------ کیوں بُلبلے ۔

بُلبلہ : ہاں جی ---- پری پیکر صاحب دو دو تین تین سال تو شاگردوں کو ریپٹوں پہ ہی رکھتے ہیں ۔ اس کے بعد بھی جو نہیں بھاگتا اُس کو سکھاتے ہیں ۔

پری پیکر : (خوش ہو کر) اب آپ اس کو دیکھیں جب یہ میرے پاس آیا تو گوڈے گوڈے بے سُرا تھا پر اس کے گلے میں سُر تھا ۔ میں نے اس سُر کو پکڑا ہے ۔ ایسے جیسے چمٹی سے پکڑتے ہیں ---- اب دیکھیں یہ اللہ کے فضل سے پانچ زبانوں میں تو صرف بُلبلے والا آئٹم کرتا ہے ---- ذرا انگریزی میں سُنا دلاور صاحب کو ۔

بلبلہ : اچھا جی

دلاور : (اُٹھتے ہوئے) یار پری پیکر ۔ دراصل اس وقت مجھے ایک ضروری کام ہے ۔ پھر کبھی سنیں گے ۔

بُلبلہ : سن لئو موتیاں والیو ۔ میں نے ایسے چیر کے نکل جانا ہے ان سنگروں کو ---- پھر میرا گانا سُننے کے لیے آپ کو ٹکٹ بھی مشکل سے ملے گا ۔

دلاور : (مُسکرا کر بیٹھتے ہوئے) اچھا بھئی سناؤ ۔

(بُلبلہ انگریزی میں اپنا آئٹم سناتا ہے اُسی سٹائل میں سلام کرتا ہے)

دلاور : (تعریفی انداز میں) واہ بھئی واہ بہت خوب یہ تو واقعی بہت اعلیٰ چیز ہے ۔

پری پیکر : میوزک میں سارا کمال سانس اور ریدم ہے ۔ میوزک ڈائرکٹر کا کام تو بول کی تقسیم ہے ۔ شاعر کے کلام میں سوچ ہوتی ہے ۔ MESSAGE ہوتا ہے اسے سچوایشن کے حساب سے کمپوز کرتا ہے ۔ یہ ہر ایک کو تو نہیں آتا ۔ اب مثلاً دیکھیں میں نے ایک استھائی بنائی ہے ۔ میری کمپوزیشنوں میں اکثر استھائیاں میری ہوتی ہیں ---- میں دیدیتا ہوں شاعر کو ۔ جاؤ عیش کرو ۔ اب دیکھیں ۔

اُلٹا سیدھا کچھ گانے لگتا ہے ایک دم اُس کے ہاتھ رُک جاتے ہیں اور آواز گلے
میں اٹکتی ہے۔ آنکھیں دروازے کی طرف ہیں۔ دلاور حیرت سے اس کی طرف
دیکھتا ہے جہاں مولا داد کھڑا ہے۔ مولا داد چند لمحے اس کی طرف دیکھتا ہے
پھر کمرے کے اندر آتا ہے)

دلاور: کہاں تھے بھائی مولا داد۔ مَیں بہت دیر سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

مولا داد: ایک۔۔ (کہتے کہتے اچانک رُک جاتا ہے) کام پڑ گیا تھا شہزادے۔ (نرم آواز میں پری پیکر کو مخاطب کرتا ہے) تم لوگ چھٹی کرو شہزادے۔۔۔

پری پیکر: وہ جی چوہدری۔۔۔ (مولا داد کی تیز نظر سے ڈر کر خاموش ہو جاتا ہے)

مولا داد: جرح مت کیا کر شہزادے۔ چل پھُٹ جا یہاں سے۔

(پری پیکر کچھ کہنے کی ناکام کوشش کرتا ہے اشارے سے اپنے آدمیوں کو
کہتا ہے کہ اُٹھو۔ سب لوگ جاتے ہیں مولا داد صوفے پر بیٹھکر کچھ سوچ
میں پڑ جاتا ہے۔ دلاور اس کے قریب آتا ہے)

دلاور: چلنا نہیں مولا داد۔

مولا داد: کہاں!

دلاور: کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ چچا حیات محمد اور شیر محمد صاحب ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔

مولا داد: ہاں وہ تو مَیں بھول ہی گیا تھا۔ بیٹھو شہزادے ایک دو باتیں کرنی ہیں تم سے۔

دلاور: بہت دیر ہو جائیگی مولا داد۔ باتیں راستے میں کریں گے۔ آؤ۔

مولا داد: (اُسے بھی ہاتھ سے پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھاتا ہے) مَیں ایک بڑی اُلجھن میں پڑ گیا ہوں شہزادے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ حیات محمد تمہارا سگا چاچا ہے۔

دلاور: ہاں۔ کیوں؟

مولا داد: کچھ نہیں ایسے ہی پُوچھ رہا تھا۔ ظاہر ہے تمہارا چاچا ہے تمہاری ہی طرح جی دار اور کھرا بندا ہو گا۔

دلاور: ہاں بس۔ ذرا مقدمے بازی کا شوق ہے اُسے۔ بندہ بہت اعلیٰ ہے۔

مولا داد: اچھرے میں بتایا تھا نا تم نے اس کا — میرا مطلب ہے اس کی بیٹی کا گھر؟

دلاور: ہاں بھٹی نگر — وہیں تو ہم جا رہے ہیں۔

مولا داد: میرا خیال ہے تم ہو آؤ۔ مجھے چوہدری یعقوب کا ایک پیغام لے کر آج رات ہی گاؤں پہنچنا ہے۔

دلاور: آج رات۔ کیوں؟

مولاداد: پتہ نہیں ۔ بڑے چوہدری صاحب کو بُلا کے لانا ہے ۔

دلاور: (پریشان ہو کر) اوہ ۔ یہ تو بہت گڑبڑ ہو جائے گی ۔

مولاداد: ہاں ۔۔۔۔ مَیں بھی یہی سوچ رہا ہوں ۔

دلاور: اگر ایک دو دن چوہدری حشمت ۔۔۔۔ میرا مطلب ہے کوئی ایسی صورت ہو کہ کم از کم پرسوں تک بڑے چوہدری صاحب نہ آئیں ۔

مولاداد: میری سمجھ میں تو کوئی بات نہیں آتی شہزادے (کچھ سوچکر) تُو ایک کام کر ۔ کسی طرح شیر محمد صاحب کو اچھرے والے گھر سے ہٹوا دے ۔

دلاور: (سخت حیرت سے) کیوں ؟

مولاداد: (پریشانی میں) وہاں اُن کا رہنا ۔ میرا مطلب ہے ۔ وہاں کوئی ہے نہیں نا ۔ اُن کی حفاظت کرنیوالا ۔ تمہارا چاچا تو بوڑھا آدمی ہو گا ۔

دلاور: تم فکر نہ کرو ۔ وہ اب بھی دس جوانوں پر بھاری ہے ۔ کبڈی کا چیمپئن تھا جوانی میں ۔

مولاداد: وہ تو ٹھیک ہے شہزادے ۔ پر ۔۔۔ اگر کسی طرح بڑے چوہدری صاحب کو وہاں شیر محمد کی موجودگی کا پتہ چل گیا تو ۔۔۔ وہ اُسے قتل کرا دیں گے شہزادے ۔

دلاور: تم خواہ مخواہ گھبرا رہے ہو بھائی مولاداد ۔ وہاں کے بارے میں کسی کو کیسے پتہ چل سکتا ہے مَیں نے چاچا حیات محمد کو تاکید کی تھی کہ سعیدہ اور اُس کے خاوند کو بھی شیر محمد صاحب کے بارے میں کچھ نہ بتائے ۔ اُس طرف سے تم بے فکر رہو ۔

مولاداد: ٹھیک ہے شہزادے تم جاؤ ۔ مَیں کل تم سے مِلوں گا ۔

دلاور: ہو سکے تو کسی طرح چوہدری حشمت صاحب کو ایک دن اور گاؤں میں روک لو ۔ پھر کوئی پروا نہیں ۔

مولاداد: اچھا ۔ دیکھو ۔ کوشش کروں گا تم چلو ۔

(دلاور اُس کا شانہ تھپک کر جاتا ہے مولاداد کسی گہری سوچ میں پڑ جاتا ہے)

سین نمبر ۳

(سعیدہ کا گھر ۔ دلاور بے چینی سے ٹہل رہا ہے)

حیات محمد: (چہرے سے ندامت اور پریشانی) بس مجھ سے کوتاہی ہو گئی پُتر ۔ مجھے چاہیئے تھا کہ مَیں خود جا کے سعید گل کا پتہ کرتا ۔ مجھے اس ہیڈ کانسٹیبل نے گمراہ کر دیا ۔

دلاور: یہ بہت بُرا ہوا ہے چاچا ۔ آپکو ہر حال میں آج سعید گل سے مل لینا چاہیئے تھا ۔ اب اگر چوہدری صاحب کل شہر پہنچ گئے تو ہمارے لیے بڑی مشکل ہو جائیگی ۔

حیات محمد: تمہیں کس نے بتایا کہ وہ آ رہے ہیں ۔

دلاور: مولا داد نے۔ اُسے چوہدری یعقوب نے پیغام دیکر گاؤں بھیجا ہے۔

شیر محمد: ہمیں آج ہی اُس پولیس آفیسر سے مل لینا چاہیئے۔ کیا نام بتایا تھا تم نے

دلاور: سعید گل

شیر محمد: ہم اُس کے گھر بھی تو جا سکتے ہیں کیوں حیات محمد صاحب؟

حیات محمد: (گڑبڑا کر) ہاں — مگر — کہیں وہ بُرا نہ مان جائے۔

شیر محمد: بھئی وہ پبلک سرونٹ ہے ہم ایک بہت اہم، بہت ضروری بات کے لیے اُس سے ملنا چاہتے ہیں جس کا تعلق صرف ایک انسانی جان سے ہی نہیں ایک قومی امانت سے بھی ہے۔

حیات محمد: آپ بہت سال اندر رہے ہیں بھائی شیر محمد آپکو نہیں پتہ زمانہ بہت بدل گیا ہے۔ سرکاری افسران دفتر ٹائم کے بعد سرکاری کام کو ہاتھ نہیں لگاتے آپ کی بات جتنی ضروری ہے اُس سے زیادہ لمبی ہے۔ اس کو سمجھانے کے لیے اور ذہن نشین کرانے کے لیے ٹائم کی ضرورت ہے۔ آگے آپ کی مرضی۔

(دلاور کچھ سوچکر)

دلاور: چاچا ٹھیک کہہ رہا ہے شیر محمد صاحب ہمیں ہر قدم سوچ سمجھ کر اُٹھانا چاہیئے (اپنے آپ سے جھنجھلاتے ہوئے) مگر ہمارے پاس وقت ہی تو نہیں۔

حیات محمد: تم دونوں خواہ مخواہ گھبرا رہے ہو حشمت خاں کے فرشتے بھی یہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔

شیر محمد: آپ اس شخص کو نہیں جانتے بھائی حیات محمد.... وہ مجسّم شیطان ہے.... بخدا مجھے اپنی جان کی پرواہ نہیں۔ مَیں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔

حیات محمد: آپ فکر نہ کریں انشاء اللہ کل صبح ہم سب سے پہلا کام یہی کریں گے۔ اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائیگا۔

دلاور: (شیر محمد کے کندھے پر ہاتھ رکھکر مُسکراتے ہوئے) کل یہ مسئلہ طے ہو لے۔ پھر میں آپ کو ایک ایسی خبر سناؤں گا کہ آپ اپنی طویل قید کے سارے دُکھ درد کو بھول جائیں گے۔

حیات محمد: ایسی کونسی بات ہے پُتر۔

دلاور: ہے ایک چاچا... لیکن ابھی اس لیے نہیں بتاؤں گا کہ پھر یہ مارے خوشی کے رات بھر سو نہیں سکیں گے اور مَیں نہیں چاہتا کہ اِس بیان سے پہلے انہیں کوئی بھی خبر ایسی ملے جس سے ان کے جذبات میں ہیجان پیدا ہو۔

شیر محمد: کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو بیٹا دلاور.... ایسی کونسی بات ہے۔

دلاور: آپ کل بیان دے لیں پھر بتاؤں گا۔ اب آپ آرام سے سو جائیں۔

شیر محمد: (مُسکراتے ہوئے) سو کیسے جاؤں۔ میری نیند تو تمہاری اس بات نے اُڑا دی ہے۔

دلاور: اب سوچیئے اگر مَیں آپ کو خبر سُنا دیتا تو کیا ہوتا... اچھا مَیں چلتا ہُوں۔ کل اسی وقت آؤنگا۔

(دروازے پر رک کر مڑتے ہوئے)

آپ کو یاد ہے نا۔ بیان میں آپ میرا ذکر نہیں کریں گے۔

شیر محمد: یاد ہے بیٹا۔ مگر... مَیں اپنے محسن کو کیسے فراموش کر دُوں!

دلاور: مجھے آپ کے دل میں جگہ چاہیئے شیر محمد صاحب اور وہ ہے۔ میرے مسائل کچھ ایسے ہیں کہ میں عدالتی چکروں میں نہیں پڑنا چاہتا... میں نہیں چاہتا کہ فتح شیر کو میرے بارے میں پتہ چلے .... وہ ہوشیار ہو گیا تو شاید میں اُسے کبھی نہ پا سکوں۔

(دلاور تیزی سے جاتا ہے۔ شیر محمد حیرت سے اسکی طرف دیکھتا ہے)

شیر محمد: فتح شیر۔ یہ فتح شیر کون ہے بھائی حیات محمد؟

حیات محمد: (سوچتے ہوئے) فتح شیر۔ یہ بڑی لمبی کہانی ہے۔ بھائی شیر محمد۔ پھر کبھی سناؤں گا۔ اب سو جاؤ۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے (جمائی لیتا ہے)

سین نمبر ۴

(مولاداد کی بیوی پانی کا گلاس ہاتھ میں لیے آتی ہے اور مولاداد کے سامنے رکھتی ہے جو رشید کے بستر پر بیٹھا تپائی سامنے رکھے کھانا کھا رہا ہے۔ رشید نے اپنا سر اس کی گود میں رکھا ہوا ہے۔ بیوی چند لمحے مولاداد کی طرف دیکھتی ہے جس کے چہرے سے گہرے فکر کے آثار نمایاں ہیں مولاداد اس بات سے بے خبر ہے کہ اس کی بیوی اسے دیکھ رہی ہے۔ بیوی کے چہرے پر فکرمندی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ موڑھا گھسیٹ کر اُس کے سامنے بیٹھتی ہے اور محبت بھرے انداز سے پُوچھتی ہے)

بیوی: کیا سوچ رہے ہو؟

مولاداد: (چونک کر) کچھ نہیں۔ ایسے ہی...

(رشید کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے)

یہ کچھ پڑھتا لکھتا بھی ہے یا.... مجھ پر ہی گیا ہے۔

بیوی: ماسٹر جی کہہ رہے تھے کہ پوری جماعت میں سب سے زیادہ نمبر لیے ہیں رشید نے.... ویسے سکول میں تو تم بھی بڑے ہشیار ہوتے تھے.... مَیں تمہاری کاپی سے نقلیں مارا کرتی تھی۔

مولاداد: (افسردگی سے ہنستے ہوئے) کتنا اچھا ہوتا زہرہ جے ہم ہمیشہ بچے ہی رہتے... تمہیں وہ بیری یاد ہے جس کے نیچے سکول سے واپسی پر ہم "چیلو" کھیلا کرتے تھے۔

بیوی: اور تم ہمیشہ روند ڈالتے تھے۔

رشید: ابا وہ چاچے سید گل کی دھی ہے نا رضیہ وہ بھی بڑے روند مارتی ہے۔ ہم تو اسے

کھڈاتے ہی نہیں اپنے ساتھ پر او رونے لگتی ہے نا تو پھر میں کھڈا لیتا ہوں اپنے ساتھ۔

مولاداد: (اس کا سر محبت سے تھپکتے ہوئے) لگتا ہے شہزادے تو بھی اپنے ماں باپ کی لین پر لگ گیا ہے اس کو سمجھا زہرہ ---- یہ تو ابھی سے پر پرزے نکالنے لگا ہے۔

بیوی: ہٹو جی کیوں پریشان کر رہے ہو میرے پُتر کو۔ دیکھو تو کیسے شرما رہا ہے۔

مولاداد: بس یہیں سے مار رکھا گیا ہے۔

(رشید سے)

تو شیر کا پُتر ہے شیدے۔ شرمایا نہ کر یار۔ دُنیا میں زندہ رہنے کے لیے اس کی اکھ میں اکھ پا کے دیکھنا پڑتا ہے۔

بیوی: بس بس جی رہنے دو۔ کوئی اچھی بات بھی سیکھنے دو اُسے۔ تمہارا بس چلے تو ابھی سے اس معصوم کو بندوقوں پستولوں کے چکر میں ڈال دو۔

مولاداد: دُنیا بڑی ظالم جگہ ہے زہرہ ---- مَیں نہیں چاہتا کہ یہ بھی میری طرح دھکے کھا کر سبق سیکھے۔

بیوی: دیکھو جی ---- تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ شیدے کو لکھا پڑھا کر وڈا آدمی بناؤ گے ---- اس سے اس طراں کی باتیں نہ کیا کرو۔

مولاداد: مَیں کوئی جان کے تو ایسی باتیں نہیں کرتا جھلیئے حالات نے میرے چارے پاسے ایسی ولگن ول دی ہے جس کا کوئی بھی دروازہ باہر کی طرف نہیں کھُلتا۔

بیوی: جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا ---- اب تم صرف شیدے کے بارے میں سوچو۔ بس ---- مجھکو اور کچھ نہیں چاہیئے۔

مولاداد: مَیں بڑی بسوڑی میں پھنس گیا ہوں زہرہ سوچ سوچ کے میرا دماغ پھا ہا ہو گیا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟

بیوی: وہ تو مَیں بھی دیکھ رہی ہوں کہ تم جب سے آئے ہو کچھ پریشان پریشان سے ہو۔ آخر بات کیا ہے۔

مولاداد: (سوچتے ہوئے) زہرہ! اگر کوئی تمہاری کسی بہت عزیز بہت پیاری سہیلی کو دھوکا دے رہا ہو اور تمہیں اس بات کا پتہ بھی ہو تو تم کیا کرو گی۔

بیوی: مَیں فوراً اُسے بتا دوں گی۔

مولاداد: اور اگر اُس دھوکا دینے والے پر تمہاری سہیلی کو بہت اعتماد ہو بہت مان ہو۔ پھر؟

بیوی: (تیزی سے) پھر بھی مَیں ----

مولاداد: (بات کاٹتے ہوئے) سوچ سمجھ کر جواب دو شہزادی ---- ہو سکتا ہے تمہارے بتا دینے سے

اُسے جتنا فائدہ ہو اس سے زیادہ نقصان اسے اس راز کے کھُلنے سے پہنچ جائے۔

بیوی: سچ کتنا بھی کوڑا ہو۔۔۔ پر ہوتا تو سچ ہی ہے نا۔۔۔ کونین کی کڑھتن جھلیاں بغیر بخار توں نجات نہیں ملتی۔۔۔ مَیں تمہاری جگہ ہوتی تو ضرور اپنی سہیلی کو آگاہ کر دیتی۔

مولا داد: دماغ تو میرا بھی یہی کہتا ہے شہزادی۔۔۔ پر اس دل کا کیا کروں۔۔۔ یہ میرے سینے میں سے سر کڈھ کے بار بار اکو ای گل کہتا ہے۔۔۔ نہیں ۔ نہیں ۔ نہیں ۔

سین نمبر ۵

(حشمت خاں کی حویلی ۔ حشمت خاں ۔ وکیل ۔ مہنگا ۔ بخشو)

حشمت خاں: (کمرے میں بے چینی سے ٹہلتے ہوئے) اوئے یہ ساری منحوس خبریں ایک ساتھ ہی آئی تھیں ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مَیں جو ہر مہینے پنج ہزار دیتا ہوں تو اس کا فیدہ کیا ہے ۔ اتنی اتنی کریاں جتنی خبریں لے کے، فائیں جگ کے تم میرے متھے مارتے آجاتے ہو۔۔۔ اس کو خود حل کیوں نہیں کرتے۔

وکیل: بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں چوہدری صاحب جنہیں آپ کے علم میں لانا ضروری ہوتا ہے

حشمت: بڑی مہربانی تمہاری۔۔۔ ہر بندہ دُنیا بھر کی باتیں میرے ہی علم میں لانے کے پیچھے پڑا ہوا ہے ۔ اگر یہ سب کچھ مَیں نے خود ہی کرنا تھا تو مجھے بتاؤ کہ تم لوگوں کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت تھی وائے۔۔۔

(لہجے میں گہرا طنز)

وکیل: (قدرے گھبرائے ہوئے انداز میں) بات اگر مقامی سطح تک ہی رہتی چوہدری صاحب تو میں سنبھال لیتا پر اب حکومت نے اے سی کے رینک کا ایک افسر انکوائری کے لیے مقرر کیا ہے اس کا مطلب ہے کہ معاملہ آگے بھی بڑھ سکتا ہے۔

حشمت: کدر کو بڑھ سکتا ہے آگے۔۔۔ مَیں ٹھیکیدار تو نہیں ہوں پُورے علاقے کا۔ ہاں تو حکومت اختیار میرے ہاتھ میں دیدے۔۔۔ پھر میں جوابدہی کے لیے بھی تیار ہوں ۔ پٹواری، تحصیلدار، تھانہ، کچہری قانون سب کچھ تو حکومت کا ہو اور ذمہ داری مَیں لوں۔۔۔ مجھے کتنے نفلوں کا ثواب ہے ۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ دھون بھنان نوں جماں۔۔۔

وکیل: مگر چوہدری صاحب۔۔۔ اُن لوگوں نے تو یہی بیان دیا ہے کہ انہیں اس مظاہرے پر آپ نے

(چوہدری حشمت گھُور کر دیکھتا ہے)

میرا مطلب آپ کے آدمیوں نے اکسایا تھا۔

حشمت: کل کو میرے آدمی اُن کو کہیں گے کہ کھُوہ میں چھال مار دو تو وہ مار دیں گے۔۔۔ تو قانون دان ہے محمود قریشی۔۔۔ یہ نکتہ ان کو سمجھا ۔ ان کو قائل کر اپنی باتوں سے۔۔۔

وکیل : مَیں تو اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہا ہوں چوہدری صاحب.... مگر

حشمت : اوئے یہ اگر اور مگر جس فقرے میں آتا ہے نا مجھے زہر لگتا ہے۔ ساری بات ہو چکتی ہے تو مگر ..... پوری بحث ختم ہو جاتی ہے تو اگر۔ کوئی بات یقین اور وثوق سے بھی کیا کرو۔ اوئے مہنگے ـــــ

مہنگا : جی چوہدری جی۔

حشمت : رب نواز کو آکھ قریشی صاحب کو شہر چھوڑ آئے۔

مہنگا : اچھا جی۔ آؤ جی قریشی صیب۔

(جاتے ہوئے بیگ اُٹھاتا ہے)

آج جی آپ کے وہ منشی صیب نہیں جی آئے ساتھ۔ کیا بھلا سا نام ہے جی ان کا۔ ہاں اختر حسین کلانوری سنیا ہے جی وہ کچھ زمینوں وغیرہ کا کام کرتے ہیں کیا کہتے ہیں اس کو پا پڑٹی.... وہ کیا ہوتا ہے جی۔

وکیل : پراپرٹی ڈیلنگ...

مہنگا : ہاں جی رب تہاڈا بھلا کرے۔ بڑا اچھا آدمی ہے جی وہ۔ اللہ لوک سا ہے۔ (گرتی ہوئی فائلیں زمین سے اُٹھاتا ہے فائلیں پھر گرتی ہیں۔ حشمت غصے سے اس کی طرف دیکھتا ہے مہنگا جلدی سے کاغذ سمیٹتا ہوا جاتا ہے)

حشمت : (حقے کا کش لیکر) اوئے بخشو۔

بخشو : جی چوہدری صاحب

حشمت : اوئے ایس اپنے پیو کو تازہ کر کے لیا.... سارا منہ کوڑا ہو گیا ہے۔

بخشو : بالکل ٹھیک اے جی

حشمت : تہہ خانہ صاف کروا دیا تھا۔

بخشو : ایسا ؛ ؛

(حشمت گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے بخشو تیزی سے جاتا ہے مہنگا آتا ہے)

بالکل ٹھیک اے جی۔

مہنگا : مولا داد آیا اے جی چوہدری صیب۔

حشمت : اس کو کہو سویرے آئے۔

مہنگا : (تذبذب کے عالم میں) جی.... وہ.... شہر سے کوئی ضروری پیغام لیایا ہے جی۔

حشمت : (چونک کر) شہر سے۔ بُلا اس کو اندر۔

سین نمبر ۶

(رکشے میں حیات محمد اور شیر محمد جا رہے ہیں۔ سامنے سے حشمت خاں کی موٹر آتی ہے جس میں مولا داد بھی بیٹھا ہے دونوں ایک دوسرے کو کراس کرتے ہیں)

سین نمبر ۷

(پولیس کے ایک دفتر کے سامنے حیات محمد اور شبیر محمد)

ح۔ مح۔: لو بھائی شبیر محمد تم یہاں بیٹھو میں اندر سعید گل کو اطلاع پہنچواتا ہوں۔

(شبیر محمد ایک طرف پڑے ہوئے بنچ پر بیٹھا ہے حیات محمد اس کمرے سے آگے دوسرے کمرے میں جاتا ہے جہاں پی اے کی میز لگی ہے ایک بند دروازے پر S.P-OFFICE لکھا ہے حیات محمد محتاط نظروں سے دیکھتا ہوا پی اے کے پاس آتا ہے جو کچھ ٹائپ کر رہا ہے)

مح: السلام علیکم!

پ۔ اے: (بدستور ٹائپ کرتے ہوئے) وعلیکم السلام۔

(چند لمحے کا وقفہ۔ حیات محمد کچھ نہیں بولتا تو پی اے نظریں اٹھا اس کی طرف دیکھتا ہے)

فرمایئے!

حیات محمد: آپ فارغ ہوں تو میں عرض کرتا ہوں۔

پی اے: دفتر ٹیم تک تو میں فارغ نہیں ہوں گا جی۔۔۔۔ بیالیس تھانوں کی رپورٹیں ہیں اور مجھے سب کی سمری بنانی ہے۔

حیات محمد: اوہ۔۔۔ بہت کام کرنا پڑتا ہے آپ کو۔

پی اے۔ اور اس کے باوجود روز جھاڑیں پڑتی ہیں پورے دن میں ایک چا کا کپ پینے کی فرصت نہیں ملتی۔ اس سے تو میں لائن حاضر ہو جاتا تو اچھا تھا۔

حیات محمد: (ہمدردی کے انداز میں) بڑی سخت نوکری ہے آپ لوگوں کی۔

پی اے: نوکری نہیں ہے جناب مشقت ہے۔ بیگار کیمپ بہتر ہے اس کام سے۔ سگریٹ کونسا پیتے ہیں آپ۔

حیات محمد: سگریٹ تو میں نہیں پیتا۔

(پی اے کا موڈ ایکدم آف ہوتا ہے تو جیب سے جلدی سے ایک نوٹ نکالتا ہے پی اے کے چہرے پر مسکراہٹ آتی ہے)

آپ کونسا پیتے ہیں۔

پی اے: اوئے الف دین

الف دین: جی شاہ جی۔

پی اے: دو ڈبیاں لے کے آ۔۔۔۔ میرے والی۔ (دروازے کی طرف دیکھ کر) اور ایک ہاف سیٹ چائے

بھی۔ بھاگ کے۔ (حیات محمد سے) صاحب سے ملنا ہے آپ کو؟

حیات محمد: جی نہیں۔

(پی اے حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے)

حیات محمد: مجھے آپ سے کام ہے۔

پی اے: (حیرت سے) مجھ سے؟

حیات محمد: جی ہاں۔

(کرسی اس کے قریب گھسیٹتا ہے اور سرگوشی کے انداز میں)

میرے ساتھ میرے بھائی صاحب آئے ہیں۔ باہر بیٹھے ہیں۔

(پی اے اشارے سے کہتا ہے آگے بولو)

ان کا دماغ کچھ ––

(اشارے سے بتاتا ہے کہ دماغ میں خلل ہے پی اے اشارے سے پھر کہتا ہے کہ آگے بولو)

دراصل ان کا بڑا لڑکا کچھ مہینے پہلے بس کے ایک حادثے میں فوت ہوگیا تھا تب سے یہی حال ہے ہر وقت ایک ہی بات کہتے رہتے ہیں کہ میں ان بس والوں کی پولیس میں رپورٹ کروں گا۔ یہ لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔

پی اے: کیا رپورٹ کرنا چاہتے ہیں وہ

حیات محمد: (شرمندگی سے) بڑی احمقانہ سی بات ہے مگر۔۔۔ اب ایک۔۔۔ (پھر پاگل ہونے کا اشارہ کرتا ہے) میرا مطلب ہے وہ بے چارے اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔ اب انہیں آدمی کیا سمجھائے۔

پی اے: مگر بھائی صاحب۔۔۔۔ وہ کہتے کیا ہیں۔

حیات محمد: (سر کھجاتے ہوئے) کہتے ہیں جی ان بس والوں کو کہیں کہ یہ اپنی ٹکٹوں پر جو یہ لکھتے ہیں کہ "یہ ٹکٹ ناقابلِ انتقال ہے۔" یہ نہ لکھا کریں۔

پی اے: یہ تو غالباً NONTRANSFER ABLE کا ترجمہ ہے۔

حیات محمد: جی ہاں۔۔۔۔ وہ کہتے ہیں کہ بس والے ٹکٹ کو ناقابلِ انتقال رکھتے ہیں مگر مسافروں کا روز انتقال کراتے رہتے ہیں۔ اس لیے یہ عبارت ٹکٹ پر سے ختم کی جائے۔

پی اے: مگر۔۔۔ جناب۔ اس سلسلے میں ایس پی صاحب کیا کر سکتے ہیں۔

حیات محمد: یہی تو میں بھی انہیں سمجھا سمجھا کے تھک گیا ہوں۔۔۔۔ مگر وہ میری بات سنتے ہی نہیں۔۔۔۔ اب آپ پلیز ایک مہربانی کیجیے گا۔

پی اے: (پریشانی کے عالم میں) جی

حیات محمد: مجھے شائد اُن کے مجبور کرنے پر دو تین بار آپ سے پوچھنا پڑے کہ ایس پی صاحب کب فارغ ہوں گے۔ آپ اُن کے سامنے یہی کہیئے گا کہ ابھی وہ مصروف ہیں ..... آپ کی مہربانی ہوگی ......

پی اے۔ مہربانی کی اس میں کون سی بات ہے جی ..... مگر ..... میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا .... آپ نے یہی بتایا ہے نا کہ آپ کے بھائی صاحب پاگل ہیں ..... یعنی آپ تو ..... میرا مطلب ہے آپ تو ماشاءاللہ ٹھیک ٹھاک ہیں۔

حیات محمد: جی ۔ جی ہاں ..... اب وہ بات ہی کچھ ایسی ہے۔

(فون بجتا ہے)

پی اے: اچھا ٹھیک ہے ..... آپ جائیں (فون اُٹھا کر) یس سر ..... جی سر ..... بس سر .... ابھی لا رہا ہوں سر .... جی سر۔

سین نمبر ۸

(یعقوب کا گھر۔ حشمت یعقوب)

حشمت: میرے پاس ضائع کرنے کے لیے وقت نہیں ہے یعقوب ..... مجھے شیر محمد چاہیئے اور ہر قیمت پر .... اور اسی وقت۔

یعقوب: میں کچھ انتظام کرتا ہوں میاں جی ..... مگر ..... یہ بات اتنی آسان نہیں ہے۔

حشمت: میں تجھ سے حساب کے سوال حل نہیں کرا رہا یعقوب ..... ایسے یہ آسان ہے یہ مشکل ہے ..... مجھے شیر محمد چاہیئے زندہ یا مُردہ ..... مگر یہ کام فوراً ہونا چاہیئے۔

یعقوب: یہ شہر ہے میاں جی۔

حشمت: (بات کاٹتے ہوئے سخت طیش کے عالم میں) مجھ کو سبق مت پڑھایا کر یعقوب ۔ میں تیرا پیو ہوں ..... مجھ کو اچھی طرح پتہ ہے کہ یہ شہر ہے ..... اوئے کیا نہیں ہوتا اس شہر میں ..... اوئے یہاں بندے نہیں رہتے آدم زاد نہیں وستے۔

یعقوب: بستے ہیں میاں جی، مگر .....

حشمت: میری ایک بات یاد رکھ یعقوب ..... آدم زاد جہاں بھی ہوگا اُس کی دو ہی قسمیں ہوں گی بکنے والا اور خریدنے والا ..... آدمی کی جیب میں رقم ہونی چاہیئے ..... دولت کے آگے کوئی چیز نہیں ٹھہرتی ..... میرے بندے شہر سے واقف نہیں ہیں اس لیے تجھ سے کہہ رہا ہوں۔ پنڈ ہوتا تو اب تک شیر محمد کی رُوح فرشتوں سے باتیں کر رہی ہوتی۔

یعقوب: میاں جی ..... یہاں میرے پاس ..... اس طرح کے آدمی نہیں ہیں۔

حشمت: اوئے تو کس طرح کے آدمی ہیں تیرے پاس ..... تجھ کو اس شہر نے کھا لیا ہے یعقوب ..... اوئے تو میرا وہی پُتر ہے نا جس نے سولہ سال کی عمر میں پہلا قتل کیا تھا۔

یعقوب: (دہشت زدہ ہو کر چاروں طرف دیکھتا ہے) میاں جی ----

حشمت: اوئے تُو تو بڑا جی دار تھا یعقوب ------ تجھ کو کیا ہو گیا ہے ---- اوئے تم میری اتنی سی فرمائش نہیں پوری کر سکتے۔

یعقوب: (متاثر ہوتے ہوئے) نہیں میاں جی ایسی بات نہیں ہے ---- (اُس کے گھٹنے کے ساتھ لگ کر بیٹھتا ہے) میں آپ کا پُتر ہوں -----

حشمت: اوئے جھوٹی خوشامدیں نہ کر یعقوب ----- (گھٹنا چھڑا کر کھڑا ہوتا ہے فیصلہ کن انداز میں) میں بڈھا ہو گیا پر ابھی میرے ہتھ پیروں میں جان ہے ----- معذور نہیں ہوا میں ------ میں خود ماروں گا شیر محمد کو ------

یعقوب: نہیں میاں جی ----- آپ میری بات تو سُنیں، آپ جس طرح حکم دیں گے وہی ہو گا آپ کو وہ آدمی زندہ چاہیئے یا مُردہ۔

حشمت: اگر ابھی تک وہ پولیس کے پاس نہیں پہنچا تو زندہ ----

یعقوب: (فون کی طرف جاتے ہوئے) میں ابھی انتظام کرتا ہوں ------ ایک آدمی ہے تو سہی میری نظر میں ----

(ایک دم رک جاتا ہے دروازے میں زبیدہ کھڑی اُس کی طرف دیکھ رہی ہے دونوں گہری سنجیدگی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں زبیدہ اُس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر کمرے کے اندر آتی ہے)

زبیدہ: ناشتہ تیار ہے میاں جی۔

حشمت: ناشتہ میں نہیں کروں گا دھیئے ---- نیاز علی کدھر ہے۔

زبیدہ: سو رہا ہے ---- اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی ----- زکام ہے شائد۔

حشمت: پتہ نہیں آج کل کے لڑکوں کو کیا ہو گیا ہے ----- چار دن بیمار نہ ہوں تو پریشان ہو جاتے ہیں اور کچھ نہیں تو، ایسے زکام ہو گیا ہے ---- مجھ کو دیکھو ساری حیاتی میں دو دفعہ بیمار ہوا ہوں اور وہ بھی شکار کے زخموں سے ----- انور کدھر ہے؟

زبیدہ: (گھبرا کر) انور ------ جی میاں جی وہ تو ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی میں ہے۔

حشمت: میں نے اُس کو یہاں رہنے کے لیے کہا تھا۔

یعقوب: (فون پر بات روک کر) کچھ دن رہا تھا میاں جی ---- اُس کے کچھ فلم ولم کے لوگ آنے لگے تھے اُس نے خود ہی مناسب سمجھا کہ اُدھر شفٹ ہو جائے۔

حشمت: کوئی بندہ بھیج کے بُلوا اُسے ---- (زبیدہ سے) نیاز کو بتا دھیئے کہ میں آیا ہوں۔

زبیدہ: جی اچھا۔

(زبیدہ جاتی ہے یعقوب فون پر بات کر رہا ہے حشمت کسی سوچ میں ہے)

سین نمبر ۹

(ایس پی کے پی اے کا کمرہ۔ حیات محمد۔ شیر محمد)

پی اے: میں نے آپ کو عرض کیا ہے بھائی صاحب کہ ایس پی صاحب میٹنگ میں ہیں...... فارغ ہوں گے تو آپ کو ملوا دوں گا۔

شیر محمد: (حیات محمد سے) کم از کم ہماری چِٹ ہی پہنچ جاتی اُن تک..... اُنہیں پتہ تو لگ جائے ہمارے آنے کا۔

(حیات محمد اشارے سے پی اے کی طرف دیکھتا ہے کہ کیا کریں۔ پی اے اشارے سے کہتا ہے میں بات کرتا ہوں)

پی اے: صاحب کی بڑی STRICT INSTRUCTION ہے کہ میٹنگ کے دوران اُنہیں بالکل ڈسٹرب نہ کیا جائے........ آپ باہر انتظار کریں۔

(شیر محمد حیات محمد کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہے حیات محمد مجبوری کے انداز میں کندھے اچکاتا ہے دونوں مایوس ہو کر واپس پلٹتے ہیں بینچ پر آکر بیٹھتے ہیں کیمرہ کٹ کر مولا داد پر جاتا ہے جو کپڑے سے منہ چھپائے دروازے کے باہر سے اُنہیں دیکھ رہا ہے)

سین نمبر ۱۰

(ذکیہ کا گھر۔ ذکیہ۔ دلاور)

دلاور: مجھے افسوس ہے بہن جی کہ میں وعدے کے مطابق شیر محمد صاحب کو آپ کے پاس نہیں لا سکا...... دراصل..... خیر چھوڑیئے اس بات کو..... اللہ نے چاہا تو کل آپ ضرور اُن سے مل لیں گے۔

ذکیہ: تم نے مجھے بہن کہا ہے بھیا۔ تو خدا کے لیے مجھ پر ترس کھاؤ...... مجھے میرے ابو سے ملوا دو۔
(آنسو روکنے کی کوشش کرتی ہے)

دلاور: حوصلہ کریں بہن جی.... جہاں آپ نے پچیس سال انتظار کیا ہے ایک دن اور کر لیں۔

ذکیہ: تب کی بات اور تھی بھیا...... اُس وقت مجھے پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہیں.... زندہ بھی ہیں یا نہیں...... مگر اب...... اب تم بتا رہے ہو کہ وہ یہیں اسی شہر میں کہیں ہیں۔

دلاور: میں نے آپ سے جھوٹ نہیں کہا...... میرا خیال تھا کہ میں آج آپ کو اُن سے ملواسکوں گا...... مگر افسوس.... بہرحال گھبرانے کی کوئی بات نہیں..... اب تو صرف چند گھنٹوں کی بات ہے.. .... اُنہیں تو یہ بھی نہیں پتہ کہ آپ زندہ ہیں اور ماشاءاللہ ایک جوان لڑکے کی ماں ہیں۔

ذکیہ: اوہ خدایا..... میری سمجھ میں نہیں آتا وہ اتنا عرصہ کہاں رہے ہیں.... اُنہیں میرے بارے

کچھ بھی تو نہیں پتہ۔۔۔ اُس دن یہیں۔۔۔ اسی کمرے میں۔۔۔ رخصت ہوتے وقت اُنہوں نے مجھ سے پوچھا تھا۔۔۔ ذکیہ بیٹی۔۔۔ اب کے عید پر تمہارے لیے کیا تحفہ لاؤں۔۔۔ ہر بار عید کو میں سارا سارا دن دروازے کی طرف دیکھتی رہتی تھی کہ شاید۔ ایک دم وہ کہیں سے آ جائیں گے۔۔۔ اور۔۔۔ (آنسو ضبط کرتے ہوئے) پچیس سال بہت عرصہ ہوتا ہے بھیا۔۔۔

دلاور: قدرت کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے بہن جی۔۔۔ میں تو ایک بات جانتا ہوں شیر محمد صاحب جیسے عظیم آدمی کی اولاد ہونا ایک ایسا اعزاز ہے جس پر آپ جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔۔۔ وہ بہت بڑے آدمی ہیں۔۔۔ اور جب آپ کو پتہ چلے گا کہ انہوں نے یہ پچیس سال کتنے بڑے امتحان میں گذارے ہیں تو آپ کا سر فخر سے بلند ہو جائے گا۔۔۔

ذکیہ: تمہیں پتہ ہے وہ کہاں تھے؟

دلاور: ہاں۔

ذکیہ: مجھے نہیں بتاؤ گے!

دلاور: یہ کہانی آپ کو شیر محمد صاحب ہی سنائیں گے۔۔۔ آپ کا کوئی عزیز رہتا ہے اس شہر میں۔

ذکیہ: ہاں، کچھ دور دراز کے عزیز، رشتے دار ہیں۔ کیوں؟

دلاور: آپ اپنے بیٹے کو لے کر آج کی رات کہیں اور چلی جائیں۔۔۔ کسی رشتے دار کی طرف۔

ذکیہ: کیا کہہ رہے ہو تم! میں سمجھی نہیں۔

دلاور: (اُلجھن میں) افسوس میں اس بات کی وضاحت نہیں کر سکتا۔۔۔ مگر پتہ نہیں کیوں میرا دل ڈر رہا ہے۔۔۔ مجھے خطرہ ہے چوہدری حشمت کے آدمی آپ کو یا فرخ کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔

ذکیہ: (حیرت سے) تم نے پرسوں بھی یہی بات کی تھی۔۔۔ میری سمجھ میں نہیں آتا اس سارے قصے میں چوہدری حشمت صاحب کدھر سے آ گئے ہیں شاید تمہیں علم نہیں کہ وہ۔۔۔ (ایک دم رُک جاتی ہے) فرخ کے دادا ہیں۔

دلاور: (شدید حیرت کے عالم میں ایک دم بیٹھ جاتا ہے) دادا، چوہدری حشمت، فرخ کے دادا۔۔۔ نہیں۔۔۔

ذکیہ: پرسوں میں تمہیں اس لیے نہیں بتا سکی کہ فرخ سے میں نے اس بات کو چھپا رکھا ہے۔۔۔

دلاور: چھپا رکھا ہے۔۔۔ مگر کیوں؟

ذکیہ: اس لیے کہ میرے مرحوم شوہر غلام علی نے مجھ سے شادی چوہدری حشمت سے اجازت لیے بغیر کی تھی وہ اپنے والد سے بہت ڈرتے تھے۔۔۔ وہ اُنہیں اس شادی کی اطلاع دینے کے لیے مناسب موقعے کی تلاش میں تھے، لیکن تقدیر نے انہیں اس کی مہلت نہیں دی اور یوں میں سکندر پور کی بہو ہوتے ہوئے بھی اس کا اعلان نہیں کر سکی۔

دلاور : کیوں ؟ قانونی طور پر تو....

• ذکیہ : بات قانون کی نہیں بھیا..... میں اپنے سسر چوہدری حشمت سے آج تک نہیں ملی مگر میرے مرحوم شوہر نے اُن کے بارے میں جو کچھ مجھے بتایا تھا اُس کی روشنی میں میرا یہ اعلان میری اور فرخ کی زندگی کے لیے خطرہ بن سکتا تھا... یعقوب بھائی کا بھی یہی مشورہ تھا کہ مجھے مناسب وقت کا انتظار کرنا چاہیئے۔

دلاور : یعقوب بھائی سے آپ کی مراد چوہدری یعقوب ہے۔

ذکیہ : ہاں۔ میرے سسرال والوں میں سے صرف وہی اس راز سے واقف ہیں۔

دلاور : یہ تو آپ نے ایک بالکل ہی نئی ---- میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ کیا چکر ہے.... آپ کی شادی..... آپ کے والد صاحب کی گمشدگی کے بعد ہوئی تھی نا....

ذکیہ : جی۔

دلاور : آپ کے خسر یعنی چوہدری حشمت کو آپ کی اور چوہدری غلام علی کی شادی کے بارے کچھ پتہ نہیں ہے۔

ذکیہ : نہیں۔

دلاور : اور انہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ آپ...... (کچھ سوچ کر ایک دم بے چین سا ہو جاتا ہے) آپ پلیز فوراً یہاں سے کہیں چلی جایئے.... اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میرا خوف نرا وہم نہیں تھا۔ آپ کی زندگی سخت خطرے میں ہے شیر محمد صاحب کی طرف سے مایوس ہو کر چوہدری حشمت یقیناً آپ کے اور فرخ کی طرف متوجہ ہو گا..... فرخ کہاں ہے ؟

ذکیہ : وہ یونیورسٹی گیا ہوا ہے..... مگر..... بھیا میں بات سمجھی نہیں تمہاری۔

دلاور : آپ پلیز یہ جگہ فوراً چھوڑ دیجیئے..... تفصیلات میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا..... یہ بات آسانی سے سمجھ میں آنے والی نہیں.... ابھی مجھے خود بھی اس زنجیر کی بہت سی کڑیوں کا پتہ نہیں ہے، لیکن اتنا میں ضرور جانتا ہوں کہ آپ کی اور فرخ کی زندگی خطرے میں ہے۔

ذکیہ : پھر مجھے کیا کرنا چاہیئے۔

دلاور : آپ کسی عزیز کی طرف چلی جایئے... کسی ہوٹل میں کمرہ لے لیجیئے... میں فرخ کو آپ کے پاس پہنچا دوں گا۔ مگر آپ جلدی کیجیئے۔

ذکیہ : (چند لمحے پریشانی کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھتی ہے) اچھا.... اگر تم کہتے ہو تو....

سین نمبر A ۱۰

پی اے : اب تو کچھ نہیں ہو سکتا جی.... آپ کل صبح آیئے گا.... پر نہیں کل تو صاحب دورے پر ہیں۔ پرسوں دس بجے آجایئے گا۔ میں ملاقات کرا دوں گا۔ (میز کی دراز کو تالا لگاتا ہے اٹھتا ہے حیات محمد

کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہے) میرا خیال ہے آپ لوگ بھی اب چلیں۔ چپڑاسی نے دروازے بند کرنے ہیں سلام علیکم!
(پی اے جاتا ہے دونوں حیرت سے اُسے جاتے ہوئے دیکھتے ہیں۔)

حیات محمد: عجیب بے وقوف کا پتر ہے یہ... سارا دن بٹھا بٹھا کے ناس مار دیا ہے اور...

شیر محمد: (پریشانی اور افسردگی سے) اتنی بے پرواہی اور غفلت.... پاکستان اس لیے تو نہیں بنا تھا بھائی حیات محمد یہ عادتیں تو قوموں کو ڈبونے والی ہیں۔

حیات محمد: بس جی کچھ نہ پوچھو۔ یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے.... کسی کے ٹائم کا تو احساس ہی نہیں رہا دنیا کو۔ اُس دن سردار علی وکیل مجھے بتا رہا تھا آپ تو شائد نہیں جانتے سردار علی وکیل کو.....
چُلّے میں پاؤ۔ آؤ یہاں سے باہر چلیں ان کا کوئی پتہ نہیں دروازہ باہر سے ہی بند کر دیں۔

(دونوں دروازے سے نکلتے ہیں ایک ستون کے پیچھے مولا داد کھڑا اُنہیں جاتے ہوئے دیکھتا ہے چہرے سے سخت فکر خیزی کے آثار نمایاں ہیں اُن کے پیچھے چلتا ہے)

سین نمبر ۱۱

(OUT DOOR - یونیورسٹی ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیاں - فرخ - سیمیں)

فرخ: مَیں تمہیں بتا نہیں سکتا سیمیں کہ مَیں کتنا خوش ہوں۔

سیمیں: خیر یہ بات بھی بڑی خوشی کی....

فرخ: امی اور میں مارے EXCITEMENT کے ساری رات نہیں سو سکے۔

سیمیں: ایسی باتیں تو جاسوسی ناولوں میں ہوتی ہیں۔

فرخ: مجھے بھی ایسا لگ رہا ہے جیسے میں کسی بہت بڑے MYSTERY THRILLER کوئی کیریکٹر ہوں ایک UNEXPECTED

سیمیں: پھر وہی نرگسیت.... ایک تو تم لڑکوں میں یہ بڑی بیماری ہے ذرا سی شکل اچھی ہوتی نہیں اور تم لوگ فوراً ہیرو بننے نکل کھڑے ہوتے ہو۔

فرخ: یہ تم مجھے بات بات پر نرگسیت کے طعنے کیوں دیتی ہو.... میں نہیں جانتا کسی نرگس ورگس کو ...... ویسے یہ نرگس کا پھول وہی ہوتا ہے نا جس کے اندر شائد آنکھ بنی ہوتی ہے اور جس کے بارے میں مرزا غالب کا وہ شعر بھی ہے کہ
ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے... اور بڑی مشکل سے پتہ نہیں کیا، ہوتا ہے پیدا۔

سیمیں: بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا.... اور باقی دی دے یہ شعر غالب کا نہیں اقبال کا ہے۔

فرخ : ایک ہی بات ہے ؟

سیمیں : کیسے ایک ہی بات ہے۔

فرخ : بھئی دونوں بڑے شاعر ہیں اور اتفاق سے دونوں ہی میری سمجھ میں نہیں آتے اس لیے مجھے کیا فرق پڑتا ہے کہ کون سا شعر کس کا ہے۔

سیمیں : سچ ... بڑے بد ذوق ہو تم ... تمہاری باتیں سُن کر کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے جیسے وہ خط سچ مچ تمہی نے لکھا تھا (ہنستی ہے)

فرخ : (ہاتھ کے اشارے سے) ہولڈ اِٹ .... اتنی انسلٹ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ (دونوں ہنستے ہیں)

سیمیں : اچھا یہ بتاؤ۔ مجھے کب ملوا رہے ہو اپنے نانا ابا سے۔

فرخ : بس انشاء اللہ ایک دو دن میں ... (آنکھوں پر ہاتھ کا چھجہ بنا کر ایک طرف دیکھتا ہے) یہ تو وہی آدمی لگتا ہے۔

سیمیں : (اسی طرف دیکھتے ہوئے) کون ؟

فرخ : وہی جو نانا ابا کے ملنے کی خبر لے کر آیا تھا ... اِدھر ہی آ رہا ہے غالباً۔

(دلاور دُور سے اُن کے قریب پہنچتا ہے چند لمحے تینوں خاموش آمنے سامنے کھڑے رہتے ہیں جیسے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ بات میں کونسا پہل کرے)

دلاور : السلام علیکم !

فرخ : (ہاتھ ملاتے ہوئے) وعلیکم اسلام۔ یہ سیمیں ہیں .... میری .... کلاس فیلو اور سیمیں یہ ہیں میرے دوست مولاداد صاحب۔

سیمیں : آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔

دلاور : (مسکراتے ہوئے) شکریہ ... ویسے میرا نام دلاور ہے۔ مولاداد میرے ساتھی کا نام تھا۔

فرخ : اوہ۔ سوری۔

دلاور : آپ سے مجھے کچھ بات کرنی ہے .... فرخ صاحب۔

فرخ : کیجیے .... یہیں بیٹھ جاتے ہیں۔

(دلاور کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار ہیں)

چلیئے کنٹین میں چلتے ہیں۔

دلاور : دراصل میں آپ سے ... تنہائی میں میرا مطلب ہے علیحدگی میں۔

فرخ : سیمیں صرف میری کلاس فیلو ہی نہیں .... ہم ... شادی بھی کرنے والے ہیں .... آپ کھل کر بات کیجیئے۔

دلاور : بہتر ہوگا اگر آپ میری بات علیحدگی میں سُن لیں ۔۔۔۔ مجھے امید ہے خاتون آپ مائنڈ نہیں کریگی ۔۔۔۔ دراصل بات کچھ ایسی ہے کہ ۔۔۔۔

سیمیں : کوئی بات نہیں ۔۔۔۔ مَیں ویسے بھی جانے والی تھی ۔ اوکے ! فرخ ۔ انشاءاللہ کل ملاقات ہوگی ۔۔۔ اچھا ۔۔۔ دلاور صاحب خدا حافظ ۔

دلاور : (فرخ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر) آیئے میرے ساتھ ۔

(فرخ اور دلاور جاتے ہیں ۔ ایک درخت کے تنے کے پیچھے سے نوجوان سر نکالتا ہے ایسے انداز میں سر کھجاتا ہے جیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا ہو کہ یہ سب کیا ہوا ہے)

سین نمبر ۱۲

(حیات محمد اور شیر محمد ایک ٹیکسی میں بیٹھے جارہے ہیں اُن کے پیچھے پیچھے جیپ میں مولاداد آرہا ہے)

سین نمبر ۱۳

(حیات محمد اور شیر محمد دروازے کے باہر کھڑے ہیں حیات محمد گھنٹی بجاتا ہے پھر مڑ کر بات کرنے لگتا ہے)

حیات محمد : آپ تھوڑی دیر آرام کرلیں مَیں سعید گل کے گھر جاکر پتہ کرتا ہوں اُس کا ۔ اگر وہ مل گیا تو مَیں اُسے یہیں لے آؤں گا (دوبارہ گھنٹی بجاتا ہے) کیا ہوگیا ہے ان لوگوں کو دروازہ کیوں نہیں کھولتے ۔

شیر محمد : میرا خیال تھا کہ اگر دلاور ۔۔۔

حیات محمد : دلاور ابھی بچہ ہے شیر محمد ۔۔۔ اُسے ابھی پتہ نہیں ہے اونچ نیچ کا ۔۔۔۔ یہ سعیدہ کہاں مر گئی ۔ (دروازے کو دھکا دیتا ہے جو اندر کی طرف کھل جاتا ہے اندر داخل ہوتے ہوئے ہنستا ہے) لو دروازہ کھلا ہے اور ہم خوامخواہ گھنٹی بجائے جارہے تھے ۔۔۔۔ آؤ بھائی شیر محمد ۔

(شیر محمد اس کے پیچھے پیچھے خالی کمرے میں داخل ہوتا ہے ایک بدمعاش نما آدمی ہے جس کے ہاتھ میں پستول ہے دروازے کی آڑ سے نکل کر دروازے بند کرتا ہے دونوں مڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہیں ۔)

بدمعاش : (پستول ہلاتے ہوئے) اندر چلو ۔ شاباش ۔

اُستاد : (اندر سے آواز دیتے ہوئے دروازے پر آتا ہے) مہمان پہنچ گئے ہیں ؟

بدمعاش : ہاں اُستاد ۔

اُستاد : (رستہ دیتے ہوئے) آؤ آؤ اندر تشریف لاؤ

حیات محمد : کون ہو تم لوگ ۔

استاد : تشریف تو لاؤ بزرگو۔ تعارف بھی ہم کراتے ہیں تم سے ...

(اندر والے کمرے میں آتے ہیں ایک طرف جمیل رسیوں سے بندھا پڑا ہے حیات محمد تیزی سے اُس کی طرف بڑھتا ہے بدمعاش پستول سے اُسے پیچھے ہٹاتا ہے)

صبر بزرگو صبر آپ کی عمر میں بندے کو اتنا بے صبرا نہیں ہونا چاہیئے .... کمر میں چک پڑ جاتی ہے اس سے ...... ذرا ادھر بیٹھو نا ....

حیات محمد : (پریشانی میں) سعیدہ کہاں ہے ؟

اُستاد : وہ جو بی بی تھی اس گھر میں .... (حیات محمد اثبات میں سر ہلاتا ہے) وہ خیریت سے ہے ... بیہوش ہو گئی تھی۔ اندر پڑی ہے .... تم یہ بتاؤ کہ پولیس والوں سے کیا باتیں ہوئی ہیں آج۔

حیات محمد : پلیس والوں سے .... کِن پلیس والوں سے ؟

اُستاد : (پستول اُس کے سینے پہ رکھتے ہوئے) زیادہ چالاک بننے کی کوشش نہ کر بزرگا .... قتل کرنا میرا پیشہ ہے اور میں قتل کرنے سے پہلے مقتول کا نام پتہ عمر ولدیت اور پیشہ وغیرہ نہیں پوچھا کرتا .... تو حیات محمد ہے نا .... (حیات محمد اثبات میں سر ہلاتا ہے) تیرے اس داماد نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ تو اس آدمی کو لے کر آج پولیس سٹیشن نہیں گیا تھا ؟

حیات محمد : گیا تھا مگر .... ہماری ملاقات ہی نہیں ہو سکی ایس پی سے۔

اُستاد : جھوٹ مت بول حیات محمد۔

حیات محمد : میں سچ کہہ رہا ہوں، تم شیر محمد سے پوچھ لو۔

شیر محمد : یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو ؟

اُستاد : ہم قاتل ہیں اور تم کو چاہتے ہیں عاشق ہیں تمہارے۔

شیر محمد : تو تم حشمت خاں کے آدمی ہو۔

اُستاد : (سوچتے ہوئے) تو پولیس کے پاس نہیں گئے تم لوگ .... اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس پستول کی ساری گولیاں بچ گئیں .... آج کل گولیاں بڑی مہنگی ہو گئی ہیں .... تیری قسمت اچھی ہے شیر محمد .... اوے کالے۔

بدمعاش : جی اُستاد جی۔

استاد : گاڑی لے آؤ .... دروازے کے بالکل ساتھ کھڑی کرنا ہے .... پر ٹھہر میں خود لے کر آتا ہوں تو اتنی دیر اس کو سنبھال۔

(دروازے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آتا ہے حیات محمد سے)

تم اندر چلو

(حیات محمد پیچھے ہٹتا ہے دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈی لگاتا ہے شیر محمد

کو باہر والے کمرے میں بٹھاتا ہے خود جاتے ہوئے کہتا ہے)

استاد: دھیان رکھنا کالے.... اگر یہ کوئی شرارت کرے تو بے شک گولی مار دینا۔

(آنکھ مار کر مسکراتا ہے)

بدمعاش: تم بالکل بے فکر رہو استاد۔

اُستاد: (دروازے پر رُک کر) میں دو دفعہ ہارن دُوں گا اسے کور کر کے پچھلی سیٹ پر بٹھا دینا

بدمعاش: بہت اچھا اُستاد۔

(استاد جاتا ہے شیر محمد خاموش ہے بدمعاش صوفے پر ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ جاتا ہے پستول ہاتھ میں گھماتا ہے)

سین نمبر ۱۴

(استاد گاڑی میں بیٹھا ہارن دے رہا ہے پریشان ہو کر دروازے کی طرف دیکھتا ہے دروازہ کھول کر اُترتا ہے)

سین نمبر ۱۵

(استاد دروازہ کھول کر کمرے کے اندر آتا ہے بدمعاش صوفے پر گرا ہوا ہے پستول زمین پر پڑا ہے استاد بھاگ کر بدمعاش کو اُٹھاتا ہے جو بیہوش ہے اس کا چہرہ خون سے بھرا ہوا ہے اُستاد پریشان ہو کر ادھر دیکھتا ہے)

سین نمبر ۱۶

(مولا داد جیپ میں بیٹھا ہے اس کے ساتھ شیر محمد ہے جس نے اپنا چہرہ چادر میں چھپا رکھا ہے۔ مولا داد کے چہرے سے سنجیدگی کے آثار نمایاں ہیں)

قسط نمبر ۱۶

(قسط نمبر ۱۵ کا آخری سین دکھایا جاتا ہے۔ چلتی ہوئی جیپ سے ڈزالو کرتے ہیں
ایک عام سا رہائشی کمرہ ایک چارپائی۔ معمولی سا سامان۔ مولا داد کمرے کی کنڈی
زور سے لگاتے ہوئے شیر محمد کی طرف مُڑتا ہے)

مولا داد: بیٹھو بزرگو۔ تشریف رکھو۔

(شیر محمد مشکوک نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے بیٹھتے ہوئے رکتا ہے)

شیر محمد: پر تم ہو کون؟

مولا داد: آپ کے لیے اتنا جان لینا بہت ہے کہ میں آپ کا سجن ہوں۔

شیر محمد: یہاں کیوں لے کر آئے ہو مجھے؟

مولا داد: ایس لئی شہزادے کہ وہاں آپ جناب کی زندگی خطرے میں تھی۔ وہ بدمعاش چوہدری حشمت خاں کے بھیجے ہوئے آدمی تھے۔

شیر محمد: (افسردگی سے) اُوہ خُدایا! تو ظالم کی رسّی اتنی دراز کیوں کرتا ہے؟

مولا داد: آپ اتنی دیر میں اللہ میاں سے سوال جواب کریں میں بھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ کوئی چیز چاہیئے تو بتا دو میں باہر سے تالا لگا کر جاؤں گا۔

شیر محمد: تم ۔ کس کے آدمی ہو۔

مولا داد: (تڑپ کر اُن کی طرف دیکھتا ہے پھر مُسکرا کر) تم غلط سمجھے ہو بزرگو ۔۔۔ میں ۔۔۔ دلاور کا دوست ہوں۔

شیر محمد: تم مولا داد تو نہیں؟

مولا داد: (حیرت سے) آپ ۔۔۔۔ آپ کو کیسے پتہ چلا۔

شیر محمد: دلاور نے ذکر کیا تھا تمہارا۔

مولاداد: ہاں۔ میں مولاداد ہوں۔

شیر محمد: مگر تم ۔ تم یہ سب کیوں کر رہے ہو۔ تم تو شاید حشمت خاں کے ملازم ہو۔

مولاداد: دلاور کہتا تھا آپ بہت دھڑے آدمی ہیں آپ کو حشمت خاں کی قید سے نکالنے کے لیے اُس شہزادے نے اپنی جان کی بازی لگادی تھی۔ میں اس کی محنت کو ضائع ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ ایسے لئے آپ کو یہاں لے آیا ہوں۔

شیر محمد: میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ وہ بدمعاش کون تھے اور اُنہیں کیسے پتہ چلا کہ میں ۔ اور پھر تم کیسے وہاں پہنچ گئے۔

مولاداد: دنیا بڑی عجیب جگہ ہے بزرگو۔ دلاور کو دیکھ کے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس کا سگا چچا اتنا چھوٹا اور کمینہ آدمی ہوگا۔ پتہ نہیں کس بے وقوف نے کہا ہے کہ اشراف کے خون سے اشراف ہی پیدا ہوتے ہیں۔

شیر محمد: کیا کہہ رہے ہو تم۔

مولاداد: جو بھی کہہ رہا ہوں ٹھیک کہہ رہا ہوں بزرگو۔ دلاور کا چاچا چوہدری سے آپ کے سر کا سودا کر رہا ہے۔ اس لیے وہ آپ کی ملاقات ایس پی صاحب سے نہیں ہونے دے رہا۔

شیر محمد: (سوچ میں پڑ جاتا ہے) شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ ایک بار میرے دماغ میں بھی یہ خیال آیا تھا پر میرا دل نہیں مانا۔ دلاور جیسے ہیرے آدمی کا چاچا ۔ اور ۔ دولت پر کتی چیز ہے پُتر مولاداد۔

مولاداد: دلاور کو اُس کے چاچے کے متعلق کچھ نہ بتانا بزرگو۔ اُس کو بڑا اعتبار ہے اُس پر ۔ اُس کو بڑا دکھ ہوگا یہ جان کر۔

شیر محمد: مگر ۔ یہ بات کب تک چھپی رہ سکتی ہے وہ ہے کہاں؟

مولاداد: پتہ نہیں۔ مگر وہ نہیں آئے گا۔ آپ اُس کے آنے تک یہیں رہیں ۔ پھر مل کر کچھ سوچتے ہیں (دروازے میں رک کر) بھوک تو نہیں لگی۔

شیر محمد: نہیں۔

مولاداد: مجھے دیر ہو جائے تو گھبرانا نہیں۔

سین نمبر ۲

(یعقوب کا گھر)

بدمعاش: (سر پر پٹی بندھی ہوئی ہے) مجھے پتہ نہیں لگا جی ہوا کیا ہے۔ اُستاد گاڑی لینے گیا ہے میں نے اُس بڈھے کو کور کر کے سامنے بٹھایا ہے (سر کی چوٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے) اس کے بعد کوئی چیز لگی ہے جی میرے سر پر زور سے۔

حشمت: (غصّے سے) بندہ نئیں دیکھیا تُونے۔

بدمعاش: نہیں جی — مَیں بتا رہا ہوں نا۔

حشمت: (اُستاد سے) تم نے بھی نہیں دیکھا کسی کو۔

اُستاد: مَیں تو گاڑی لینے گیا ہُوا تھا۔

حشمت: اسٹیشن سے لینے گیا ہوا تھا گاڑی۔ پلیٹ فارم سے لا رہا تھا اُسے ۔۔۔؟ کدھر کھڑی کی تھی تُو نے گاڑی۔

اُستاد: گلی کے باہر — اُدھر کھلی جگہ ہے نا۔

حشمت: اوئے یہ کیا آدمی تُونے رکھے ہوئے ہیں یعقوب۔ کُتّوں کے آگے پا دینے کے قابل ہیں یہ — اوئے کبھی پہلے بھی بندہ اُٹھایا ہے تم نے۔

بدمعاش: کمال کرتے ہیں آپ چوہدری صاحب۔ اُستاد تو سینکڑے ۔۔۔۔

حشمت: (گرج کر) بکواس بند کر اوئے (بدمعاش سہم کر پیچھے ہٹتا ہے) دفعہ ہو جاؤ دونوں یہاں سے۔ اوئے اُستاد کے پُتر۔ کیا نام ہے تیرا۔

اُستاد: (گھبرائے ہوئے انداز میں) فیقا جی۔ رفیق

حشمت: جو کُچھ ہوا ہے اس کو بھُول جاؤ۔ اگر ایک لفظ بھی اس کے بارے میں تمہاری زبانوں سے نکلا تو ٹوٹے کر کے نہر میں سٹوا دُوں گا۔

یعقوب: آپ بالکل فکر نہ کریں میاں جی۔ یہ میرے اعتبار کے آدمی ہیں۔

حشمت: اعتبار کے بندے کو ایڈا بے وقوف نہیں ہونا چاہیئے یعقوب۔ اوئے ان سے تو میرے کُتّے اچھے ہیں۔ ایک دفعہ شکار کی بُو سُونگھ لیں تو قبر تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ دُور کر ان کی شکلیں میرے سامنے سے۔

(یعقوب اشارے سے دونوں کو جانے کے لیے کہتا ہے دونوں چُپ چاپ کھسک جاتے ہیں۔ حشمت چند لمحے بے چینی سے کمرے میں ٹہلتا ہے) ساری کیتی کرائی پر پانی پھیر دیا ہے۔ ان کھوتے کے پُتروں نے — اب وہ ہوشیار ہو گیا ہے اور ایس اتنے وڈے شہر میں — آدمیوں کے ایس جنگل میں اُس کو ڈھونڈنا بہت مشکل ہے۔

یعقوب: میری سمجھ میں تو یہ نہیں آتا کہ اُسے لے کون گیا ہے۔ وہ آدمی ہے کون میاں جی۔

حشمت: وہ آدمی نہیں پُتر یعقوب سونے کی کان ہے۔ کروڑوں روپیہ کا چیک ہے۔ بیرر چیک — دلیو اور بھُنا لو (یعقوب دبی دبی بے اعتباری سے ہنستا ہے) مذاق سمجھ رہا ہے تو میری بات کو۔ سمجھتا ہے مَیں بُڈھا ہو گیا ہوں دماغ چل گیا ہے میرا — ایک دفعہ اس کو میرے ہتھ آ جانے دے یعقوب اس دولت سے تیرا ادھا شہر خریدیا جا سکتا ہے۔

نیاز : پر میاں جی ۔آپ تو بتا رہے تھے کہ یہ شخص کئی سالوں سے حویلی کے تہہ خانے میں قید تھا پھر ۔ میرا مطلب ہے ۔

حشمت : یہ بڑی لمبی کہانی ہے پُتر نیاز علی ۔ اس آدمی شیر محمد کے پاس بڑی دولت ہے پر اُس نے وہ کدھر لُکا دی ہوئی ہے اور بتاتا نہیں ہے ۔

نیاز : (حیرت سے) آپ کو بھی نہیں بتاتا میاں جی ۔ (حشمت نفی میں سر ہلاتا ہے) اتنی لمبی قید کے بعد بھی ؟

حشمت : اُس کا دماغ کُتے کی پوُش کی طرح ونگا ہے پُتر ادئے ۔ پاگل کا پُتر ہے وہ ۔۔ کھوتے کا کھُر ہے ۔

یعقوب : آپ کیسے پتہ ہے میاں جی کہ اُس کے پاس اتنی دولت ہے ۔

حشمت : اس لیے کہ وہ دولت مَیں نے اور اُس نے اکٹھے حاصل کی ہے مَیں نے اپنے ہاتھوں اُن پیٹیوں کے تالے توڑے تھے ۔ ایڈی ایڈی وھڈی پیٹیاں تھیں یعقوب اور چاروں کی چاروں فل تھیں سونے سے ۔ کروڑاں روپئے کا سونا تھا یعقوب ۔ کروڑاں روپئے کا ۔ اگر وہ پولیس تک پہنچ گیا یعقوب تو ہمارے ہتھ کوڈی نہیں آئے گی ۔

یعقوب : اس کے علاوہ میاں جی اُس کا بیان ۔۔ میرا مطلب ہے اس طرح تو آپ بھی مشکل میں پڑ سکتے ہیں ۔

حشمت : تو میری فکر نہ کر یعقوب ۔ اُس کا مَیں نے بندوبست مکمل رکھا ہوا ہے ۔ پولیس کا پیو وی ثابت نہیں کر سکتا ۔ کہ وہ میری قید میں تھا مَیں تیری طرح کچا کام نہیں کرتا ۔ مجھے تو اس دولت کی فکر ہے جس کا راز وہ اپنے سینے میں چھپا کے بیٹھا ہوا ہے ۔

نیاز : پھر تو اُسے ضرور پکڑنا چاہیئے ۔

یعقوب : اب کیا پتہ وہ کہاں ہے ۔ چالیس لاکھ آبادی ہے اس شہر کی یہاں کسی کو ڈھونڈنا ایسے ہی ہے جیسے آدمی دریا میں ڈگی ہوئی سُوئی تلاش کر رہا ہو ۔

(چند لمحے کی خاموشی)

حشمت : یہ حیات محمد وہی ہے نا جو چوہدری ریاست علی کی دھی کے ویاہ میں ملا تھا ۔ ملک سجاول کا رشتہ دار ہے شاید ۔

نیاز : جی ہاں میاں جی ۔ مَیں کچھ زیادہ نہیں جانتا اس کے بارے میں ۔

حشمت : پر سوچنے والی بات یہ ہے کہ شیر محمد اُس کے پاس کیسے پہنچ گیا ۔ اُس کا گھر تو ۔۔ یہ انور کیوں نہیں آیا ابھی تک ؟

سین نمبر ۳

(ایپی سوڈ تیرہ کا اٹھارھواں سین جو ریکارڈ کیا جا چکا ہے اس جگہ لگایا جائے۔
جہاں سے یعقوب کا ملازم دروازے پر دستک دیتا ہے وہاں سے یہ حصّہ
ریکارڈ کر کے لگایا جائے۔

مولاداد: کون ہے بھئی - لنگھ آ شہزادے۔

آدمی: (آتے ہوئے) اسلام چوہدری جی۔

انور: کیا بات ہے؟

آدمی: وھڈے چوہدری صاحب نے یاد کیا ہے جی آپ کو۔

انور: (حیرت سے) میاں جی نے - تم کہاں سے آ رہے ہو۔

آدمی: مجھے چوہدری یعقوب صاحب نے بھیجا ہے جی۔ وھڈے چوہدری کوٹھی آئے ہوئے ہیں۔

انور: ادھر شہر میں۔

آدمی: جی جناب۔

انور: (پریشانی میں سیب کھاتے ہوئے) اچھا۔

آدمی: کہہ رہے تھے جی آپ فوراً آ جائیں۔

(مولاداد کاری ایکشن)

انور: کیوں خیر تو ہے؟

آدمی: پتہ نہیں جی - پر جی بڑے غصّے میں لگ رہے تھے۔

انور: (اُٹھتے ہوئے) اچھا — چلو میں دیکھتا ہوں — مولاداد

مولاداد: آپ بے فکر رہو چوہدری جی - آپ کے آنے تک یہ سارا ساز و سامان یہیں رہے گا۔

(انور جاتا ہے مولاداد کی مسکراہٹ سمٹتی ہے گہری سوچ میں پڑ جاتا ہے)

سین نمبر ۴

(جمیل کا گھر)

دلاور: (برہمی اور پریشانی کے لہجے میں) میری سمجھ میں نہیں آتا چاچا - آخر ایسی بھی کونسی قیامت آ گئی تھی کہ آپ سارا دن سعید گل سے مل ہی نہیں سکے جبکہ آپ کو اچھی طرح پتہ تھا کہ یہ بات کتنی ضروری ہے،

حیات محمد: (پریشانی میں) میں نے تو بڑی کوشش کی تھی پُتر پر اس کا وہ آدمی کہتا تھا کہ کوئی بڑی ضروری میٹنگ ہو رہی ہے - بڑے بڑے افسر آئے ہوئے ہیں۔

جمیل: (تیز اور جھگڑالو لہجے میں) مجھے نہیں پتہ آپ لوگ کس چکر میں ہیں۔ بہر حال میرے گھر میں اب یہ سب کچھ نہیں ہوگا - آپ دونوں اچھی طرح سُن لیں۔

دلاور : (نرم صُلح جُو لہجے میں) بات یہ نہیں ہے بھائی جمیل۔

جمیل : مَیں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔ مَیں آدمی ہُوں ذرا کھری بات کرنے والا۔ مجھے بندوقوں پستولوں سے بھرپور کسی شاہکار میں کریکٹر کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ اُلّو کے پٹھوں نے اتنی کس کے رسّیاں باندھی تھیں اب تک سارے جسم میں درد ہو رہا ہے۔

(اپنا جسم دباتا ہے)

دلاور : حیرت کی بات ہے وہ شخص آیا کدھر سے۔ (چاروں طرف دیکھتا ہے)

حیات محمد : مَیں کیا کہہ سکتا ہوں پُتر۔ ہم دونوں کو تو اُن بدمعاشوں نے اس کمرے میں بند کر دیا تھا۔

دلاور : (پریشانی میں) سمجھ میں نہیں آتا اگر وہ چوہدری حشمت کے آدمی تھے تو شیر محمد صاحب کو لے جانے والا کون تھا؟ اور اگر۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

جمیل : میری رقم کا بندوبست ہو گیا ہے چاچا۔

حیات محمد : (گھبرا کر) ہو جائیگا پُتر ہو جائیگا۔ کر رہا ہوں۔ مَیں نے سردار علی وکیل — (ایک دم دلاور کی طرف دیکھکر رُک جاتا ہے جو سردار علی کے نام پر گھُور رہا ہے۔ اُس سے نظریں بچاتا ہے) ہاتھ کے اشارے سے جمیل کو خاموش رہنے اور صبر کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

جمیل : (تیز لہجے میں) دیکھو چاچا مَیں آدمی ہوں۔ ذرا کھری بات کرنے والا۔ مجھے رقم کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ تم مہربانی کرو۔ اور اپنی بیٹی کو لے جاؤ، کاغذ تمہیں پہنچ جائے گا۔

دلاور : (افسوس اور دبے دبے غصّے سے) کیسی باتیں کر رہے ہو جمیل؟ اس طرح بات کرتے ہیں بزرگوں سے۔

جمیل : تم بیچ میں نہ بولو دلاور۔ یہ میرا اور ان کا معاملہ ہے ویسے بھی مَیں اپنے معاملات میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کرتا..... اور معاف کرنا تمہیں شرم آنی چاہیئے تھی میرے گھر کو اپنی بدمعاشیوں کے لیے اڈہ بناتے ہوئے..... یہ تمہاری بہن کا گھر ہے۔

(دلاور کا چہرہ غصّے سے تن جاتا ہے)

حیات محمد : (غصّے سے) جمیل۔

(غصّے کی شدت سے آواز پھنس جاتی ہے کھانسنے لگتا ہے)

جمیل : اس عمر میں اتنی اُونچی آواز میں نہیں بولتے چاچا تم لوگ مجھے کسی لمبے اور خطرناک چکّر میں لگتے ہو۔ مَیں اس میں پارٹی نہیں بننا چاہتا..... کون آدمی تھا وہ؟

دلاور : (اپنے آپ کو کمپوز کرتے ہوئے) ہم کوئی غیر قانونی کام نہیں کر رہے جمیل..... وہ شخص ایک بہت اچھا آدمی ہے ہم اُس کی مدد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

جمیل : (مذاق اڑانے والے انداز میں ہنستا ہے) اچھا آدمی اسی لیے لوگ پستولیں لیکر اُسے لینے

آئے تھے اور اب کچھ پتہ نہیں کہ وہ کدھر غائب ہو گیا ہے۔

دلاور: (سمجھانے والے انداز میں) مَیں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا کیونکہ تم میری عزت کی جگہ ہو... اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھ سے کہو۔

جمیل: تمہارے چاچے نے کچھ رقم دینی ہے میری۔ شادی کے وقت بھری برادری میں اس نے وعدہ کیا تھا۔ اب مکر گیا ہے....

دلاور: (دبے ہوئے غصے سے) جمیل۔

جمیل: پوچھ لو اس سے تمہارے سامنے کھڑا ہے۔

حیات محمد: تم چلو پتر دلاور.... مَیں سمجھاؤں گا اسے۔

دلاور: (بے یقینی کے انداز میں) اچھا.... مگر... مَیں....

(دروازے تک جا کر رکتا ہے۔ جمیل سے)

کتنے پیسے دینے ہیں چاچے نے تمہارے؟

جمیل: ڈیڑھ مربع نہری زمین ہے۔ اب حساب تم خود کر لو... کم از کم تین لاکھ تو ہوں گے۔

دلاور: (اپنے آپ سے) تین لاکھ....

(کچھ کہتے کہتے رک جاتا ہے)

مَیں صبح آؤں گا چاچا۔

(دلاور جاتا ہے۔ چند لمحے کا وقفہ)

حیات محمد: (دروازہ بند کرتے ہوئے) ذرا تحمل سے کام لو پتر جمیل۔ تمہاری رقم کے لیے ہی تو مَیں یہ سارا بندوبست کر رہا ہوں... اگر بیچ میں یہ واقعہ نہ ہو جاتا تو.... کم از کم ایک لاکھ کی اسامی تھا شیر محمد۔

جمیل: (اشتیاق سے اس کی طرف جھکتے ہوئے) ایک لاکھ۔ وہ تو صورت سے بالکل فقرا لگتا تھا۔

حیات محمد: بیٹھو مَیں تمہیں سمجھاتا ہوں۔ پر دلاور کو اس بات کی ہوا بھی نہ لگنے دینا...... یہ آدمی شیر محمد دراصل........

سین نمبر ۵

(نیاز، انور اور یعقوب تحیر کے عالم میں بیٹھے ہیں حشمت ان کی طرف مڑتا ہے)

حشمت: اب تم کو سمجھ آئی ہے کہ مَیں کیوں شیر محمد کو زندہ پکڑنا چاہتا ہوں.... ابھی تک اس دولت کے وجود کا پتہ اس آسمان کے تھلے صرف ہم دونوں کو ہے...... ایکدفعہ مَیں یہ راز کسی طرح اس سے حاصل کر لوں .... پھر... پھر مَیں اسے کتے کی موت ماروں گا یعقوب۔ اس نے مجھکو بہت تنگ کیا ہے۔

یعقوب: مگر میاں جی سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کو ڈھونڈا کہاں سے جائے۔..

نیاز: ایک اور بات بھی سوچنے والی ہے کہ وہ لوگ کون تھے جو اسے اٹھا کے لے گئے ہیں۔ یہ آدمی...

کیا نام تھا اس کا؟

یعقوب: رفیق

نیاز: ہاں یہ رفیق بتا رہا تھا کہ اس نے بعد میں سارے گھر کی تلاشی لی تھی ---- اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جو کوئی بھی تھے حیات محمد کے ساتھی نہیں تھے۔

یعقوب: حیات محمد کے ساتھی کیسے ہو سکتے تھے ---- وہ تو خود میرے پاس یہ اطلاع لیکر آیا تھا، لیکن اب یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ اور کون ہو سکتا ہے؟

حشمت: تمہارا کیا خیال ہے پُتر انور؟

(انور جو اس دوران میں خاموش بیٹھا سب کی باتیں سُن رہا تھا حشمت کی طرف دیکھ کر بڑے پُر یقین لہجے میں بولتا ہے)

انور: میری سمجھ میں تو یہ نہیں آتا کہ ہم سب یہاں بیٹھے لفظوں کی شطرنج کیوں کھیل رہے ہیں ..... ہمیں فوراً حیات محمد کو پکڑنا چاہیئے ..... اس سے DETAILS لینے کے بعد ہی ہم کوئی قدم آگے بڑھا سکتے ہیں۔

حشمت: (محبّت سے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے) جی اوئے پُتر۔ شاواش ..... یہ کی ہے تُونے میرے دل کی بات۔ سارے خاندان میں سے تُو سمجھا ہے میری طبیعت کو۔

نیاز: مگر میاں جی یہ کام بہت مشکل ہے۔ حیات محمد کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ احمد پور میں اس کی اچھی بھلی زمینیں ہیں اور پھر وہ ہم سب کو جانتا بھی ہے۔ کہیں کچھ گڑبڑ نہ ہو جائے۔

انور: یہ بھی تو دیکھ بھا نیاز کہ معاملہ کتنا بڑا ہے۔ میاں جی بتا رہے ہیں کہ اُن صندوقوں میں کروڑوں روپے کا سونا ہے۔ تمہیں یہی ڈر ہے نا کہ وہ کہیں پولیس میں رپورٹ نہ کر دے۔

(نیاز اثبات میں سر ہلاتا ہے)

تو ہم اُسے پولیس کے پاس جانے ہی نہیں دیں گے۔ مُردوں کی تو گواہیاں ریکارڈ نہیں ہوتی نا ...

نیاز: تو تمہارا مطلب ہے کہ اُسے قتل کر دیا جائے۔

انور: اتنی بڑی رقم کے لیے اگر دو چار قتل ہو جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چار صندوقوں کی قیمت ایک ایک سر تو ہونی چاہیئے .... کم از کم کیوں میاں جی؟

حشمت: شاوا پُتر شاوا۔ یہی فرق ہے تجھ میں اور نیاز علی میں اچھا تو کیا خیال ہے تیرا۔ کیسے قابو کیا جائے۔ حیات محمد کو۔

انور: آپ میرے آدمیوں کو اس کا چہرہ کرا دیں۔ مَیں مولا داد کو بھیجکر اُس بڈھرے کو یہیں بُلوا لوں گا۔

حشمت: (سوچتے ہوئے) ٹھیک ہے .... پر اس کو یہاں نہیں لانا چاہیئے ..... یہ کام بڑی خاموشی سے کرنے والا ہے۔ ایک تو تُونے کوٹھی بڑی چھوٹی بنائی ہوئی ہے یعقوب۔

یعقوب: چھ کنال میں ہے میاں جی۔ سب سے بڑی کوٹھی ہے اس علاقے میں میاں جی۔

حشمت : آدمی کے رہنے کی جگہ کھُلی ڈُلی ہونی چاہیئے۔۔۔۔ زنانخانہ علیحدہ ہو۔ یہاں تو کسی بندے کو ٹھیک طرح سے بھینٹی بھی نہیں لگائی جاسکتی۔۔۔ چار قدم پر وہ تمہارے۔۔۔۔ اسے کیا کہتے ہیں، بیڈ روم ہیں۔

نیاز : اگر آپ کا ارادہ اُس آدمی کو مارنے پیٹنے کا ہے تو میرے خیال میں اُسے سکندر پورے چلیں۔

حشمت : تو بھی یعقوب کی طرح ضرورت سے زیادہ دُور اندیش ہوگیا ہے پُتر نیاز علی۔ شیر محمد، پولیس اور دولت کے درمیان ٹائم بہت تھوڑا ہے۔ ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے اسی وقت کرنا ہے۔ ڈلے بیراں دا حالاں کچھ نہیں گیا پُتر نیاز علی۔

نیاز : (جس کا چہرہ شرم سے سُرخ ہوگیا ہے) مَیں تو اِس لیے کہہ رہا تھا میاں جی کہ۔۔۔۔ بہرحال جیسے آپ کی مرضی۔

یعقوب : میاں جی ٹھیک کہہ رہے ہیں نیاز۔ ہمارے پاس ٹائم بہت کم ہے۔ میرے خیال میں حیات محمد کو ہم ماڈل ٹاؤن نہ لے جائیں انور کی طرف۔۔۔۔

انور : بالکل ٹھیک ہے۔ وہ کوٹھی ویسے بھی اُجاڑ سی جگہ پر ہے اور پھر نہر سے بھی قریب ہے۔ لاش پھینکنے کے لیے نہر سے بہتر جگہ کوئی نہیں ہوتی۔

حشمت : ٹھیک ہے۔ اب یہ کام تیرے ذمے ہے پُتر انور۔

انور : آپ فکر ہی نہ کریں میاں جی۔

سین نمبر ۶

(مولا داد کا کمرہ۔ مولا داد۔ دلاور۔ شیر محمد)

دلاور : یہ سب ٹھیک ہے بھائی مولا داد، لیکن چوہدری یعقوب کو کیسے پتہ چلا کہ شیر محمد صاحب۔۔۔ ۔۔۔ نہیں ضرور اس میں کوئی چکر ہے۔

مولا داد : (بات بناتے ہوئے) ہوسکتا ہے شہزادے۔۔۔۔ چوہدری حشمت نے اس کو بتا دیا ہو اندروں نے وہ سارے اک ہی ہیں ناں۔

دلاور : تم میری بات نہیں سمجھے مولا داد۔۔۔۔ دیکھو۔۔۔۔ اچھا یہ بتاؤ چوہدری حشمت کو کیسے پتہ چلا کہ شیر محمد صاحب چاچا حیات محمد کے پاس ہیں۔ اگر اُسے یہ پتہ ہے تو وہ یہ بھی جانتا ہوگا کہ شیر محمد صاحب مجھے زخمی کرکے فرار نہیں ہوئے بلکہ مَیں نے اُنہیں تہہ خانے سے نکالا تھا۔۔۔۔ بلکہ اِس حساب سے تو اُنہیں یہاں ہماری موجودگی کا بھی علم ہونا چاہیئے۔۔۔۔ نہیں بھائی مولا داد چکر کچھ اور ہے۔

مولا داد : زیادہ سوچ سوچ کر اپنے دماغ کو پریشان نہ کر شہزادے۔ اس مسئلے پر ہم بعد میں غور کریں گے اس وقت تو سوال یہ ہے کہ ان بزرگوں کو ایس پی صاحب سے کیسے ملوایا جائے۔

دلاور : میرے خیال میں تو چاچا حیات محمد۔۔۔۔

مولا داد : (بات کاٹ کر) یہ کام اس کے بس کا نہیں ہے شہزادے کوئی اور طریقہ سوچ۔۔۔

دلاور: اور طریقہ کیا ہو سکتا ہے۔ اتنے برس تاریکی میں رہنے سے ان کی آنکھیں بہت خراب ہو چکی ہیں۔ اس پر حشمت خاں کتے کی طرح ان کی بُو سُونگھتا پھر رہا ہے۔ ہم انہیں تنہا بھیجنے کا رسک بھی تو نہیں لے سکتے۔

شیر محمد: تم مجھے کسی طرح اُس ایس پی کے گھر تک لے چلو۔ باقی سب کچھ میں خود سنبھال لوں گا۔

دلاور: گھر کا بھی تو مجھے پتہ نہیں۔ ایسا کرتے ہیں چاچا حیات محمد کو ساتھ لے لیتے ہیں۔ کیوں شیر محمد صاحب؟

شیر محمد: (مولاداد کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہے) ہاں۔ وہ..... ٹھیک ہے۔ مگر مولاداد سے پُوچھ لو۔

دلاور: (حیرت سے) مولاداد سے۔

مولاداد: (بات چھُپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے) کچھ نہیں شہزادے۔ دراصل.... تمہارا چاچا..... میرا مطلب ہے ہم خود لے چلتے ہیں..... ایس پی کے گھر کا پتہ چلانا کچھ اتنا مشکل تو نہیں۔

(دلاور تیز نظروں سے باری باری شیر محمد اور مولاداد کی طرف دیکھتا ہے دونوں آنکھیں چُراتے ہیں۔ دلاور ایک دم مولاداد کو کندھے سے پکڑ کر اس کا مُنہ اپنی طرف کرتا ہے)

دلاور: کیا بات ہے مولاداد۔ کیا چھُپا رہے ہو تم دونوں مجھ سے۔

مولاداد: (آنکھ چُراتے ہوئے پریشانی میں) چھُپا..... نہیں.... مَیں.... وہ.... کیا چھپانا ہے۔ ہم نے۔ مَیں تو اس لیے کہہ رہا تھا شہزادے کہ..... تمہارا چاچا بوڑھا آدمی ہے.... سو گیا ہوگا اب تک۔

دلاور: (تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے) میری طرف دیکھ کر بات کرو مولاداد۔

(مولاداد مُڑ کر تیز نظروں سے دلاور کی طرف دیکھتا ہے کچھ کہتے کہتے ایکدم رُک جاتا ہے)

مولاداد: نہیں شہزادے نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

(دلاور اُسے چھوڑ کر شیر محمد کی طرف لپکتا ہے)

دلاور: آپ بتائیں شیر محمد صاحب کیا بات ہے؟

شیر محمد: (شدید پریشانی میں) کچھ نہیں بیٹا وہ..... دراصل

(مولاداد کی طرف دیکھتا ہے جو منہ پھیر لیتا ہے)

اچھا پھر کریں گے کسی وقت بات۔

دلاور: ایسی کونسی بات ہے شیر محمد صاحب...

(ایکدم جیسے کسی خوفناک خیال سے سہم جاتا ہے)

کیا.... کیا.... چاچا حیات محمد.....

(شیر محمد ہمدردی اور افسوس کے ساتھ اثبات میں سر ہلاتا ہے)

او خدایا۔

(سر پر ہاتھ رکھ لیتا ہے)

یہ بات پہلے میری سمجھ میں کیوں نہیں آئی۔ مگر..... یہ کیسے ہوگیا..... میرا چاچا اور....

(افسوس اور غصّے سے مٹھیاں بھینچتا ہے)

مولا داد: (اُس کے کندھے پر محبت سے ہاتھ رکھتا ہے) یہ دُنیا بڑی ظالم جگہ ہے شہزادے۔

دلاور: مگر مولا داد.... میرا چاچا تو..... وہ تو ایسا آدمی نہیں تھا۔

مولا داد: وقت کے ہاتھ میں آدمی کھڈونے کی طرح ہوتا ہے شہزادے..... ہم سب چابی والے کھڈونوں کی طرح اپنی اپنی چابی پر لگے رہتے ہیں..... مَیں نہیں چاہتا تھا کہ تجھکو اس بات کا پتہ لگے پر....

(دلاور کا کلوز جس کا چہرہ غصّے اور افسوس کی شدت سے کانپتا ہے)

سین نمبر ۷

(جمیل کا ڈرائینگ رُوم دروازے پر دستک۔ جمیل اندرونی کمرے سے آکر دروازہ کھولتا ہے سامنے دلاور کھڑا ہے چہرے سے سخت کشیدگی کے آثار نمایاں ہیں۔ جمیل کا چہرہ اُسے دیکھتے ہی تن جاتا ہے۔ ذرا سا پیچھے ہٹ کر اُسے راستہ دیتا ہے)

جمیل: اب کیا بات ہے؟

دلاور: چاچا کہاں ہے؟

جمیل: اندر ہے۔ کیوں؟

دلاور: اُسے بلاؤ ذرا۔

(جمیل ناراضگی کے عالم میں سر جھٹک کر جاتا ہے دلاور بے چینی سے کمرے میں ٹہلتا ہے جبڑوں کے مسل تنے ہوئے ہیں اندرونی دروازے سے حیات محمد کھانستا ہوا آتا ہے)

حیات محمد: پُتر دلاور۔ اِس وقت خیر تو ہے..... بیٹھو۔

(دلاور جواب دیئے بغیر اس کے سامنے آکھڑا ہوتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا ہے حیات محمد گھبرا سا جاتا ہے)

حیات محمد: کیا بات ہے۔ میری طرف کیوں دیکھ رہے ہو ایسے۔

دلاور: (غصّے کو قابو کرنے کی کوشش میں) مجھے تم سے یہ اُمید نہیں تھی چاچا۔

حیات محمد: (ایکدم لرز سا جاتا ہے) کیا اُمید نہیں تھی۔ مَیں سمجھا نہیں پُتر۔

دلاور: تمہیں مَیں نے ہمیشہ اپنے باپ کی جگہ سمجھا ہے چاچا۔ پر کوئی باپ اپنی اولاد سے اتنا بڑا دھوکا نہیں کرتا۔

حیات محمد: (گھبرائے ہوئے انداز میں) پر ہُوا کیا ہے پُتر۔

دلاور: تم چوہدری یعقوب کے پاس کیوں گئے تھے۔

حیات محمد: ک۔ک۔ کون چوہدری یعقوب۔

دلاور: تمہیں اچھی طرح پتہ ہے چاچا کہ مَیں کس چوہدری یعقوب کی بات کر رہا ہوں۔

(حیات محمد کے کوٹ کے کالر کو پکڑتا ہے پھر کچھ سوچکر چھوڑ دیتا ہے)

خدا تمہیں کبھی معاف نہیں کریگا چاچا۔

(حیات محمد کا رنگ اُڑ جاتا ہے۔ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے صوفے پر بیٹھتا ہے)

تمہیں پیسوں کی ضرورت تھی تو مجھ سے کہا ہوتا۔ اس طرح میرے اعتماد کا خون تو نہ کرتے۔

حیات محمد: (آنکھیں جھکائے ہُوئے) مَیں مجبور ہو گیا تھا پُتر۔

دلاور: (تڑپ کر) کیا مجبوری تھی تمہاری...؟ کیا کمی ہے تمہیں۔

حیات محمد: میرا بال بال قرضے میں جکڑا ہوا ہے پُتر۔

دلاور: (حیرت سے) تمہارے چھ مربعے ہیں چاچا۔

حیات محمد: کبھی تھے پُتر۔ سب مقدموں میں لگ گئے ہیں۔ اب کچھ نہیں ہے میرے پاس۔

دلاور: اسی لیے مَیں کہتا تھا کہ یہ مقدمے بازیاں اچھی نہیں پر.... تم نے مجھ سے کہا ہوتا۔ میرے پاس جو کچھ ہے تمہارا ہی ہے۔

حیات محمد: نہیں پُتر نہیں... تیری زمین میرے پاس امانت ہے ایک بار جمیل کے مجبور کرنے پر مَیں پہلے ہی اس میں خیانت کر چکا ہوں۔ پر اب میرا حوصلہ نہیں پڑا..... مَیں نے سوچا...

دلاور: (غصّے افسوس اور طنز سے) تم نے سوچا کہ تم چوہدری حشمت سے شیر محمد صاحب کا سودا کر لو۔ تم اتنا گر سکتے ہو مَیں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا....

حیات محمد: گرنا پڑتا ہے پُتر۔ اولاد گرا دیتی ہے انسان کو جمیل نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر مَیں نے جہیز میں لکھی ہوئی زمین کی رقم اُسے نہیں دی تو سعیدہ کو طلاق دیدے گا۔ میری دھی نے اُجڑ جانا تھا پُتر...

دلاور: جس آدمی کا تم نے سودا کیا ہے چاچا... اُس کی بھی ایک دھی ہے۔ بیس سال سے اُس نے اپنے باپ کی شکل نہیں دیکھی.... اپنے اُس باپ کی جس نے اپنی قوم کے لیے.... اپنے اصُول کے لیے حشمت خاں جیسے آدمی سے ٹکر لی اور سر نہیں جُھکایا۔ اس کا تمہیں خیال نہیں آیا چاچا۔

حیات محمد: مجھے معاف کر دے پُتر۔ مَیں تیرا گنہگار ہوں۔ پر یقین جان پُتر مَیں بہت مجبور ہو گیا تھا جمیل کی بات نے میرے ہوش اُڑا دیئے تھے۔

دلاور: جمیل تمہارا داماد ہے چاچا..... تمہاری اولاد کی جگہ ہے.... تمہیں اُسے سمجھانا چاہیئے تھا۔

حیات محمد: وہ بڑا منہ زور ہے پُتر.... سعیدہ میری اکواک دھی ہے...... مَیں اس کا گھر برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔

دلاور: مولاداد ٹھیک ہی کہتا تھا یہ دنیا بڑی ظالم جگہ ہے.... انسان اپنا ہاتھ بچانے کے لیے دوسرے کا سر کاٹ دیتا ہے.... ذرا جمیل کو بلاؤ۔

حیات محمد: اُس کے منہ نہ لگنا پُتر.... وہ بہت اتھرا ہے۔

دلاور: تم اُسے بلاؤ تو سہی چاچا....

(حیات محمد سر جھکا لیتا ہے دلاور دروازے کی طرف جا کے آواز دیتا ہے)

جمیل.....

(جمیل چند لمحوں کے بعد آتا ہے چہرے سے بیقراری کے آثار نمایاں ہے)

جمیل: کیا بات ہے بھئی......

دلاور: (اُسے کالر سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کمرے کے درمیان میں لاتا ہے جمیل کالر چھڑانے کی کوشش کرتا ہے چہرے پر غصے اور تعجب کے آثار ہیں) یہ میرا چاچا ہے جمیل۔

جمیل: (غصے سے جھٹکا دیکر کالر چھڑانے کی ناکام کوشش کرتا ہے) چھوڑو مجھے۔

دلاور: (کالر کو بل دیکے اس کا گلا دباتا ہے پھنکارتی ہوئی آواز میں بولتا ہے) آج کے بعد اگر تم نے اس کے ساتھ کوئی بدتمیزی کی تو سارے دانت توڑ کر ہتھیلی پر رکھ دُونگا۔

(دھکا دیکر صوفے پر بٹھاتا ہے جمیل چند لمحے خوف اور حیرت سے اُس کی طرف دیکھتا ہے پھر غصے سے اُٹھنے کی کوشش کرتا ہے)

جمیل: تم۔ تم۔ تمہیں جرأت کیسے ہوئی مجھ پر ہاتھ اُٹھانے کی....... میں.... نکل جاؤ میرے گھر سے۔

(کیمرہ جمیل کے کلوزپر جاتا ہے جس کا چہرہ ایک دم خوف سے زرد ہو جاتا ہے فریم میں دلاور کا پستول اِن ہوتی ہے جس کا ہدف جمیل کا سر ہے۔ جمیل دونوں ہاتھ منہ کے آگے کرتا ہے)

یہ.... یہ..... کیا ہے؟ پیچھے کرو اسے۔

دلاور: (خوفناک دھمکی کے انداز میں) جو پیسے چاچے نے تمہیں دینے ہیں وہ تمہیں مل جائیں گے..... لیکن اگر تم نے کبھی سعیدہ یا چاچے کے بارے میں کوئی اُلٹی سیدھی بات کی تو یاد رکھنا اِس کی ساری گولیاں تمہارے جسم میں ہوں گی....

حیات محمد: (روکتے ہوئے) دلاور.... دلاور پُتر۔

دلاور: تم ہٹ جاؤ چاچا..... مجھے اِس کمینے سے بات کرنے دو..... یہ شرافت کی زبان نہیں سمجھتا۔

(جمیل کو کالرسے پکڑ کر اُٹھاتا ہے جو سخت خوف زدہ ہے)

میری بات کان کھول کر سُن لو جمیل..... سعیدہ کو طلاق دینا تو بہت دُور کی بات ہے.... اگر تم نے کبھی اس کی تڑی بھی دی تو اپنی صورت نہیں پہچان سکو گے..... اور تم بھی سُن لو چاچا.... اگر شیر محمد صاحب کو کوئی نقصان پہنچا تو مَیں تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

حیات محمد: نہیں پُتر نہیں..... مجھے اور شرمندہ نہ کر۔

(دلاور جھٹکے سے خوفزدہ جمیل کو پیچھے ہٹاتا ہے دروازہ کھولکر باہر نکل جاتا ہے)

سین نمبر ۸

(یعقوب فون پر کسی سے بات کر رہا ہے فون کے دوران زبیدہ کمرے میں آتی ہے چہرے سے سخت متفکر دکھائی دیتی ہے)

یعقوب: بھئی ایمان سے..... مَیں خود بہت شرمندہ ہوں.... لیکن اس وقت میرا گھر سے نکلنا ممکن نہیں ہے... میرے والد صاحب آئے ہوئے ہیں گاؤں سے.... ہاں ہاں.... بیمار ہیں کچھ.. ڈاکٹر صاحب آرہے ہیں اُنہیں دیکھنے...... مجھے پتہ ہے...... مگر..... اب صورتِ حال ہی کچھ... پھر سہی.... THERE IS ALWAYS A TO MARROW.... ایک دفعہ پھر معذرت...... خدا حافظ۔

(فون رکھ کر اطمینان کا سانس لیتا ہے دروازے کی طرف جاتا ہے زبیدہ آواز دیتی ہے)

زبیدہ: کہاں جا رہے ہیں۔

یعقوب: ایک کام ہے.... شائد دیر ہو جائے....

زبیدہ: فون پر تو آپ کچھ اور کہہ رہے تھے۔

یعقوب: مَیں نے کتنی مرتبہ تمہیں سمجھایا ہے زبیدہ.... مردوں کی باتوں میں دخل نہیں دیا کرتے.... جاؤ سو جاؤ....

زبیدہ: یہ جو کچھ ہو رہا ہے مجھے بالکل پسند نہیں۔

یعقوب: (ایک دم چونک کر) کیا ہو رہا ہے؟

زبیدہ: یہی جو آپ سب لوگ مل کے کر رہے ہیں...

یعقوب: کیا کر رہے ہیں؟

زبیدہ: مجھے نہیں پتہ.... مگر میں اتنا جانتی ہوں کہ جو بھی ہو رہا ہے.... بہت غلط ہے۔

یعقوب: (بات ہنسی میں اُڑانے کی کوشش کرتے ہوئے) لگتا ہے گیس پھر تمہارے دماغ کی طرف چڑھ

رہی ہے.... چُورن کھا کے سونا۔

زبیدہ: (بازو سے پکڑ کر اُسے روکتی ہے) آپ نے بتایا نہیں آپ کہاں جا رہے ہیں۔

یعقوب: (اُسے گھُور کر دیکھتا ہے) بتایا ہے نا.... ایک کام ہے.... تمہیں بتانے کا نہیں۔

زبیدہ: مَیں آپ کی بیوی ہوں۔

یعقوب: (زبردستی مُسکراتے ہوئے) صورت تو تم نے ایسی بنا رکھی ہے جیسے میری بیوی نہیں۔ بیوہ ہو۔

زبیدہ: مَیں بہت سنجیدہ ہوں یعقوب صاحب.... میاں جی نیاز اور انور ایک دم کہیں چلے گئے ہیں اور اب آپ بھی.... معاملہ کیا ہے۔

یعقوب: (مستحکم لہجے میں) شکار پر جا رہا ہوں زبیدہ.... کئی برسوں بعد میرے اندر سکندر پور کے چوہدری یعقوب نے انگڑائی لی ہے.... بچپن میں اکثر میاں جی کے ساتھ شکار پر جایا کرتا تھا.... آج انہوں نے پھر مجھے دعوت دی ہے۔

زبیدہ: شکار پر سُوٹ پہن کے جاتے ہیں؟

یعقوب: ہاں۔ کیونکہ۔ یہ شکار جنگل میں نہیں ہوگا.... ہٹو مجھے جانے دو.... دیر ہو رہی ہے میاں جی کی باتوں نے میرا لہو گرم کر دیا ہے.... ہو سکتا ہے اس شکار کے بعد ہمارے پاس اتنی دولت ہو کہ تمہارا سارا گھر نوٹوں سے بھر جائے۔

زبیدہ: مجھے نوٹ نہیں چاہئیں یعقوب.... اللہ کا دیا ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔

یعقوب: ناشکری نہیں کرتے زبیدہ.... ہاں.... کوئی فون آئے تو کہہ دینا.... میاں جی کو ساتھ لے کر ڈاکٹر کے گئے ہیں۔

(تیزی سے جاتا ہے زبیدہ گہری سوچ میں پڑ جاتی ہے)

سین نمبر ۹

(تاجا۔ سید گل۔ مہنگا۔ بخشو وغیرہ حیات محمد کو گھسیٹتے ہوئے انور والی کوٹھی کے کمرے میں لاتے ہیں جہاں ایک طرف ہارمونیم اور طبلہ بھی پڑے ہیں کمرے میں حشمت انور اور نیاز ہیں۔ حیات محمد کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے ہیں اور منہ پر کپڑا بندھا ہے حشمت چند لمحے غور سے زمین پر گرے ہوئے حیات محمد کو دیکھتا ہے پھر اشارے سے کہتا ہے کہ اِسے کھولو ایک آدمی بڑھ کر اسے کھولتا ہے حیات محمد لمبے لمبے سانس لیتا ہے)

حشمت: تو تم ہو حیات محمد.... بیٹھو.... اوئے تاجے.... اِس کو اوپر بٹھا

(حیات محمد غصے سے تاجے کا ہاتھ جھٹک کر اُٹھتا ہے)

حیات محمد: پیچھے ہٹو....

(حشمت کی طرف آتا ہے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا ہے)

حشمت: (سنگدلانہ انداز میں مُسکراتا ہے) شاوا بھئی شاوا...... لگتا ہے تیرے جُثّے میں کسی بڑے اَنکھ والے کا خون ہے (ایک دم چہرے کے تاثرات بدلتے ہیں) شیر محمد کہاں ہے؟

حیات محمد: کون شیر محمد؟

انور: (حیات محمد کو کھینچ کر اُس کا منہ اپنی طرف کرتا ہے ہاتھ بڑھا کر تاجے سے پستول لیتا ہے اُسے حیات کے سینے پر رکھتا ہے) تجھے نہیں پتہ، میاں جی، کس شیر محمد کو پوچھ رہے ہیں)

حیات محمد: اسے بتاؤ حشمت خان میں اس کے باپ کی عمر کا ہوں۔

حشمت: اوئے چھوڑ دے پُتر انور...... حیات محمد سے ہماری کوئی دشمنی نہیں...... اسے پتہ تھا کہ شیر محمد ہمارا دشمن ہے ورنہ یہ اُس کو کبھی پناہ نہ دیتا...... مَیں ٹھیک کہہ رہا ہوں حیات محمدا......

حیات محمد: (چند لمحے کچھ سوچتا ہے) کل رات اُسے کچھ نامعلوم لوگ پکڑ کے لے گئے تھے...... اُس کے بعد مجھے اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے۔

حشمت: جھوٹ مت بول حیات محمد...... سدھی طرح اُس کا پتہ بتا دے۔

حیات محمد: مَیں جھوٹ نہیں بول رہا چوہدری حشمت...... اگر مَیں نے اُسے چھپانا ہوتا تو میں چوہدری یعقوب کے پاس کیوں جاتا۔ مَیں تو خود اُس کا سودا تم سے کرنا چاہتا تھا۔

حشمت: (سوچتے ہوئے) ہوں...... تو اُسے جانتا کیسے ہے؟

حیات محمد: (بات بناتے ہوئے) میں...... وہ بہت سال پہلے ہمارے علاقے میں جنگلات کا افسر تھا۔ وہیں دوستی ہوئی تھی میری اُس سے...... (حشمت سر ہلاتا ہے) چار پانچ دن پہلے وہ بڑی بُری حالت میں میرے پاس آیا تھا...... کہتا تھا مجھے شہر کسی بڑے افسر کے پاس لے چلو مَیں نے کوئی بیان دینا ہے......

حشمت: خیر......

حیات محمد: مَیں اس کو لے کے شہر آ گیا۔

حشمت: کیا بیان دینا تھا اُس نے۔

حیات محمد: پتہ نہیں...... بس اتنا کہہ رہا تھا کہ تم نے اُسے پچیس سال قید میں رکھا ہے اور وہ تمہارے خلاف کوئی رپورٹ درج کرانا چاہتا ہے — اور یہ بھی کہ تم اُس کے سر کی بڑی سے بڑی قیمت دینے پر تیار ہو۔

حشمت: اور تُو نے سوچا کہ کیوں نا مجھ سے اُس کے سر کی قیمت وصول کی جائے (ہنستا ہے) بڑا یار مار ہے تو حیات محمد۔

حیات محمد: مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت تھی...... ورنہ شاید۔

نیاز: میاں جی، میرا خیال ہے چوہدری حیات محمد ٹھیک کہہ رہا ہے۔

حشمت: خیال تو میرا بھی یہی ہے پُتر نیاز علی ....پر اور کیا بتایا تھا اُس نے تمہیں ......

حیات محمد: کچھ نہیں۔

حشمت: اس کے سر کی اتنی قیمت میَں نے کیوں لگائی ہے۔ یہ نہیں بتایا۔

حیات محمد: مجھے اُس نے اور کچھ نہیں بتایا۔

(حشمت خان سوچ میں پڑ جاتا ہے)

انور: (پستول گھماتے ہوئے) کیا حکم ہے میاں جی....

حشمت: او نہیں۔ نہیں پُتر......اس کو جانے دو......اس سے ہماری کوئی دشمنی نہیں......پر ایک بات کا دھیان رکھیں حیات محمدا.....اگر تو نے پولیس وغیرہ میں رپورٹ کرنے کی کوشش کی تو میرا تو کچھ نہیں جائیگا تیرے بچے یتیم ہو جائیں گے.....سمجھ گیا ہے میری بات (حیات محمد اثبات میں سر ہلاتا ہے) اوئے تاجے.....اس کو جہاں سے لائے تھے وہیں چھوڑ آؤ.....

(تاجا اور آدمی حیات محمد کو لے کر جاتے ہیں حشمت کچھ سوچتے ہوئے کمرے میں ٹہلتا ہے طبلے پر چھڑی مارتا ہے)

اوئے یہ کیا مراث خانہ اکٹھا کیا ہوا ہے تو نے انور۔

انور: بس — وہ میاں جی......فلم کے سلسلے میں۔

حشمت: اچھا۔ اچھا......بن گئی ہے......

انور: ابھی تو شروع بھی نہیں ہوئی جی......آپ کے لیے بستر لگواؤں میاں جی۔

حشمت: نہیں اُدھر یعقوب کی طرف ہی چلتے ہیں....تم بھی اُدھر ہی آجاؤ......رَل مِل کے کچھ صلاح کرتے ہیں۔

یعقوب: (آتے ہوئے) سلام علیکم میاں جی......مجھے دیر ہو گئی کچھ......حیات محمد کو نہیں لائے ابھی تک

حشمت: لائے تھے......ہم تیری طرف ہی جا رہے تھے......رستے میں سناتا ہوں تجھ کو سارا قصہ......آ پُتر نیاز علی۔

(سب لوگ جاتے ہیں۔ دروازے کے پیچھے کھڑا ہوا دلاور اطمینان کا ایک لمبا سانس لیتا ہے مڑتا ہے محتاط انداز سے چاروں طرف دیکھتا ہے چند قدم چل کر مولاداد کے کمرے کے دروازے پر دستک دیتا ہے مولاداد دروازہ کھولتا ہے)

مولاداد: گئے۔

(دلاور اثبات میں سر ہلاتا ہوا اندر آتا ہے شیر محمد سو رہا ہے)

دلاور: ہمیں اُن کے قریب رہنا چاہیئے مولاداد۔

مولاداد: ٹھیک ہے شہزادے......ہم دروازے کو باہر سے تالا لگا دیتے ہیں۔

سین نمبر ۱۰

(یعقوب کا ڈرائنگ روم۔ یعقوب، حشمت، نیاز، انور)

نیاز: میری مانیں تو میاں جی اس بات کو یہیں چھوڑ دیں.... کہیں شیر محمد کو ڈھونڈتے ہم سب نہ پھنس جائیں۔

حشمت: خطرے سے ٹاکرا کئے بغیر دنیا میں کچھ حاصل نہیں ہوتا نیاز علی...... میں تو کہتا ہوں ڈیم کی تعمیر سے جو نقصان ہمیں ہوا ہے قدرت نے یہ اُس کا نعم البدل پیدا کیا ہے۔

انور: بھا نیاز کی بات چھوڑیں میاں جی.... اس کو تو عورت ہونا چاہیئے تھا۔

نیاز: (غصّے میں) بکواس بند کر انور۔

(اُس کو مارنے کے لیے بڑھتا ہے حشمت درمیان میں آتا ہے)

حشمت: بس۔ بس۔ بس۔ بس اوئے..... عقل کو ہتھ پاؤ..... یہ ٹائم آپس میں لڑائی جھگڑے کا نہیں۔

نیاز: اس کو باندھ کے رکھیں میاں جی..... نہیں تو....

انور: نہیں تو کیا کرو گے تم!

یعقوب: انور۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں نیاز..... تم تو بڑے تحمّل والے تھے.....

نیاز: میں دُکھ گیا ہوں چاچا اس کے ہاتھ سے..... میاں جی نے اُسے بہت زیادہ سر پر چڑھا لیا ہے۔

حشمت: اوئے یہ تیرا چھوٹا بھرا ہے نیاز.... چھوٹا بھرا پُتر کی طرح ہوتا ہے.... اِدھر بیٹھو دوویں..... آرام سے میری بات سنو۔

نوکر: (آتے ہوئے) مولا داد اور دلاور آئے ہیں چوہدری صاحب۔

حشمت: بھیجو..... بھیجو..... اندر بھیجو اُن کو..... (نوکر جاتا ہے) آدمی کو اپنا دماغ ہمیشہ ٹھنڈا رکھنا چاہیئے..... (مولا داد اور دلاور آتے ہیں سلام کرتے ہیں) اوئے..... دلاورا..... تو کہاں تھا اتنے دنوں سے..... میں نے کس کام بھیجا تھا تمہیں یہاں۔

دلاور: وہی کر رہا تھا چوہدری جی..... میں نے شیر محمد کی بیٹی کا پتہ لگا لیا ہے وہ اور اُس کا بیٹا تھوڑی دیر پہلے کہیں گئے ہیں..... میں آپ کو یہی اطلاع دینے آیا تھا۔

حشمت: یہ تو بڑی مندی بات ہوئی ہے..... پر تو نگرانی جاری رکھ..... میرا دماغ کہتا ہے کہ شیر محمد وہاں ضرور جائیگا..... پستول ہے نا تیرے پاس۔

دلاور: (پستول تھپتھپاتے ہوئے) جی..... بالکل ہے۔

یعقوب: کیا شیر محمد کی کوئی اولاد بھی ہے..... یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں تھا.....

حشمت: ایک دھی ہے اس کی سمن آباد میں رہتی ہے۔

انور : اُس کو کیوں نہ پکڑیں میاں جی ..... کیوں چاچا؟

یعقوب: خیال تو بُرا نہیں ہے ....

حشمت : اُس کا فائدہ تو تب ہے نا پُتر ..... اگر شیر محمد کو اطلاع بھی ہو جائے کہ اس کی بیٹی ہمارے قبضے میں ہے ....

یعقوب : اس کا انتظام میں کرلوں گا ...... اخبار میں تفصیل سے خبر لگ جائے گی .... بلکہ تصویر بھی لگوا دوں گا ۔

حشمت : شاوا پُتر .... اب کی ہے تُو نے میرے پُتروں جیسی بات ....

یعقوب : وہ لوگ جس وقت گھر پہنچیں گے انہیں اُٹھا لیا جائے گا ..... یہ کام تم کرو گے مولا داد ۔

مولا داد: ٹھیک ہے چوہدری جی ۔

یعقوب: کتنے لوگ رہتے ہیں اُس گھر میں ....

دلاور : بس جی دونوں ماں بیٹا ہیں ..... ذکیہ نام ہے عورت کا ...... سکول میں ہیڈ مسٹرس ہے .... لڑکا یونیورسٹی میں پڑھتا ہے ۔

یعقوب : (چونک کر) کک کیا .... کیا نام ہے لڑکے کا ۔

دلاور : فرخ .... لمبا سا گورا سا لڑکا ہے ۔

(یعقوب کا رنگ فق ہو جاتا ہے ایک دم کرسی کا سہارا لیتا ہے ۔)

یعقوب: اوہ ۔

حشمت : تم جانتے ہو اُن لوگوں کو ...... یعقوب ۔

یعقوب : مَیں ..... ہاں .... نہیں .... نہیں تو ۔

قسط نمبر ۱۷

سین نمبر ۱

(ایپی سوڈ نمبر ۱۶ کا آخری سین چلتا ہے۔ یعقوب آخری جملہ بولتا ہے۔ اُس کے چہرے سے پریشانی کے آثار نمایاں ہیں حشمت اُسے گہری نظروں سے دیکھتا ہے یعقوب اُس کی تیز نظروں سے گھبرا جاتا ہے۔ ایک دم کچھ سوچکر اپنے سر کے پچھلے حصے پر ہاتھ رکھتا ہے۔ صوفے پر گر کر ایسے ظاہر کرتا ہے جیسے سخت تکلیف میں ہو۔

حشمت : کیا بات ہے یعقوب۔

یعقوب : (جیسے تکلیف برداشت کرنے کی کوشش کر رہا ہو) کچھ نہیں میاں جی۔ کبھی کبھی ایک دم ٹیس سی پڑتی ہے سر میں۔ ڈاکٹرز کہتے ہیں میگرین ہے۔ آپریشن ہوگا۔ اُف (سر کو دباتا ہے) ایسے لگتا ہے جیسے کوئی چیز آری کی طرح اندر سے کاٹ رہی ہے۔

(مولاداد پرکٹ کرتے ہیں جو اس صورتِ حال پر مسکراتا ہے)

حشمت : او ایسے لئی میں کہتا تھا پنڈ کو مت چھوڑو اوئے ساری بیماریوں کی جڑ یہ بناسپتی گھیو ہے۔ اے وٹامن سے بھر پور۔۔۔

مولاداد : ہم چلیں چودھری جی۔

حشمت : جاؤ شاوا۔ بڑیاں تعریفاں کرتا ہے انور تیریاں جتنی جلدی ہو سکے اُن دو دیں ماں پتروں کو ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی پہنچانا ہے۔ پر اہیہ کم بہت دھیان سے اور چُپ چپیتے کرنے والا ہے۔ کسی کو اس کی کنّوں کن خبر نہیں ہونی چاہیئے۔ سمجھ گیا ایں۔

مولاداد : جی چوہدری جی۔

حشمت : جیپ کی چابی رب نواز کے پاس ہے یار محمد اور تاجے کو ساتھ لے لینا۔

مولاداد : (دلاور کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے) میرے ساتھ یہ شہزادہ جو ہے چوہدری جی۔ اتنی بھیڑ

ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔

حشمت: اونہیں جوانا نہیں۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ شیر محمد کا آزاد رہنا بہت خطرناک ہے وہ گیلی مچھلی کی طرح بار بار میرے ہتھوں سے تِلک (پھسل) جاتا ہے۔ اس کی دھی میرے قبضے میں ہو گی تو میں اسکو ریت پر گھسیٹ لوں گا۔ پھر دیکھوں گا وہ کیسے نکلتا ہے میرے ہاتھوں سے۔ اوئے دلاورا!

دلاور: جی چوہدری صاحب۔

حشمت: تو پہچانتا ہے نا۔ اُن ماں پُتروں کو۔

دلاور: جی ہاں۔

حشمت: تم اِن لوگوں کے ساتھ ہی رہنا۔ کہیں غلط بندے نہ پھڑ کے لے آئیں۔ چلو جاؤ۔ شاوا....

(مولا داد اور دلاور جاتے ہیں یعقوب چند لمحے انتہائی پریشانی کے عالم میں اُنکی طرف دیکھتا ہے۔ جیسے سمجھ میں نہ آرہا ہو کہ اُنہیں کیسے روکے۔ حشمت کے مخاطب کرنے پر ایک دم چونکتا ہے۔

حشمت: شیر محمد کی دھی ہمارے بہت کم آسکتی ہے کیوں پُتر یعقوب۔

یعقوب: جی۔ جی۔ جی ہاں میاں جی۔

نیاز: (احتجاجی لہجے میں) میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ سب (یعقوب سے) چاچا جی آپ تو اس مسئلے کی نزاکت کو سمجھتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہیں شیر محمد کے پیچھے اندھا دھند بھاگتے بھاگتے ہم کسی ایسے جال میں نہ پھنس جائیں جہاں ہمارے خاندان کی عزت، نام، وقار۔ سب کچھ خطرے میں پڑ جائے۔

یعقوب: تم ٹھیک کہتے ہو نیاز (حشمت کے تیور دیکھکر ایک دم رُک جاتا ہے۔ حشمت اس کی بات کاٹتا ہے) پر

حشمت: او کیا ٹھیک کہتا ہے یہ (نیاز سے) اوئے تو کس پر چلا گیا ہے نیاز علی۔ اوئے تیرا پیو تے بڑا جیدار تھا

انور: میرے خیال میں بھا نیاز تم پنڈ واپس چلے جاؤ۔ یہ کام تمہارے بس کا نہیں۔

نیاز: (غصے میں) مَیں نے تم سے بات نہیں کی۔ اور میرے بارے میں اس طرح چبا چبا کے بات نہ کیا کرو۔ نہیں تو۔

انور: نہیں تو کیا کرو گے تم۔

حشمت: اوئے۔ اوئے انور علی — اوئے پُتر نیاز — اوئے عقل کو ہتھ پاؤ۔ تو اِدھر بیٹھ انور (نیاز کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے) دیکھ پُتر نیاز علی — میری بات سمجھنے کی کوشش کر۔ اوئے تو نے کبھی سمندر دیکھا ہے (نیاز اثبات میں سر ہلاتا ہے۔ موڈ بدستور خراب ہے) بہت وڈا ہوتا ہے نا۔ اُس کے اندر سیپیوں کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں پر موتی موتی کسے کسے سپی کے اندر ہوتا ہے۔ اب اگر تجھ کو پتہ ہو کہ موتی کس سیپی میں ہے تو کیا تم صرف اس لیے پیچھے ہٹ جاؤ گے کہ رستے میں — دو چار مگر مچھوں وغیرہ کے ملنے کا اندیشہ ہے۔

نیاز: یہ بات نہیں ہے میاں جی۔ مَیں تو اس لیے کہہ رہا تھا کہ ہم عزت دار لوگ ہیں معاشرے میں ہمارا ایک مقام ہے۔ اگر خدانخواستہ........

حشمت: کچھ نہیں ہوتا خدانخواستہ۔ اینویں وہموں میں نہ پڑیا کر پتر نیاز علی اوئے مجھ کو کیا لینا ہے اس دولت سے۔ مَیں یہ سب تمہارے لیے ہی تو کر رہا ہوں۔

نیاز: ہمارے پاس کیا نہیں ہے میاں جی پھر...

(یعقوب اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتا ہے)

نیاز: اچھا ٹھیک ہے۔ جیسے آپ کی مرضی۔

حشمت: میرے خیال میں ہمیں اُن سے پہلے ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی میں پہنچ جانا چاہیئے (آواز دے کر) اوئے بخشو۔

انور: بخشو اور مہنگے کو تو آپ نے حیات محمد کے گھر کی نگرانی کے لیے بھیجا ہوا ہے میاں جی۔ کیا کہنا تھا اُنہیں۔

حشمت: حُقّہ تازہ کروانا تھا اُس تمباکو کے پُتر سے۔ کسی اَور کو بلوا باہر سے۔

سین نمبر ۲

(جیپ کا سین۔ دلاور۔ مولا داد۔ یار محمد۔ تاجا۔ مختلف سڑکوں سے گزرتے ہیں دلاور اور مولا داد کے چہرے سے پریشانی کے آثار نمایاں ہیں تاجا اور یار محمد بے فکر انداز میں بیٹھے ہیں دلاور اور مولا داد آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے سے کچھ اشارے کرتے ہیں جیسے یار محمد اَور تاجے کی موجودگی سے پریشان ہوں۔ مولا داد اشارے سے کہتا ہے کہ مَیں کچھ انتظام کرتا ہوں۔

مولا داد: ذرا جیپ روکیں شہزادے۔

دلاور: (بریک لگاتے ہوئے) کیا بات ہے؟

مولا داد: واردات سے پہلے مَیں پان ضرور کھایا کرتا ہوں، اس کو ٹُوٹنا سمجھ لے میرا۔ اوئے تاجے۔

تاجا: جی اُستاد۔

مولا داد: ذرا سامنی دکان سے چار پان تو پکڑ۔ الائچی، سپاری، سونف والے۔

(جیب سے اسے کچھ پیسے نکال کے دیتا ہے)

تاجا: پیسے ہیں میرے پاس اُستاد۔

مولا داد: اوئے رکھ لے بینک دولتِ پاکستان دے پُتر۔

(تاجا پیسے پکڑ کر کہیں نکالتے ہوئے جاتا ہے مولا داد اُسے سڑک کراس کرتے ہوئے دیکھتا ہے)

مولاداد: یار محمد۔

یار محمد: جی بھائی مولاداد۔

مولاداد: ذرا بھاگ کے جا اور اُس کو کہنا کہ ایک پان میں ذرا خوشبو دی ڈلوالے۔ اور اپنے سامنے تازہ پتے لگوانا۔ کہیں دُکاندار تاجے کی شکل دیکھ کے اُسی کی طرح کے پان نہ لگادے۔

(ہنستا ہے یار محمد بھی ہنستا ہے جیپ سے اُتر کر جاتا ہے مولاداد کی ہنسی رُکتی ہے دلاور کی طرف دیکھے بغیر آہستہ آواز میں کہتا ہے۔

مولاداد: یہ تو بڑا غلط کام ہوگیا ہے دلاور۔

دلاور: (سامنے دیکھتے ہوئے) فکر نہ کر۔ مَیں نے شیر محمد صاحب کی بیٹی کو بڑی سختی سے تاکید کر دی تھی کہ وہ دو ایک دن اپنے بیٹے کو لے کر کہیں اور چلی جائے۔ مجھے یقین ہے اُس نے میرے کہنے پر عمل کیا ہوگا۔

مولاداد: پرجے — یہ جو دو کیکڑے چھوڑ دیئے ہیں نا وھڈے چوہدری صاحب تے ہمارے ساتھ۔ ان کی وجہ سے بڑا مسئلہ ہوگیا ہے۔

دلاور: تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو۔ جب وہاں کوئی ہوگا ہی نہیں تو —

سین نمبر ۳

ذکیہ کا گھر، فرخ، ذکیہ

فرخ: آپ بے وجہ پریشان ہو رہی ہیں امّی۔ یہ کوئی جنگل نہیں شہر ہے۔ قدم قدم پر قانون کے ادارے شہریوں کی حفاظت کے لیے موجود ہیں۔

ذکیہ: تم نہیں سمجھتے فرخ۔ وہ لوگ بہت ظالم ہیں۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔

فرخ: لگتا ہے امّی آپ کو مولاداد اور دلاور نے کچھ زیادہ ہی ڈرا دیا ہے۔ مَیں نے سال تک کالج میں این سی سی کی ٹریننگ لی ہے امّی۔ اگر کسی نے ہمارے گھر کی طرف میلی آنکھ سے دیکھا تو مَیں — تو مَیں اُسکی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔

ذکیہ: تم ہمیشہ محاورہ غلط استعمال کرتے ہو۔

فرخ: (شرمندہ ہو کر مسکراتے ہوئے) اوہو۔ ایک تو مَیں آپ کے اس استانی پن سے بہت تنگ ہوں۔

ذکیہ: بائی دی وے۔ یہ اُستانی پن کیا ہوتا ہے۔

فرخ: اُستانی پن — وہ — میرا مطلب ہے کہ —

سین نمبر ۴

(دلاور ایک مکان کے نیچے جیپ روکتا ہے۔ مکان کی روشنیاں جل رہی ہیں سوالیہ نظروں سے وہ مولاداد کو دیکھتا ہے۔ مولاداد کندھے جھٹکتا ہے کہ مجبوری ہے دونوں جیپ میں سے اُترتے ہیں)

مولاداد : تاجے -

تاجا : جی اُستاد

مولاداد : تم جیپ کے پاس رہو اور یار محمد تم دروازے کی نگرانی کرو۔ کوئی ایسی ویسی بات ہو تو فوراً اندر ہمیں اطلاع دینا۔

یار محمد : بہت اچھا جی -

مولاداد : آؤ شہزادے -

(دلاور اور مولاداد ، یار محمد پیچھے پیچھے ہے ایک دروازے پر دستک دیتے دیتے مولاداد رُکتا ہے مُڑ کر یار محمد کی طرف دیکھتا ہے -)

مولاداد : میں نے تجھے باہر کے دروازے کی نگرانی کے لیے کہا تھا شہزادے (غصے سے) میری بات دھیان سے ایک دفعہ سُن لیا کر۔

یار محمد : (خوفزدہ انداز میں کھسکتے ہوئے) اچھا اچھا۔ ٹھیک ہے بھائی مولاداد (جاتا ہے)

دلاور : اب کیا کریں -

مولاداد : اب کچھ نہیں ہو سکتا شہزادے۔ اللہ کا نام لے کے لوہا کھٹکا۔ یہاں ہمارا زیادہ دیر کھلونا مناسب نہیں - اندر چل کے کچھ دماغ لڑاتے ہیں -

(دلاور دستک دیتا ہے - چند لمحوں بعد ذکیہ دروزاہ کھولتی ہے۔ تھوڑا سا جھانک کر دیکھتی ہے مطمئن ہو کر پُورا دروازہ کھولتی ہے مولاداد جلدی سے اندر آ کر دروازہ بند کرتا ہے - ذکیہ کے منہ سے نکلتے ہوئے استقبالیہ کلمے رُک جاتے ہیں حیرت سے ان کی طرف دیکھتی ہے)

ذکیہ : کیا بات ہے ؟

مولاداد : (تیز لیکن دبی ہوئی آواز میں) دلاور نے آپ کو کہا تھا نا بی بی کہ آپ کچھ دن اس گھر سے دُور رہیں (ذکیہ اثبات میں سر ہلاتی ہے) پھر کیوں آئی ہو تم یہاں -

ذکیہ : میں — وہ — فرخ — کہہ رہا تھا -

مولاداد : تم لوگوں کو اندازہ نہیں ہے کہ تم کتنی بڑی مشکل میں پھنسے ہوئے ہو۔ مجھے تو تمہارا یہ بُتر بڑا ہی بے وقوف قسم کا شہزادہ لگتا ہے (ذکیہ کا موڈ ایک دم خراب ہو جاتا ہے)

دلاور : بُرا نہ مانیئے بہن جی - مولاداد کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم نے آپ کو منع کیا تھا تو آپکو کیا ضرورت تھی اتنی جلدی واپس آنے کی - اب دیکھیئے نا - ہم آپکو اُٹھانے آئے ہیں (ذکیہ حیرت سے دیکھتی ہے) میرا مطلب ہے کہ ہمیں بھیجا اس غرض سے گیا ہے کہ ہم آپ اور فرخ کو اغوا کر کے لے آئیں - حشمت خاں کے آدمی باہر دروازے پر کھڑے ہیں اب آپ ہی بتایئے ہم کیسے آپ کو یہاں سے نکالیں -

ذکیہ : تم — مگر — بیٹا — تم تو —

مولاداد : یہ دیکھا تم کو ہم کو کرنے کا نہیں ہے بی بی ---- اس مکان کا کوئی ایسا دروازہ ہے جو پیچھے کی طرف کھلتا ہو ....

(ذکیہ نفی میں سر ہلاتی ہے۔ مولاداد قدرے جھلائے ہوئے انداز میں دلاور سے)

ہن بول شہزادے ۔

دلاور : غصہ نہیں کرو بھائی مولاداد .... جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا .... اب تو سوال یہ ہے کہ انہیں اور فرخ کو یہاں سے نکالا کیسے جائے ۔ فرخ کہاں ہے ۔

ذکیہ : اپنے کمرے میں ہے ۔

دلاور : بلائیے ذرا اسے بھی ۔

ذکیہ : اچھا .....

(دروازے کی طرف جا کر آواز دیتی ہے)

فرخ ..... فرخ بیٹے ۔

دلاور : اب سوچنا یہ ہے کہ ان لوگوں کو تاجے اور یار محمد کی نظر میں لائے بغیر نکالا کیسے جائے ۔

مولاداد : (سوچتے ہوئے) میرے خیال میں تو چھت پر سے انہیں ہمسایوں کی طرف اُتار دیتے ہیں جہاں سے یہ آسانی سے نکل سکیں گے ۔

فرخ : (آتے ہوئے) جی امی

ذکیہ : اندر آؤ بیٹا یہ .... تم سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں ۔

فرخ : (ہاتھ ملاتے ہوئے مسکراتا ہے) السلام علیکم ۔ دلاور صاحب آپ اس وقت ۔

مولاداد : میرا نام مولاداد ہے شہزادے ۔ دلاور یہ ہے ۔

فرخ : کمال ہے ۔ پتہ نہیں کیوں میں ہر بار بھول جاتا ہوں ۔

دلاور : تمہیں اپنی امی کو لیکر فوراً یہاں سے نکلنا ہے فرخ ۔

فرخ : کیوں ؟

دلاور : اس لیے کہ حشمت خاں کے آدمی باہر دروازے پر کھڑے ہیں تم ایسے کرو ...... کوٹھے کی دیوار کتنی اونچی ہے تمہاری ......

فرخ : دیوار ...... کوئی خاص اونچی نہیں ۔ آٹھ فٹ ہو گی ۔

سین نمبر ۵

(یعقوب اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا ہے ۔ پریشانی میں کچھ بڑبڑاتا ہے نبیدہ پریشان سی اس کی طرف دیکھتی ہے یعقوب فون کے نزدیک رکتا ہے اٹھاتا ہے پھر کچھ سوچ کر واپس رکھ دیتا ہے)

زبیدہ : کیا سوچ رہے ہیں ؟

یعقوب : بہت گڑبڑ ہوگئی ہے زبیدہ ---- میرا سارا حساب چوپٹ ہوگیا ہے ۔ پتہ نہیں یہ کم بخت شیر محمد بیچ میں کہاں سے آن ٹپکا ہے ---- اب اگر میاں جی کو پتہ چل گیا کہ ذکیہ بھابی غلام علی کی ...... نہیں زبیدہ ان سے اس راز کو ہر قیمت پر چھپانا ہوگا ۔

زبیدہ : مگر آپ خود ہی تو کہہ رہے تھے کہ آپ میاں جی کو یہ بتانے والے ہیں ۔

یعقوب : اس وقت صورتِ حال کچھ اور تھی زبیدہ ---- سارے کارڈ میرے ہاتھ میں تھے مگر اب ...... اس موقع پر یہ انکشاف بنے بنائے کھیل کو بگاڑ سکتا ہے ۔

زبیدہ : اب کیا ہو سکتا ہے ۔ مجھے تو ڈر ہے کہیں میاں جی ذکیہ بھابی کو کوئی نقصان ---- میری سمجھ میں تو یہ نہیں آتا کہ اتنی دولت ہونے کے باوجود آپ سب ----

یعقوب : دولت چلغوزوں کی طرح ہوتی ہے زبیدہ ۔ سامنے پڑے ہوں تو ہاتھ خواہ مخواہ اُن کی طرف اُٹھتا ہے ---- آدمی بے مقصد بھی انہیں چھیلتا رہتا ہے ۔ کھاتا رہتا ہے ۔ چلغوزوں کی طرح دولت سے بھی آدمی کا پیٹ نہیں بھرتا ۔

زبیدہ : آپ میاں جی کو خود ہی کیوں نہیں بتا دیتے ہو سکتا ہے اس طرح ---- میرا مطلب ہے شاید وہ ۔

یعقوب : نہیں زبیدہ نہیں ۔ اُن پر شیر محمد کو پکڑنے کی دُھن سوار ہے ۔ اس وقت وہ اور کوئی بات نہیں سنیں گے ...... سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں ، اتنے برسوں کی محنت کے بعد مَیں نے ذکیہ بھابی کا اعتماد حاصل کیا ہے ۔ اب اگر ...... ابھی تک فرخ کا معاملہ بھی طے نہیں ہوا ----

(پریشانی کے عالم میں مٹھیاں بھینچتا ہے)

زبیدہ : اُدھر شکیلہ انور کی صورت دیکھنے کی روادار نہیں ذرا ذرا سی بات پر رُو پڑتی ہے ۔

یعقوب : اُسے تسلی دو زبیدہ ۔ سمجھاؤ اسے ۔ کچھ بھی ہو جائے مَیں انور سے اُس کی شادی نہیں کروں گا چاہے اس کے لیے مجھے ......

(فیصلہ کُن انداز میں سر ہلاتا ہے)

اُسے بتاؤ وہ بالکل فکر نہ کرے ۔

زبیدہ : اگر آپ مناسب سمجھیں تو اُسے کچھ دنوں کے لیے کراچی ، باجی کے پاس نہ بھجوا دیں ۔

یعقوب : نہیں میاں جی آج کل بہت غصے میں ہیں ۔ کچھ پتہ نہیں اُن کی ذہنی رَو کس وقت کس طرف بہک جائے ۔ اس مسئلے کو بالکل چھیڑ ہی نہ کرو ۔ اچھا مَیں چلتا ہوں ۔ وہ لوگ پہنچنے ہی والے ہوں گے ۔

زبیدہ : آپ کی وہاں موجودگی سے تو ذکیہ بھابی اور زیادہ بدگمان ہو جائیں گی ۔

یعقوب : لیکن میرا وہاں ہونا بہت ضروری ہے ۔ ہو سکتا ہے کوئی ایسا سلسلہ بن جائے کہ ..... اگر مجھے پتہ ہوتا کہ شیر محمد ذکیہ بھابی کا والد ہے تو مَیں میاں جی کو اس کی ہوا بھی نہ لگنے دیتا اسقدر سنسنی خیز تھا یہ انکشاف کہ

میری سمجھ میں ہی کچھ نہیں آیا۔ ورنہ میں کم ازکم مولاداد ہی کو سمجھا دیتا کہ۔۔۔۔ خیر۔ اچھا دعا کرو اللہ بہتر کرے۔

(جاتا ہے زبیدہ کا کلوز جو سخت پریشان ہے)

سین نمبر ۶

(انور کا گھر۔ حشمت۔ انور۔ مولاداد نیاز اور دلاور)

حشمت: اوئے یہ کیا طوطا مینا کی کہانی سُنا رہا ہے مولاداد۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ گھر کا دروازہ بھی کھلا ہو لائٹیں بھی جل رہی ہوں اور بندے غائب ہوں۔

مولاداد: ہم تو خود حیران تھے چوہدری جی۔ پر۔۔۔۔۔ میں تاجے کو وہیں چھوڑ آیا ہوں جی اگر وہ لوگ آگئے تو وہ فوراً ہمیں اطلاع دیگا۔

حشمت: "پھر اگر"۔۔۔۔ مجھے زہر لگتے ہیں یہ اگر والے فقرے اوئے پُتر انور تُو تو کہتا تھا یہ مولاداد بڑے کام کا آدمی ہے۔

انور: وہ بتا تو رہا ہے میاں جی کہ وہاں کوئی تھا ہی نہیں۔

دلاور: یہ بھی تو ممکن ہے چوہدری صاحب کہ۔۔۔ ان لوگوں کو کسی طرح پتہ چل گیا ہو کہ۔۔۔۔

حشمت: نہ۔۔۔۔ کس طرح پتہ چل گیا ہو — کالا علم ہے ان کے پاس۔ فال کڈھوائی تھی انہوں نے۔ اوئے دلاورا تُو تو بڑا سمجھدار تھا۔ شہر میں آکر تیرا دماغ بھی کھوچل ہو گیا ہے۔

دلاور: میرا کہنے کا مطلب تھا چوہدری جی کہ ہو سکتا ہے وہ آدمی۔۔۔۔ شیر محمد۔۔۔ وہاں پہنچ گیا ہو اور۔۔۔

حشمت: او نہیں نہیں — نہیں دلاورا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ شیر محمد کو تو علم ہی نہیں کہ اس کی دھی زندہ ہے اور فیر تُو بھی تو نگرانی کر رہا تھا اس کے گھر کی۔۔۔۔ کر رہا تھا کہ نہیں؟

(گھبرا کر)

دلاور: میں تو ایسے ہی ایک شبے کا اظہار کر رہا تھا جی۔۔۔

حشمت: کدی کدی مجھکو لگتا ہے دلاورا تو ضرور کالجوں کا پڑھا ہوا ہے۔ اوئے یہ ہر بات میں شک شبے کا اظہار ہمیشہ تعلیم یافتہ آدمی کرتا ہے۔ کیوں پُتر نیاز علی۔

نیاز: (جملے کی کاٹ کو سمجھتے ہوئے حشمت کی طرف دیکھتا ہے غصے میں کچھ کہنے لگتا ہے پھر سر جھکا لیتا ہے) اپنے اپنے سوچنے کی بات ہے میاں جی۔ پڑھے لکھے تو آپ بھی ہیں اور انور بھی۔

انور: پر ہم نے تعلیم کو تمہاری طرح گوڈوں میں نہیں بیٹھنے دیا بھا نیاز۔ سارے امتحان ڈیسک پر چاقو گڈھ کے دیئے ہیں میں نے۔ سُپرنٹنڈنٹ کی جرأت نہیں ہوتی تھی میرے قریب سے گذرنے کی۔

نیاز: اسی لیے تعلیم نے تمہارا کچھ بگاڑا نہیں۔

انور: تمہارے ماتھے پر جو چاند ستارے لگے ہوئے ہیں وہ بھی نظر آ رہے ہیں مجھے۔۔۔۔

حشمت: (دونوں کو گھورتے ہوئے) بندے کے پُتر بنو دونوں۔ اوئے کیا ہو گیا ہے تم کو۔۔۔ ہر ویلے بھیڑی رَن

کی طرح لڑتے ہی رہتے ہو ایک دوسرے سے ۔

نیاز : مَیں نے آپ سے پہلے بھی کہا ہے میاں جی مجھے انور کی یہ بدتمیزی بالکل پسند نہیں۔

حشمت : (اس کا کندھا تھپکتے ہوئے) انور تیرا ٹکّا بھرا ہے۔ پُتر نیاز علی.... بچہ ہے ابھی۔اس کی بات کا بُرا نہ مانا کر..... اوئے مولاداد۔

مولاداد جی چوہدری جی۔

حشمت : تم دونوں جاؤ۔ پتہ کرو کہ شیر محمد کی دھی کہاں ہو سکتی ہے۔ کتھے جا سکتی ہے۔ اُس کی سُو لگاؤ کسی طرح ۔ اوئے دلاورا تیری عقل کیا کہتی ہے؟

دلاور : مَیں نے تو عرض کیا ہے چوہدری جی ۔ ہو سکتا ہے یہ میرا وہم ہی ہو.... لیکن اگر ان باپ بیٹی کی ملاقات ہو گئی اور شیر محمد پولیس کے پاس پہنچ گیا تو آپ..... آپ کی پوزیشن خطرے میں پڑ جائے گی...... آپ کو اپنا کچھ....

حشمت : (اور زور سے ہنستا ہے) مَیں نے کچی گولیاں نہیں کھیڈیں دلاورا.... شیر محمد میرے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ کس نے دیکھا ہے اس کو میری قید میں؟ تُو جانتا ہے شیر محمد کو؟

دلاور : (اس کے سوال کی خباثت کو سمجھتے ہوئے) نہیں چوہدری جی.... کون آدمی ہے یہ!

حشمت : (مسکراتا ہے) اگر اُس نے میرے خلاف بیان دیا تو مَیں اُس کے خلاف ہتکِ عزت کا ایسا دعویٰ دائر کروں گا کہ اس کا جینا حرام ہو جائیگا..... اگر مَیں نے اُسے پاگل ثابت نہ کرایا تو میرا نام بھی حشمت خاں نہیں۔

(چاروں طرف دیکھتا ہے)

یعقوب : السلام علیکم!

حشمت : آ پُتر یعقوب ۔ بہت دیر لگا دی تم نے۔

یعقوب : بس میاں جی وہ ایک دو فون آ گئے تھے بہت ضروری — وہ لوگ کدھر ہیں۔

حشمت : حالاں تیکر پکڑے نہیں گئے وہ.....

(دلاور اور مولاداد سے)

تم جاؤ جوانو۔ اوئے اگر تم نے اُس کڑی کو پکڑ لیا تو مالا مال کر دوں گا۔ موتیوں سے منہ بھر دونگا، تمہارے.... جاؤ شاوا۔

(دونوں جاتے ہیں۔ یعقوب جیسے مولاداد کو آواز دیتے دیتے رُک جاتا ہے ایک دو قدم دروازے کی طرف بڑھتا ہے)

تم کہاں جا رہے ہو پُتر یعقوب۔

یعقوب : مَیں..... مَیں میاں جی وہ .... چابی لگی رہ گئی ہے گاڑی میں .... آج کل چوریاں بہت ہو رہی ہیں میاں..... مَیں ایک منٹ میں آیا۔

(جاتا ہے)

حشمت: تیری فلم تیار ہو گئی ہے پُتر انور۔

انور: مَیں نے بتایا تھا نا آپ کو میاں جی۔۔۔۔ وہ تو ابھی شروع بھی نہیں ہوئی۔

حشمت: اچھا۔ حالاں تیکر شروع نہیں ہوئی۔ کب ہو گی۔

انور: ابھی دو تین مہینے لگیں گے جی۔

حشمت: دو تن مہینے ابھی اُس کے شروع ہونے میں لگیں گے تے مُکے گی کب۔۔۔۔

انور: سات آٹھ مہینے لگ جائیں گے جی۔

حشمت: (گنتے ہوئے) اتنی دیر میں تو دو فصلیں ہو جاتی ہیں پُتر۔ یہ کس کام میں پڑ گیا ہے۔

سین نمبر ۷

(مولا داد اور یعقوب پورچ میں کھڑے باتیں کر رہے ہیں۔ دلاور کچھ فاصلے پر کھڑا ہے)

یعقوب: کچھ بھی ہو جائے مولا داد کوشش کرنا کہ ذکیہ بھابی اور فرخ۔ میرا مطلب ہے وہ عورت اور اس کا بیٹا میاں جی کے ہاتھ نہ لگیں۔

مولا داد: (حیرت سے) پر چوہدری جی وہ۔۔۔۔۔

یعقوب: مَیں جو کہہ رہا ہوں تمہیں۔

مولا داد: (کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں) اچھا جی جو حکم پر۔۔۔۔۔۔

یعقوب: مگر اس کا پتہ نہ چلے کسی کو۔ خاص طور پر دلاور کا خیال رکھنا۔ یہ بہت قریب ہو گیا ہے میاں جی کے۔

مولا داد: دلاور میرا یار ہے چوہدری جی۔ پر جے آپ کہتے ہیں تو اس کو بھی نہیں بتاؤں گا۔ پر جی اگر وہ عورت اور اس کا پُتر ہمارے ہتھ لگ گئے تو مَیں کیا کہوں اُن کو۔۔۔۔

یعقوب: کچھ کہہ دینا مگر۔۔۔۔

(پریشانی میں ہاتھ ملتا ہے جیسے کچھ سمجھ میں نہ آ رہا ہو)

تم نے۔۔۔۔۔ فیکٹری دیکھی ہے میری۔

مولا داد: ہاں جی۔۔۔۔ اس دن آپ کے ساتھ ہی تو گیا تھا وہاں۔

یعقوب: وہ نہیں۔ اُدھر جو ملتان روڈ پر بنوا رہا ہوں۔

مولا داد: وہ بھی دیکھی ہے جی۔

یعقوب: انہیں وہیں لے آنا۔ پوچھیں تو کہنا مَیں نے کہا تھا۔ بہت ضروری بات ہے۔ مجھے فون کر دینا مَیں پہنچ جاؤں گا۔

مولا داد: میرے ساتھ چوہدری صاحب کے آدمی بھی ہیں۔ چوہدری۔ یہ کم بڑا مشکل ہے۔ جان پر کھیڈن والی بات ہے۔

یعقوب: فکر نہ کرو۔۔۔۔ میں تمہیں اتنا انعام دوں گا تم خوش ہو جاؤ گے۔۔۔۔ اب جاؤ شاباش۔۔

(تیزی سے مڑ کر اندر جاتا ہے مولا داد چند لمحے کچھ سوچتا ہے مسکراتا ہے دلاور اُس کے پاس آتا ہے)

دلاور: کیا کہہ رہا تھا چوہدری یعقوب۔

مولا داد: ہر بندہ اپنی اپنی مار پہ لگا ہوا ہے شہزادے۔۔۔۔ اج لگتا ہے جیویں اک ہرن کے پچھے بہت سارے کتے لگے ہوئے ہیں۔۔۔۔ ہم رچھوں کے گھیرے میں آگئے ہیں شہزادے۔۔۔۔ جس وقت بھی اُنکا دھیان ہماری طرف ہو گیا۔۔۔۔ ہم نے لٹنے جانا ہے۔۔۔۔

دلاور: گھبراؤ نہیں بھائی مولا داد۔۔۔۔ صرف آج رات کی بات ہے۔۔۔۔ ایک دفعہ شیر محمد صاحب کی ملاقات ایس پی سے ہو جائے۔۔۔۔ پھر سب ٹھیک ہو جائیگا۔

مولا داد: تم نے وڈھے چوہدری صاحب کی بات نہیں سنی تھی۔

دلاور: سُنی تھی۔۔۔ لیکن اُنہیں شاید علم نہیں کہ شیر محمد صاحب کے بیان کو جھٹلانا اتنا آسان نہیں ہو گا۔۔۔۔ جتنا وہ سمجھ رہے ہیں؟

مولا داد: تو کیا تم۔۔۔۔ تم گواہی دو گے اُن کے خلاف، نہیں شہزادے!؟

دلاور: (اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکراتا ہے) آؤ۔

سین نمبر ۹

(تھانے دار کا کرہ۔ رشید ماسٹر گاؤں کے دو تین آدمی۔ پتر تھانیدار والد تھانیدار)

تھانیدار: آپ بجا فرماتے ہیں قبلہ۔۔ مگر ہماری ڈیوٹی تو لا اینڈ آرڈر کو MAINTAIN کرنا ہے اس کا نفاذ کرنا ہے۔۔۔۔ ہم وہی کرتے ہیں جو ہمیں اوپر سے حکم ملتا ہے۔

رشید: مگر آپ یہ تو کر سکتے ہیں نا انسپکٹر صاحب کہ جب تک کسی پر جرم ثابت نہیں ہو جاتا۔ عدالت اُسے مجرم قرار نہیں دے دیتی اُس وقت تک آپ لوگ بھی اُسے۔۔۔۔ میرا مطلب ہے مار پیٹ نہ کریں۔

تھانیدار: اِس کے لیے ہم ریمانڈ لیتے ہیں جی۔۔۔۔ جسمانی ریمانڈ کے بغیر ہم کسی کو کچھ بھی نہیں کرتے آپ کے آدمی بلوائے ہیں میں نے۔۔۔۔ پوچھ لیں اُن سے۔۔۔۔ ریمانڈ لینے سے پہلے ہم نے انہیں کچھ کہا ہو تو میں قصوروار ہوں۔

ماسٹر: مگر بیٹا۔۔۔۔ مار پیٹ کے بغیر نہیں سمجھا سکتے تم لوگ۔

تھانیدار: نہیں سمجھتے۔۔۔۔ یہ لوگ نہیں سمجھتے قبلہ۔۔۔۔ اِن میں سے اکثر تو ایسے ہیں جو ہمارے مستقل مہمان ہیں۔۔۔۔ جاتے ہیں پھر آجاتے ہیں۔۔۔۔ پھر جاتے ہیں پھر آجاتے ہیں۔۔۔۔ گھروں سے زیادہ عرصہ حوالات اور جیل میں گذارتے ہیں۔۔۔ بڑا بڑا ڈھیٹ ہوتا ہے جی ان میں۔۔۔۔ سوا پچاس لیٹر تو پانی میں گھول کر پی جاتے ہیں۔

(فضل کریم اور ایک دیہاتی سپاہیوں کے ساتھ آتے ہی ماسٹر اور رشید وغیرہ کے

گلے لگ کے رونا شروع کر دیتے ہیں ماسٹر علم دین وغیرہ انہیں تسلی دیتے ہیں تھانیدار ایک سپاہی کو مخاطب کرتا ہے۔)

کرسیاں اور لاؤ بھئی ...... ہاں تو میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ بیشتر مجرم ڈنڈے کے علاوہ کوئی دوسری زبان نہیں سمجھتے۔

رشید: مگر انسپکٹر صاحب ...... یہ لوگ تو بے چارے معصوم دیہاتی ہیں ...... انہیں تو درغلا کر اس مظاہر میں لایا گیا تھا ...... ان کے ساتھ تو آپ کو ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیئے تھا۔

انسپکٹر: آپ نہیں سمجھے میری بات ...... ہم بھی انسان ہیں ...... ہمیں بھی احساس ہے ان باتوں کا ...... لوگ ہمیں ظالم سمجھتے ہیں پر وہ ہماری مجبوری نہیں سمجھتے ...... اگر ہم کسی چور سے آپ جناب کر کے بات کریں گے تو وہ چوری کبھی نہیں قبولے گا ...... ایک دفعہ ہم نے ہفتہ خوش اخلاقی منایا تھا ...... پورے ہفتے میں ایک بھی مجرم نے اقرار جرم نہیں کیا ...... جی ...... آپ روزنامچہ دیکھ سکتے ہیں میرا ......

ماسٹر: چلیں بیٹا رشید۔

رشید: جی ماسٹر جی ...... اچھا انسپکٹر صاحب۔ شکریہ۔

انسپکٹر: اگر مجھ سے یا میرے عملے سے کوئی زیادتی ہو گئی ہو تو میں آپ سے معافی مانگتا ہوں ...... پر آپ لوگوں کو بھی چاہیئے کہ ہماری مجبوریاں سمجھنے کی کوشش کریں۔

ماسٹر: کبھی سکندر پور تشریف لائیں تو ہمیں خدمت کا موقع دیجئے گا ......

انسپکٹر: س۔ س۔ سکندر پور ...... (تھوک نگلتے ہوئے) چوہدری حشمت خان والا ......

ماسٹر: جی ہاں ...... آپ جانتے ہیں چوہدری صاحب کو۔

انسپکٹر: ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس نہیں ہے ...... خدا حافظ ...... عبدالکریم ...... ایک گلاس دینا۔

(سب لوگ جاتے ہیں انسپکٹر ماتھے سے پسینہ پونچھتا ہے پانی پیتا ہے)

سین نمبر ۹

(شیر محمد مولا داد کے کمرے میں لیٹا ہے دروازے پر آہٹ کی آواز سے ایک دم آنکھیں کھولتا ہے چونک کر اٹھتا ہے دروازہ کھلتا ہے دلاور اور مولا داد اندر آتے ہیں مولا داد جلدی سے دروازہ بند کرتا ہے)

دلاور: السلام علیکم!

شیر محمد: (قدرے گھبرائے ہوئے انداز میں) وعلیکم السلام ...... بہت دیر کر دی تم لوگوں نے۔

مولا داد: پینڈا ہی کچھ لمبا پڑ گیا تھا بزرگو ...... کچھ کھایا پیا ہے۔

شیر محمد: میری تو بھوک ہی اڑ گئی ہے۔ بہت پریشان تھا میں۔

دلاور : کیوں ؟

شیر محمد : حشمت خان آیا تھا۔

مولاداد۔ دلاور : حشمت خان۔ یہاں ؟ ؟

شیر محمد : مَیں نے دروازے کے باہر اُس کی آواز سنی تھی ۔۔۔۔ کسی سے کہہ رہا تھا کہ پتہ نہیں کس عورت کو اس کمرے میں رکھنا ۔۔۔۔ یہ سب سے الگ تھلگ ہے۔

دلاور : اوہ ۔۔۔۔

شیر محمد : وہ یہاں کیسے پہنچ گیا۔

مولاداد : یہ اُس کے بیٹے چوہدری یعقوب کی کوٹھی ہے۔ اور آج کل یہاں اس کا پوترا چوہدری انور رہتا ہے۔

شیر محمد : اور۔ اس کے باوجود تم نے مجھے یہاں چھپایا ہوا ہے۔

مولاداد : وہ ایس لئی بزرگو ۔۔۔۔ کہ اس وقت پورے شہر میں آپ کے لیے اِس سے محفوظ جگہ نہیں ہے ۔۔۔ اس کی طرف کسی کا دھیان بھی نہیں جا سکتا۔

دلاور : آپ کو اس لیے نہیں بتایا تھا کہ آپ خوامخواہ پریشان ہوں گے۔

شیر محمد : مگر بیٹا ۔۔۔ یہ تو ۔۔۔۔ یہ تو بہت رِسک والی بات ہے۔ ۔۔۔

مولاداد : اور کوئی چارہ نہیں تھا بزرگو ۔۔۔۔

دلاور : مگر بھائی مولاداد ۔۔۔ اگر یہ کوٹھری چوہدری حشمت کی نظر میں آگئی ہے تو شیر محمد صاحب کا یہاں رہنا واقعی بہت خطرناک ہے۔

مولاداد : تُو ٹھیک کہتا ہے شہزادے ۔۔۔۔ پر اب کیا کیا جا سکتا ہے ؟ اب تو چند گھنٹوں کی بات ہے ۔۔۔ ۔۔۔ اللہ نے چاہا تو یہ بھی گذر جائیں گے ۔۔۔۔

دلاور : نہیں بھائی مولاداد ۔۔۔۔ ایسا نہ ہو کہ عین منزل پہ پہنچ کر بازی ہمارے ہاتھ سے نکل جائے ۔۔۔۔ چوہدری صاحب آج یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں ۔۔۔ دن کی روشنی میں شیر محمد صاحب کو یہاں سے نکالنا بہت مشکل ہو جائیگا۔

مولاداد : (سوچتے ہوئے) سوال یا، یا کے پریشان نہ کیا کر شہزادے ۔۔۔ تیری کیا رائے ہے۔

دلاور : میرے خیال میں تو شیر محمد صاحب کو اسی وقت کسی محفوظ جگہ پر لے جانا چاہیئے۔

مولاداد : مثلاً

دلاور : مثلاً ۔۔۔۔ مثلاً ۔۔۔۔ کہاں جایا جا سکتا ہے ؟

مولاداد : (سوچتے ہوئے) ایک آئیڈیا آیا ہے میرے ذہن میں شہزادے (دلاور اس کی طرف دیکھتا ہے) ان کو اُس قوم کے سرمائے کے گھر لے جاتے ہیں۔

دلاور : قوم کا سرمایہ ؟ مَیں سمجھا نہیں۔

مولاداد: ایک سنگر ہے محمد سلیم ..... شہر میں روز گار لبھنے آیا ہوا ہے ..... بڑی دید کرتا ہے میری ..... سٹوڈیو کے سامنے ایک کوٹھری میں ڈیرا لایا ہوا ہے اُس نے ..... (مسکراتا ہے) شہزادہ سمجھتا ہے کہ کسے دن اس کی آواز سٹوڈیو والوں کو کھیچ کے اس کے پاس لے آئے گی ..... آؤ میرے نال۔

شیر محمد: مگر بیٹا ..... وہ

مولاداد: ان کو سمجھا شہزادے .....

دلاور: مولا داد ٹھیک کہہ رہا ہے شیر محمد صاحب ..... احتیاط اچھی ہوتی ہے۔

شیر محمد: اچھا بھئی چلو ..... اب کیا ہو سکتا ہے۔

سین نمبر ۱۰

(نیاز بیڈ روم میں ایک کرسی پر بیٹھا ہے صغراں سو رہی ہے نیاز کے چہرے سے گہری کشمکش کے آثار نمایاں ہے صغراں کروٹ بدلتی ہے آنکھیں کھول کر ساتھ والے خالی بستر کی طرف دیکھتی ہے چہرے پر حیرت کے تاثرات ایک دم اُٹھ کر بیٹھتی ہے مُڑ کر دیکھتی ہے نیاز اُسے ایک نظر دیکھ کر آنکھیں جھکا لیتا ہے سوچنے لگتا ہے صغراں چند لمحے اس کی طرف دیکھتی ہے گھڑی کی طرف دیکھتی ہے دو بج رہے ہیں۔

صغراں: کیا بات ہے ..... آپ سوئے نہیں۔

نیاز: نیند نہیں آ رہی — تم سو جاؤ۔

صغراں: بستر میں لیٹیں گے تو نیند بھی آئے گی .....

نیاز: (دونوں ہاتھوں سے سر دباتے ہوئے) تم سو جاؤ نا۔

صغراں: (بستر سے نکل کر قریب آتی ہے) سر میں درد ہے؟

نیاز: میرا سارا وجود پھوڑے کی طرح پک رہا ہے صغراں ..... کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں!!

صغراں: آپ کے خاندان میں مسائل کو عورتوں سے SHARE کرنا مردوں کی شولری کے خلاف ہے اس لیے میں یہ بھی نہیں پوچھ سکتی کہ آپ کس وجہ سے پریشان ہیں؟

نیاز: طنز نہ کرو صغراں ..... کبھی تو مجھ سے میری بیوی بن کے بات کیا کرو۔

صغراں: بیویوں کا رواج تو غریب لوگوں میں ہوتا ہے چوہدری نیاز صاحب ..... آپ تو سکندر پور کے جاگیر دار ہیں ..... ہزاروں مزارعوں کے آدم زادوں کے اَن داتا ہیں .....

نیاز: پلیز صغراں ..... مجھے اور پریشان نہ کرو ..... کاش میں ایک غریب چرواہا ہوتا ..... کسی پہاڑی کے دامن میں میری ایک چھوٹی سی جھونپڑی ہوتی اور بس .....

صغراں: بہت CHEAP قسم کا ROMANTICISM ہے یہ چوہدری صاحب ..... یہ آپ نہیں بول رہے آپ کا گلٹ GUILT بول رہا ہے۔

نیاز: یہ تم ہر وقت جلی بھنی کیوں رہتی ہو ۔۔۔۔ کبھی تو انسانوں کی طرح ہنس کے بات کر لیا کرو۔

صغراں: انسانوں کی طرح بات انسانوں سے کی جاتی ہے نیاز صاحب ۔۔۔ آپ تو انسانوں سے بہت بلند بہت اونچے ہیں ۔۔۔ اور رہی ہنسنے کی بات تو وہ تو جس دن میں بیاہ کر حویلی میں لائی گئی تھی اُس دن سے ختم ہو چکی ہے ۔۔۔۔ آپ نے کس دن مجھے بیوی سمجھا ہے جو مجھ سے بیوی نہ بننے کی شکایت کر رہے ہیں۔

نیاز: (بے چینی سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے) تم - تم کیا چاہتی ہو ۔۔۔۔ کیا نہیں دیا میں نے تمہیں کس چیز کی کمی ہے تمہیں ۔۔۔۔ اگر تم نے شادی سے پہلے اُلٹے سیدھے خواب دیکھے تھے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر کیسے عائد ہوتی ہے ۔۔۔۔ اگر میں نے تمہاری آزادی پر پہرے بٹھائے ہیں اور بقول تمہارے تمہاری شخصیت کو کچل دیا ہے تو تم نے مجھے کون سا سکھ دیا ہے ۔۔۔ کس دن مجھے سمجھنے کی کوشش کی ہے ۔ ہر وقت شکوہ جواب شکوہ بنی رہتی ہو ۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے یہ شادی تمہاری پسند سے ہوئی تھی۔

صغراں: ہاں ۔ لیکن اُس وقت مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اتنا پڑھنے لکھنے کے بعد بھی آپ میں اور میاں جی میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

نیاز: خدا کے لیے صغراں ۔۔۔ مجھے پریشان نہ کرو ۔۔۔۔ کیا تمہارا باپ تمہارے چاچے مامے تمہارے سارے خاندان کے مرد ۔۔۔ مجھ سے ، میاں جی سے مختلف ہیں ۔ سکندر پور میں کون سی انوکھی بات ہے جو تمہارے گاؤں میں نہیں۔

صغراں: یہی تو رونا ہے نیاز صاحب ۔۔۔۔ آپ کو جب میں نے پہلی مرتبہ یونیورسٹی میں دیکھا تھا تو مجھے یوں لگا تھا جیسے شاید ۔۔۔ شاید میری زندگی میری ماں کی زندگی سے مختلف ہوگی ۔۔۔۔ آپ اُس زمانے میں بہت مختلف تھے نیاز صاحب ۔ شاید آپ کو یاد نہیں رہا ۔ آپ ستار بہت اچھا بجاتے تھے ۔۔۔۔ پرندوں سے آپ کو پیار تھا ۔۔۔ اور ۔۔۔ اور ۔۔۔۔

(آواز بھرا جاتی ہے)

نیاز: ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے صغراں (محبت سے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہے) مجھے احساس ہے کہ میں تمہیں وہ توجہ نہیں دے سکا جو مجھے دینی چاہیئے تھی ، لیکن میں مجبور تھا ۔۔۔۔ میں مجبور ہوں صغراں ۔۔۔۔ میرے ارد گرد بھی ایک جال ہے ۔۔۔۔ میرے خاندان کا ۔۔۔ اس کی روایات کا ۔۔۔۔ ہم سب کسی نہ کسی جال کے قیدی ہیں صغراں ۔۔۔۔ ہم چاہیں بھی تو اس کو توڑ نہیں سکتے۔

صغراں: شاید آپ ٹھیک کہتے ہیں نیاز صاحب ۔۔۔ لیکن میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی - آپ مردوں کو اس طرح زندہ رہنے میں کیا مزا آتا ہے ۔۔۔ ساری زندگی آپ کن لوگوں کے لیے یہ بھیس بدل رکھتے ہیں۔

نیاز: یہ بھیس نہیں ہے صغراں - اسی EXISTANCE میں ہماری LIFESTYLE ہے۔

صغراں: تو پھر رہیئے نیاز صاحب ۔۔۔ کون روک رہا ہے آپ کو ۔۔۔۔ راتوں کو جاگ جاگ کے کس لیے نیندیں حرام کر رہے ہیں آپ؟

نیاز: میں انور کی وجہ سے پریشان ہوں صغراں ۔۔۔ وہ بہت بدتمیز ہو گیا ہے ۔۔۔۔ اُس کی آنکھ میں مجھ

سے بات کرتے ہوئے ایک شعلہ سا چمکتا ہے ..... جیسے جیسے وہ میرا ٹھٹھا اُڑا رہا ہے .... دل ہی دل میں ہنس رہا ہو مجھ پر .... ایسی چمک صرف قاتلوں کی آنکھ میں ہوتی ہے صغراں ۔

صغراں: قتل تو آپ لوگوں کا مشغلہ ہے ۔ نیاز صاحب ..... مجھے تو حیرت ہے آپ اس شوق سے کس طرح محروم ہیں ۔ آپ نے غور نہیں کیا میاں جی ایک آسیب کی طرح انور کی شخصیت میں داخل ہو رہے ہیں .... سکندر پور کا آئندہ جاگیر دار انور ہو گا نیاز صاحب .... میری یہ بات یاد رکھیئے گا ۔

نیاز: نہیں نہیں میری زندگی میں یہ نہیں ہو سکتا ۔

صغراں: آپ نے بالکل ٹھیک کہا ہے ۔ نیاز صاحب ۔ آپ کی زندگی میں واقعی یہ ممکن نہیں ہے .... لیکن ..... آپ کی زندگی بھی تو ....

(معنی خیز نظروں سے اسکی طرف دیکھتی ہے)

نیاز: اس سے پہلے کہ اُس کا ہاتھ میری طرف بڑھے مَیں اسے ختم کر دُونگا ۔

صغراں: یہ کام آپ سے نہیں ہو گا نیاز صاحب ... انور کے اندر کا حیوان آپ سے کہیں زیادہ پھُرتیلا اور بے رحم ہے ۔

نیاز: مَیں اُسے ایسا نہیں کرنے دوں گا ....

(فیصلہ کن انداز میں گھورتا ہے)

سین نمبر ۱۱

(صبح کا وقت ..... سلیم سو رہا ہے ۔ شیر محمد بستر پر بیٹھا ہے کھانستا ہے)

شیر محمد: اے بھائی صاحب ... مَیں نے کہا بھائی صاحب (اُٹھ کر سلیم کو بُلاتا ہے) مَیں نے کہا برخوردار ۔

(سلیم انگڑائی لیکر اُس کی طرف دیکھتا ہے)

سلیم: جی فرمایئے ۔

شیر محمد: کہاں کوئی منہ ہاتھ دھونے کا انتظام ہے ؟

سلیم: یہ ساتھ گلی کی نکڑ پر کارپوریشن کا نلکہ ہے .... صابن اور تولیہ وہ پڑے ہیں ۔

شیر محمد: اُٹھو گے نہیں .... نو بج رہے ہیں ۔

سلیم: مَیں نے کون سا دفتر جانا ہے جناب .... روز کی طرح سٹوڈیو کا چکر لگانا ہے سو وہ کسی وقت بھی لگ سکتا ہے ۔

شیر محمد: اچھا ۔

(صابن تولیہ اُٹھا کر جاتا ہے سلیم باجا گھسیٹ کر اپنے سامنے رکھتا ہے کسی راگ کا الاپ کرتا ہے)

سین نمبر ۱۲

(کارپوریشن کے نلکے پر شیر محمد تولیے سے منہ پونچھ رہا ہے جمیل سکوٹر پر اُدھر سے گزرتا ہے
ایکدم بریک مارتا ہے حیرت سے اُس کی طرف دیکھتا ہے شیر محمد اُس سے بے خبر آہستہ
آہستہ چلتا ہوا سلیم کے کوارٹر میں داخل ہوتا ہے جمیل چند لمحے کچھ سوچتا ہے پھر سکوٹر
موڑ کر واپس چل پڑتا ہے)

سین نمبر ۱۳

(OUT DOOR سیمیں فرخ۔ دونوں سنجیدہ ہیں)

فرخ : امی کے خوف کی ایک وجہ ہے سیمیں... لیکن مَیں کسی سے نہیں ڈرتا.... مَیں یہ معلوم کر کے رہوں گا کہ چوہدری حشمت کی میرے نانا ابا سے کیا دشمنی ہے اور کیوں وہ اُن کی جان کا دشمن بنا ہوا ہے۔

سیمیں : مگر فرخ... تم خود ہی تو بتا رہے تھے کہ وہ لوگ پکّے بدمعاش اور خونی ہیں۔ تم اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے......

فرخ : (ضد کے انداز میں) کیوں نہیں کر سکتا؟

سیمیں : ضد نہیں کرو فرخ۔ مَیں نے سُنا ہے یہ جاگیردار قسم کے لوگ بڑے ظالم ہوتے ہیں دن دہاڑے بندہ غائب کرا دیتے ہیں.... تم ان کے مُنہ نہ لگو۔

فرخ : اس کے بغیر چارہ نہیں ہے سیمیں۔ دلاور صاحب بتا رہے کہ چوہدری حشمت نانا ابا کی جان کا دشمن ہے اُسے جس وقت بھی موقع ملا وہ انہیں قتل کرا دیگا.....

سیمیں : ایسے ہی.... مذاق ہے کوئی.... کمال کرتے ہو تم بھی.....

فرخ : نانا ابا نے پچیس سالوں میں بہت ظلم سہے ہیں سیمیں.... اب میں انہیں مزید کسی امتحان میں نہیں پڑنے دوں گا اُنہیں میری مدد کی ضرورت ہے سیمیں۔

سیمیں : لیکن تم اُن کی کیا مدد کر سکتے ہو..... تم تو ابھی اُن سے ملے بھی نہیں۔

فرخ : دلاور صاحب نے پکّا وعدہ کیا ہے کہ وہ آج شام تک انہیں ضرور ہم سے ملوا دیں گے، لیکن مَیں چاہتا ہوں اس سے پہلے پہلے یہ پتہ کر لوں کہ اُن کا مسئلہ کیا ہے؟

سیمیں : میرے خیال میں تو یہی بہتر ہے کہ تم اپنی امی کا کہا مانو اور خواہ مخواہ جیمز بانڈ بننے کی کوشش نہ کرو۔

فرخ : تم دیکھو تو سہی۔ مَیں صُورت سے جتنا بے وقوف لگتا ہوں اتنا ہوں نہیں۔

سیمیں : وہم ہے تمہارا۔

(دونوں ہنستے ہیں)

☆

سین نمبر ۱۴

(یعقوب کا گھر۔ گھنٹی کی آواز۔ شکیلہ اندر سے آتی ہے دروازہ کھولتی ہے دروازے پر فرخ کھڑا مسکراتا ہے)

فرخ : ہیلو۔

شکیلہ : ہیلو۔۔۔۔ کیسے ہیں فرخ بھائی۔

فرخ : فائن۔ تم کیسی ہو۔۔۔۔ سنا ہے آج کل گاؤں سے تمہارے عزیز آئے ہوئے ہیں۔

شکیلہ : جی ہاں۔ میاں جی، نیاز بھائی اور بھابی آئے ہوئے ہیں۔

فرخ : کہاں ہیں سب لوگ۔۔۔۔

شکیلہ : نیاز بھائی اور بھابی تو اپنے کمرے میں ہیں۔ میاں جی رات سے انور کی طرف گئے ہوئے ہیں۔

فرخ : اوہ۔۔۔۔ بڑی تعریف سنی ہے تمہارے میاں جی کی۔۔۔۔ سنا ہے بڑے رعب دار ہیں۔

شکیلہ : بہت زیادہ۔۔۔ اس عمر میں بھی اتنے سمارٹ ہیں کہ آپ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔

(یعقوب دروازہ کھول کر تیزی سے آتا ہے۔ بے دھیانی سے زبیدہ کو آواز دیتا ہے)

یعقوب : زبیدہ۔۔۔۔ (نظر ایکدم فرخ پر پڑتی ہے سخت گھبرا جاتا ہے) فرخ تم۔

فرخ : (مسکراتے ہوئے) السلام علیکم چچا جان۔

یعقوب : (سخت پریشانی میں) تم یہاں کیوں آئے ہو (فرخ کا REACTEIN) میرا مطلب ہے تمہیں اس وقت یہاں نہیں آنا چاہیئے تھا۔۔۔۔ شکیلہ بیٹی۔

شکیلہ : جی ابو۔

یعقوب : تم فرخ کو اپنے کمرے میں لے جاؤ اور جب تک میں نہ کہوں اسے باہر نہیں آنے دینا۔ کوشش کرنا کہ کسی کی نظر اس پر نہ پڑے۔

فرخ : مگر چچا جان۔۔۔

یعقوب : (اُسے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے) باقی بات میں تمہیں پھر سمجھاؤں گا (دروازے کی طرف دیکھتا ہے) وہ لوگ آ رہے ہیں۔ تم جاؤ شاباش۔

(فرخ حیرت زدہ سا جاتا ہے یعقوب رومال سے پسینہ پونچھتا ہے یعقوب، انور آتے ہیں)

حشمت : رہن دے پتر رہن دے۔۔۔۔ مجھ سے نہیں کھائی جاتی تمہاری یہ ڈبل روٹی۔۔۔ میں نے اپنا ناشتہ تیار کر لیا تھا۔۔۔ تو بس حقہ تازہ کروا دے۔

یعقوب : اچھا جی (آواز دیتے ہوئے) بالے۔۔۔۔ اوئے بالے۔

حشمت : دلاور اور مولاداد نہیں آئے ابھی تک۔

یعقوب: نہیں جی۔ (نوکر آتا ہے) میاں جی کا حقہ تازہ کر.....

حشمت : بندے کے پتروں کی طرح تازہ کرنا.... نہیں تے سارے کوئلے تیری جیب پر رکھ دوں گا۔ (نوکر خوفزدگی کے انداز میں پیچھے کی طرف ہٹتا ہے) اوئے تیرے شہر میں تو کوئلے بھی کم کے نہیں ملتے یعقوب..... دو چار درخت کیکر کے کیوں نہیں لگوا لیتا باغ میں.... وقت بے وقت کم آتے ہیں۔

یعقوب: اب لگوا لوں گا جی۔ (گھنٹی کی آواز) دیکھو کون ہے)

(بالا دروازے کی طرف جاتا ہے)

حشمت : ہاں تو میں کیا بات کر رہا تھا پتر انور۔

انور : آپ بتا رہے تھے میاں جی کہ ریچھ کے ہمیشہ سر میں گولی مارنی چاہیئے۔

حشمت : وہ ایس لئی پتر کہ اس کی کھال بہت سخت ہوتی ہے پستول کی گولی تو بعض اوقات اس پر اثر ہی نہیں کرتی۔ اس کے لیے رائفل یا اٹھتی (۳۸) بور کا ریوالور استعمال کرنا چاہیئے۔

(بالا آتا ہے)

بالا : کوئی آپ کا ملنے والا ہے جی۔

یعقوب: کیا نام ہے ؟

بالا : نام تو اس نے نہیں بتایا جی.... کہتا ہے بہت ضروری کام ہے... داوا جوان سا آدمی ہے سوٹڈ بوٹڈ۔

یعقوب: اچھا اسے باہر والے کمرے میں بٹھاؤ میں ابھی آتا ہوں۔

(بالا جاتا ہے)

سین نمبر ۱۵

(جمیل دیوار کی طرف منہ کئے کھڑا ہے دروازے پر کھڑے بالے کی آواز سے چونک کر مڑتا ہے)

بالا : صاحب کہتے ہیں آپ تشریف رکھیں۔

(جمیل مڑ کر اس کی طرف دیکھتا ہے چہرے سے بے تابی اور پریشانی کے آثار نمایاں ہیں)

قسط نمبر ۱۸

سین نمبر ۱

(ایپی سوڈ نمبر ۱۷ کا آخری سین نوکر جمیل سے کہتا ہے کہ صاحب ابھی آتے ہیں)

جمیل : (چند لمحے بے چینی سے ٹہلتا ہے) دیکھو انہیں بتاؤ کہ میرے پاس ایک بہت ضروری اطلاع ہے اُن کے لیے۔ اُن سے کہنا کہ شیر محمد کے بارے میں بات کرنی ہے۔

بالا : کس کے بارے میں جی۔

جمیل : تم صرف شیر محمد کا نام لے دینا باقی بات وہ خود سمجھ جائیں گے۔

سین نمبر ۲

(یعقوب کا ڈرائینگ روم)

حشمت : مَیں نے زندگی میں کبھی کسی سے شکست نہیں کھائی پُتر یعقوب۔ اور اُس کی صرف اکو وجہ ہے کہ مَیں قبر کی کندھوں تک دشمن کا پیچھا کرتا ہوں اور جس وقت وہ میرے ٹیٹلے چڑھتا ہے مَیں اس پر ایسے حملہ کرتا ہوں جیسے چیتا جھپٹتا ہے۔ شیر محمد اس پوری کائنات میں پہلا آدمی ہے جو میرے کلاوے سے نکل گیا ہے پر مَیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔

(نیاز علی آتا ہے چہرے سے شب بیداری کے آثار نمایاں ہیں)

حشمت : کیا بات ہے پُتر نیاز علی۔ شہر آ کر تجھ کو نیندر بہت آنے لگی ہے۔

نیاز : کچھ نہیں میاں جی۔ سر میں درد ہے رات سے۔

حشمت : تیری تو آنکھیں بھی لال ہو رہی ہیں۔ اوئے بہتا سوچیا نہ کر پُتر اوئے۔ سوچنے سے آدمی کی عمر گھٹتی ہے۔

بالا : (یعقوب کے پاس آ کر ادب سے) صاحب جی وہ آدمی کہتا ہے کوئی بہت ضروری کام ہے کوئی اطلاع ہے آپ کے لیے۔

یعقوب: (چند لمحے کچھ سوچ کر اٹھتا ہے) میں ابھی حاضر ہوا میاں جی۔

(یعقوب دروازے پر یار محمد سے ٹکرانے لگتا ہے یعقوب جاتا ہے یار محمد کمرے میں آتا ہے)

یار محمد: سلام علیکم چوہدری جی

انور: کیا بات ہے؟

یار محمد: وہ ۔ اُس عورت کا پتہ مل گیا ہے جی۔ ذکیہ بی بی کا۔

حشمت: کہاں ہے وہ۔

یار محمد: وہ ہیڈ ماسٹرانی ہے جی خاتون گرلز ہائی سکول کی، سکول میں ہے جی اس وقت۔

انور: تم نے دیکھا اُسے؟

یار محمد: ہاں جی۔ میں نے اُس کے ہمسایوں سے پتہ لیا تھا جی اس کا۔ میں سدھا سکول سے ہی آ رہا ہوں۔

انور: شاباش (جذباتی انداز میں) میاں جی۔ یار محمد کی بات سُنی ہے آپ نے۔

حشمت: سُنی ہے پُتر۔ پر سکول میں تو اُس کو پکڑنا بہت مشکل ہوگا۔ وہ تیرا مولا داد کدھر ہے۔

انور: پتہ نہیں صبح سے کہیں گیا ہوا ہے۔

حشمت: نوکر کو اتنی ڈھل نہیں دینی چاہیئے پُتر انور اب اس وقت اگر وہ ہوتا تو ـــ

انور: میں خود جاتا ہوں میاں جی۔ میں اُسے اس طرح سکول سے نکال کر لاؤں گا جیسے صابن میں سے بال گزرتا ہے۔

نیاز: میاں جی ٹھیک کہہ رہے ہیں انور۔ اوّل تو میں اس کام کے حق میں نہیں ہوں۔ اور اگر یہ کرنا ہی ہے تو تم مت جاؤ۔

حشمت: میں یعقوب سے کہتا ہوں وہ کر دیگا کچھ انتظام۔

انور: آپ خود ہی تو کہا کرتے ہیں میاں جی کہ سمندر کی گہرائی کا اندازہ کنارے پہ بیٹھ کے لہریں گننے سے نہیں چلتا۔

حشمت: (ہنستے ہوئے) اوئے تو بڑا شیطان ہوگیا ہے انور اوئے مجھ پر میرے ہی ہتھیاروں سے حملہ کر رہا ہے۔

انور: (مُسکراتا ہے) تو پھر میں جاؤں میاں جی۔

حشمت: جا پُتر رب راکھا۔ اپنی کوٹھی پر لے کر جانا اُسے۔

انور: اچھا میاں جی۔ یار محمد۔

یار محمد: جی چوہدری صاحب۔

انور: آ میرے ساتھ۔

پ

سین نمبر ۳
(جمیل۔ یعقوب)

جمیل: (چہرے پر مایوسی کے آثار) تو۔آ۔آپ کو شیر محمد کے بارے میں کسی اطلاع کی ضرورت نہیں ہے۔ چاچا حیات محمد تو بتا رہا تھا کہ ---

یعقوب: (چہرے سے سخت کشیدگی کے آثار نمایاں ہیں اپنی بے چینی چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ کمرے کے سامنے سے مولا داد گزرتا ہے۔ جو اس کی آواز سن کر رک جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ادھر ادھر دیکھتا ہے دروازے کے قریب آکر اس کی بات سنتا ہے) میں نے تمہیں بتایا ہے نا مسٹر مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ شیر محمد کون ہے اور کہاں رہتا ہے اور نہ ہی مجھے اس کی پرواہ ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ آپ جا سکتے ہیں۔

جمیل: (پریشانی میں) چاچا حیات محمد نے تو بتایا تھا کہ آپ لوگ اس کے لیے --- میرا مطلب ہے --- آپ --- شاید خاصی رقم دینے کے لیے تیار تھے۔

یعقوب: وہ پرانی بات ہے۔ آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔ خدا حافظ۔

(تیزی سے نکل جاتا ہے مولا داد چند لمحے کچھ سوچتا ہے۔ جمیل پریشان سا کمرے سے نکلنے لگتا ہے۔ مولا داد بڑھ کر اس کے سینے پر ہاتھ رکھتا ہے۔ اُسے واپس کمرے میں دھکیلتا ہے)

مولا داد: توں کون ہے شہزادے۔

(جمیل خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے)

سین نمبر ۴
(یعقوب کا ڈرائینگ روم)

حشمت: لے پتر یعقوب تیرا کام ہے کہ جس وقت انور شیر محمد کی دھی کو لے کر آجائے تو سارے اخباروں میں اس کی تصویر کڈھوا دے۔ پر خبر ایسی ہونی چاہیئے کہ شیر محمد کے ہوش اُڑ جائیں اس کو پتہ چل جائے کہ حشمت خان کا ہتھ اس کے گریبان تک پہنچ گیا ہے۔

یعقوب: (پریشانی چھپانے کی کوشش) ٹھیک ہے میاں جی اس کا انتظام ہو جائیگا۔ مگر انور۔ میرا مطلب ہے دن دہاڑے اتنے بڑے سکول سے ہیڈ مسٹرس کو اٹھانا۔ انور کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ اگر خدانخواستہ۔

حشمت: انور بڑا ہوشیار ہے یعقوب۔ بڑا جی دار ہے۔ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ وہ شیر محمد کی دھی کو ضرور قابو کرے گا۔

مولا داد: (آتے ہوئے) سلام چوہدری جی۔

حشمت: اوئے تو کہاں تھا مولا داد۔ گواچی گاں کی طرح کدھر پھرتے رہتے ہو تم لوگ۔

یعقوب: تم ایسے کرو مولا داد۔ انور خاتون گرلز کی ہیڈ مسٹرس ذکیہ خاتون --- ذکیہ خاتون سمجھتے ہو نا۔

(مولاداد سمجھنے کے انداز میں سر ہلاتا ہے) جو شیر محمد کی بیٹی ہے۔ وہ اُس کے سکول گیا ہے اُسے پکڑنے، تم اُس کے پیچھے جاؤ ہو سکتا ہے اُسے تمہاری مدد کی ضرورت پڑے۔

حشمت: نہیں۔ اب اس وقت جانا مناسب نہیں ہے تم کوٹھی پہنچو مولاداد۔ انور وہیں آئے گا۔ باقی بات وہیں ہو گی۔

مولاداد: (پریشانی میں) چوہدری انور — اُس بی بی — اُس عورت کو اغوا کرنے کے لیے گئے ہیں جی۔

حشمت: اغوا نہیں کرنے گیا ہے بے وقوف۔ اغوا تو جوان لڑکیوں کو کیا جاتا ہے۔ اُسے تو ہم نے شیر محمد کو اُس کھڈ سے نکالنے کے لیے پکڑا ہے۔ جس میں وہ مُنہ لُکا کے چھُپا ہوا ہے۔

(مولاداد کا کلوز۔ سخت پریشان ہے۔ یعقوب بھی پریشان ہے)

سین نمبر ۵

(شکیلہ کا کمرہ۔ شکیلہ خاموش بیٹھی ہے۔ فرخ بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا ہے)

فرخ: میری سمجھ میں نہیں آتا چچا یعقوب کیا کر رہے ہیں۔

شکیلہ: (پریشانی میں) سمجھ میں تو میری بھی نہیں آ رہا فرخ بھائی۔ مَیں نے ابّو کو کبھی اتنا گھبرایا ہوا نہیں دیکھا۔

فرخ: (گھڑی دیکھ کر) بہت دیر ہو گئی۔ مَیں چلتا ہوں۔ پھر آؤں گا کسی وقت۔

شکیلہ: آپ کی مرضی۔ مگر ابّو کہہ رہے تھے کہ — آپ اُن کے آنے تک رُکیں۔

فرخ: وہ تو ٹھیک ہے شکیلہ مگر اب — دیکھو نا ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا ہے۔ مجھے یہاں بیٹھے ہوئے۔

شکیلہ: مَیں نے کچھ نئے ریکارڈز منگوائے ہیں سُنیں گے۔

فرخ: نہیں بھئی۔ جب مَیں پریشان ہوتا ہوں تو مجھے موسیقی زہر لگتی ہے۔

شکیلہ: کوئی کتاب دیکھ لیں (ایک کتاب اُٹھا کر) سنگر کی شارٹ سٹوری ہیں میرے پاس A. FRIEND OF KAUFKA

فرخ: سنگر؟ یہ کون ہے؟

شکیلہ: آپ سنگر کو نہیں جانتے لٹریچر کا نوبل ملا ہے اسے اس سال۔

فرخ: (کتاب کو اُلٹتے پلٹتے ہوئے) کیسا لگتا ہے؟

شکیلہ: بہت اچھا ہے۔

فرخ: قرۃ العین۔ کرشن اور منٹو سے اچھا ہے؟

شکیلہ: مَیں نے ان کو پڑھا نہیں فرخ بھائی۔ دراصل میری اُردو کمزور ہے نا ذرا۔

فرخ: ہاں — وہ تو ہے۔ (کچھ سوچتے ہوئے) اچھا یہ بتاؤ۔ یہ جو تمہارے میاں جی ہیں کیسے آدمی ہیں۔

شکیلہ: بڑے سخت ہیں۔ اتنی موٹی موٹی آنکھیں ہیں اُن کی۔ مجھے تو بہت ڈر لگتا ہے اُن سے۔

فرخ: یہاں کیسے آئے ہوئے ہیں۔

شکیلہ : پتہ نہیں ویسے کچھ پریشان ہیں آج کل۔ ابو کہہ رہے تھے کہ۔

صغراں : (آتے ہوئے شکیلہ (فرخ کو دیکھکر ایک دم رُک جاتی ہے۔ چند لمحوں کی خاموشی)

شکیلہ : آیئے بھابی۔ بھابی یہ فرخ ہیں آنٹی ذکیہ کے بیٹے۔

فرخ : سلام علیکم۔

صغراں : وعلیکم السلام (اپنے آپ سے) آنٹی ذکیہ۔

فرخ : آپ شاید نہیں جانتیں میری امی کو۔ ہماری فیملیز بہت کلوز ہیں آپس میں۔

صغراں : خیر، وہ تو۔ اندازہ ہو رہا ہے مجھے۔

شکیلہ : (شرماتے ہوئے) آپ غلط سمجھ رہی ہیں بھابی۔ اُدھر ڈرائینگ روم میں شاید ابو اور میاں جی کچھ لوگوں سے باتیں کر رہے ہیں انہوں نے فرخ بھائی کو اندر بھجوا دیا ہے۔

صغراں : اوہ — اچھا۔ چائے بھجواؤں تم لوگوں کے لیے۔

فرخ : جی نہیں شکریہ۔ مَیں بس جا ہی رہا تھا شاید یعقوب چچا میرا اُن لوگوں کے سامنے آنا پسند نہیں کرتے۔ مَیں پچھلے دروازے سے چلا جاتا ہوں (باہر نکلتا ہے)

شکیلہ : (ساتھ چلتے ہوئے) ٹھیک ہے مَیں ابو کو بتا دوں گی۔

(دونوں جاتے ہیں۔ صغراں چند لمحے حیرت سے اُنہیں جاتے دیکھتی ہے)

سین نمبر ۶

(سلیم کا گھر۔ شیر محمد۔ دلاور۔ سلیم۔ شیر محمد بستر پر لیٹا لمبے لمبے سانس لے رہا ہے)

دلاور : طبیعت کچھ ٹھیک ہو گئی ہو تو چلیں۔

شیر محمد : (کراہتے ہوئے اُٹھتا ہے) ہاں — چلتے ہیں پتہ نہیں کیوں میرے سر میں اکثر درد رہنے لگا ہے۔ آنکھوں کے آگے ایسے جیسے دائرے سے بنتے رہتے ہیں۔

دلاور : اتنے برس تاریکی میں رہنے سے شاید — بیان والا کام نبٹ لے تو کسی آئی سپیشلسٹ سے ملیں گے۔ لیکن آپ گرے کیسے۔

شیر محمد : کچھ پتہ نہیں چلا۔ مُنہ ہاتھ دھو کر مَیں اندر کمرے میں آیا ہوں۔ تولیہ رکھنے کے لیے ہاتھ ایسے اُٹھایا ہے بس ایک چکّر سا آیا ہے یہ برخودار بتا رہا ہے کہ مَیں کوئی تین چار منٹ بے ہوش رہا ہوں۔

سلیم : میرے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے تھے جی۔

دلاور : (سلیم سے) تم ایسا کرو سلیم بھائی۔ کوئی رکشہ ٹیکسی یہیں دروازے پر لے آؤ۔ انہیں زیادہ چلنا نہیں چاہیئے۔

سلیم : (جاتے ہوئے) اچھا جی۔

شیر محمد : پتہ نہیں کیوں آج صبح سے میری آنکھ بار بار پھڑک رہی ہے۔

دلاور: (مسکراتے ہوئے تسلی دیتا ہے) آج آپ کا مشن پورا ہونیوالا ہے نا۔ اس لیے۔

شیر محمد: (دعا کے انداز میں) یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

سین نمبر ۷

(سکول کا آفس۔ ذکیہ کچھ کاغذات دیکھ رہی ہے۔ چپڑاسی کے ساتھ انور آتا ہے چہرے سے پریشانی کے آثار نمایاں ہیں ذکیہ گھور کر اُن کی طرف دیکھتی ہے۔

چپڑاسی: بیگم صاحب جی۔ یہ۔ یہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا تھا جی کہ میں اطلاع کرتا ہوں۔ پر۔

انور: (گھبرایا ہوا) معافی چاہتا ہوں محترمہ۔ آپ کا نام ذکیہ خاتون ہے نا۔

ذکیہ: جی ہاں۔ مگر آپ کو اس طرح ـــ

انور: آپ کے بیٹے کا نام فرخ ہے۔

ذکیہ: جی ہاں ـــ مگر میں۔

انور: (بات کاٹ کر) اُن کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔

ذکیہ: (شدید صدمے سے) کیا۔

انور: انہوں نے مجھ سے ریکویسٹ کی تھی کہ میں آپکو اطلاع دیدوں۔

ذکیہ: (آگے آکر) کہاں۔ کیا ہوا ہے میرے بچے کو۔ کہاں ہے وہ۔

انور: یو۔ سی۔ ایچ میں ہیں۔ میں وہاں اپنے ایک عزیز کو دیکھنے گیا تھا (مڑتے ہوئے) آپ فوراً وہاں پہنچیے۔ انہیں خاصی چوٹ آئی ہے۔

ذکیہ: سنیئے۔ وہ ـــ میں ـــ یو۔ سی۔ ایچ میں کہاں ہے وہ۔ میرا مطلب ہے۔

انور: ابھی تو ایمرجنسی میں ہیں ایپریشن کے بعد شاید میں ادھر ہی جا رہا ہوں اگر آپ چاہیں تو میرے ساتھ چل سکتی ہیں۔

ذکیہ: (جلدی جلدی بیگ اٹھاتے ہوئے آنسو پونچھتی ہے) آپ کا بہت بہت شکریہ بھائی صاحب ـــ جلدی چلیئے ـــ آئیے۔

سین نمبر ۸

(ایس پی کے پی اے کا کمرہ ... دلاور شیر محمد کو لے کر آتا ہے۔ پی اے کا منہ اسے دیکھتے ہی ایسا بن جاتا ہے جیسے کہہ رہا ہو کہ یہ مصیبت پھر آگئی)

دلاور: السلام علیکم!

پی اے: وعلیکم السلام!

دلاور: سعید صاحب تشریف رکھتے ہیں۔

پی اے: تشریف تو رکھتے ہیں مگر میٹنگ میں ہیں....

دلاور: دیکھیئے مجھے ایک انتہائی ضروری کام سے انہیں ملنا ہے ۔۔۔ آپ ان سے میری بات کرا دیجئے۔

پی اے: مَیں نے عرض کیا ہے بھائی صاحب ۔۔۔ وہ میٹنگ میں ہیں ۔۔۔ میٹنگ کا مطلب سمجھتے ہیں آپ ۔۔۔ (شیر محمد کی طرف اشارہ کر کے) یہ صاحب آپ کے ساتھ ہیں۔

دلاور: جی۔

پی اے: انہی کے سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں آپ؟

دلاور: (حیرت سے) جی ہاں ۔ کیوں؟

پی اے: آپ کیا لگتے ہیں ان کے؟

دلاور: (قدرے غصے سے) میں ان کا جو بھی ہوں ۔۔۔ آپ اتنی جرح کیوں کر رہے ہیں۔

پی اے: بندہ نواز ۔۔۔ ایس پی صاحب بہت مصروف آدمی ہیں ۔۔۔ اگر مَیں ہر آدمی کو منہ اُٹھا کر اُن کے پاس جانے دُوں ۔۔۔ تو وہ یہاں سے میری چھٹی کرا دیں گے ۔۔۔ گٹ آؤٹ کر دیں گے مجھے ۔۔۔ میری مانیئے تو آپ انہیں کسی پاگل خانے ۔۔۔ (سرگوشی کے انداز میں) میرا مطلب ہے کسی ڈاکٹر کو دکھائیں۔

دلاور: (غصے سے) کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ ۔۔۔ آپ مہربانی کر کے سعید صاحب سے میری بات کرا دیں ۔۔۔ میرا نام دلاور ہے ۔۔۔ مَیں احمد پور سے آیا ہوں، سعید صاحب میرے کلاس فیلو ہیں۔

پی اے: (ہچکچاہٹ کے انداز میں) وہ ۔۔۔ دراصل ۔۔۔ دیکھئے ۔۔۔

دلاور: پلیز ۔۔۔ آپ انہیں میرا نام تو بتائیے ۔۔۔

پی اے: (بزر دباتے ہوئے) اچھا ۔۔۔ سر ۔۔۔ جی سر یہ کوئی دلاور صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں (فون پر ہاتھ رکھ کر) کہاں سے آئے ہیں آپ۔

دلاور: احمد پور سے۔

پی اے: احمد پور سے آئے ہیں جی ۔۔۔ شاید آپ کے ساتھ پڑھتے تھے ۔۔۔ جی ۔۔۔ جی ۔۔۔ جی بہت اچھا (فون رکھتا ہے) صاحب کہتے ہیں آپ تشریف رکھیں وہ میٹنگ سے فارغ ہو کر آپ کو بلاتے ہیں۔

دلاور: (قدرے مایوسی سے) اچھا ۔۔۔

(کرسی پر بیٹھتا ہے)

پی اے: (اشارہ کرتے ہوئے) اِدھر بیٹھ جائیے ۔۔۔ وہاں کرسیاں بھی ہیں ۔۔۔

دلاور: شکریہ — آیئے شیر محمد صاحب۔

(دونوں اُٹھ کر ساتھ والے کمرے میں آتے ہیں شیر محمد بیٹھتا ہے ۔ دلاور بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلتا ہے۔

سین نمبر ۹

(یار محمد اور تاجا کار میں آگے بیٹھے ہیں انور اور ذکیہ پچھلی سیٹ پر ہیں ذکیہ کے چہرے

سے پریشانی نمایاں ہے انور دزدیدہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہا ہے۔)

سین نمبر ۱۰

(ایس پی آفس کا بیرونی حصّہ شیر محمد اور دلاور خاموش بیٹھے ہیں مولا داد تیز تیز چلتا ہوا دروازے میں آتا ہے ان کو دیکھ کر اطمینان بھرا سانس لیتا ہے)

مولا داد: تو تم یہاں ہو شہزادے۔

دلاور: (اُٹھتے ہوئے حیرت سے) مولا داد تم... آؤ۔

مولا داد: بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے شہزادے۔

دلاور: کیا ہوا؟

مولا داد: چوہدری انور اِن بزرگوں کی دھی کو اغوا کر کے لے گیا ہے...

(شیر محمد حیران ہو کر اُس کی طرف دیکھتا ہے)

دلاور: (شدید حیرت سے) کیا؟

مولا داد: میَں پیچھے گیا تھا شہزادے.... پر وہ ذکیہ بی بی کو سکول سے لیکر نکل چکا تھا۔

شیر محمد: ذکیہ میری بیٹی کو؟.... کیا کہہ رہے ہو تم۔ (دلاور پریشانی میں ہاتھ ملتا ہے)

مولا داد: (غم آلود لہجے میں) میں ٹھیک کہہ رہا ہوں بزرگو۔

شیر محمد: مگر میری ذکیہ تو.....

دلاور: آپ کی بیٹی زندہ ہے شیر محمد صاحب.... چوہدری حشمت سے آپ کو محفوظ رکھنے کے سلسلے میں الجھنیں ہی کچھ ایسی پڑی ہیں کہ میں کئی دفعہ آپ کو یہ خوش خبری دیتے دیتے رُک گیا.... مجھے ڈر تھا کہیں.... ذکیہ بی بی کو ہم نے آپ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے...

شیر محمد: میری ذکیہ..... میری بیٹی زندہ ہے.... یا الٰہی.... یہ مَیں کیا سُن رہا ہوں.... دلاور بیٹا.. ...کیا یہ واقعی سچ ہے.....

دلاور: جی ہاں شیر محمد صاحب۔ نہ صرف آپ کی بیٹی زندہ ہے بلکہ ان کا ایک جوان لڑکا ہے... فرخ یونیورسٹی میں پڑھتا ہے۔

شیر محمد: فرخ۔ میرا بیٹا.... میری ذکیہ کا بیٹا..... مجھے اُن کے پاس لے چلو بیٹا.....

مولا داد: کیسے لے چلیں..... بزرگو..... وہ تو اب چوہدری حشمت کے قبضے میں ہے۔

شیر محمد: مجھے حشمت کے پاس لے چلو.... مَیں کروں گا اُس سے بات..... ابھی میرے بازوؤں میں اتنی طاقت ہے کہ....

مولا داد: حشمت خاں سے مقابلہ آسان نہیں ہے بزرگو.... آپ کو سامنے لانے کے لیے ہی تو اُس نے یہ سارا ڈرامہ کیا ہے۔

شیر محمد: مجھے ایکدفعہ اپنی بیٹی کو دیکھ لینے دو۔ پھر چاہے حشمت خاں مجھے گولی مار دے۔

دلاور: تحمل سے کام لیجئے شیر محمد صاحب.... آپ تو بڑے حوصلے والے ہیں۔

شیر محمد: تمہیں نہیں پتہ دلاور بیٹی کیا ہوتی ہے.... میری ذکیہ.... میری مظلوم بیٹی نے میرے ہوتے ہوئے پچیس سالوں کی یتیمی کاٹی ہے بیٹا۔ مجھے اس کے پاس لے چلو۔

دلاور: اس وقت اس کے پاس جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم جانتے بوجھتے ہوئے چوہدری حشمت خاں کے جال میں پھنس جائیں...... نہیں شیر محمد صاحب ہمیں کوئی اور طریقہ سوچنا ہوگا۔

مولاداد: چوہدری حشمت نے ذکیہ بی بی کو اس لیے اٹھوایا ہے کہ وہ آپ کو بلیک میل کر سکے.... آپ کو اپنے خلاف بیان دینے سے روک سکے وہ بڑا زہری ہے بزرگو۔ کوبرا سپ ہے وہ....

دلاور: تمہیں پتہ ہے وہ ذکیہ بہن کو لیکر کہاں گئے ہیں۔

مولاداد: ہاں.... ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی میں۔

شیر محمد: (دروازے کی طرف جاتے ہوئے) آؤ ہم مل کے اُسے چھڑا لیں۔

مولاداد: (بازو سے پکڑ کر اُسے روکتا ہے) آرام سے شہنشاہ۔ آرام سے.... کیوں اپنے ساتھ ہمیں بھی کولہو گمان کرواتا ہے.... آپ کی دھی وہاں بالکل محفوظ ہے.... دو چار دس گھنٹے میں کوئی فرق نہیں پڑے گا.... آپ بیان لکھوا لو.... پھر کچھ سوچتے ہیں۔

دلاور: مولاداد ٹھیک کہہ رہا ہے شیر محمد صاحب۔ بیان لکھوانے کے بعد آپ کو قانون کی مدد حاصل ہو جائے گی پھر چوہدری حشمت آپ پر آسانی سے ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔

مولاداد: آپ بیان کے ساتھ ہی اس اغوا کی رپورٹ بھی درج کرا دیں۔

دلاور: چوہدری حشمت کو خبر ہونے سے پہلے پولیس وہاں پہنچ جائے گی۔

شیر محمد: نہیں بیٹا نہیں..... مجھے سوچنے دو..... میں حشمت خاں کو تم دونوں سے بہت زیادہ جانتا ہوں۔ ..... وہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہے..... وہ ان لوگوں میں سے ہے جو اپنا گھر بچانے کے لیے پورے شہر کو آگ لگا دیتے ہیں..... تم اُسے نہیں جانتے بیٹا....

(تین چار آدمی ایس پی کے کمرے سے نکل کر آتے ہیں)

پی اے: (دروازے میں آتے ہوئے) آیئے جی آپ۔

(تینوں ایکدوسرے کی طرف دیکھتے ہیں)

دلاور: آیئے..... اِس کے بعد سوچتے ہیں کچھ..... انشاء اللہ اللہ بہتر کریگا۔

(شیر محمد متذبذب انداز میں اُن کے پیچھے چلتا ہے)

سین نمبر ۱

دلاور کا کمرہ.... دروازے پر تاجا، یار محمد اور ایک آدمی کھڑے ہیں انور صوفے پر بیٹھا

سنگدلی سے مُسکرا رہا ہے ذکیہ دروازے سے نکلنے کی کوشش کر رہی ہے رستہ نہیں ملتا روتے اور غصّے کے درمیان بول رہی ہے)

انور : چپ کر کے اِدھر بیٹھ جا بی بی۔۔۔

ذکیہ : مجھے جانے دو۔۔۔۔ جانے دو مجھے۔۔۔۔ ہٹو آگے سے۔

انور : تم پڑھی لکھی ہوئی بی۔۔۔۔ سمجھ دار ہو۔۔۔۔ تمہیں اتنا پتہ نہیں کہ جب لوگ کسی کو اُٹھا کر لاتے ہیں تو اُن سے جانے کے لیے رستہ نہیں مانگا کرتے۔

ذکیہ : شرم کرو مَیں تمہاری ماں برابر ہوں۔

انور : (سنگدلی سے ہنستے ہوئے) میری ماں سکندر پور کی چودھرانی تھی بی بی۔۔۔۔ تمہاری طرح سکولوں میں بچے نہیں پڑھاتی تھی۔۔۔۔ اتنی سُکی سڑی نہیں تھی وہ۔۔۔۔ بیٹھ جا۔۔۔۔ آرام سے۔

(ذکیہ ایک دم چپ سی ہو جاتی ہے حیرت سے اُس کی طرف دیکھتی ہے)

ذکیہ : فرخ۔۔۔۔ کہاں ہے؟

انور : کون فرخ۔۔۔۔ ہم تو کسی فرخ کو نہیں جانتے۔۔۔۔

ذکیہ : تم۔۔۔۔ تم چودھری غلام علی کے بیٹے ہو۔

انور : (ہنستے ہوئے) کمال ہے مَیں تمہارے پُتر کو نہیں جانتا پر تم میرے باپ کو جانتی ہو۔۔۔۔ بڑا جنرل نالج ہے تمہارا۔

ذکیہ : تم۔۔۔۔ نیاز ہو؟

انور : (ہنستے ہوئے) یہ کام نیاز کے بس کا نہیں ہے بی بی۔

ذکیہ : تو۔۔۔۔ تم انور ہو۔۔۔۔

انور : (حیرت سے) تم کیسے جانتی ہو ہم لوگوں کو؟

ذکیہ : یہاں کس لیے لائے ہو مجھے۔

انور : تمہارے باپ اور میاں جی کا کچھ جھگڑا ہے آپس میں۔۔۔۔ تم سے ثالثی کرانی ہے۔۔۔۔

ذکیہ : (سوچتے ہوئے) ہُوں۔۔۔۔ تو اس لیے پکڑا ہے تم نے مجھے۔۔۔۔

سین نمبر ۱۲

(ایس پی کا کمرہ۔ ایس پی، دلاور، مولا داد، شبیر محمد)

ایس پی : (ہنستے ہوئے) بہر حال بہت خوشی ہوئی تمہیں اتنے برسوں کے بعد دیکھ کر۔۔۔ بہت کمزور ہو گئے ہو تم۔۔۔۔

دلاور : (افسردگی سے مسکراتے ہوئے) وقت بھی تو بہت گذر گیا ہے دوست۔۔۔۔

ایس پی : اچھا اب بتاؤ کیا معاملہ ہے۔۔۔۔

دلاور : یہ — شیر محمد صاحب ...... میرے بزرگ ہیں ..... ایک رپورٹ لکھوانا چاہتے ہیں۔

ایس پی : (حیرت سے) مجھے یاد پڑتا ہے تم نے ایف ای ایل میں ٹاپ کیا تھا۔

دلاور : ہاں - ہاں

ایس پی : بھائی میرے ..... رپورٹ تو تم کسی بھی تھانے میں لکھوا سکتے ہو ..... ٹھہرو ..... میں آدمی بھجواتا ہوں تمہارے ساتھ۔

(گھنٹی بجانے لگتا ہے دلاور اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہے)

دلاور : ایک منٹ ..... دراصل یہ رپورٹ نہیں ایک قسم کا بیان ہے ..... جو کسی ذمہ دار افسر کے سامنے ہی دیا جا سکتا ہے ..... شیر محمد صاحب ۵۲ سال تک۔

شیر محمد : (ٹوکتے ہوئے) میں بتاتا ہوں۔ (دلاور سے) مجھے ٹوکنا نہیں بیچ میں (رک رک کر بولنا شروع کرتا ہے) یہ سن ۴۷ء سنتالیس کی بات ہے ایس پی صاحب ..... میں سید پور کے جنگلات میں فارسٹ آفیسر تھا ... اُس زمانے میں سرکاری خزانے پر ایک بہت مشہور ڈاکا پڑا تھا ..... ڈاکوؤں نے جیپ کی محافظ گارد سمیت ڈرائیور کو ہلاک کر دیا تھا۔ اس جیپ میں سونے کی اینٹوں سے بھرے ہوئے چار صندوق تھے۔ (ایس پی ایک دم دلچسپی لینے کے انداز میں آگے کی طرف جھکتا ہے) لیکن کسی کو یہ نہیں معلوم مرنے سے پہلے ڈرائیور زخمی حالت میں جیپ بھگاتا ہوا میرے دفتر تک پہنچ گیا تھا ..... (دلاور اور مولا داد حیرت سے اُس کی طرف دیکھتے ہیں) اُس نے مرنے سے پہلے مجھے سونے اور ڈاکوؤں کے حملے کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا ..... میں اُس وقت وہاں اکیلا تھا (دلاور اور مولا داد پھر اُس کی طرف دیکھتے ہیں) اس لیے میں نے اس ڈر سے کہ ڈاکو کہیں یہاں بھی نہ پہنچ جائیں اُس سونے کو اپنے دفتر کے پیچھے ایک درخت کی جڑ میں دبا دیا۔

(ایس پی شدید حیرت اور دلچسپی سے اُس کی طرف متوجہ ہے شیر محمد کے چہرے پر کشمکش کے آثار نمایاں ہوتے ہیں جیسے وہ بات بنانے کے لیے مناسب لفظ ڈھونڈ رہا ہو)

اس کے بعد مجھے پتہ نہیں ..... پتہ نہیں مجھے کیا ہوا تھا ..... اب سے کچھ دن پہلے میری یادداشت واپس آئی تو میں نے اپنے آپ کو ایک فقیر کے روپ میں پایا ..... جب مجھے پتہ چلا کہ اس بات کو پچیس سال گذر چکے ہیں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ...

ایس پی : (حیرت سے) پچیس سال تک آپ کی یادداشت گم رہی۔

شیر محمد : (نظریں چراتے ہوئے) جی

دلاور : (حیرت اور پریشانی میں) مگر شیر محمد صاحب۔

شیر محمد : (ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے) مجھے بات کرنے دو بیٹا ..... اب آپ کے پاس میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ یہ دولت میرے وطن کے لوگوں کی امانت ہے ..... میں چاہتا ہوں آپ میرے ساتھ چل کر وہ صندوق

اپنے قبضے میں کریں اور انہیں حکومت کے خزانے میں جمع کرا دیں۔

ایس پی : وہ تو ٹھیک ہے.... مگر۔۔ (سوالیہ نظروں سے دلاور کی طرف دیکھتا ہے جیسے شیر محمد کی بات کی تصدیق چاہتا ہو) دلاور؟

دلاور : (گومگو کے انداز میں شیر محمد کی طرف دیکھتا ہے) سونا تو واقعی وہاں دفن ہے سعید.... مگر....

شیر محمد : میری خواہش تھی کہ آپ میرا یہ بیان درج کر لیتے۔

ایس پی : ہاں.... ضرور۔۔۔(فون کا بزر دباتا ہے) ذرا اندر آیئے (فون رکھتا ہے)

دلاور : میرا خیال تھا شیر محمد صاحب....

مولاداد : (دلاور کے بازو پر ہاتھ رکھتا ہے) شیر محمد صاحب.... ساری بات بتا دی ہے شہزادے.... تو ارمان سے بیٹھ۔

(دلاور بے چینی سے پہلو بدلتا ہے پی اے کاپی پنسل لیے آتا ہے)

ایس پی : لکھوایئے........

پی اے : یہاں دستخط کر دیجئے۔

(شیر محمد دستخط کرتا ہے)

ایس پی : آپ کی رہائش کہاں ہے۔

شیر محمد : میری بیٹی ہے ذکیہ..... ہیڈ مسٹرس ہے سکول میں..... اُسی کے پاس جاؤں گا.... وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہو گی.....

ایس پی : (رحم انگیز لہجے میں) تو آپ ابھی تک اُن سے نہیں ملے۔

شیر محمد : آپ جلدی سے جلدی سونے کو وہاں سے نکلوانے کا انتظام کیجئے....

ایس پی : میں آج ہی سارا بندوبست کرتا ہوں.... لیکن یہ معاملہ اتنا اہم ہے کہ مجھے چیف سیکرٹری صاحب سے بات کرنی ہو گی..... مجھے یقین ہے حکومت کی طرف سے آپ کو ضرور کوئی انعام دیا جائیگا۔

شیر محمد : میری قوم کی امانت اس تک پہنچ جائے.... یہی میرا سب سے بڑا انعام ہے....

ایس پی : آپ بہت بڑے آدمی ہیں شیر محمد صاحب۔ (اُٹھ کر سلام کرتا ہے) میں آپ کو سلوٹ کرتا ہوں۔

(شیر محمد سر جھکا کر غم زدہ انداز میں ہنستا ہے) آپ کی صاحبزادی کہاں رہتی ہیں۔

دلاور : میں بتاتا ہوں تمہیں..... سمن آباد میں.....

سین نمبر ۱۲

(OUT DOOR کسی باغ کا کوئی گوشہ شیر محمد بنچ پر بیٹھا ہے مولاداد گھاس پر بیٹھا ایک پتہ مسل رہا ہے دلاور بے چینی سے ادھر اُدھر چلتا ہے)

دلاور : میری سمجھ میں نہیں آتا.... آپ نے یہ سب کیوں کیا ہے پولیس کی مدد کے بغیر آپ حشمت خان

کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔

شیر محمد: مَیں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے بیٹا ...... اپنا اور حشمت خان کا حساب مَیں نے خدا پر چھوڑ دیا ہے وہ دلوں کے بھید جاننے والا ہے ...... وہ ضرور میرا انصاف کریگا ...

مولاداد: ایک تو ہم مسلمان ہر کام میں اللہ تعالیٰ کو بڑی تکلیف دیتے ہیں .... کچھ کام ہمیں خود بھی کرنا چاہیئے بزرگو ......

شیر محمد: جتنا میرے بس میں تھا بیٹا میں نے کر لیا ہے .... مَیں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں چاہتا ہوں چار دن اپنی بیٹی اور اپنے نواسے کی خوشیاں دیکھوں اُن کے قریب رہوں ...... وہ دونوں کتنے خوش ہونگے مجھ کو دیکھکر۔

دلاور: مگر شیر محمد صاحب ..... آپ کے اس رویے سے تو چودھری حشمت اور زیادہ شیر ہو جائیگا .....

شیر محمد: اُسے ہو لینے دو بیٹا .... مجھے اتنا پتہ ہے کہ اگر مَیں بیان میں اُس کا نام لے دیتا تو اُس نے میری بیٹی کو مجھ سے ہمیشہ کے لیے جُدا کر دینا تھا۔ تم اُسے نہیں جانتے بیٹا .... وہ بڑا کینہ پرور ہے۔

دلاور: لیکن اب ذکیہ بہن ..... اُنہیں کیسے چھڑائیں۔

مولاداد: ایک ترکیب ہے میرے ذہن میں شہزادے۔

دلاور: کیا؟

مولاداد: جو چال چودھری حشمت خان نے اِن بزرگوں کے ساتھ چلی ہے وہی اُس کے ساتھ چلی جائے۔

دلاور: کیا مطلب؟

مولاداد: مطلب یہ ہے کہ شہزادے ..... اگر شیر محمد صاحب کی طرف سے اُسے یہ پیغام پہنچے کہ .... یعنی کہ جے او ذکیہ بی بی کو چھڈ دے تو یہ اُس کے خلاف بیان نہیں دیں گے ..... تو .... کیا کرے گا چوہدری حشمت اِس صورتِ حال کے وِتکار۔

دلاور: (سوچتے ہوئے) بات تو تمہاری معقول ہے ... مگر ... آپ کا کیا خیال ہے شیر محمد صاحب۔

شیر محمد: کوشش کر دیکھنے میں کوئی ہرج نہیں ہے بیٹا ..... شاید۔

دلاور: مگر یہ پیغام اُس تک پہنچائے گا کون ....

مولاداد: اس کی تو فکر نہ کر شہزادے .... اس کا مَیں انتظام کر لوں گا ...

سین نمبر ۱۴

(انور کا کمرہ)

حشمت: (سخت غصے میں ہے) اوئے یہ کبھی نہیں ہو سکتا پُتر .... اُس کی دھی کو چھڈنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہمیشہ کے لیے اس دولت سے ہتھ دھو بیٹھیں ..... اوئے نہیں پُتر .... نہیں۔

یعقوب: مگر میاں جی ..... اس صورت میں اور ہو بھی کیا سکتا ہے .... کیوں نیاز۔

نیاز: آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں چاچا، جہاں تک اُس سونے کا تعلق ہے وہ تو ایک طرح سے شیر محمد کے

فرار کے ساتھ ہی آپ کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔۔اب اگر یہ مسئلہ اس طرح ختم ہو رہا ہے تو میرے خیال میں ہمیں اس موقعے سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔

حشمت : (جو نیاز کی طرف ناراضگی سے دیکھ رہا ہے) او تو کسی کالج میں پروفیسر کیوں نہیں لگ جاتا نیاز علی۔۔۔گل گل پہ لیکچر دینے لگتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔ اسے ۔۔۔۔ میرے خیال میں یوں ہے۔ تو میری رائے میں وُوں ہے کبھی کوئی میرے دل کی بات بھی کر دیا کر۔۔۔۔

نیاز : آپ کی مرضی ہے میاں جی ۔۔۔۔ میری عقل تو یہی کہتی ہے۔۔۔۔۔

حشمت : کیوں پتر انور۔۔۔۔۔ تو کیا کہتا ہے۔

انور : (متذبذب لہجے میں) دراصل بات یہ ہے میاں جی کہ۔۔۔۔۔

حشمت : (غصّے سے بات کاٹتے ہوئے) اوئے تجھ پر بھی ان کا سایہ پڑ گیا ہے، تُو تو بڑا جی دار ہے انور علی ۔۔۔ اوئے یہ تم ساروں کو کیا ہو گیا ہے۔

انور : جب سونا ہاتھ سے نکل ہی گیا ہے میاں جی تو اس کھیڈ میں ٹائم ضائع کرنے کا فائدہ نہیں نظر آرہا مجھے۔

حشمت : اِسی لیے مجھے شہر زہر لگتا ہے ۔۔۔۔ کوئی کم بندہ اپنی مرضی سے نہیں کر سکتا۔ جی چاہتا ہے ڈکرے ڈکرے کر دوں اس شیر محمد کے ۔۔۔۔ اوئے وہ میرے خلاف کچھ ثابت نہیں کر سکتا۔۔۔ تم اس کو ڈھونڈو تو سہی۔

یعقوب : اگر انور خود سکول میں نہ گیا ہوتا میاں جی تو اور بات تھی مگر اب ۔۔۔۔ اُسے وہاں بہت سے لوگوں نے دیکھا ہوگا میاں جی۔ شیر محمد کو پتہ ہے کہ اس کی بیٹی ہماری قید میں ہے اگر اُس نے پولیس میں اس کی رپورٹ کر دی تو انور پھنس جائے گا۔

حشمت : اوئے اس کو پتہ کیسے لگا ہے اس بات کا! ۔۔۔۔۔ الہ دین کا چراغ ہے اس کے پاس ۔۔۔۔ مسمریزم آتا ہے اس کو۔

نیاز : یہ بات واقعی قابل غور ہے۔ لیکن اس وقت تو سوال یہ ہے کہ ہم اس کی بیٹی کو پکڑے رکھیں یا چھوڑ دیں ۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری طرف سے تاخیر کی وجہ سے وہ ۔۔۔۔ بڑی مشکل ہو جائے گی میاں جی۔

حشمت : (چند لمحے اِدھر اُدھر ٹہلتا ہے گہری سوچ میں ہے سب اُس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہیں ۔۔۔ کسی فیصلے پر پہنچ کر رکتا ہے) کدھر ہے اس کی دھی انور!

انور : پچھلے کمرے میں ہے جی ۔۔۔

حشمت : (بیٹھتے ہوئے) اُسے چھوڑ دو ۔۔۔۔ (سب حیرت سے اُن کی طرف دیکھتے ہیں) میرے منہ کی طرف کیا دیکھ رہے ہو ۔۔۔۔۔ دفع کرو اُس سپ کی اولاد کو یہاں سے۔

انور : وہ ہم سب کو جانتی ہے میاں جی

(یعقوب گھبرا کر اس کی طرف دیکھتا ہے)

حشمت : مت ذکر کرو اُس کا میرے سامنے ۔۔۔ جاؤ مجھ کو کلا چھوڑ دو جاؤ۔۔۔

(سب جاتے ہیں بے چینی سے کمرے میں پھرتا ہے ہارمونیم کے اوپر رکھی ہوئی کھنجری کو زور سے چھڑی مارتا ہے کھنجری چھنکتی اور لڑھکتی ہوئی دُور تک جاتی ہے)

سین نمبر ۱۵

(ذکیہ کا گھر۔ شیر محمد۔ فرخ۔ دلاور)

شیر محمد: باتیں نہیں کرو بیٹیا۔۔۔ بس میرے سامنے بیٹھے رہو۔۔۔ چُپ چاپ۔ مجھے اپنی صورت دیکھنے دو ۔۔۔ (اُس کے بالوں میں پیار سے ہاتھ پھیرتا ہے) تو بھی کہتا ہوگا اللہ نے کیا نانا دیا ہے تجھ کو۔۔۔ میں تو تیرے لیے کچھ بھی نہیں لایا بیٹیا۔

فرخ: آپ خود جو آگئے ہیں نانا ابا۔۔۔ آپ کو اندازہ نہیں مجھے آپ کو دیکھنے کا کتنا شوق تھا۔۔۔۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے امی کو آپ کا ذکر کرتے پایا ہے۔۔۔ آپ نے وہ کہاں ہیں؟

دلاور: وہ یہیں پاس فرخ۔۔۔۔۔ ابھی آجاتی ہیں۔۔۔ (اپنے آپ سے) یہ مولا داد کہاں رہ گیا ہے بابا۔۔۔

شیر محمد: تم پڑھتے ہو ابھی۔

فرخ: جی۔۔۔ پولیٹیکل سائنس میں ایم اے کر رہا ہوں۔ فائنل ایئر ہے۔۔۔ (ایکدم دروازے کی طرف دیکھتا ہے جہاں ذکیہ آنسو بھری آنکھوں سے خاموش کھڑی ہے شیر محمد کی اُس کی طرف پشت ہے) امی!

(شیر محمد ایکدم مڑ کر دیکھتا ہے جلدی سے اُٹھتا ہے ایک قدم آگے بڑھ کر رک جاتا ہے)

شیر محمد: ذکیہ!

(دونوں چند لمحے بھیگی ہوئی آنکھوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں پھر ذکیہ دَوڑ کر اُس سے لپٹ جاتی ہے)

ذکیہ: ابو۔۔۔ میرے ابو۔

(دلاور اور دروازے میں کھڑا مولا داد اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو صاف کرتے ہیں۔ مولا داد کمرے میں آتا ہے گہری آواز میں دلاور سے بات کرتا ہے)

مولا داد: آ شہزادے۔ ہم اُدھر بیٹھتے ہیں کتنے سالاں دے رُکے ہوئے بدل ہیں ان کو کھل کے برس لینے دے۔

(ذکیہ کے آنسوؤں سے بھیگے ہوئے چہرے کا کلوز جو نیم مدہوشی کے انداز میں ابو ابو کہہ رہی ہے فرخ اُس کی طرف بڑھتا ہے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھتا ہے)

سین نمبر ۱۶

(یعقوب کا ڈرائینگ روم۔ یعقوب۔ حشمت۔ زبیدہ۔ بخشو۔ مھنگا)

حشمت : ایک تو میں اس نیاز علی سے بڑا عاجز ہوں - پنج منٹ کا کام آدھے گھنٹے میں کرتا ہے، اوئے بخشو۔

بخشو : جی چوہدری جی۔

حشمت : اوئے ...... اس کو بلا .... گزارش کراس کو میری طرف سے ..... کہ اب تشریف لے آئے۔

(یعقوب اور زبیدہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ حشمت اس وقت سخت غصے میں ہے اس سے کوئی بات کرنا مناسب نہیں) اور ائس رب نواز کے پُتّر سے بھی پُوچھ ..... پٹرول شٹرول چیک کر لیا ہے کہ نہیں .... اگر رستے میں اُس نے گڈی روکی تو گِٹّے توڑ دوں گا اُس کے۔

(بخشو اِس دوران میں کئی بار بالکل ٹھیک ہے جی، کہنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ حشمت کا جملہ ختم ہونے پر اطمینان کا سانس لیتا ہے)

بخشو : (جاتے ہوئے) بالکل ٹھیک ہے جی۔

حشمت : اوئے منگے ...... سارا سامان رکھ دیا ہے گڈی میں۔

منگا : بالکل جی .... ایک ایک چیز رکھ دی ہے .... آپ کا ٹرنک، چوہدری نیاز کا صندوق، بی بی کا اٹیچی کیس ..... کتوں کے پٹے ..... سب کچھ رکھ دیا ہے جی۔

حشمت : جتنی گل پچھتا ہوں اتنی کا جواب دیا کر ..... گلستان بوستان کے پُتر۔

(نیاز علی صغراں آتے ہیں بخشو پیچھے پیچھے ہے)

اچھا پُتر یعقوب .... رب راکھا ..

زبیدہ : سلام علیکم میاں جی۔

حشمت : وعلیکم سلام ..... جیوندی رو دھیئے .... کبھی کبھی پنڈ کا چکر بھی لگا لیا کر تو بھی یعقوب کی طرح شہرن ہو گئی ہے ..... چوہدری ریاست علی کے پاس ایک بڑا دانا حکیم ہے۔ اس سے تیرا علاج بھی ہو جائے گا ... کیا تکلیف تھی بھلا تجھے ؟

زبیدہ : (یعقوب کی طرف دیکھتے ہوئے) گیس رہتی ہے میاں جی۔ پیٹ میں۔

حشمت : پیٹ کے سارے امراض کے لیے بڑا تسلی بخش علاج ہے اُس کے پاس۔

(نیاز یعقوب سے ہاتھ ملاتا ہے صغراں یعقوب اور زبیدہ سے پیار لیتی ہے سب لوگ کمرے سے نکلتے ہیں)

سین نمبر ۱۷

(حشمت کی کار اُس کے پیچھے جیپ گیٹ سے نکلتے ہیں حشمت اور زبیدہ انہیں WAVE کرتے ہیں یعقوب اطمینان کا ایک لمبا سانس لیتا ہے)

یعقوب : یا اللہ تیرا شکر ہے ؟

زبیدہ : بڑے غصے میں تھے میاں جی۔

یعقوب: بہت ..... پورے آتش فشاں پھٹے ہوئے تھے۔

زبیدہ: چلئے، کھانا کھالیں۔

یعقوب: (سوچتے ہوئے) تم کھا لو، مجھے ابھی بھوک نہیں....

زبیدہ: بھوک تو مجھے بھی نہیں۔

یعقوب: بس تو پھر ٹھیک ہے میں ابھی ایک گھنٹے تک آتا ہوں پھر اکٹھے کھائیں گے۔ (مزاحیہ انداز میں) آج تو تمہاری طبیعت بھی کچھ ٹھیک لگتی ہے ..... میرا مطلب ہے وہ گیس وغیرہ....

زبیدہ: شکر ہے اتنے دنوں بعد آپ ڈھنگ سے مسکرائے تو سہی۔

یعقوب: سچ زبیدہ .... میں بہت پریشان تھا .... بہرحال ... اللہ کا شکر ہے کہ .... نقصان زیادہ نہیں ہوا۔

سین نمبر ۱۸

(ذکیہ کا گھر۔ کھانے کی میز پر۔ شبیر محمد اور ذکیہ۔ فرخ۔ دلاور۔ مولاداد سب کسی بات پر ہنس رہے ہیں۔)

ذکیہ: یہ کباب لیں نا آپ۔ (مولاداد کے آگے پلیٹ کرتی ہے)

مولاداد: بس بی بی ..... آج اتنے دنوں بعد گھر کا کھانا کھایا ہے تے شیدے کی ماں بہت یاد آرہی ہے .... توں لے شہزادے (پلیٹ اُس کے آگے کرتا ہے)

دلاور: میرا تو پہلے ہی کھا کھا کے حشر ہو گیا ہے ..... آپ کھانا بہت اچھا بناتی ہیں بہن جی۔

شبیر محمد: کھانا پکانے کا شوق اس کو شروع سے ہی تھا۔ بچپن میں گڑیا گڈے کی شادی کے موقعے پر کھچڑی کا نمک مجھے چکھایا کرتی تھی .... اب تو اس کے اپنے بال کھچڑی ہو گئے ہیں ..... کیسی ظالم چیز ہوتا ہے یہ وقت بھی....

ذکیہ: بس اب تو ایک ہی تمنا ہے ابو ... اس گڈے کے سر پہ سہرا دیکھ لوں۔

فرخ: سہرا تو چیز ہی ایسی ہے امی، جس کے سر پہ بندھے وہ یا گدھا ہو جاتا ہے یا گننے لگتا ہے۔

(سب زور سے ہنستے ہیں یعقوب دروازہ کھول کر اندر آتا ہے دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں یعقوب کا کلوز جو حیرت سے اس سارے منظر کو دیکھ رہا ہے)

قسط نمبر ۱۹

سین نمبر ۱

(یعقوب آتا ہے، مولاداد اور دلاور کو ذکیہ کے گھر دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ چند لمحے کی خاموشی۔ ذکیہ گومگو کے عالم میں اٹھتی ہے۔ مولاداد اور دلاور ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں)

ذکیہ:۔ آ۔ آیئے ۔ یعقوب بھائی...... (شیر محمد سے) ابو یہ یعقوب بھائی ہیں... میرے.....

یعقوب: اپنی پریشانی پر قابو پاتے ہوئے آگے بڑھتا ہے شیر محمد سے ہاتھ ملاتا ہے) اسلام علیکم...... بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر.....

دلاور مولاداد: اسلام علیکم.....

(یعقوب اشارے سے ان کے سلام کا جواب دیتا ہے شیر محمد چند لمحے رکتا ہے)

شیر محمد:۔ وعلیکم اسلام..... مگر.....

استفسار کے انداز میں ذکیہ کی طرف دیکھتا ہے)

ذکیہ: غلام علی صاحب کی وفات کے بعد انہوں نے میری بہت مدد کی ہے..... اگر یہ نہ ہوتے تو.....

یعقوب: (نروس انداز میں ہنس کر بات کاٹتے ہوئے) کمال کرتی ہیں آپ بھی بھابی..... یہ کوئی بات ہے کرنے کی..... مجھے تو افسوس ہے میں آپ کے لیے کچھ کر نہیں سکا..... اور پھر میاں جی کی وجہ سے جو بدمزگی پچھلے دنوں ہوئی اس سے تو میں نہایت ہی شرمسار ہوں..... سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا منہ لے کر آپ کے سامنے جاؤں..... میں بہت مجبور تھا بھابی.....

ذکیہ: مجھے آپ کی پوزیشن کا اندازہ ہے یعقوب بھائی... لیکن مجھے آپ سے..... کسی سے کوئی شکوہ نہیں ہے... میرے ابو مجھے مل گئے ہیں... مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے۔

یعقوب: یہ کیسے ہو سکتا ہے... سکندر پور کی جاگیر میں آپ کے فرخ کا حصہ ہے... فرخ بیٹے (فرخ جو اس دوران میں سر جھکائے بیٹھا ہے جیسے سمجھ میں نہیں آرہا کیا بات کرے) تم شاید مجھ سے ناراض ہو؟ ٹھیک ہے... تمہیں ایسا ہی ہونا چاہیئے... لیکن بیٹے... تم میری جگہ ہوتے تو شاید تم بھی وہی کرتے جو میں نے کیا ہے...!

فرخ: میں چودھری حشمت کا بیٹا نہیں ہوں یعقوب صاحب... میں ایسی گری ہوئی حرکت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

ذکیہ: (قدرے غصے سے) فرخ...

فرخ: مجھے کہنے دیجیئے امی... ان کی ساری نوازشوں کا مطلب اب میری سمجھ میں آیا ہے... یہ ایک ظالم اور دغا باز انسان کی اولاد ہیں اور...

ذکیہ: بکواس بند کرو فرخ... تمہیں نہیں پتہ تم کیا کہہ رہے ہو...

یعقوب: اسے کہنے دیں امی... جوان خون ہے نا... جلدی گرم ہو جاتا ہے...

فرخ: آ- آپ - آپ کیوں آئے ہیں- یہاں... آپ پلیز تشریف لے جائیے... آپ کے باپ نے میرے نانا ابو پر جو ظلم کئے ہیں اس کے بعد میں... آپ میں سے کسی کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔

شیر محمد: تحمل سے بیٹا... تحمل سے... گھر آئے ہوئے مہمان سے اس طرح بات نہیں کرتے... بدتمیزی ہوتی ہے۔

یعقوب: میرے والد نے تم لوگوں کے ساتھ جو کچھ کیا ہے فرخ بیٹے... اس کے لیے میں شرمندہ ہوں... بے حد شرمندہ ہوں... مگر مجھ سے قسم لے لو... اگر مجھے کسی بات کا پتہ ہو... تمہارے نانا ابو سامنے کھڑے ہیں ان سے پوچھ لو... آج تک کبھی میری ان کی ملاقات ہوئی ہے؟ کیوں شیر محمد صاحب؟ (شیر محمد نفی میں سر ہلاتا ہے) پوچھ لو ان سے؟

ذکیہ: آپ بیٹھئے تو سہی یعقوب بھائی... میں سمجھاتی ہوں فرخ کو ساری بات...

فرخ: خدا کے لیے امی... آپ مجھے اتنا بچہ کیوں سمجھتی ہیں... میں جانتا ہوں میرے والد کی وفات کے بعد انہوں نے ہماری بہت مدد کی ہے... آپ ان کی بہت احسان مند ہیں... لیکن جو کچھ ان کے والد نے نانا ابو سے کیا ہے کیا اُس کے بعد بھی آپ... نہیں امی نہیں... ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے ان لوگوں سے تعلق رکھنے کی...

یعقوب: دیکھو فرخ بیٹے۔

(اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھنے کی ناکام کوشش کرتا ہے فرخ ایک طرف کو ہو جاتا ہے۔ یعقوب ذکیہ کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھتا ہے)

دلاور: (کھانس کر آگے بڑھتا ہے) میرے خیال میں، بہن جی... ہم اجازت لیں اب...

ذکیہ: (قدرے پریشان ہو کر) ارے نہیں، نہیں نہیں... دلاور بھائی... ابھی تو... آپ نے تو کچھ کھایا

بھی نہیں ۔

دلاور: بہت کھالیا بہن . . . اب چلیں . . . کیوں مولاداد ۔

مولاداد: ٹھیک ہے شہزادے . . . اچھا . . چودھری صاحب . . . . رب راکھا . . .

دلاور: اچھا بہن جی . . . . خدا حافظ . . .

(آنکھ کے اشارے سے ذکیہ کو کہتا ہے کہ یعقوب کو ہمارے بارے میں نہ بتانا دونوں جاتے ہیں۔ ذکیہ چند لمحے کچھ سوچتی ہے پھر فیصلہ کن انداز میں یعقوب کی طرف دیکھتی ہے)

ذکیہ: میرا خیال ہے یعقوب بھائی . . . اب فرخ کو اس راز سے آگاہ کر ہی دینا چاہیے . . .

فرخ: (حیرت سے) کس راز سے . . .

یعقوب: بات دراصل یہ ہے بیٹے کہ میں تمہارے مرحوم باپ کا دوست نہیں ہوں ۔

فرخ: (شدید حیرت سے) لیکن . . . . مجھے تو . . . .

یعقوب: ہاں، تمہیں ہم نے یہی بتایا تھا اس لیے کہ اصل حقیقت کا جاننا تمہارے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا . . . . لیکن اب . . . . اب شائد اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا . . . میں . . . . تمہارا سگا چچا ہوں، بیٹا . . . .

فرخ: (فرخ اور شیر محمد ایک ساتھ چونکتے ہیں) نہیں . . .

شیر محمد: یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ـــ ؟

ذکیہ: یعقوب بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں ابو . . . میرے مرحوم شوہر غلام علی چودھری حشمت کے بیٹے اور ان کے بڑے بھائی تھے ۔

شیر محمد: (شدید حیرت اور غم کے دباؤ سے ایک دم بیٹھ جاتا ہے) اوہ . . . تو چودھری حشمت . . . . میرا . . .
(دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیتا ہے)

فرخ: ہم . . . . مگر . . . . امی . . . . آپ . . . یہ کیسے ہوسکتا ہے ۔

ذکیہ: یہ سب تقدیر کے کھیل ہیں بیٹا . . . . مجھے کیا پتہ تھا کہ میرے ابو اسی شخص کے ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں جس کے بیٹے نے . . . . (افسردگی سے ہنستی ہے) شائد زندگی انہی اتفاقات کا نام ہے . . .

یعقوب: بھائی جان نے یہ شادی میاں جی سے چھپ کر کی تھی کیونکہ اللہ بخشے میری بڑی بھابی، نیاز اور انوہ کی والدہ، میاں جی کی سگی بھتیجی تھیں اور میاں جی کو اُن سے بہت پیار تھا . . . . بھائی غلام علی کسی مناسب موقعے کی تلاش میں تھے لیکن افسوس موت نے انہیں مہلت نہیں دی ۔

فرخ: میرے ابو . . . . میرا باپ . . . . اتنا بزدل آدمی تھا امی ؟

ذکیہ: وہ بہت اچھے آدمی تھے فرخ . . . . دھیمے . . . . چپ چاپ اور صبر والے ۔

یعقوب: تمہارا سوتیلا بھائی نیاز بالکل اُن پر گیا ہے ۔

فرخ: لیکن انہوں نے اس بات کو چھپایا کیوں ؟ کیوں میری ماں کو ایک گناہ کی طرح چھپا کر رکھا . . . .

یعقوب: بڑی بھابی کا باپ... میرا تایا چودھری شوکت بڑا زور آور تھا بیٹے... میاں جی سے بھی زیادہ سخت اور غصے والا... اگر یہ بات کھل جاتی تو بڑا خون خرابہ ہونا تھا بیٹے...

شبیر محمد: (افسردگی سے ہنستے ہوئے) عجیب چکر ہیں حشمت کے بھی... پتہ نہیں اللہ ظالم کی رسی اتنی دراز کیوں کر دیتا ہے۔

یعقوب: آپ لوگ بالکل فکر نہ کریں... جو ہو گیا سو ہو گیا... میں آپ کے ساتھ ہوں... فرخ اور ذکیہ بھابی کو ان کا حصہ دلوانا میرا کام ہے...

شبیر محمد: ہمیں کچھ نہیں چاہیئے بھائی... بس کوئی ایسا انتظام کر دو کہ چودھری حشمت میرا اور مولا داد کا پیچھا چھوڑ دے...

یعقوب: میں اُن سے بات کروں گا... انہیں مجبور کروں گا کہ وہ فرخ کو اس کا جائز حق دیں...

سین نمبر ۲

(گاؤں میں حویلی کا کمرہ)

حشمت: (سخت غصے میں) اوئے کیسی باتیں کر رہا ہے پُتر تحصیلدار... بیٹھے بٹھائے لوگوں سے ان کے گھر بار جائیدادیں... زمینیں کھو لینا کوئی مخول ہے... ساڑھے چار سو سال سے ہم لوگ یہاں آباد ہیں... چپے چپے پر یہاں ہمارے بزرگوں کی نشانیاں ہیں... خون پسینہ اک کر کے ہم نے یہ جائیداد بنائی ہے... اس لئے کہ تم فائلوں میں انگریزیاں لکھ کر لاؤ اور ہمیں گھروں سے بے گھر کر دو۔

تحصیلدار: عرض یہ ہے چودھری صاحب...

حشمت: عرض مرض کچھ نہیں ہے پُتر تحصیلدار... یہ سب غرض کی کھیڈ ہے... ان گورے انجنیروں نے ہماری حکومت کی آنکھوں پہ پٹی باندھ دی ہے... سیاہ سفید کی تمیز نہیں رہی اس کو... (لہجہ بدلتے ہوئے) (اوئے تم خود بتاؤ... ذرا تفکر کرو اس بات پر... یہ سوا سو میل کا علاقہ جو حکومت خالی کروا رہی ہے... اس میں کتنی فصل ہوتی ہے ہر سال... کتنی مخلوق رہتی ہے یہاں... اوئے کیا ضرورت ہے اتنی وڈی جھیل بنانے کی... سمندری جہاز چلاتے ہیں اس میں... مگر مچھ پالنے ہیں۔ کچھوؤں کا فارم بنانا ہے اس کے اندر۔

تحصیلدار: آپ ٹھیک فرما رہے ہیں چودھری صاحب... لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں، ہم تو سرکار کے ملازم ہیں... جو حکم ملتا ہے اس پر عمل کرنا ہماری ڈیوٹی ہے۔

حشمت: اسی لیے میں کہتا ہوں انگریز کا زمانہ اچھا تھا اس کے عہد میں سرکاری تمہاری طرح ڈرو نہیں ہوتا تھا... جرأت ہوتی تھی اس میں... دورے پر آتا تھا تو ارد گرد کے وٹلی وٹلی (دیس بدیس) پنڈوں میں اس کا کھڑاک سنائی دیتا تھا (رازدارانہ انداز میں) کوئی ایسی صورت نہیں ہو سکتی کہ سکندر پور کو... میرا مطلب ہے کچھ دے دوا کر کم نہیں ہو سکتا۔

تحصیلدار: کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ چودھری صاحب...

حشمت: اوئے تم اور یہ پٹواری ... تم تو بادشاہ ہوتے ہو زمینوں کے .... بڑی طاقت ہے تم دونوں کے قلم ... ایک سکینڈ میں دو کلے ادھر، چھ کلے اُودھر کر دیتے ہو۔ اوئے کوئی قانونی نقطہ نکالو ... کوئی دفعہ لگاؤ اس پر ..... (پٹواری سے) اوئے ظفریا .... توں کچھ سوچ۔

پٹواری: میرا تو دماغ شل ہو گیا ہے چودھری جی سوچ سوچ کے .... ایسا لگتا ہے جیسے میرے ہاتھوں سے قسمت کی ساری لکیریں ایک سامنے غائب ہو گئی ہیں — سولہ ہزار انتقالِ اراضی کیے ہیں میں نے اپنے ہاتھوں سے .... ایس علاقے کی زمین کا ایک ایک اِنچ میرے ہی کھاتوں رجسٹروں اور پوتھیوں میں درج ہے .... پر افسوس .... اب سب پر پانی پھر جائے گا۔

حشمت: اوئے تو کیوں پھرنے دیتے ہو ان پر پانی .... کوئی چارا کیوں نہیں کرتے ....

تحصیلدار: کوئی چارا ہے نہیں چوہدری صاحب! آپ تو سب کچھ جانتے ہیں ....

حشمت: پر یہ کوئی انصاف ہے ... اوئے ایس ملک کے آئین میں، قانون میں کوئی ایک شق بھی ایسی نہیں جو اس زیادتی کو روک سکے ... اس کا سدباب کر سکے۔

تحصیلدار: یہ ڈیم قوم کی ضرورت ہے چوہدری صاحب .... اس سے ....

حشمت: مت سناؤ مجھ کو یہ تقریر ..... اس کا یہ فائدہ ہے اس کا وہ فائدہ ہے .... ہر آدمی مجھ کو فائدے سنانے کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ اس کا یہ نقصان ہے ... یہ ضرر پہنچ رہا ہے۔ اس سے لوگوں کو .... اوئے یہ اشرفیوں میں ملنے والی زمین کو ٹکوں کے مُل لیتے جا رہے ہیں اور کوئی روکنے والا نہیں۔

تحصیلدار: زیادہ زمینوں والوں کو تو اس سے یقیناً نقصان ہو گا چودھری صاحب .... مگر ایسے لوگ کل ہیں کتنے؟ اس سارے علاقے میں دس نہیں تو بارہ ہوں گے۔

حشمت: نہ — تو وہ دس بارہ شہری نہیں ہیں اس ملک کے .... ووٹ نہیں پڑتا ان کا .... ٹیکس نہیں دیتے وہ .... پتر تحصیلدار .... تم تو پڑھے لکھے ہو۔ سمجھدار ہو اپنے افسروں کو بتاؤ ... ویسے ہم اسمبلی میں بھی اٹھا رہے ہیں اس سوال کو ....

تحصیلدار: اللہ کا دیا آپ کے پاس اتنا کچھ ہے چودھری صاحب .... تھوڑی بہت زمین جانے سے آپ کو کیا فرق پڑ جائے گا ....

حشمت: فرق زمین سے نہیں پڑتا پتر تحصیلدار .... فرق سکندر پور سے پڑتا ہے حکومت مجھے متبادل زمین دے سکتی ہے .... پر میرا سکندر پور نہیں دے سکتی ..... مجھے زمین نہیں اپنا علاقہ چاہیئے .... ایس سارے علاقے میں ہر پاسے میرے مزارعے ہیں مجھے اپنا۔ چوہدری، اپنا سردار مانتے ہیں .... صدیوں سے انہوں نے میرے خاندان کا نمک کھایا ہے .... اس کی شرم ہے ان کی آنکھوں میں .... اوپرے بندے کی اکھ میں لحاظ نہیں ہوتا .... ادب نہیں ہوتا .... سمجھ رہا ہے میری بات ....

تحصیلدار: جی چودھری صاحب .... مگر ....

پٹواری: دیسے چودھری صاحب.... وڈے آدمی کی، افسر کی، چودھری کی عزت تو ماتحتوں کا فرض ہوتا ہے...
اب مجھ کو دیکھیں چھبیس سال کی نوکری میں اپنے شیخ رضا مہدی صاحب اٹھارویں تحصیلدار ہیں پر میں نے ان کی بھی
اسی طرح عزت کی ہے جس طرح اللہ بخشے پہلے تحصیلدار صاحب کی، کی تھی۔
حشمت: اوئے تیری بات اور ہے ظفریا... تو ملازم پیشہ ہے... جدی پشتی ماتحت ہے.... تیرا پیشہ ہے
ماتحتی.... علم دین کمہار کے پتروں جیسے کھوتے کے پتروں نے ان مزارعوں کے دماغ خراب کر دیے ہیں.... پر
نکل آئے ہیں ان لوگوں کے.... اب یہ حقوق مانگتے ہیں.... مالکانہ حقوق... جیسے یہ زمین ان کے
پیو کی ہے۔

سین نمبر۳

(علم دین کا گھر)
ماسٹر: دیکھو بھئی اگر تم مجبور کرتے ہو تو میں چوہدری صاحب سے یہ بات کر ضرور دوں گا.... پر اُن کے جواب
کی ذمہ داری میں لینے کو تیار نہیں ہوں۔
رشید: آپ انہیں سمجھائیں ماسٹر جی۔
ماسٹر: میں؟ چودھری حشمت کو؟ ان کو تو بس اللہ ہی عقل دے تو دے برخوردار.... اپنے سے کم رتبہ آدمی
کے مشورے کو تو وہ مکھی کی طرح ناک سے اڑا دیتے ہیں۔
رشید: لیکن ماسٹر جی.... اس میں ان کا کچھ بھی تو نقصان نہیں ہوگا.... حویلی کی متبادل زمین تو انہیں مل جائے
گی.... رہی ان غریبوں کے مکانوں والی اراضی تو اُسے وہ قانوناً زراعتی مقصد کے لیے استعمال نہیں کر سکتے....
ان کے پاس تو یہ بالکل بیکار ہوگی.... اگر وہ کوٹھے اپنے مزارعوں کے نام منتقل کر دیں تو اس سے بے شمار لوگوں
کو فائدہ ملے گا.... ان کی نسلیں دعائیں دیں گی انہیں
(اس دوران میں گاؤں کے لوگ متوقع نظروں کے ساتھ ماسٹر کی طرف دیکھتے
ہیں اور رشید کی باتوں پر تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہیں)
ماسٹر: تم ٹھیک کہتے ہو برخوردار.... مگر چوہدری حشمت صاحب کو غریبوں کی دعاؤں سے زیادہ اپنی زمینوں
کی طاقت پر بھروسہ ہے.... مزارعوں کے کچے کوٹھے اِن زمینداروں کے پاس سب سے بڑا ہتھیار ہوتے ہیں...
اُن سے بے دخلی کی دھمکی کے بوجھ سے بڑی بڑی اکڑی ہوئی گردنیں اور گھورتی ہوئی آنکھیں جھک جاتی ہیں....
رشید: میں سب سمجھتا ہوں ماسٹر جی.... پر اب تو یہ علاقہ یہ مزارعے ان کے ہاتھ سے جا رہے ہیں. اب اُن
کوٹھوں سے انہوں نے کیا لینا ہے۔
علم دین: محمد رشید ٹھیک کہہ رہا ہے منظور علی.... اور دو تین مہینے کی بات ہے.... پھر نہ یہ سکندر پور رہے
گا اور نہ یہ گلیاں اور گھر.... اگر ان سب مزارعوں کے آگے ان کے نام رجسٹری ہو جائیں تو انہیں بدلے میں

گھر بنانے کے لیے زمینیں مل جائیں گی۔

خدابخش: ہمارے بچے تمہیں دعائیں دیں گے.... پھر امنظور۔

ماسٹر: (مسکراتے ہوئے) اچھا بھائیو اچھا.... میں جاؤں گا.... پورا زور لگاؤں گا اپنی طرف سے۔

فضل کریم: بخشو بتا رہا تھا کہ آج کل وہ بڑے غصّے میں رہتے ہیں۔

ماسٹر: غصّے میں تو وہ ہمیشہ ہی رہتے ہیں...

فضل کریم: ذرا طریقے سے بات کرنا ماسٹر جی....

ماسٹر: تم چلے چلو ساتھ!!۔

فضل کریم: میں؟ نہیں میں.... میرا مطلب ہے ... آپ زیادہ سمجھدار ہیں۔

ماسٹر: بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے والا کام ہے یہ - CUT۔

سین نمبر ۴

سیمیں: سچ مجھے بڑا شوق تھا آپ سے ملنے کا... اس ترقی یافتہ زمانے میں ایسی غیر انسانی باتیں بھی ہو سکتی ہیں.
.... میرے تو سوچ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

شیر محمد: (محبت سے ہنستے ہوئے) اگر غور سے دیکھیں بیٹی، تو انسان نے شائد ہر میدان میں ترقی کی ہو....
سوائے انسانیت کے!

ذکیہ: اسی لیے تو انسان کو سوشل اینیمل (SOCIAL ANIMAL) کہتے ہیں...

شیر محمد: سوشل کا تو لبس تکلف ہی ہے بیٹی.... اصل قصہ تو اینیمل ہی کا ہے۔

سیمیں: اگر میں نے آپ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی اس کہانی.... میرا مطلب ہے واقعے پر یقین نہ کرتی... لیکن انکل ایک شکایت ہے مجھے آپ سے!

شیر محمد: مجھ سے.... کیا؟

سیمیں: آپ کو یوں خاموش ہو کر نہیں بیٹھ رہنا چاہیئے... ظلم کے خلاف آواز نہ اٹھانا بھی تو ایک طرح سے ظالم کی حمایت ہوتی ہے۔

شیر محمد: یہ جملہ تم نے کسی کتاب میں پڑھا تھا؟

سیمیں: جی ہاں.... مگر....

شیر محمد: کتابوں میں اس طرح کی بات لکھنا بہت آسان ہوتا ہے بیٹی.... کیونکہ قلم اور کاغذ دونوں لکھنے والے کی دسترس میں ہوتے ہیں.... مگر زندگی.... اصل زندگی میں اصول اور قاعدے غباروں کی طرح پھولتے اور پھٹتے رہتے ہیں۔

سیمیں: (تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے) انکل۔ آپ تو بڑی شاعرانہ گفتگو کرتے ہیں.... بڑے پتے کی

بات کی ہے آپ نے ....

ذکیہ: ابو آپ شاعری بھی تو کیا کرتے تھے ... مجھے یاد ہے ایک دفعہ .... جب میں سکول میں پڑھا کرتی تھی آپ ندیم قاسمی صاحب کو گھر لے کر آئے تھے ..... میں آپ کو چائے دینے گئی تھی تو آپ ایک دوسرے کو غزلیں سنا رہے تھے۔

شبیر محمد: ارے نہیں بیٹا ... وہ تو بس ایسے ہی ... کچھ پتہ ہے آج کل قاسمی صاحب کہاں ہوتے ہیں۔

ذکیہ: یہیں ہیں ابو .. کوئی رسالہ نکالتے ہیں شاید ....

شبیر محمد: اچھا پتہ کروں گا ان کا ... پہچان تو وہ شائد نہ سکیں مجھے .... پر مجھے یقین ہے افسانہ ضرور لکھیں گے میری کہانی پر .... اس زمانے میں بھی وہ اصلی کہانیوں کے نام اور مقام بدل کر افسانے لکھا کرتے تھے

ذکیہ: چائے اور بناؤں بیٹی ....

سیمیں: نہیں آنٹی۔ شکریہ .... میں زیادہ چائے نہیں پیتی۔

ذکیہ: (سوچتے ہوئے) دراصل میں نے آج تمہیں اس لیے بلوایا تھا کہ .... ابو ... تمہارے والد صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔

سیمیں: (سر جھکا کر) جی۔

ذکیہ: میں چاہتی تھی کہ کسی طرح ... کوئی ایسا طریقہ ہو ... یعنی .... مطلب یہ ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے ہماری بات سنیں اور ....

سیمیں: میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا آنٹی .... میرے ابا جان کی طبیعت بڑی تحمل والی ہے۔ مگر پتہ نہیں کیوں وہ فرخ کا نام سنتے ہی بھڑک اٹھتے ہیں۔

ذکیہ: یہ ساری آگ ان خطوں اور ٹیلی فونوں کی لگائی ہوئی ہے۔

شبیر محمد: جو بھی ہے بھئی ... مگر میرے خیال میں اگر ان سے ساری بات کھل کر کی جائے اور ان کی غلط فہمی دور کر دی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ .... تو بیٹی میں تمہارے والد صاحب سے کیسے مل سکتا ہوں ؟

سیمیں: میں ان کے دفتر کا ایڈریس آپ کو لکھ دیتی ہوں .... لیکن ....

ذکیہ: اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ انہیں پہلے سے ابو کے آنے کی اطلاع ہو جائے تو بہت بہتر ہو گا ..

سیمیں: میں کوشش کروں گی .... وعدہ نہیں کر سکتی .... -CUT-

سین نمبر ۵

(انور کا کمرہ)

ڈائریکٹر: فلم کے کام میں دیر سویر ہو جاتی ہے میرے بادشاہ .. کئی کئی مہینے سٹوری پر بیٹھنا پڑتا ہے۔

انور: کس پر بیٹھنا پڑتا ہے ؟

ڈائریکٹر: سٹوری پر.... کہانی پر.... پہلے ون لائن بنتی ہے۔

انور: اچھا۔ پھر؟

ڈائریکٹر: پھر اس کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے.... جیسے نقشہ ہوتا ہے عمارت کا.... بلیو پرنٹ۔

انور: (چونک کر اس کی طرف دیکھتا ہے) اچھا.... اس کے بعد کیا ہوتا ہے۔

پری پیکر: اس کے بعد اس کے اندر آتا ہے میوزک.... ٹائیٹل میوزک.... بیک گراؤنڈ میوزک.... پاپ میوزک.... دیسی میوزک.... چاروں پاسے میوزک ہی میوزک۔

انور: (گھورتے ہوئے) اچھا.... پھر۔

پری پیکر: پھر.... پھر.... (ڈائریکٹر سے) تم بتاؤ نا یار۔

ڈائریکٹر: اس کے بعد بکنگ کی سٹیج آتی ہے.... آرٹسٹ بکنگ.... سٹوڈیو بکنگ.... میٹریل کی بکنگ۔

پری پیکر: ایڈوانس بکنگ....

ڈائریکٹر: تم بیچ میں مت بولو میرے بادشاہ.... مجھے چوہدری صاحب کو ساری کھیڈ سمجھا لینے دو.... فلم کا کام دراصل ایک پوری ٹیم کا کام ہوتا ہے چودھری صاحب.... جیسے بحری جہاز کا کریو ہوتا ہے اور ان سب کے اوپر کپتان یعنی کہ ڈائریکٹر.... یعنی کہ میں

انور: اور پروڈیوسر کیا ہوتا ہے اس میں....؟

ڈائریکٹر: پروڈیوسر۔ پروڈیوسر تو مائی باپ ہوتا ہے میرے بادشاہ.... مالک ہوتا ہے جہاز کا میں اس فلم میں چند بالکل نئے آئٹم پیش کر رہا ہوں.... یہ ایک آرٹسٹ ہے میرے پاس.. آج اسے کوئی نہیں جانتا.... فلم ریلیز ہونے کے بعد بچے بچے کی زبان پر اس کا نام ہو گا....

انور: یہ کیا کرتا ہے؟

پری پیکر: یہ مرتا ہے.... چودھری صاحب.... اور بہت اعلیٰ مرتا ہے۔

انور: کیا بکواس کر رہے ہو؟

پری پیکر: میں بالکل صحیح بکواس عرض کر رہا ہوں جناب.... یہ ڈیتھ سین کا ماسٹر ہے جس ایکٹر کا ڈیتھ سین حکم کرو.... ابھی آپ کے سامنے پیش کرے گا.... اِدھر سامنے.... جوان.. شاباش.... ذرا دکھا اپنا کام۔

بٹ: بہت اچھا جی۔

(بٹ ڈیتھ سین کرتا ہے انور غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے سین کے اختتام پر ہنس پڑتا ہے)

انور: اوئے.... یہ کیا کر رہا تھا.... بیوقوف کا پتر۔

پری پیکر: پسند نہیں آیا آپ کو.... چل بھئی دوبارہ مر کے دکھا

انور: نہیں ... نہیں بس کافی ہے ... وہ جو چار ہیروئن کاسٹ کی ہیں تم نے وہ کدھر ہیں ؟

ڈائریکٹر: کنٹریکٹ سب سے بھروالیے ہیں میرے بادشاہ ... ایڈوانس دے دیئے ہیں انہیں .. شوٹنگ شیڈیول فائنل ہوتے ہی ان سے ڈیٹیں لے لیں گے ....

انور: ادے ان کو لاؤ تو سہی اُدھر ... چہرہ تو کراؤ ان کا .... کچھ گفتگو ہو، کچھ تبادلہ خیال ہو ان سے !

پری پیکر: (ڈائریکٹر کی طرف دیکھتا ہے جو اسے آنکھ مارتا ہے) بہت مشکل ہے چودھری صاحب ... آرٹسٹ لوگ بہت Busy ہوتے ہیں .... ان کے پاس فالتو ٹیم بہت کم ہوتا ہے .... سیٹ کے علاوہ نہیں ملتے کہیں .... (انور کا آف ہوتا ہوا موڈ دیکھ کر بات بدلتا ہے) پر ہم کوشش کریں گے جی ... پروڈیوسر سے انٹروڈکشن تو بہت ضروری ہے آرٹسٹ کے لیے مسٹ MUST ہے .... یعنی کہ

مولاداد کو دیکھ کر ایک دم خاموش ہو جاتا ہے بے معنی انداز میں ہاتھ ہلاتا ہے انور مُڑ کر مولاداد کی طرف دیکھتا ہے)

انور: آؤ بھئی مولاداد ...

مولاداد: سلام چودھری جی

انور: وعلیکم اسلام .... کدھر چلے گئے تھے .

مولاداد: ایک پسوڑی تھی جو چھوٹی سی .... نبٹر گئی ہے .

انور: اچھا ... کچھ رقم لے آؤ بھا نیاز سے ....

مولاداد: بہت اچھا جی ۔ (پری پیکر کی طرف گھور کر دیکھتا ہے جو ڈرتا ہے) ذرا حساب کتاب رکھا کریں چودھری جی ۔

انور: (اس کی بات سمجھتے ہوئے) ارے نہیں ان کے لیے نہیں چاہیں ... کل نذر عباس آرہا ہے . غوث کے گھر پہ سٹنگ ہو گی ... وہاں ذرا کام اونچا ہی ہوتا ہے .... ڈب میں جب تک چالیس پچاس نہ ہو، کھیلنے کا مزا نہیں آتا ...

مولاداد: وہ ... غوث ... اچھا آدمی نہیں ہے چودھری جی .... وہاں پتے لگاتے ہیں لوگ ...

انور: ارے نہیں مولاداد ... غوث ہمارا یار ہے ... جوئے میں ہار جیت تو ہوتی ہی ہے ...

پری پیکر: اللہ بخشے میرے استاد مرحوم کو بڑا شوق تھا جی جوئے کا .... کوڑی کوڑی ہو گیا پہ اخیر دم تک باز نہیں آیا .... سچ کہا ہے کسی نے .... جوا، کسی کا نہ ہوا ۔

انور: زیادہ بکواس نہ کیا کرو تم ....

پری پیکر: کوئی غلط بات ہو گئی ہے جی ... ویری سوری .

مولاداد: نہ .... ایک بات تو بتاؤ مجھ کو جن بادشاہ .... یہ تیرا نام پری پیکر کس بے وقوف کے پُتر نے رکھا تھا ۔

پری پیکر : یہ نام نہیں ہے مولاداد صاحب ... تخلص ہے ... جو شاعروں کا ہوتا ہے ...
مولاداد : تیرا حال بھی کسی دن میرے ہاتھ سے وہی ہو گا جو شاعروں کا ہوتا ہے ... بُرا حال
اور بانکے دیہاڑے کا مطلب پتہ ہے تجھ کو .... (پری پیکر پہلے نفی میں پھر اثبات میں سر ہلاتا ہے) کسی وقت غائب
بھی ہو جایا کر یہاں سے .... بڑی نحس شکل ہے تیری
(پری پیکر گھبرا کر اٹھتا ہے) -CUT-

سین نمبر ۶

سیمیں : میں نے بڑی کوشش کی ہے فرخ .... مگر مجھ سے نہیں ہوتی بات ....
فرخ : تم تو کہتی تھیں تمہارے ابا تم سے بڑی محبت کرتے ہیں .... بہت مانتے ہیں تمہاری بات ....
سیمیں : وہ تو کرتے ہیں مگر .... دراصل امی کا ان پر بہت ہولڈ ہے .... اب چونکہ امی نے انہیں یقین
دلا دیا ہوا ہے کہ تم ایک لفنگے اور آوارہ لڑکے ہو اس لیے وہ کوئی دوسری بات سننے پر تیار ہی نہیں ہوتے ...
فرخ : لیکن یہ سلسلہ آخر کب تک چلتا رہے گا ...
سیمیں : (دکھ بھرے انداز میں) اللہ بہتر جانتا ہے۔
فرخ : تم نے نانا ابا کے بارے میں انہیں بتایا ہے ....
سیمیں : وہ تو تم لوگوں کا ذکر ہی نہیں سننا چاہتے .... ویسے تمہارے نانا ابا کو چاہیے تھا کہ وہ کورٹ
میں جاتے .... اب دیکھو نا .... ان کی اس خاموشی سے ہزار طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔
فرخ : کیسی غلط فہمیاں .... جب انہیں کوئی جانتا ہی نہیں تو غلط فہمی کیسی .... ؟ یہ خیال کیسے آیا تمہیں ؟
سیمیں : (ہچکچاتے ہوئے) دراصل .... کچھ دن ہوئے .... میں نے ابو کی کچھ باتیں OVER HEAR کی تھیں
غالباً وہ تمہارے نانا ابا ہی کے بارے میں امی کو بتا رہے تھے۔
فرخ : (حیرت سے) کیا ؟
سیمیں : یہی کہ .... وہ قانون سے بھاگے ہوئے مجرم ہیں ...
فرخ : قانون سے بھاگے ہوئے .... میرے نانا ابا .... انہیں کس نے بتایا ....
سیمیں : یہ تو مجھے پتہ نہیں .... میں نے صرف اتنا ہی سنا تھا۔
فرخ : میں نے تمہیں بتایا تھا کہ اُس سونے کی ڈکیتی کے کیس میں کچھ عرصہ ان کی گمشدگی پر شک وشبے
کا اظہار کیا گیا تھا۔ مگر ڈاکوؤں کے گرفتار ہونے کے بعد نانا ابا کی پوزیشن بالکل CLEAR ہو گئی تھی ...
سیمیں : ہاں .... مگر .... شائد .... پتہ نہیں کس نے یہ اطلاع دی تھی .... !
فرخ : (اپنے آپ سے) کون ہو سکتا ہے ؟
سیمیں : جو کوئی بھی ہے وہ تمہیں اور تمہارے نانا ابا کو بہت قریب سے جانتا ہے۔

فرخ: یہی تو جھگڑا ہے.... میں نے اور امی نے بہت سر مارا ہے.... ہماری سمجھ میں تو کوئی ایسا آدمی نہیں آیا جو خیر لعنت بھیجو اس ذکر پر.... اس وقت تو مسئلہ یہ ہے کہ تمہارے ابا سے نانا ابو کی ملاقات کیسے کرائی جائے.... یعنی ایسی ملاقات کہ انہیں ساری صورت حال سمجھائی جا سکے۔

سیمیں: میرے خیال میں اگر تمہارے نانا ابو ملنے سے پہلے انہیں فون کر لیں تو مناسب ہوگا۔

فرخ: اس میں یہ خطرہ ہے کہ ہو سکتا ہے وہ فون پر ہی ملاقات سے انکار کر دیں....

سیمیں: (سوچتے ہوئے) ہاں، یہ تو ہے....

(دونوں گہری سوچ میں ہیں یعقوب کا جاسوس ان کی نگرانی کر رہا ہے۔ -CUT-

سین نمبر ۷

جاسوس: پھر جی غالباً انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ فرخ کا نانا لڑکی کے باپ کو خط میں ساری تفصیل لکھ دے تا کہ کچھ غلط فہمی دور ہو سکے....

یعقوب: تمہیں پورا یقین ہے کہ انہوں نے آخری بات یہی کی تھی۔

جاسوس: (ہچکچاتے ہوئے) میں.... پورے یقین سے تو نہیں کہہ سکتا سر.. دراصل یہ باتیں انہوں نے چلتے ہوئے کی تھیں.... میرے لیے پوری بات سننا ممکن نہیں تھا سر..

یعقوب: اچھا ٹھیک ہے.... تم جاؤ.. (دروازے پر جاتے ہوئے جاسوس کو آواز دیتا ہے) سنو۔

جاسوس: جی سر۔

یعقوب: بیٹھو.... ایک آئیڈیا ہے میرے ذہن میں.... لیکن تمہیں بہت ہوشیاری سے کام کرنا ہوگا۔

جاسوس: آپ حکم دیں سر۔

یعقوب: لیکن میرا خیال ہے.... اگر.... (CUT)

سین نمبر ۸

(ذکیہ کا گھر)

دلاور: آپ نے بہت اچھا کیا جو چودھری یعقوب کو میرے اور مولا داد کے بارے میں نہیں بتایا۔ دراصل میں ابھی کچھ دیر اور ان کے علاقے میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔

شبیر محمد: مگر کیوں بیٹا۔

دلاور: مجھے وہاں ایک کام ہے شبیر محمد صاحب — بے حد ضروری

شبیر محمد: میری مانو تو تم اب وہاں نہ جاؤ۔ حشمت خاں کے دماغ میں اگر ایک دفعہ یہ خیال آ گیا یا اسے کسی طرح پتہ چل گیا کہ تم نے اسے دھوکا دیا ہے۔ تو وہ تمہاری جان کا دشمن ہو جائے گا۔

دلاور: مجھے پتہ ہے شبیر محمد صاحب — مگر میں جس آدمی کی تلاش میں ہوں وہ اسی علاقے میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ اسے پانے کے لیے میں دنیا کا بڑے سے بڑا خطرہ مول لے سکتا ہوں۔

ذکیہ: (ہنستے ہوئے) ایسا کون آدمی ہے دلاور بھائی کہیں ہماری بھابی کو تو نہیں ڈھونڈ رہے ہیں آپ

دلاور: (افسردگی سے ہنستے ہوئے) وہ تو لکیر ہی نہیں ہے اپنے ہاتھ میں بہن ... میں تو فتح شیر کی تلاش میں ہوں۔

شبیر محمد: فتح شیر — یہ نام میں نے کہاں سنا ہے پہلے۔
(سوچنے کی کوشش کرتا ہے)

ذکیہ: یہ کوئی دوست ہے تمہارا۔

دلاور: دوست! نہیں بہن لیکن مجھے اس کی اتنی شدید تلاش ہے کہ میں اس شخص کو اپنی زندگی کے دس سال دینے کو تیار ہوں۔ جو مجھے اس کی ایک جھلک دکھا دے۔

ذکیہ: اوہ، اتنی قیمت تو مجنوں نے لیلیٰ کے دیدار کی نہیں لگائی تھی (ہنستی ہے)

دلاور: کچھ ایسی ہی بات ہے بہن۔ مجھے ایک بہت پرانا حساب چکانا ہے۔ اس سے۔ (مضطربانہ انداز میں پستول پر ہاتھ رکھ کر اسے مسلتا ہے ذکیہ اس کی طرف دیکھتی ہے۔ ایک دم اس کے چہرے پر صورت حال کو سمجھنے کا تاثر ابھرتا ہے اور سنجیدہ ہو جاتی ہے)

ذکیہ: کوئی دشمنی ہے تمہاری اس سے۔

دلاور: (سنبھلتے ہوئے) دشمنی — نہیں تو — اچھا شبیر محمد صاحب میں چلتا ہوں ابھی مجھے چاچے حیات محمد سے بھی ملنا ہے۔

شبیر محمد: حیات محمد۔ (سوچتے ہوئے) شاید حیات محمد ہی نے ذکر کیا تھا فتح شیر کا۔

دلاور: ہاں — وہ پہچانتا ہے فتح شیر کو۔ پر اب اس کی نظر شاید ٹھیک کام نہیں کرتی۔ ایک دفعہ میں بھی اس کے کہنے پر (ایک دم سوچ کر رک جاتا ہے) اگر میں چاچے حیات محمد کو سکندر پور اپنے ساتھ لے جاؤں تو (چہرہ ... جوش سے متغیر ہو جاتا ہے) یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا۔

(شبیر محمد اور ذکیہ پہلے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہیں پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں دلاور تیزی سے جاتا ہے) -CUT-

سین نمبر ۹

(جمیل اور دلاور)

جمیل: خدا کی قسم دلاور بھائی۔ مجھے کچھ پتہ نہیں۔ سعیدہ بتا رہی تھی کہ شاید وہ پاک پتن شریف گئے ہیں عرس ہو رہا ہے نا وہاں۔

دلاور: دیکھو جمیل اگر کوئی ایسی ویسی بات ہے تو مجھے صاف صاف بتا دو۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔

جمیل: مجھ سے قرآن اٹھوا لو۔ مجھے جو سعیدہ نے بتایا ہے میں وہی تمہیں بتا رہا ہوں۔ تم خود پوچھ لو سعیدہ سے۔

دلاور: کہاں ہے وہ؟

جمیل: نیاز بانٹنے گئی ہے محلے میں ـــ ابھی آجاتی ہے۔

دلاور: نیاز ـــ کس بات کی؟

جمیل: (شرمندہ انداز میں) وہ میں ٹھیک ہو گیا ہوں نا۔ اس نے شاید کوئی منت مانی ہوئی تھی۔

(دلاور بے چینی سے کمرے میں چکر لگاتا ہے۔ جمیل کی نظریں اس کا تعاقب کرتی ہیں ایک جگہ رُکتا ہے مڑ کر نرم لہجے میں جمیل سے کہتا ہے)

دلاور: ایک گلاس پانی پلوا دو۔

جمیل: (جلدی سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں جاتا ہے) ابھی لایا۔

(جمیل جاتا ہے دلاور نڈھال سا ہو کر صوفے پر گرتا ہے) -CUT-

سین نمبر ۱۷

ماسٹر: اللہ تمہارا بھلا کرے۔ برخوردار نیاز علی۔ خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ تم ہمیشہ میرا مان رکھتے ہو۔

نیاز: کیوں شرمندہ کر رہے ہیں ماسٹر جی۔ آپ کا گاؤں والوں کا حق ہے اس حویلی پر۔ میری تو شروع سے خواہش رہی ہے کہ ہم سب اچھے دوستوں کی طرح بھائیوں کی طرح مل جل کر رہیں۔ لیکن میاں جی کی طبیعت اور دلاور کی آوارگی نے کبھی اس دیوار کو گرنے نہیں دیا۔ جو اس حویلی اور گاؤں والوں کے درمیان تنی ہوئی ہے۔ میں اکیلا اسے نہیں گرا سکتا ماسٹر جی۔

ماسٹر: مجھے پتہ ہے بیٹا ـــ اکیلا شخص صرف خواب دیکھ سکتا ہے۔ تعبیریں عمارتوں کی طرح ہوتی ہیں اور عمارتیں ہمیشہ مل کر اساری جاتی ہیں۔

نیاز: میاں جی کا موڈ آج کل بہت بگڑا ہوا ہے۔ میرے خیال میں پہلے میں بات کر لوں۔ ایسا نہ ہو وہ سارا غصہ آپ پر ہی نکال دیں۔

ماسٹر جی: جیسے تمہاری مرضی۔

نیاز: (کچھ سوچتے ہوئے) نہیں: آپ بھی ساتھ ہی آیئے (دو قدم چل کر رکتا ہے) میرے خیال میں آپ پہلے چلیں۔ میں ذرا بعد میں آؤں گا۔

ماسٹر: بھئی تمہاری اس ڈِھلمل یقینی سے تو میرا ارادہ بھی ڈول گیا ہے۔ بخشو بتا رہا تھا کہ چودھری صاحب آج کل بڑے غصے میں ہیں۔

نیاز: ہاں وہ ـــ ایک واقعہ ہو گیا تھا شہر میں لیکن آپ گھبرائیں نہیں۔ میں ایک چیز لے کر آتا ہوں شاید آپ کے کام آجائے ـــ CUT-

سین نمبر ۱۱

(حشمت ماسٹر کی بات گہری سنجیدگی اور غور سے سن رہا ہے۔ مہنگا اور بخشو)

ماسٹر: بس یہی گزارش ہے چوہدری جی۔ پنڈ والوں نے مجھے اپنا نمائندہ بنا کر آپ کے پاس بھیجا ہے۔ اس لیے کہ آپ ہمیشہ مجھ پر شفقت کرتے ہیں۔ میری بات سُٹ نہیں پاتے۔

حشمت: (دھیمے متوازن لہجے میں جیسے بڑے کنٹرول انداز میں بول رہا ہو) تو تم یہ چاہتے ہو کہ میں سارے مزارعوں کے کوٹھے ان کے نام کر دوں۔ تاکہ حکومت کی طرف سے ان کو متبادل زمین مل جائے۔

ماسٹر: (اس کے لہجے سے شہ پاتے ہوئے) جی بالکل۔

حشمت: یہ زکوٰۃ کا مہینہ ہے ماسٹر۔

ماسٹر: (گھبرا کر) نہیں جی۔

حشمت: میری لاٹری نکلی ہے کوئی۔ (ماسٹر نفی میں سر ہلاتا جاتا ہے۔ حشمت کی آواز آہستہ آہستہ بلند ہوتی ہے) کوئی انعام ملا ہے مجھ کو حکومت کی طرف سے؟ ــــ پتر کا ویاہ کیا میں نے۔۔۔؟ میرے کسی کتے نے میدان جیتا ہے۔ منڈی لگ گئی ہے اس زمین کو؟ اوئے کس لیے میں کوٹھے ان کے نام کر دوں۔ مفت کی زمین ہے میری۔

ماسٹر: متبادل زمین کا جو فارمولا بنا ہے چودھری صاحب اس کے حساب سے تو یہ زمین آپ کے کسی کام نہیں آئے گی۔

حشمت: کیسے نہیں آئے گی؟ پچاس طرح کا کاروبار ہو سکتا ہے وہاں اور کچھ نہیں تو غلے کے گودام بنا کر کرائے پر چڑھائے جا سکتے ہیں۔

ماسٹر: مگر چوہدری صاحب۔ یہ مزارعے پشتوں سے آپ کے ملازم ہیں ان کا کچھ حق ہے آپ پر۔

حشمت: کیا حق ہے؟ مفت کام کرتے ہیں یہ؟ تم کو حکومت نے سکول میں ماسٹر لگایا ہوا ہے کہ بچوں کو تعلیم دو۔ اس بات کی تمہیں تنخواہ ملتی ہے۔ اب کل کو تم کہو کہ سکول کی عمارت تمہارے نام ہو جائے۔ کیونکہ تم نے یہاں تیس برس پڑھایا ہے۔ تو کون مانے گا۔

ماسٹر: آپ ٹھیک فرما رہے ہیں لیکن یہ تو معاملہ ہی بالکل مختلف ہے۔

حشمت: کیسے مختلف ہے۔ کیا انوکھی چیز ہے اس میں یہ جا کر شہر میں میرے خلاف گواہیاں دیں کہ میں نے انہیں ورغلا کے مظاہرے کے لیے بھیجا تھا اور زمین کو ٹھے ان کے نام کرا دوں۔ واہ ماسٹر واہ۔ خوب تعلیم دے رہا ہے مجھ کو۔

ماسٹر: میرے عرض کرنے کا مطلب یہ تھا چودھری صاحب۔

حشمت: تیرے عرض کرنے کا مطلب میں خوب سمجھتا ہوں ماسٹر۔ یہ پٹی ضرور تمہیں اس کمہار کے پتر ــــ اوئے بخشو اوئے کیا نام ہے۔ اس کمہار کے پتر کا۔

بخشو: محمد رشید جی۔ شیدا۔

حشمت: اس شیدے نے پڑھائی ہے اوئے اس کو آکھ بیٹو کو کہہ کے ایک ایک ہانڈی سارے پنڈ والوں کو مفت دے دے۔

(ماسٹر لاجواب سا ہو کر سر جھکا لیتا ہے)

نیاز: (آتے ہوئے ہاتھ میں کچھ کاغذات ہیں) اسلام علیکم میاں جی، کیسے آئے ہو ماسٹر جی۔

ماسٹر: ایک عرض لے کر آیا تھا چودھری صاحب کی خدمت میں۔ خیال تھا میری عمر اور کام کا لحاظ کرتے ہوئے میری بات نہیں ٹالیں گے۔ میری اس آخری فرمائش کو مان کر میرا اور پورے پنڈ کا مان بڑھائیں گے۔ پر۔

حشمت: تقریر بڑی آتی ہے ماسٹر۔ پر کان کھول کے سن لے۔ اس پنڈ کے لوگ ناشکرے ہیں۔ انہوں نے میرے جذبے کی قدر نہیں کی۔ میرے احسان کو نہیں جانا اب میرا ان سے کوئی "تعلق" نہیں میں کوٹھوں کا قبضہ تو کیا ایک اینچ زمین انہیں دینے کو تیار نہیں ہوں۔

نیاز: (ماسٹر کو آنکھ مار کر چپ کراتے ہوئے) مسئلہ کیا ہے؟ کیا بات ہے ماسٹر جی۔ پیسے چاہئیں؟

ماسٹر: نہیں برخوردار نیاز علی یہ بات نہیں گاؤں میں اکثر لوگوں کے پاس اپنا مکان اپنا کوٹھا نہیں ہے۔ بس تے چودھری صاحب سے التماس کی تھی کہ اگر وہ یہ کوٹھے از راہِ کرم مزارعوں کے نام کر دیں تو ان کی زندگی بن جائیگی

نیاز: اوہاں۔ مجھ سے بھی کی ہے کچھ لوگوں نے بات میرا خیال ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

حشمت: حرج کیوں نہیں ہے پتر نیاز علی۔ ان لوگوں سے کام لینے کے لیے ان کو دبا کر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ عرب کے اُوٹھ (اونٹ) کی طرح ڈِنگی قوم ہیں۔ ان کو ذرا سا راستہ ملنا چاہیئے۔ پھر دیکھو کیا کرتے ہیں تمہارے ساتھ۔

نیاز: لیکن میاں جی۔ اب تو۔ (حشمت گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے کاغذات کی فائل سامنے میز پر رکھتا ہے) یہ زمین تو حکومت نے ویسے بھی کاٹ لینی ہے۔ مزارعوں کے نام ہو جائے گی تو ہمیں دعائیں دیں گے۔

حشمت: کیا دعائیں دیں گے۔ بھکھے ننگے۔ اگر ان کی دعاؤں میں کوئی اثر ہوتا تو ان کے اپنے حالات نہ ٹھیک ہو جائیں۔

بخشو: بالکل ٹھیک ہے جی، غریب آدمی کی دعا میں کبھی اثر نہیں ہوتا۔ وہ کیا شعر تھا، ماسٹر جی جو آپ ہمیں سکول میں پڑھایا کرتے تھے۔ وہ ــــــ ؎ آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لیے۔

جھنگا: بادلو ہٹ جاؤ دید وراہ لنگھنے کے لیے۔

بخشو: اوئے لنگھنے کے لیے نہیں جانے کے لیے ۔۔۔۔ تو بڑا ہی نالائق ہے جھنگے۔

جھنگا: بھاویں لنگھنے کے لیے ہو بخشو بھاویں جانے کے لیے۔ پر یہ بدل لنگھنے نہیں دینے غریب کی دعا کو اگے۔

حشمت: بکواس بند کر و اوئے ۔۔۔ اوئے بخشو۔

بخشو: (آگے بڑھتے ہوئے) جی چودھری جی۔

(حشمت حُقّے کی نال اس کی طرف بڑھاتا ہے بخشو حقہ اٹھاتا ہے۔)

بالکل ٹھیک ہے جی ۔

(حقّہ لے کر جاتا ہے ۔)

حشمت : دیکھ ماسٹر، تو فکر نہ کر ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے پتہ ہے تیرا اٹھنا بیٹھنا علمے کمہار کے پُتر کے ساتھ ہے پر تُو نے میرے بچوں کو پڑھایا ہوا ہے ۔ تیرا بہت لحاظ ہے مجھ کو ۔ ۔ ۔ پانی آنے سے پہلے تیرا بھی کوئی معقول بندوبست کر دوں گا ۔

ماسٹر : میں اپنے لیے تو کچھ نہیں مانگ رہا چودھری جی ۔ میرا ہے کون اس دنیا میں دو ٹائم روٹی ہے نا وہ تو میں کہیں بھی بچوں کو چار اکھّر پڑھا کر کما لوں گا ۔ میں تو ۔ ۔ ۔

حشمت : اوئے ماسٹر ۔ ایک بات تو بتا مجھ کو ۔ ۔ ۔ یہ تیرے پیٹ میں ہر وقت پنڈ والوں کے مڑور کیوں اٹھتے رہتے ہیں ۔

ماسٹر : وہ میرے ساتھی ہیں چودھری جی ۔ میرے گرائیں ہیں ۔ میرے ساتھ کھیلتے ہوئے ۔ مجھ سے پڑھے ہوئے ۔ میرے ہاتھوں میں کھیلے ہوئے ۔ ۔ ۔ میرا ان کا دکھ سُکھ جیون مرن سانجھا ہے ۔

حشمت : یہ سب محاوروں کی باتیں ہیں ماسٹر ۔ ۔ ۔ دُکھ سُکھ جیون مرن میں کسی کی سانجھ نہیں ہوتی ہر بندہ کلّا دنیا میں آتا ہے اور کلّا ہی یہاں سے جاتا ہے ۔ تو اپنی فکر کر ۔

نیاز : ویسے میاں جی ماسٹر جی کی بات میں کچھ وزن لگتا ہے مجھے ۔ ہماری ذرا سی قربانی سے سینکڑوں لوگوں کا بھلا ہو جائے گا ۔

حشمت : کیا فائدہ ہو گا ان کا بھلا کرنے سے ۔ زمینیں مل گئیں تو ان کی اولادوں نے ہمیں پہچاننا تک نہیں ۔

ماسٹر : یہ کیسے ہو سکتا ہے چودھری جی ۔ یہ لوگ جہاں بھی جائیں گے آپ کے زیرِ سایہ رہیں گے ۔

حشمت : بندہ بندے کے زیرِ سایہ نہیں رہتا ماسٹر اس کے دبا کے زیرِ سایہ رہتا ہے جب تک یہ لوگ میرے بنائے ہوئے گھروں میں رہیں گے ان پر ہمارا دبا رہے گا ۔ اپنی چھت کا بڑا تحفظ ہوتا ہے پُتر نیاز علی

— CUT —

سین نمبر ۱۲

(سیمیں کا گھر)

شوکت : میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا قبلہ ۔ جو باتیں آپ نے خط میں لکھی ہیں اور جو آپ بتاتی ہیں انہیں دیکھوں تو ۔ ۔ ۔ آپ مجھے کچھ وقت دیجیے سوچنے کے لیے ۔

شیر محمد : وقت آپ جتنا جی چاہے لیجیے ۔ ہمارا مقصد تو صرف یہ تھا کہ آپ کی غلط فہمی دور ہو جائے ۔

سیمیں کی ماں : میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ وہ خط کس نے لکھے اور ۔ ۔ ۔ کسی کو کیا دشمنی ہو سکتی ہے ہم سے ؟

ذکیہ : دشمنی آپ سے نہیں ہم سے ہے کسی کی ۔ یہ سارا چکّر تو فرخ کو آپ کی نظروں سے گرانے کے لیے

چلایا گیا ہے۔

شوکت: لیکن بی بی ہر بات کی کوئی وجہ ہوتی ہے..... ایک طرف آپ کہہ رہی ہیں کہ آپ کی کسی سے دشمنی تو کیا معمولی سی شکر رنجی بھی نہیں اور دوسری طرف یہ... خطوط.. ٹیلی فون اور یہ سب الا بلا.....

شیر محمد: اگر ہم سب مل بیٹھ کر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو مجھے یقین ہے کہ ہم اس فتنے کی جڑ تک پہنچ جائیں گے۔ مگر سب سے پہلی بات تو ہمارے آپس میں دلوں کے صاف ہونے کی ہے۔

شوکت: ہیں تو کچھ کچھ.... تمہارا کیا خیال ہے سیمیں کی ماں،

ماں: میں... میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ مجھے تو افسوس اس کا ہے کہ یہ میرے گھر آئیں اور میں نے ان سے.... میں بہت شرمندہ ہوں بہن۔

(سیمیں دروازے کے پیچھے کھڑی مسکراتی ہے)

ذکیہ: (محبت سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے) آپ کی جگہ میں ہوتی تو شاید میں بھی یہی کرتی.... لیکن میرے خیال میں اب ہمیں گزری باتوں کو بھول جانا چاہئے۔ سیمیں کہاں ہے؟

ماں: اپنے کمرے میں ہے.... بلواؤں۔

ذکیہ: جی شکریہ۔ آپ اگر مناسب سمجھیں۔

ماں: آپ پھر شرمندہ کر رہی ہیں مجھے۔

(اٹھتے ہوئے آواز دیتی ہے)

سیمیں - سیمیں بیٹا۔

سیمیں: (ایک دم گھبرا کر سامنے آتی ہے) جی۔ جی امّی۔

شوکت: (مسکراتے ہوئے) تو تم دروازے سے لگی ہماری باتیں سُن رہی تھیں۔

سیمیں: میں.... نہیں تو...

—CUT—

سین نمبر ۱۲

(حویلی کے ڈرائنگ روم میں نیاز کے سامنے کچھ کاغذ بکھرے ہیں۔ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہے کیمرہ بزرگوں کی تصویروں سے پین کرتا ہوا اس پر آتا ہے۔ دروازے سے صغراں آتی ہے ہاتھ میں چائے کا ایک کپ ہے۔ نیاز کے پاس آکر کھڑی ہوتی ہے۔ جو اس کی آمد سے بے خبر ہے۔ صغراں کے چہرے پر ہمدردی کے آثار پیدا ہوتے ہیں چائے میز پر رکھتی ہے نیاز چونک کر اس کی طرف دیکھتا ہے)

صغراں: چائے۔

نیاز: تھینک یُو۔ اس وقت ضرورت بھی محسوس ہو رہی تھی اس کی۔ بیٹھو۔

صغراں: کیا سوچ رہے ہیں۔

نیاز: (دبے دل سے ہنستے ہوئے) کچھ نہیں۔ ایسے ہی

صغراں: میاں جی سے کچھ بات ہوئی ہے۔

نیاز: نہیں۔۔۔ وہ۔۔۔ ایسے ہی کوئی خاص نہیں۔ دراصل شبیر محمد کے ہاتھ سے نکل جانے سے میاں جی بہت FRUSTRATE ہوئے ہیں۔ بڑا جلال ہے آج کل ان کی طبیعت میں۔

صغراں: خیر وہ تو شروع سے ہی ہے۔ میں نے تو کبھی انہیں افسانوں کی طرح عمل کرتے نہیں دیکھا۔ ہر چیز کے سلسلے میں ان کا ایک اپنا ہی معیار ہے۔

نیاز: یہاں تک بھی ہوتا تو غنیمت تھا صغراں۔ مصیبت تو یہ ہے کہ غصے میں انہیں اپنے آپ پر بالکل قابو نہیں رہتا۔۔۔ ایک دفعہ منہ سے "نہ" نکل گیا تو کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح واپس نہیں آتا۔

صغراں: اب کیا ہوا ہے؟

نیاز: ماسٹر جی آئے تھے میرے پاس ہمارے مزارعوں کا پیغام لے کر انہوں نے درخواست کی ہے کہ اگر ہم یہ کوٹھے قانونی طور پر ان کے نام منتقل کر دیں گے تو ان کی بہت بڑی مشکل آسان ہو جائے گی۔

صغراں: (حیرت سے) وہ کیسے؟

نیاز: وہ یوں کہ حکومت نئی بستی میں اس کے بدلے میں رہائشی زمین دے دے گی۔ اور یوں وہ بے گھری کے مستقل عذاب سے بچ جائیں گے۔

صغراں: اچھا؟ تو میاں جی نے انکار کر دیا ہو گا؟

نیاز: ہاں ـــ حالانکہ ہمارے لیے وہ زمین بالکل بے فائدہ ہے کیونکہ حکومت رہائشی زمین کے عوض رہائشی زمین دے رہی ہے۔ حویلی سے باہر ہماری جتنی رہائشی زمین ہے وہ ویسے ہی ہم سے چھن جائے گی۔ اسی لیے اگر مزارعوں کا بھلا ہو جائے تو کیا برائی ہے آخر صدیوں سے وہ ہماری خدمت کر رہے ہیں۔ میں نے تو سوچا ہے اگر میاں جی اپنی بات پہ اڑے رہے تو میں اپنے حصے میں سے یہ زمین دے دوں گا انہیں

(صغراں ستائشی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہے)

صغراں: آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں نیاز صاحب مگر۔

نیاز: (مسکراتے ہوئے بات کاٹتا ہے) حیرت ہے آج تم نے مجھے چودھری نیاز نہیں کہا۔

صغراں: (شرمندہ سی ہو کر مسکراتے ہوئے) وہ اس لیے کہ (کچھ کہتے کہتے رک جاتی ہے) بہر حال شاید میری بھی کچھ غلطی تھی اس میں۔ ہاں میں کہہ رہی تھی۔

نیاز: (مسکراتے ہوئے) یہ بات پھر کبھی کر لیں گے۔ ایک دفعہ اور اسی طرح شرما کر مجھ سے بات کرو شاید

پندرہ سال بعد میں نے تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی ہے۔

صغراں: (شرماتے ہوئے) اچھا اب مذاق نہیں اڑائیں میرا۔

نیاز: (اٹھ کر بے اختیاری میں چند قدم چلتا ہے) کبھی کبھی میں سوچتا ہوں صغراں۔ انسان اپنی زندگیوں کا کس قدر قیمتی حصہ اپنی شخصیت کا بت ڈھالنے میں ضائع کرتے ہیں اپنے سر کو بلند رکھنے کے لیے اپنے چہرے کو بارعب رکھنے کے لیے کیسے کیسے نازک جذبوں کا سر کچل دیتے ہیں۔ کتنی چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہوتی ہیں جو ہمارے پاؤں تلے چیونٹیوں کی طرح کچلی جاتی ہیں مگر ہم اپنی چال میں فرق نہیں آنے دیتے۔ اب سمجھ میں آیا ہے کہ خدا نے انسان کو خسارے میں رہنے والا کیوں کہا تھا۔

(صغراں اس کی باتیں متاثر ہوتے ہوئے سنتی ہے قریب آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتی ہے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہے)

صغراں: آپ ڈار سے بچھڑی ہوئی کونج ہیں۔ نیاز صاحب۔ مجھے آپ پر بڑا ترس آتا ہے۔ لیکن جو ڈوب رہا ہو وہ دوسرے ڈوبنے والے کی کیا مدد کر سکتا ہے۔

سین نمبر ۱۳

(سیمیں کے گھر کے باہر، شبیر محمد ذکیہ ٹیکسی میں بیٹھ رہے ہیں۔ شوکت، ماں اور سیمیں انہیں رخصت کر رہے ہیں۔ ذکیہ سیمیں کا ماتھا چومتی ہے۔ شبیر محمد اور شوکت گلے ملتے ہیں۔ سب مسکرا رہے ہیں۔ جاسوس کا کلوز جو کسی جگہ چھپا حیرت سے اور تشویش سے انہیں دیکھ رہا ہے)

سین نمبر ۱۴

(یعقوب فون پر بات کر رہا ہے آدھی سکرین پر جاسوس دوسرے فون پر بات کر رہا ہے۔)

یعقوب: یہ بہت برا ہوا ہے۔ بہت برا۔ تم نے وہ ٹیلی فون نہیں کیا تھا۔

جاسوس: کیا تھا۔ بہت دفعہ کیا تھا۔ مگر شوکت صاحب کسی میٹنگ میں گئے ہوئے تھے۔

یعقوب: (سوچتے ہوئے) کیا مصیبت ہے؟ اچھا تم ایسا کرو۔

(نظر دروازے پر پڑتی ہے جہاں انور دروازہ کھول کر مسکراتا ہوا اندر آتا ہے)

اچھا صبح دفتر میں ملو مجھے۔

(فون رکھتا ہے)

انور: سلام چاچا۔

یعقوب: (مصنوعی تکلف سے) وعلیکم السلام۔ آؤ بھئی انور میاں۔ کیسے ہو؟ بیٹھو۔

انور: بیٹھنے کے لیے نہیں آیا چاچا۔ مولاداد کو میں نے گاؤں بھیجا تھا کچھ رقم لانے کے لیے.... ابھی تک نہیں پہنچا۔ میرے کچھ دوست آ گئے ہیں۔

یعقوب: او.... پیسے چاہئیں.... کتنے؟

انور: (CASUAL انداز میں) پچیس تیس ہزار سے کام چل جائے گا۔

یعقوب: (حیرت سے) پچیس تیس ہزار؟ اس وقت... میرا مطلب ہے خیریت تو ہے...

انور: سنتے خیراں ہیں چاچا۔ یار دوست آئے ہیں مہمان ہیں میرے۔ ان کی خاطر مدارات کے لیے رقم تو پاس ہونی چاہئیے۔

یعقوب: ہاں۔ وہ تو ٹھیک ہے مگر.... بھئی گھر میں تو زیادہ رقم نہیں رکھتا ہوں میں۔ دو چار ہزار ہوں گے۔ وہ لے جاؤ باقی صبح لے لینا۔

انور: صبح تک تو مولاداد بھی آ جائے گا چاچا۔ بات تو آج رات کی ہے۔

یعقوب: لیکن انور بیٹے۔ دوستوں کی خاطر مدارات کے لیے تو.... میرا مطلب ہے اتنی بڑی رقم...

انور: وہ چودھری انور کے دوست ہیں چاچا... سکندر پور والوں کے مہمان ہیں۔ آج رات جشن نہ ہوا تو ساری عمر کے لیے میری مونچھ نیویں ہو جائے گی۔

یعقوب: ہاں... وہ تو ٹھیک ہے۔ پر دس تمہاری چچی سے پتہ کرتا ہوں۔

انور: میرا نام نہ لینا چاچا۔ میں عورت کو جواب دینا پسند نہیں کرتا چاہے وہ میری چاچی ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ بات ذرا شکیلہ کو بھی سمجھا دینا۔

(یعقوب جاتے جاتے ایک دم رکتا ہے۔ کلوز۔) — CUT —

سین نمبر ۱۵

(فرخ اور سیمی موٹر سائیکل پر جا رہے ہیں۔ دونوں بہت خوش ہیں ان کے ہنسنے کی آواز O/L ہوتی ہے) — CUT —

سین نمبر ۱۶

(یعقوب کا دفتر)

یعقوب: مگر یہ کام بہت ہوشیاری سے کرنے والا ہے

جاسوس : آپ بالکل فکر نہ کریں سر۔
یعقوب : جاؤ۔ شاباش۔ ۔ ۔ ۔ ہاں سنو۔ ۔ ۔
جاسوس : (رک کر) جی سر۔
یعقوب : کام ہونے کے فوراً بعد بات پھیل جانی چاہیئے۔
جاسوس : جنگل کی آگ کی طرح پھیلے گی سر۔
یعقوب : ٹھیک ہے جاؤ۔

(جاسوس جاتا ہے۔ یعقوب کسی گہری سوچ میں ہے۔ بے خیالی میں پیپرویٹ گھماتا ہے)

— CUT کٹ

سین نمبر ۱۷

(سیمیں کتابیں ہاتھ میں لیے سڑک پر جیسے کسی سواری کے انتظار میں کھڑی ہے ایک ٹیکسی اس کے قریب آ کر رکتی ہے۔ سیمیں آگے بڑھتی ہے)

سیمیں : یونیورسٹی چلو گے۔
ڈرائیور : بیٹھیے۔

(سیمیں بیٹھتی ہے۔ ڈرائیور فٹ پاتھ پر کھڑے ایک آدمی کو اشارہ کرتا ہے جو بڑھ کر تیزی سے سیمیں کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ سیمیں حیرت اور غصے سے اس کی طرف دیکھتی ہے)

ڈرائیور : یہ میرا بھائی ہے بی بی۔ ۔ ۔ ۔ اگلے چوک پر اتر جائے گا۔
سیمیں : بھائی ہے تو اس سے کہو آگے بیٹھے۔ ۔ ۔ ۔ یہ

(ایک دم آنکھیں حیرت سے پھیل جاتی ہیں۔ آدمی اس کے کھلے ہوئے منہ میں ایک رومال رکھتا ہے۔ ٹیکسی ایک دم چلتی ہے دیوار کی طرف منہ کیے ہوئے جاسوس مڑ کر ٹیکسی کو جاتے دیکھتا ہے اور مسکراتا ہے۔ ٹیکسی فراٹے بھرتی جا رہی ہے پچھلی سیٹ پر سیمیں بے ہوش پڑی ہے۔ کلوز)

قسط نمبر ۲۰

سین ۱ـ

(پان والے کی دکان)

پان والا: آپ کا تمبا کو والا پان ہے نا؟

آدمی: ہاں چونا ذرا تیز لگانا۔

پان والا: جتنا حکم کریں گے لگا دوں گا۔ پر زیادہ چونا اچھا نہیں ہوتا۔

جاسوس: (آتے ہوئے) ایک پان دینا بھیا، سادہ!

پان والا: ایک منٹ (تیزی سے پان لگاتا ہے، جاسوس بڑے CASUAL انداز میں بات کرتا ہے)۔

جاسوس: کیوں بھائی، وہ شوکت صاحب کی لڑکی مل گئی؟

پان والا: (حیرت سے) شوکت صاحب کی لڑکی! اُسے کیا ہوا؟

جاسوس: سُنا ہے وہ گھر سے بھاگ گئی ہے۔

پان والا: (پان لگاتے لگاتے ایک دم رُک جاتا ہے) اماں کیا کہہ رہے ہو یار؟

آدمی: یہ اپنے شوکت صاحب، واپڈا والے؟

جاسوس: جی ہاں وہی۔

پان والا: مگر ان کی لڑکی تو ـــ وہ تو بڑی شریف بچی ہے میاں، تمہیں کس نے بتایا؟

جاسوس: ایسی باتیں چھپی نہیں رہتیں بھیا۔ خیر، ہمیں کیا، پان لگ گیا؟

پان والا: (پریشانی میں) ہاں ـــ بس لگ ـــ جاتا ہے ـــ مگر ـــ سمجھ میں نہیں آتا وہ لڑکی تو ایک گزرتے ہوئے آدمی کو روکتا ہے) نواز صاحب!

نواز: (رُکتے ہوئے) کیا بات ہے ماجد؟

پان والا: (آواز دباتے ہوئے) بڑا غضب ہو گیا ہے۔ سُنا ہے شوکت صاحب کی لڑکی کہیں بھاگ گئی ہے۔

نواز: (حیرت اور دلچسپی سے) نہیں۔

(کیمرہ اس سین سے زوم آؤٹ کر کے لانگ شاٹ پر آتا ہے۔ تین چار آدمی پان والے کے گرد جمع ہیں، ان کے درمیان سے جاسوس نکلتا ہے۔ کیمرے کے سامنے رُک کر پان منہ میں رکھتا ہے۔ مسکراتا ہوا ایک طرف جاتا ہے)۔

سین ۲

(سڑک پر دو آدمی باتیں کر رہے ہیں۔ انداز سے پتہ چلتا ہے کہ موضوع سیمیں ہے۔ ایک تیسرا آدمی آکر اُن کی باتیں سُننے لگتا ہے)۔

سین ۳

(ایک عورت اپنے گھر میں صوفوں کا کپڑا ٹھیک کر رہی ہے۔ دوسری عورت بڑے اکسائیٹڈ انداز میں تیزی سے آتی ہے)

دوسری عورت : اری سکینہ، تُنا تم نے کچھ ؟

سکینہ : کیا ہُوا ؟

دوسری عورت : سیمیں بھاگ گئی۔

سکینہ : آپا فاخرہ کی سیمیں ؟

دوسری عورت : اور کیا — کمال ہے تمہیں خبر ہی نہیں۔ سارے محلّے میں شور پڑا ہُوا ہے۔

سکینہ : ہائے — سچ ! کیسے ؟

دوسری عورت : ابھی تفصیلات تو معلوم نہیں ہوئیں، انعام کے ابا سُن کے آئے ہیں باہر سے۔

سین ۴

(سڑک کے کنارے دو نوجوان لڑکے۔ ایک لڑکا موٹر سائیکل پر بیٹھا ہے)

لڑکا : کمال ہے یار۔ سیمیں تو ایسے گھورتی تھی جیسے کھا جائے گی۔

لڑکا : مجھے پہلے ہی یقین تھا وہ کہیں پھنسی ہوئی ہے۔

لڑکا : پر یار، اگر بھاگنا ہی تھا تو ہم مر گئے تھے۔ آخر محلّے داروں کا کوئی حق ہوتا ہے۔

لڑکا : ایک ہی کام کی لڑکی تھی محلّے میں۔ وہ بھی گئی۔ افسوس !

سین ۵

سیمیں کی ماں : (حیرت اور غصّے سے) کیسی باتیں کر رہی ہو بہن، سیمیں تو ابھی یونیورسٹی گئی ہے۔ ابھی تو اُس کے ناشتے کے برتن نہیں اٹھائے میں نے۔

سکینہ : (ذرا گھبرائے ہوئے انداز سے) اچّھا — مگر سارے محلّے میں شور پڑا ہُوا ہے۔ کس وقت گئی تھی گھر سے ؟

سیمیں کی ماں : میری سمجھ میں نہیں آتا آپ — آپ سے کس نے کہا ہے ؟

(ایک عورت روتی ہوئی کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ دوڑ کر سیمیں کی ماں سے لپٹ جاتی ہے)

عورت: ہائے فاخرہ میری بہن۔ تو برباد ہو گئی —— لٹ گئی میری بہن۔ ہائے لوگو —— ارے کوئی پولیس میں رپورٹ کرو۔ شوکت بھائی کہاں ہیں۔ (صوفے پر گر کر) ہائے میری بچّی۔ پانی —— پانی دو مجھے۔

سیمیں کی ماں: (گھبرا کر میز سے پانی کا جگ اٹھاتی ہے، گلاس بھر کر عورت کو دیتی ہے) یہ سب کیا ہو رہا ہے افضل باجی۔ آپ سب لوگ۔

عورت: (پانی پیتے ہوئے) ہائے —— داغ لگ گیا سارے خاندان کو۔ کس کے ساتھ گئی ہے (چھاتی پیٹ کر) ہائے ہائے، اب کیا ہوگا؟

سیمیں کی ماں: آپ لوگوں کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ سیمیں تو ——

عورت: یہ وقت پردے ڈالنے کا نہیں فاخرہ۔ کوئی چارہ کرو۔ اِس سے پہلے کہ بات پھیلے اُسے لے آؤ۔

سیمیں کی ماں: مگر کہاں سے —— کہاں گئی ہے وہ؟

عورت: (ہلکے ہلکے چھاتی پیٹتے ہوئے) تم ہی اسے سمجھاؤ سکینہ۔ بیٹی کی عزّت کانچ کے برتن کی طرح ہوتی ہے، اِدھر ٹھیس لگی اُدھر گیا۔ شوکت کدھر ہے؟

سیمیں کی ماں: وہ دفتر گئے ہوئے ہیں۔

عورت: اسے پتہ نہیں؟

سیمیں کی ماں: کس بات کا پتہ۔ میری سمجھ میں تو آپ کی بات نہیں آرہی۔

عورت: اُسے بلاؤ۔ بتاؤ اسے۔ ٹیلی فون کرو فوراً۔

سیمیں کی ماں: لیکن باجی۔

سین ۶

(شوکت کے دفتر میں فون کی گھنٹی بجتی ہے، فون اٹھاتا ہے)

شوکت: جی۔ ارے بیگم آپ .... زہے نصیب! (ایکدم اس کی مسکراہٹ سمٹتی ہے، گھبرا کر کرسی سے کھڑا ہو جاتا ہے) کیا؟ کیا بکواس کر رہی ہیں آپ۔ محلّے کے لوگ! مگر بھئی! کمال کرتی ہو تم ابھی دو گھنٹے پہلے تو وہ ہمارے ساتھ بیٹھی ناشتہ .... اچھّا اچھّا، اچھا بابا روؤ نہیں۔ مَیں ابھی جاتا ہوں یونیورسٹی۔ ہاں ہاں اُسے ساتھ لے کر آؤں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔ ارے بھئی اللہ کا فضل ہے کچھ نہیں ہوتا۔ مَیں۔ مَیں بس جا رہا ہوں۔

(فون رکھ دیتا ہے حیرت اور پریشانی کے عالم میں کنپٹیاں مَلتا ہے)

سین ۷

(شوکت ڈیپارٹمنٹ کے باہر کھڑی دو تین لڑکیوں سے بات کر رہا ہے)

لڑکی: جی نہیں، آج تو وہ صبح سے نظر نہیں آئی۔ کیوں فریدہ؟

فریدہ : میرا خیال ہے صبح —— مگر نہیں شاید وہ تو کل کی بات ہے۔ ہاں کل دیکھا تھا میں نے اسے۔

شوکت : آج نہیں دیکھا اُسے کسی نے بیٹی۔

لڑکی : جی —— ہم میں سے تو کسی نے نہیں دیکھا۔ شاید آئی ہو۔ آپ کیفے ٹیریا میں دیکھ لیں۔

شوکت : (جاتے جاتے کچھ سوچ کر رکتا ہے) وہ ایک لڑکا ہے فرخ۔ وہ کہیں نظر آیا ہے تمہیں ؟

فریدہ : جی وہ اکثر اکٹھے ہی رہتے ہیں۔ ویسے فرخ بھی نظر نہیں آیا صبح سے کہیں۔

شوکت : (پریشانی میں) اچھا (وقفہ) کیفے ٹیریا کس طرف ہے بیٹی ؟

لڑکی : اِدھر سے رائیٹ ہو کر نا، بدھے چلے جائیں۔ آگے جا کر ایک لیفٹ ٹرن آئے گا۔ اس کے ساتھ ہی ہے۔

(شوکت جاتا ہے۔ لڑکیاں پھر آپس میں باتیں کرنے لگتی ہیں)

سین ۸

(فرخ کتابیں ہاتھ میں لیے آتا ہے۔ موٹر سائیکل پر بیٹھنے لگتا ہے۔ فریدہ آواز دے کر روکتی ہے)

فریدہ : فرخ صاحب۔

فرخ : (حیرت سے) جی۔

فریدہ : آپ کو سیمیں کے ابّو ڈھونڈ رہے تھے۔

فرخ : سیمیں کے ابّو مجھے ! کہاں ؟

فریدہ : جی ہاں۔ بہت پریشان لگ رہے تھے۔ پہلے سیمیں کا پوچھتے رہے پھر آپ کا پوچھنے لگے۔

فرخ : (موٹر سائیکل سے اتر کر اُسے بند کرتا ہے) کہاں ہیں وہ ؟

فریدہ : کچھ دیر پہلے کیفے ٹیریا کی طرف گئے تھے۔

فرخ : (گومگو کے عالم میں) اچھا —— میں (کتابیں کیریئر سے اٹھا کر تیزی سے ایک طرف کو جاتا ہے۔ فریدہ چند لمحے اُسے جاتے دیکھتی ہے۔ پھر اس کی موٹر سائیکل کے شیشے میں بال سنوارنے لگتی ہے)۔

سین ۹

(شوکت کا گھر)

شوکت : (سخت پریشانی میں) میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا بہن۔ پتہ نہیں قسمت کو کیا منظور ہے۔ میں نے تو ——

(آواز بھرّا جاتی ہے۔ فرخ آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے)

فرخ : گھبرائیے نہیں انکل۔ ہو سکتا ہے کسی سہیلی کے ساتھ ——

ذکیہ : فرخ ٹھیک کہہ رہا ہے بھائی جان۔ میری سمجھ میں تو یہ نہیں آرہا کہ اگر وہ صبح ناشتہ کر کے گھر سے نکلی ہے تو یہ خبر کیسے اُڑی کہ وہ خدانخواستہ کہیں بھاگ گئی ہے۔

شوکت : پتہ نہیں اس کی ماں نے مجھے فون کیا تھا کہ سارے محلے میں شور مچا ہوا ہے اور پھر وہ —— آخر وہ گئی کہاں ؟

سین ۱۰

(سیمیں ایک کمرے میں جہاں صرف ایک چارپائی پڑی ہے نیم بے ہوشی کے عالم میں لمبے لمبے سانس لے رہی ہے۔ چند لمحوں بعد آنکھیں کھولتی ہے۔ چند لمحے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر حیرت سے چاروں طرف دیکھتی ہے۔ ایک دم گھبرا کر اٹھتی ہے۔ بھاگ کر دروازے کی طرف جاتی ہے۔ اُسے کھولنے کی کوشش کرتی ہے۔ دروازہ باہر سے بند ہے۔ اُسے اور زور سے کھٹکھٹاتی ہے۔ سخت خوف زدہ ہے)۔

سین ۱۱

(سیمیں کا گھر)

رپورٹر : (نوٹس لیتے ہوئے) اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو کسی خاص آدمی پر شک نہیں ہے۔

شوکت : مَیں نے آپ کو بتایا ہے نا قبلہ میری بچی اس طرح کی —— اُسے ضرور اغوا کیا گیا ہے۔

رپورٹر : میرا بھی یہی مطلب ہے یعنی ان کو کسی سے محبت تھی اور آپ نے شادی سے انکار کر دیا یا کسی نے رشتہ مانگا اور آپ نے نہیں دیا' یا پھر کسی سے آپ کی ذاتی یا کاروباری دشمنی تھی۔ عام طور سے اسی طرح کی وجہ ہوتی ہے کوئی۔

شوکت : (پریشانی اور جھنجھلاہٹ میں) نہیں صاحب ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

رپورٹر : اصل میں یہ عمر ایسی ہوتی ہے کہ (سیمیں کی ماں جو اتنی دیر سے اپنے آنسو ضبط کر رہی ہے، ایکدم زور سے سسکی لیتی ہے۔ دوپٹہ منہ میں دبا کر تیزی سے کمرے سے نکل جاتی ہے۔ رپورٹر چند لمحے رحم انگیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے) کوئی تصویر مل جائے گی صاحبزادی کی۔

شوکت : (اٹھتے ہوئے غصے سے) جی نہیں۔ پلیز میری طبیعت اس وقت ٹھیک نہیں۔ آپ پھر کسی وقت تشریف لائیے گا۔ بلکہ۔

رپورٹر : (اٹھتے ہوئے) آپ کی مرضی جی۔ میرا مطلب ہے ذرا اخبار میں فیچر آجاتا۔ فرنٹ پیج پر سرخی لگ جاتی تو —— بہت سی لڑکیاں مل جاتی ہیں اس طرح۔ ویسے آپ کا معاملہ کچھ ذرا —— لمبا ہی لگتا ہے مجھے۔

(رپورٹر جاتا ہے۔ شوکت فرطِ غم سے نڈھال ہو کر صوفے پر گرتا ہے)

سین ۱۲

(یعقوب اپنے ڈرائنگ رُوم میں اخبار پڑھ رہا ہے۔ چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ ہے)

یعقوب: (پڑھتے ہوئے) آشنا کے ساتھ فرار ہوگئی ۔ ۔ ۔ ۔ ہوں۔ (پڑھتے ہوئے مختلف مقامات پر اطمینان اور مسرت کے تاثرات دیتا ہے۔ خبر ختم کرکے اخبار ایک طرف رکھتا ہے۔ انگڑائی لیتا ہے۔ ایکدم زبیدہ پر نظر پڑتی ہے جو اس کے پیچھے کھڑی ہے اُسے گہری نظروں سے دیکھتی ہے۔ انگڑائی وسط میں توڑ کر مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھتا ہے)۔

یعقوب: ارے تم کب آئیں! بڑی چوروں جیسی چال ہے تمہاری، مجال ہے جو ذرا سی آواز آجائے۔ وہ کیا شعر تھا" وہ یوں دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ تک نہیں ہوتی۔"

زبیدہ: (سنجیدگی سے) یہ سیمیں وہی لڑکی ہے؟

یعقوب: کون — کون سی سیمیں؟

زبیدہ: آپ کو اچھی طرح پتہ ہے میں کس سیمیں کی بات کر رہی ہوں۔

یعقوب: (کھسیانا سا ہوکر) اچھا اس خبر کے بارے میں پوچھ رہی ہو تم۔ ہو سکتا ہے — یا شاید کوئی اور ہو۔ سیمیں نام کی پچاس لڑکیاں ہوں گی اس شہر میں۔

زبیدہ: (اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہے۔ یعقوب بھی جواباً اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہے)۔ سچ بتایئے آپ — آپ کا تو کوئی تعلق نہیں اُس سے؟

یعقوب: (مذاق میں بات ٹالتے ہوئے) ارے اب میری عمر ہے ان کاموں کی۔ اور پھر اپنے پاس تو ایک ہی دل تھا — "نکاح نامے میں تمہارے نام لکھ دیا تھا" اب تو ہاتھ کٹوا کے بیٹھے ہیں تمہارے حضور۔

زبیدہ: ہنسی میں نہیں ٹالیے یعقوب صاحب۔ میری بات کا جواب دیجیے۔

یعقوب: ارے بھئی لاحول ولا قوۃ یعنی کہ۔ کمال کرتی ہو تم بھی۔ قسم لے لو۔ میں نے تو آج تک اس لڑکی کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ لگتا ہے گیس پھر

(ہاتھ سے اوپر کی طرف اشارہ کرتا ہے)

زبیدہ: پلیز یعقوب صاحب۔

یعقوب: تو مجھ سے کیا پوچھ رہی ہو۔ میں نے تو نہیں دی اخبار میں یہ خبر۔

زبیدہ: میں پوچھ رہی ہوں۔ کیا یہ وہی سیمیں ہے؟

یعقوب: شاید ۔ ۔ ۔ وہی ہو۔ اچھا اب جلدی سے ناشتہ کرا دو مجھے۔ آج بہت سے کام کرنے ہیں۔ میں کپڑے بدل کر آتا ہوں۔

(یعقوب جاتا ہے۔ زبیدہ کا کلوز کچھ پریشان سی ہے)

سین ۱۳

(دلاور کا کلوز۔ کہیں بیٹھا اخبار پڑھتا ہے۔ حیرت سے آنکھیں ملتا ہے۔ دوبارہ پڑھتا ہے)۔

سین ۱۴ ؁

(ذکیہ کا گھر۔ شیر محمد۔ فرخ۔ ذکیہ۔ دلاور۔ چاروں پریشان ہیں)

ذکیہ : رپورٹ تو درج کرادی ہے مگر۔ فرخ گیا تھا شوکت بھائی کے ساتھ۔ بتا رہا تھا کہ پولیس والوں کے سوالات سے شوکت بھائی سخت گھبرائے ہوئے تھے۔

فرخ : میں آپ کو کیا بتاؤں دلاور بھائی۔ عجیب عجیب طرح کے سوال کرتے ہیں یہ لوگ۔ میرا تو خون کھول رہا تھا۔

شیر محمد : پولیس اگر تفتیش نہیں کرے گی بیٹے، تو سراغ کیسے ملے گا۔ الہ دین کا چراغ نہیں ہے نا ان کے پاس۔

فرخ : آپ کو نہیں پتہ نانا ابو۔ وہ تو ایسے سوال کر رہے تھے جیسے ہم نے خود سیمیں کو کہیں چھپا رکھا ہے۔ ایک تھانیدار اسی پر زور دیے جا رہا تھا کہ لڑکی کا معاملہ ہے ہمیں بات کو اچھالنا نہیں چاہیئے۔

ذکیہ : کوئی بیٹی والا ہو گا . . . بیٹے۔ اس مسئلے کی نزاکت کو اولاد والے زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

دلاور : (جو خاموشی اور سنجیدگی سے سب کی باتیں سن رہا ہے) دیکھیے اس سچوایشن میں جذباتی ہونے سے کام نہیں چلے گا۔ ہمیں ٹھنڈے دل سے حقائق کا سامنا اور تجزیہ کرنا چاہیئے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ سیمیں اپنے گھر سے غائب ہے۔ آپ کی باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے کسی کے ساتھ فرار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ اُسے اغوا کیا گیا ہے۔ کیوں، کیسے اور کب؟ ان تین باتوں کا جواب ہمیں ڈھونڈنا ہے۔

شیر محمد : (دلاور کی گفتگو سے متاثر ہوتے ہوئے) بالکل ٹھیک کہا ہے تم نے۔

ذکیہ : میرا دل کہتا ہے کہ یہ اسی آدمی کی حرکت ہے جو فرخ بن کر ان کے گھر فون کرتا اور خط لکھتا رہا ہے۔

دلاور : آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سیمیں، اس کی والدہ اور والد، آپ اور فرخ، سب اس آدمی کو LOCATE کرنے میں ناکام ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر کوئی شخص اس میں اتنی دلچسپی رکھتا ہے کہ اسے اغوا تک کر سکے، تو اب تک آپ سب لوگوں کی نظروں سے اوجھل کس طرح ہے؟

فرخ : (پریشانی میں) یہی تو مصیبت ہے۔

شیر محمد : کہیں حشمت خاں تو ــــ مگر نہیں ــــ اسے حملہ کرنا ہوتا تو سامنے سے کرتا۔

دلاور : ہاں۔ چوہدری حشمت کا اس سے کوئی تعلق بنتا نظر نہیں آتا۔ البتہ ــــ مگر نہیں یہ تو کوئی بہت قریب کا آدمی۔ کوئی گھر کا بھیدی۔ کوئی آستین کا سانپ ہے۔

سین ۱۵ ؁

(ایک زیرِ تعمیر کوٹھی کے صحن میں یعقوب کی گاڑی داخل ہوتی ہے۔ ہارن دیتا ہے۔ اندر سے جاسوس آتا ہے۔ گاڑی پہچان کر تیزی سے آگے بڑھتا ہے۔ آکر سلام کرتا ہے)

جاسوس: سلام علیکم سر۔ (یعقوب سر کے اشارے سے جواب دیتا ہے) سب کام ٹھیک ہوگیا ہے سر۔
یعقوب: شاباش۔ تصویر مل گئی اس کی؟
جاسوس: جی ہاں۔ کتابوں میں شناختی کارڈ مل گیا تھا۔
یعقوب: تصویر حمید کو پہنچا دو۔ باقی کام میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔
جاسوس: ٹھیک ہے سر۔
(یعقوب گاڑی سٹارٹ کرتا ہے۔ کچھ سوچ کر بند کرتا ہے)
یعقوب: اپنے آدمیوں کو سمجھا دیا تھا نا۔ اس کے سامنے نہیں آنا۔
جاسوس: (جیب سے ایک نقاب نما کپڑا نکال کر منہ پر لگا کر دکھاتا ہے) دونوں کو یہ دے دیے ہیں سر۔
یعقوب: شاباش۔ پرسوں صبح اُسے کہیں دُور لے جا کے چھوڑ دینا۔ اس سے پہلے نہیں۔
جاسوس: آپ بالکل فکر نہ کریں سر۔ ہم اُسے رائے ونڈ روڈ پر چھوڑ آئیں گے ۔۔۔ ایک بات ہے سر۔
(یعقوب اشارے سے پوچھتا ہے "کیا؟") شور بہت مچاتی ہے سر۔
یعقوب: مچانے دو۔ یہاں سے اس کی آواز باہر نہیں جاسکتی۔ لیکن کوئی بدتمیزی نہیں ہوگی۔
جاسوس: جی سر۔ بالکل۔ آپ فکر نہ کریں۔
(یعقوب گاڑی موڑتا ہے۔ جاسوس اسے جاتے ہوئے دیکھتا ہے۔ اندر کی طرف مڑتا ہے)

سین ۱۶

(دونوں بدمعاش ایک کھلی سی جگہ پر تاش کھیل رہے ہیں۔ ایک بند دروازے
کے پیچھے سے سیمیں کی تھکی ہوئی آواز آتی ہے)

سیمیں: دروازہ کھولو۔ خدا کے لیے دروازہ کھول دو۔
بدمعاش: (عامیانہ مسکراہٹ کے ساتھ) کھول دو استاد ۔۔۔ دروازہ۔
استاد: بکواس بند کرو۔ کام ہمیشہ ایمانداری سے کرنا چاہیے۔
بدمعاش: (کھسیانا ہوکر) میں نے تو ایسے ہی ایک بات کی تھی اُستاد۔
استاد: غلط سوچنے سے ہی غلط کام شروع ہوتا ہے۔ . . . اس بزنس میں ریپوٹیشن کا بہت خیال رکھنا پڑتا ہے . . . ساکھ بگڑ جائے تو گاہک نہیں ملتا . . . چلو پتا پھینکو۔
جاسوس: (آتے ہوئے) الیاس . . . کھانا لے آؤ یار . .
(جیب سے کچھ پیسے نکال کر اُسے دیتا ہے)
بدمعاش: کیا لاؤں؟
جاسوس: (ماتم کے انداز میں) جو جی چاہے لے آؤ . . . کچھ چرغے ورغے . . . کچھ چانپیں شانپیں . . . کچھ نان وان . . . .

سیمیں : (اندر سے دروازہ زور سے ہلاتی ہے) آواز دیتی ہے) خدا کے لیے دروازہ کھول دو۔

بدمعاش : (دروازے کی طرف دیکھ کر) اس کے لیے کیا لاؤں ؟

استاد : اس کا تو دوپہر کا کھانا بھی اسی طرح پڑا ہے۔

جاسوس : فکر نہ کرو۔ بھوک بڑی ظالم چیز ہوتی ہے... کب تک فاقہ کرے گی۔

(کٹ کر کے اندر سیمیں پر جاتے ہیں جو دروازے کے ساتھ لگی نیم بیہوشی کے عالم میں بڑبڑا رہی ہے)

سیمیں : خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو... دروازہ کھول دو... کھول دو دروازہ۔

سین ۱۷

(ذکیہ کا گھر)

یعقوب : کیا عرض کروں بھابی... میں نے کراچی میں یہ خبر پڑھی... اس قدر دل بُرا ہوا کہ کچھ سمجھ میں نہ آیا.... اتنی ضروری بزنس اپوائنٹمنٹ تھیں.... مگر میں نے سب چھوڑ دیں اور پہلی فلائٹ سے بھاگا آیا ہوں.... غمی کے موقعے پر اپنے پاس ہوں تو ذرا ڈھارس رہتی ہے۔

ذکیہ : بس یعقوب بھائی.... مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے مصیبتوں نے میرا گھر دیکھ لیا ہے... فرخ کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔

یعقوب : کہاں ہے وہ ؟

ذکیہ : دلاور بھائی کے ساتھ پولیس اسٹیشن گیا ہوا ہے۔ کوئی ایس پی صاحب واقف ہیں، دلاور بھائی کے۔

یعقوب : دلاور... یہ بہت آتا جاتا ہے یہاں... میرا مطلب ہے... اس کا ماضی کچھ ایسا.... بہر حال ذرا احتیاط کیجیے گا۔

شیر محمد : دلاور آدمی نہیں، فرشتہ ہے... یعقوب صاحب۔

یعقوب : نہیں نہیں، میرا یہ مطلب نہیں تھا... دراصل... کسی فیملی میں کسی اجنبی کا اس قدر گھل مل جانا... بہر حال آپ بہتر سمجھتے ہیں... تو بھابی اب بات کہاں تک پہنچی ہے... یعنی کیا پتہ چلا ہے پولیس کی تفتیش سے۔

ذکیہ : کچھ نہیں... کچھ پتہ ہی نہیں چل رہا... لیکن ایک بات طے ہے کہ وہ گھر سے بھاگی نہیں ہے اُسے اغوا کیا گیا ہے۔

یعقوب : (اپنے تاثرات کو چھپانے کی کوشش میں) یہ، یہ.... کیسے پتہ چلا ؟

ذکیہ : کل صبح پونے نو بجے کے قریب وہ گھر سے یونیورسٹی کے لیے نکلی ہے.... اور ساڑھے نو دس بجے تک پورے محلّے میں یہ بات پھیل چکی تھی کہ وہ فرار ہو گئی ہے.... اب سوال یہ پیدا

ہوتا ہے کہ آدھے گھنٹے کے اندر اندر لوگوں کو پتہ کیسے چلا کہ وہ فرار ہو گئی ہے۔

یعقوب: (سوچتے ہوئے) بات تو آپ کی ..... درست معلوم ہوتی ہے۔

ذکیہ: دلاور بھائی بتا رہے تھے کہ یہ بات ان کے محلّے کے ایک پان والے کی دکان سے چلی ہے .... وہیں کسی نے یہ اطلاع دی تھی! اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ضرور اس کے پیچھے کوئی سازش ہے۔

یعقوب: وہ تو درست ہے بھابی .... مگر یہ بھی تو سوچیے کہ اگر اسے واقعی اغوا کیا گیا ہے تو کسی کو کیا ضرورت تھی فوراً ہی یہ اطلاع دینے کی .... اس طرح تو خود اس کا کام بھی ..... مشکل ہو سکتا تھا۔

ذکیہ: ہاں .... یہ بات بھی ہے ....

یعقوب: آپ نے اچھی طرح پتہ کروا لیا ہے کہ اس لڑکی کے۔ کیا نام بتایا تھا آپ نے .... ہاں سیمیں کے .... میرا مطلب ہے اس عمر میں لڑکیوں کی دوستیاں وغیرہ ذرا .... ناسمجھی کی عمر ہوتی ہے نا ....

شیر محمد: میں اس بچّی سے ملا ہوں یعقوب صاحب .... وہ بہت اچھی، بہت سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔

ذکیہ: ابّو ٹھیک کہہ رہے ہیں یعقوب بھائی .... یہ چکر کچھ اور ہی ہے۔

(یعقوب معنی خیز نظروں سے ذکیہ کی طرف دیکھتا ہے جس نے پریشانی میں سر جھکا رکھا ہے)۔

سین ۱۸

(ایس پی۔ فرخ۔ دلاور۔ فرخ کا شیو بڑھا ہوا ہے سخت پریشان ہے)

ایس پی: دیکھو دلاور۔ پولیس اپنی پوری کوشش کر رہی ہے .... لیکن اب ہمارے پاس کوئی الہ دین کا چراغ تو ہے نہیں کہ پلک جھپکتے میں سارا کام ہو جائے۔

دلاور: پھر بھی شفیق صاحب .... کچھ تو پراگرس .... میرا مطلب ہے ....

ایس پی: اس بات کو اپنے تک رکھنا، میں نہیں چاہتا کہ مجرم ہوشیار ہو جائیں .... ہم نے اس ٹیکسی کا پتہ چلا لیا ہے جس کے ذریعے اس لڑکی کو اغوا کیا گیا تھا۔

دلاور: (حیرت اور جوش سے) اچھا .... کہاں ہے ؟

ایس پی: ٹیکسی ڈرائیور کو بے ہوش کر کے اور باندھ کے وہ لوگ اسے بندر روڈ پر جھاڑیوں میں ڈال گئے تھے .... اس کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دو آدمی تھے ....

دلاور: لیکن یہ کیسے پتہ چلا کہ .... سیمیں کو اسی ٹیکسی میں لے جایا گیا تھا ....

ایس پی : اس کے محلے سے ایک گواہی ہمیں مل گئی ہے۔ ایک بیکری والے نے اسی ماڈل کی ٹیکسی میں کل صبح اسے بیٹھتے دیکھا تھا۔

دلاور : اوہ !

ایس پی : انشاء اللہ ہم بہت جلد مجرموں تک پہنچ جائیں گے۔

فرخ : مگر . . . ہمیں نے ان کا کیا بگاڑا تھا . . . .

ایس پی : برائی کرنے والے کسی کا قصور نہیں دیکھا کرتے بھائی . . . خیر و شر کی یہ کشمکش تو ازل سے چلی آرہی ہے۔

دلاور : وہ ٹیکسی ڈرائیور کہاں ہے اس وقت . . .

ایس پی : اس کے سر میں زخم تھا . . . مرہم پٹی کے لیے ہاسپٹل بھجوایا ہے . . . اگر وہاں نہیں تو اپنے گھر ہوگا۔ نواں کوٹ تھانے سے اس کا ایڈریس مل جائے گا . . . لیکن تم پولیس کے کام میں دخل نہیں دو گے . . . .

دلاور : آپ فکر نہ کریں . . . آؤ فرخ . . . مولاداد سے مل کر کوئی پروگرام بناتے ہیں۔

ایس پی : مولاداد — ! یہ وہی صاحب ہیں جو اس دن تمہارے ساتھ آئے تھے۔

(دلاور اثبات میں سر ہلاتا ہے)

سین ۱۹

(انور کا کمرہ۔ سب کسی بات پر ہنس رہے ہیں)

انور : خدا کی قسم پری پیکر . . . بڑا ہی بُرا گلا ہے تیرا . . . ڈھوڈل کاں جیسی آواز ہے تیری۔

پری پیکر : مَیں سنگر نہیں ہوں چوہدری صاحب . . . کمپوزر ہوں . . . کمپوزر کا کام گانا نہیں گنوانا ہے۔

انور : وہ تیرا بلبلہ کدھر ہے آج، ذرا نذر عباس کو سنوانے۔

پری پیکر : وہ ایک فنکشن پر گیا ہے . . . اس کا آئٹم بہت چلتا ہے فنکشنوں میں . . . مَیں نے میڈم ثمینہ کو بلایا ہے . . . ابھی آتی ہے . . . غزل آپ کے پیش خدمت کرتے ہیں . . . آہا ہاہا . . . کیا کمپوزیشن کی ہے مَیں نے . . . مَیں تیرے سنگ کیسے چلوں ساجنا . . . ذرا ساجنا کی ادائیگی دیکھیے . . . سا . . . جنا . . . جا . . . نا . . . جا . . .

(ایک دم آواز حلق میں رک جاتی ہے۔ مولاداد دروازے میں کھڑا اسے گھور رہا ہے۔ پری پیکر تھوک نگلتا ہے۔ آہستہ سے باجا ایک طرف ہٹا دیتا ہے)

انور : کیا ہُوا ؟

(پری پیکر آنکھ سے مولاداد کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مولاداد آگے بڑھتا ہے)

مولاداد: سلام چوہدری صاحب۔

انور: آؤ بھئی مولاداد۔۔۔۔ اتنی دیر کہاں لگادی۔۔۔ بیٹھو۔

مولاداد: ایک بات کرنی ہے چوہدری جی آپ سے۔۔۔۔ اکیلے میں۔۔۔

انور: ارے بھئی یہیں کرلو۔۔۔ یہ سب میرے یار ہیں۔

مولاداد: وہ ذرا۔۔۔ کچھ۔۔۔ اچھا میں پھر کرلوں گا۔

نذرعباس: سن لو یار انور۔۔۔ کوئی بات نہیں۔۔۔ ہم تمہارے اس۔۔۔۔ کیا نام ہے یار تمہارا؟

پری پیکر: پری پیکر۔۔۔ ثقلین پری پیکر۔

نذرعباس: ہاں۔۔۔ اس پری پیکر سے کوئی آئٹم سنتے ہیں۔

انور: (اٹھتے ہوئے) اچھا۔

سین ۲۰

(انور کے کمرے کے باہر والا کمرہ۔۔۔ موسیقی اور ہنسنے کی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی ہیں۔ انور اور مولاداد باتیں کر رہے ہیں۔ انور کسی بات پر سخت غصے میں ہے)

انور: تو اب بات یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ لگتا ہے بھانیاز۔۔۔ (فیصلہ کن انداز میں سر جھٹکتا ہے) تم نے اسے بتایا تھا کہ میرے مہمان آرہے ہیں۔

مولاداد: دسیا تھا جی۔۔۔ پر وہ کہنے لگے کہ۔۔۔ حکومت کے آدمی پنڈ خالی کرانے کے لیے پہنچ گئے ہیں۔۔۔ بڑی پسوڑی پڑی ہوئی ہے۔ اس لیے آپ سب کام چھوڑ کر فوراً پنڈ آجائیں۔

انور: میں اس کے باپ کا نوکر ہوں نا؟۔۔۔ میاں جی کو پتہ ہے اس بات کا؟

مولاداد: پتہ نہیں جی۔۔۔ میرے خیال میں۔۔۔ نہیں۔

انور: تو اس نے تمہیں رقم دینے سے انکار کر دیا ہے۔۔۔ (سفاکانہ اور انتقامی لہجے میں) پوری جائیداد کا مالک بننا چاہتا ہے وہ۔۔۔ مولاداد۔

مولاداد: جی چوہدری جی۔

انور: اب وقت آگیا ہے مولاداد۔

مولاداد: (تجاہلِ عارفانہ سے) کیسا وقت۔۔۔ چوہدری جی؟

انور: (گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ مولاداد نظر چرا لیتا ہے) بھانیاز نے یہ اچھا نہیں

کیا مولاداد . . . میں بھی میاں جی کی طرح معاف کرنے کا قائل نہیں ہوں۔

مولاداد: زیادہ غصّہ اچھا نہیں ہوتا چوہدری جی۔ ساری عمروں کے پچھتاوے لگ جاتے ہیں بعد میں۔

انور: پچھتاوے ہمیشہ کمزور اور بزدل آدمی کے لیے ہوتے ہیں مولاداد . . . مردوں کی طرح زندہ رہنا ہو تو ہاتھ ہمیشہ دنیا کے گریبان پر رکھنا چاہیئے۔

مولاداد: آپ . . . . کہہ سکتے ہیں چوہدری جی۔

انور: تم جیپ سٹارٹ کرو، میں آرہا ہوں۔

مولاداد: (حیرت سے) کدھر؟

انور: ہم سکندر پور جا رہے ہیں مولاداد . . . . قرضہ زیادہ دیر سر پر نہیں رکھنا چاہیئے . . . . سُود بڑھ جائے تو ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

(انور تیزی سے اندر کی طرف مُڑتا ہے۔ مولاداد گہری سوچ میں پڑ جاتا ہے)

سین ۲۱

(رات کا وقت۔ کیمرہ باہر کے کمرے میں تین چار پائیوں پر آتا ہے جن پر بدمعاش، استاد اور جاسوس سو رہے ہیں۔ کیمرہ بدمعاش کے کلوز پر جاتا ہے جو جاگ رہا ہے۔ اس کی آنکھیں کسی وحشی جذبے سے چمک رہی ہیں۔ محتاط نظروں سے دونوں کا جائزہ لیتا ہے۔ آہستہ سے اپنی چارپائی سے اٹھتا ہے۔ دبے قدموں سے سیمیں کے کمرے کے دروازے کے قریب جاتا ہے۔ دروازے کی کنڈی کھول کر اُسے اندر کی طرف کھولتا ہے۔ کٹ کر کے سیمیں پر آتے ہیں جو زمین پر دیوار کے ساتھ لگی بیٹھی ہے۔ دروازہ کھلنے پر چونک کر دیکھتی ہے۔ چیخ مارنے لگتی ہے بدمعاش بڑھ کر اُس کے منہ پر ہاتھ رکھتا ہے)

بدمعاش: (گھبرائے ہوئے انداز میں) شور نہیں مچانا . . . . میں . . . میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں . . . (سیمیں کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی ہیں۔ آہستہ سے اس کا ہاتھ اپنے منہ سے ہٹاتی ہے۔ بدمعاش چند لمحے اسے ہوسناک نظروں سے دیکھتا ہے۔ دبی آواز میں بولتا ہے) میں . . . تمہیں یہاں سے نکال سکتا ہوں۔

سیمیں: تمہاری بڑی مہربانی ہوگی بھائی۔

(بھائی پر بدمعاش کا REACTION)

بدمعاش: لیکن اس کے لیے تمہیں . . . . اس کی قیمت دینی ہوگی۔

(سیمیں حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہے۔ اس کا مطلب سمجھ کر ایک دم اُسے پیچھے کی طرف

دھکا دیتی ہے۔ کھُلے ہوئے دروازے کی طرف بھاگنے کی کوشش کرتی ہے۔ بدمعاش اسے پکڑنے کو جھپٹتا ہے۔ سیمیں چیختی ہوئی بھاگتی ہے۔ اس کا دوپٹہ بدمعاش کے ہاتھ میں رہ جاتا ہے۔ استاد اور جاسوس گھبرا کر اٹھتے ہیں۔ سیمیں ان کے قریب سے بھاگتی ہوئی گھبرائے ہوئے انداز میں باہر کا دروازہ کھولتی ہے۔ بدمعاش کھلے ہوئے دروازے میں پریشان کھڑا ہے۔ جاسوس گھور کر اسے دیکھتا ہے۔ باہر کی طرف بھاگتا ہے)

جاسوس: اسے پکڑو۔

(تینوں اسی کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ سیمیں سڑک پر دیوانہ وار بھاگ رہی ہے)

سین ۲۲

(بدمعاش سڑک کے درمیان کھڑے اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہیں)

جاسوس: (استاد سے) اُس طرف دیکھو۔۔۔۔ تم میرے ساتھ آؤ۔۔۔۔ اور یہ مال اپنی کا دوپٹہ پھینکو کہیں۔۔۔۔ اندر کرانا ہے سب کو (بدمعاش گھبرا کر دوپٹہ ایک طرف پھینکتا ہے۔ جاسوس ایک طرف دیکھتا ہے) وہ رہی۔

(جاسوس اور بدمعاش بھاگتے ہیں۔ سیمیں گرتی پڑتی بھاگی جا رہی ہے۔ ایک دم ایک طرف سے جاسوس نکل کر سامنے آ جاتا ہے۔ سیمیں ڈر کر رُکتی ہے۔ جاسوس اپنی سانس درست کرتے ہوئے آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھتا ہے۔ ایک کار کی روشنی سیمیں کے عقب سے آتی ہے۔ مڑ کر دیکھتی ہے۔ دونوں ہاتھ دے کر کار کو روکتی ہے۔ جاسوس اسے پکڑ کر گھسیٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ کار قریب آ کر رُکتی ہے اُس میں ایکٹر قوی بیٹھا ہے۔ جاسوس گھبرا کر سیمیں کو چھوڑ دیتا ہے۔ بھاگتا ہے۔ قوی دروازہ کھول کر سیمیں کے پاس آتا ہے جو لمبے لمبے سانس لے رہی ہے۔ جاسوس کا چہرہ سیمیں واضح طور پر دیکھ لیتی ہے)

قوی: کیا بات ہے بی بی؟

سیمیں: یہ۔۔۔ یہ بدمعاش۔۔۔ یہ مجھے۔۔۔۔ مجھے میرے گھر پہنچا دو بھائی۔۔۔

قوی: (چند لمحے کچھ سوچتا ہے) بی بی کوئی چکر ہے تو ابھی بتا دو۔۔۔ کل کے اخباروں میں میری تصویر نہ لگوا دینا۔

سیمیں: (حیرت سے) جی۔۔۔۔

قوی: میرا مطلب ہے خاتون۔۔۔ اگر یہ کوئی ایکٹیوٹی ہے تو مجھے معاف رکھو۔۔۔۔ مَیں ایکٹر ضرور ہوں، پر اپنی بیوی سے بہت ڈرتا ہوں۔

سیمیں: کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔ آپ۔

قوی: آپ گاڑی میں بیٹھیں۔۔۔ مَیں عرض کرتا ہوں۔

(سیمیں اٹھتی ہے۔ قوی کار کا دروازہ کھولتا ہے)

سین ۲۳

(قوی کار چلا رہا ہے۔ سیمیں پریشان انداز میں بیٹھی ہے)

قوی: معاف کرنا بی بی۔ دراصل لڑکیاں ہم ایکٹروں وغیرہ کو چھیڑنے کے لیے عجیب عجیب حرکتیں کرتی رہتی ہیں۔ میں سمجھا شاید.... آپ بھی۔

سیمیں: کوئی بات نہیں جی....

(پھر گہری سوچ میں پڑ جاتی ہے)

قوی: آپ پولیس اسٹیشن جانا چاہتی ہیں یا پہلے اپنے گھر جائیں گی؟

سیمیں: میں... آ.... آپ.... مجھے میرے گھر پہنچا دیں....

قوی: جیسے آپ کی مرضی...

سین ۲۴

(حویلی۔ نیاز اور انور ایک دوسرے کو گھور رہے ہیں)

حشمت: اوئے آرام سے پُتّر اوئے.... آرام سے۔ اوئے کیا ہو گیا ہے تم دونوں کو..... اوئے پُتّر نیاز علی....

نیاز علی: کیا میاں جی آپ ہر وقت پُتّر نیاز علی... پُتّر نیاز علی لگائے رہتے ہیں... کیا سارے خاندان میں میں رہ گیا ہوں تابعداریاں کرنے کے لیے.... ہر بات میں آپ مجھے ہی جھوٹا کرتے ہیں۔

حشمت: (پریشان سا ہو کر اس کی طرف دیکھتا ہے جیسے اسے اس سے اس لہجے کی اُمید نہ ہو۔ سوچ میں پڑ جاتا ہے، پھر انور کی طرف دیکھتا ہے جو غصّے سے بھرا بیٹھا ہے۔ اپنے لہجے میں سمجھانے کا انداز پیدا کرتا ہے) اوئے... اوئے تم دونوں میرے بازو... میری آنکھوں کی راحت میرے دل کی ٹھنڈک ہو.... میں نے تم کو دادا نئیں پیو بن کے پالا ہے، اوئے آج تم میری اکھوں کے سامنے ایک دُوجے پر آنکھیں نکال رہے ہو..... یہ صلہ دیا ہے تم نے میری عمر بھر کی محنت کا۔

نیاز علی: (نرم پڑتے ہوئے) تو پھر آپ اسے سمجھائیے نا میاں جی۔ میں اس کا بڑا بھائی ہوں۔

انور: اشٹام لکھوا لو مجھ سے۔

نیاز علی: دیکھا... دیکھا آپ نے؟

حشمت: اوئے... انور... اوئے تجھ کو کیا ہو گیا ہے پتّر... نیاز علی تیرے بھلے کی بات کر رہا ہے۔

انور: میں ہاتھ جوڑتا ہوں میاں جی... مجھے نہیں ضرورت ہے کسی توبۃ النصوح کی۔ بھا نیاز

اپنے آپ کو بڑا عقلمند سمجھتا ہے۔ پر اس کو بتائیں کہ یہ اپنی عقل اپنے آپ تک رکھے۔۔۔۔ میرے پاس اپنا دماغ ہے۔۔۔۔ اپنے بھلے بُرے کا مجھ کو اس سے زیادہ پتہ ہے۔

حشمت: تجربہ بڑی چیز ہوتا ہے پُتّر انور۔۔۔ نیاز تجھ سے بڑا ہے تجھ سے زیادہ دنیا دیکھی ہے اس نے۔۔۔ تجھے سمجھانا اس کا فرض ہے۔

نیاز: یہ نہ کہیں اسے۔۔۔ یہ کسی کو بڑا سمجھتا کب ہے؟

انور: ٹھیک ہے میاں جی۔۔۔ میں زیادہ لمبی بحث میں نہیں پڑتا۔۔۔ اس کو کہیں یہ میرا حصّہ علیٰحدہ کر دے۔۔۔۔

حشمت: اوئے۔۔۔ کیسی بے وقوفی کی بات کر رہا ہے۔۔۔ عقل کو ہتھ پا، پُتّر انور، اوئے میری زندگی میں یہ نہیں ہوگا۔

نیاز: مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے میاں جی۔ یہ ڈیم کا معاملہ نبٹ لے۔۔۔ متبادل زمین کی رجسٹریوں میں آپ دونوں کے حصّے علیٰحدہ کر دیں۔

انور: اور کیش؟

نیاز: اس کا سارا حساب منشی کے پاس ہے۔ چیک کر کے اپنی تسلّی کر لو۔۔۔۔ پھر جو تمہارا حصّہ بنے، لے لینا۔

حشمت: تم دوویں تو اس طرح کی باتیں کر رہے ہو جیسے میری وفات ہو چکی ہے۔۔۔ میرے چالیسویں سے فارغ ہو چکے ہو تم لوگ (غصّے سے) میری ایک بات کان کھول کر سُن لو۔۔۔۔ جائیداد تقسیم نہیں ہو گی۔۔۔ (سمجھانے کے انداز میں) اوئے پتر د جاگیر پہلے ہی ہمارے ہاتھ سے نکل رہی ہے۔۔۔ اکٹھی زمین کی بڑی دہشت ہوتی ہے پُتر د۔۔۔۔۔

نیاز: زمانہ بہت بدل گیا ہے میاں جی۔۔۔ اب کوئی دہشت وحشت نہیں ہے زمین کی۔ ساری دنیا شہروں کی طرف جا رہی ہے۔۔۔۔

حشمت: اوئے پھر بھی بڑی مخلوق ہے ابھی پنڈوں میں۔۔۔ بڑی خلقت ہے خدا کی۔۔۔ اور جب تک یہ زمینیں تمہارے پاس ہیں۔۔۔ تم مالک ہو ان کے۔۔۔ خدا سے زیادہ دہشت ہوتی ہے زمین کی۔۔۔

نیاز: ہمیں کیا لینا ہے اس دہشت گردی سے میاں جی۔۔۔ جن کا سر پہلے ہی جھکا ہُوا ہے انہیں دبانے سے کیا مل جائے گا آپ کو۔۔۔ کیوں نہیں ہم لوگ۔۔۔ ان کے دوست بن کر۔۔۔ اُن کی دعائیں کیوں نہیں لیتے ہم لوگ۔۔۔

انور: (طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے) سُن رہے ہیں آپ میاں جی۔

(نیاز گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے)

حشمت : سمجھنے کی کوشش کر پتر نیاز علی ۔ ۔ ۔ ۔ ادئے علم دین کمہار سے تیری دوستی کس طرح ہو سکتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ مہنگے اور بخشو کو میں اپنے ساتھ کرسی پر کیسے بٹھا سکتا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ایک دن بٹھاؤں گا اگلے دن وہ میرا حقہ تازہ نہیں کرے گا ۔ جس کا جو مقام ہو اُسے اس پر رکھنا چاہیئے پتر نیاز علی ۔

نیاز : پتہ نہیں میاں جی ۔ ۔ ۔ ۔ شاید میرے سوچنے میں کچھ خرابی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ میری سمجھ میں عزت کرانے کا یہ طریقہ نہیں آتا ۔ ۔ ۔ ۔ اب دیکھیے ۔ اگر آپ وہ کوٹھے مزارعوں کے نام کر دیں تو کتنے شکر گزار ہوں گے وہ آپ کے ۔ ۔ ۔ ۔ زندگی بھر دعائیں دیں گے ۔

حشمت : میں نے آگ لگانی ہے ان کی شکر گزاری کو ۔ ۔ ۔ ۔ چاٹنا ہے ان کی دعاؤں کو ۔ ۔ ۔ ۔ جب تک یہ کوٹھے میری ملکیت ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ وہ میرے حکم کے تابع رہیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس لیے انہیں پتہ ہے جس نے ذرا بھی گردن اٹھائی اس کا سامان اور بال بچے گھر سے باہر ہوں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ان کو مکان دینے کا مطلب یہ ہے پتر نیاز علی کہ ان پر تمہارا کنٹرول ختم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیوں پتر انور ۔ ۔ ۔ ۔

انور : بالکل ٹھیک ہے میاں جی ۔

حشمت : پتر نیاز علی ۔ ۔ ۔ ۔ تم فوراً شہر سے یعقوب کو بلاؤ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کو کہو فوراً آجائے تم دونوں کے جھگڑے کا ایک یہی حل ہے اور وہ یہ کہ انور کا اب ویاہ کر دیا جائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یعقوب کی دھی اس کے گھر آنے سے خاندان بھی مضبوط ہوگا اور اس کا دھیان بھی کسی اور طرف لگے گا ۔ ۔ ۔ ۔ تم ایسے ویلے بندہ بھیج دو ۔

نیاز : اچھا میاں جی ۔

سین ۲۵

(شوکت کا بیڈ روم ۔ شوکت اور سمیں کی ماں ۔ ۔ ۔ ۔ شوکت کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا بیٹھا ہے ۔ چہرے پر غم کی پرچھائیاں ۔ سمیں کی ماں کروٹ دوسری طرف بدلے ہلکی ہلکی سسکیوں سے رو رہی ہے)

شوکت : (غم آلود لہجے میں) فاخرہ ۔ ۔ ۔ ۔ مت روؤ فاخرہ ۔ ۔ ۔ ۔ (فاخرہ دوپٹہ منہ میں رکھ کر آنسو روکنے کی کوشش کرتی ہے ۔ دروازے کی گھنٹی بجتی ہے ۔ دونوں حیرت سے دیکھتے ہیں ۔ شوکت اٹھتا ہے) یہ کون آگیا اس وقت ؟

(اٹھ کر دوسرے کمرے میں آتا ہے ، دروازہ کھلتا ہے ۔ سامنے سمیں بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کھڑی ہے ۔ دونوں چند لمحے سکتے کے عالم میں کھڑے رہتے ہیں ۔ پھر شوکت جھپٹ کر سمیں کو کمرے کے اندر کھینچتا ہے ۔ جلدی سے دروازہ بند کرتا ہے ۔ سمیں زور زور سے رونے لگتی ہے ۔ سمیں کی ماں اندر سے بھاگتی ہوئی

آتی ہے)

ماں: سیمیں۔ میری بچی۔

(سیمیں ماں کے گلے سے لگ جاتی ہے۔ رونے لگتی ہے۔ پھر اسے چھوڑ کر باپ کے گلے لگ جاتی ہے جو اپنے آنسو پونچھتا ہے)

شوکت: تم کہاں چلی گئی تھیں بیٹی۔۔۔۔

سیمیں: میں۔۔۔ ابو۔۔۔ وہ۔۔۔ (پھر رونے لگتی ہے)۔

ماں: ہائے دیکھو۔ سردی سے کیسی نیلی ہو رہی ہے۔۔۔۔ آؤ اندر چلیں۔ ہیٹر کے پاس۔

سین ۲۶

(بیڈ روم میں شوکت، ماں اور سیمیں بیٹھے ہیں۔ تینوں کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ طبیعتوں میں کچھ ٹھہراؤ سا آ گیا ہے)

ماں: تم ان لوگوں کو پہچان تو لو گی نا بیٹی۔

سیمیں: (اثبات میں سر ہلاتے ہوئے) جی امی۔۔۔۔

ماں: (شوکت سے) آپ صبح سب سے پہلے تھانے میں جائیے گا۔

شوکت: ہوں۔۔۔ وہ تو جاؤں گا سیمیں کی ماں مگر۔۔۔۔ پولیس ہماری کھوئی ہوئی عزت تو واپس نہیں لا سکتی۔ رسوائی کا جن جس گھر سے ایک دفعہ گزر جائے وہاں مسکراہٹوں کے پھول کبھی نہیں کھلتے۔

سین ۲۷

(سکینہ، عورت، دوسری عورت، سیمیں۔ صبح کا وقت۔ تینوں ہمسائی عورتیں سیمیں کے ڈرائنگ روم میں بیٹھی باتیں کر رہی ہیں)

سکینہ: اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے بہن۔۔۔ بڑا کرم کیا ہے اس نے۔

عورت: یقین جانو دو دن سے میں نے اور تمہارے دولہا بھائی نے کھانے کو ہاتھ لگا کر نہیں دیکھا۔ لقمہ کم بخت حلق سے نیچے اترتا ہی نہیں تھا۔ ہر وقت سیمیں کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھرتی رہتی تھی۔ یہی سوچ سوچ کر کلیجہ کٹتا تھا کہ ہائے۔۔۔۔ بے چاری اس وقت پتہ نہیں کہاں ہو گی۔

ماں: اللہ کا بڑا کرم ہے بہن۔۔۔۔ اس نے ہماری عزت بچا لی۔۔۔۔ میری بچی کو کچھ ہو جاتا تو ہم کہیں کے نہ رہتے۔

(تینوں عورتیں معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتی ہیں جیسے ماں کی بات پر یقین نہ آ رہا ہو)

دوسری عورت: ہاں۔۔۔۔ اور کیا۔۔۔ بیٹی کی آبرو ہی اس کا زیور ہوتی ہے۔

سکینہ: کہاں ہے سیمیں۔ ذرا اسے بلاؤ تو۔۔۔

(CUT کرکے سیمیں پر جاتے ہیں جو سنجیدہ اور رنجیدہ چہرے کے ساتھ دروازے کے پیچھے کھڑی یہ باتیں سُن رہی ہے)

ماں: سو رہی ہے۔ ۔ ۔ ابھی بہت اثر ہے اس کے دماغ پر۔

دوسری عورت: بات تو بھی کوئی چھوٹی سی تو نہیں بہن۔ ۔ ۔ جس لڑکی کے ساتھ اغوا کا داغ لگ جائے۔ ۔ ۔ یہ تو زندگی بھر کا روگ ہے۔

سکینہ: جوان لڑکی دو دن گھر سے باہر رہ آئے۔ ۔ ۔ اپنا دامن کتنا بھی صاف ہو بہن۔ ۔ ۔ ۔ دنیا والوں کو تو کرنے کے لیے باتیں چاہئیں۔

عورت: اور کیا۔ ۔ ۔ پتہ نہیں ایسے لوگوں کو خدا کیوں یاد نہیں رہتا۔ ۔ ۔ اللہ ایسا وقت کسی دشمن پر بھی نہ لائے۔ ۔ ۔ مثل مشہور ہے بہن بد اچھا بدنام بُرا۔

دوسری عورت: کہیں کوئی رشتے وِشتے کی بات چلی ہوئی تھی؟ (ماں اثبات میں سر ہلاتی ہے) اب اللہ کرے وہ لوگ اچھے ہوں۔ ۔ ۔ قبول کرلیں ہماری بچی کو۔

(سیمیں کا REACTION سخت غصے میں کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ سب اسے دیکھ کر خاموش سے ہو جاتے ہیں۔ سیمیں گھور کر ان کی طرف دیکھتی ہے۔ سب نظریں چُرا لیتی ہیں۔ سیمیں کچھ کہتے کہتے رک جاتی ہے۔ اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہے)

سیمیں: مَیں یونیورسٹی جا رہی ہوں امی۔

سین ۲۸

(یونیورسٹی کیمپس کا ریڈور۔ دو تین لڑکیاں باتیں کر رہی ہیں)

ایک لڑکی: ہائے بڑی خوش نصیب ہو تم۔ ۔ ۔ ایک ہمارے کزن ہیں۔ ۔ ۔ بس کیا بتاؤں تم سے! پورے دو روپے والے اُلّو ہیں۔

دوسری لڑکی: (حیرت سے) دو روپے والے اُلّو۔ ۔ ۔ یہ کیا بات ہوئی؟

پہلی لڑکی: تم نے نہیں سُنا وہ لطیفہ۔ ۔ ۔ (لڑکی نفی میں سر ہلاتی ہے) ایک آدمی پالتو جانوروں کی دکان پر اُلّو خریدنے گیا۔ ایک اُلّو کی قیمت پوچھی۔ دکاندار نے کہا ایک روپیہ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے قریب ہی ایک چھوٹا سا اُلّو بھی رکھا تھا۔ ۔ ۔ اس کی قیمت پوچھی تو جواب ملا دو روپے۔ آدمی نے حیران ہو کر پوچھا جناب یہ کیا بات ہوئی بڑے اُلّو کی قیمت ایک روپیہ اور چھوٹے اُلّو کی قیمت دو روپے۔ دکاندار نے جواب دیا جناب یہ جو بڑا اُلّو ہے اس کی قیمت ایک روپیہ اس لیے ہے کہ یہ صرف اُلّو ہے جبکہ یہ چھوٹے والا اُلّو بھی ہے اور اُلّو کا پٹھا بھی۔

(ساری لڑکیاں ہنستی ہیں)

تیسری لڑکی: میرا بھی ہے ایک اس قسم کا کزن، بلکہ وہ تو اتنا بے وقوف ہے کہ تیرے حساب سے اُسے تین روپے کا ہونا چاہیئے۔

(لڑکیاں پھر ہنستی ہیں۔ ایکدم ان میں سے ایک لڑکی خاموش ہو کر دوسری کو کہنی مارتی ہے)

پہلی لڑکی: شش۔۔۔۔ وہ دیکھو۔۔۔۔ سیمیں آرہی ہے۔

دوسری لڑکی: (حیرت سے) سیمیں۔

(سیمیں ان کے قریب آکر رُکتی ہے)

سیمیں: ہیلو۔ (مُسکرانے کی کوشش کرتی ہے)۔

لڑکیاں: ہیلو۔

(سیمیں اور لڑکیاں ایک دم خاموش ہو جاتی ہیں جیسے بات کے لیے لفظ نہ مل رہے ہوں۔ سیمیں کی مسکراہٹ آہستہ آہستہ سمٹتی ہے۔ چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتی ہے۔ پھر تیزی سے آگے نکل جاتی ہے۔ چہرے پر افسوس کی پرچھائیاں)۔

سین ۲۹

(فرخ اور سیمیں)

فرخ: خدا کے لیے سیمیں میری بات تو سنو۔ (اس کو جانے سے روکتا ہے) میری سمجھ میں نہیں آتا تم کیوں مجھ سے بھاگنے کی کوشش کر رہی ہو۔

سیمیں: (سنجیدگی سے) مجھے جانے دو فرخ۔

فرخ: کیوں جانے دوں کیسے جانے دوں۔ مجھے تم سے بہت سی باتیں پُوچھنی ہیں۔

سیمیں: (سنجیدہ لہجے میں) کیا پُوچھنا چاہتے ہو تم۔

فرخ: (گھبرا کر) مَیں۔۔۔۔ مَیں وہ۔۔۔۔ بھئی وہ۔

سیمیں: ہٹو مجھے جانے دو۔

فرخ: کمال کرتی ہو تم۔ چلو پہلے امّی سے ملیں۔ وہ بے حد پریشان ہیں۔ صبح پتہ چلتے ہی ہم دونوں تمہاری طرف پہنچے۔ پتہ چلا تم یونیورسٹی گئی ہو۔ امّی کو وہیں چھوڑ کر مَیں ادھر بھاگا۔ اب اتنی دیر میں ملی ہو اور۔۔۔

سیمیں: مَیں ایک اغوا شدہ لڑکی ہوں فرخ۔ میری تصویریں چھپ چکی ہیں اخباروں میں۔ جس طرف جاتی ہوں لوگ مجھ پر انگلیاں اٹھاتے ہیں۔ اشاروں سے باتیں کرتے ہیں میرے متعلق۔ مَیں تم پر ان سب بدنامیوں کا بوجھ نہیں لادنا چاہتی فرخ۔ مجھے بھول جاؤ۔ چھوڑ دو مجھے۔

فرخ : خدا کی قسم سیمیں اگر تم دس برس پکنے کے بعد بھی مجھ تک پہنچتیں تو مَیں تم سے آنکھ نہ پھیرتا۔ اور پھر اس میں تمہارا کیا قصور ؟

سین ۳۰

(سیمیں۔ سیمیں کی ماں اور ذکیہ)

ذکیہ : لوگوں کو گولی مارو بیٹی۔ انسان کا ضمیر صاف ہونا چاہیئے۔

سیمیں : مگر آنٹی۔

ذکیہ : کتّوں کے بھونکنے سے قافلے رُکا نہیں کرتے بیٹی۔ مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔ مَیں تمہیں اپنی بہو بناؤں گی، اور یہ کام . . . . اب بہت جلد ہو گا بیٹی۔ (سیمیں کی ماں سے) کیوں بہن ؟

ماں : مَیں کیا عرض کروں بہن۔ جیسے آپ مناسب سمجھیں۔

ذکیہ : ٹھیک ہے، انشاء اللہ اسی جمعے کو ہم نکاح کر دیں گے۔ رخصتی بے شک بعد میں ہو جائے۔

ماں : مگر بہن۔

ذکیہ : بس اب کچھ نہ بولیں۔ چلو سیمیں۔ درزی کو ناپ دلوانا ہے تمہارا۔ کپڑا مَیں نے خرید کے رکھا ہوا ہے۔ اُٹھو شاباش۔

سیمیں : (مسرت اور پریشانی میں) آنٹی —— پلیز۔

ذکیہ : (اسے سینے سے لگاتے ہوئے) آجا میری بیٹی۔ شاباش۔

سین ۳۱

(ذکیہ اور سیمیں ہاتھ میں کچھ بنڈل پکڑے سڑک کے کنارے کھڑی ہیں۔ رکشا ٹیکسی کو ہاتھ دیتی ہیں، کوئی نہیں رُکتا)۔

سیمیں : کیا مصیبت ہے۔ ایک تو اِس شہر میں سواری ہی نہیں ملتی۔

ذکیہ : اور اگر مل جائے تو سواری ایک میل چلتی۔ ہے اور میٹر تین میل۔ (دونوں ہنستی ہیں)

سیمیں : مَیں تو تھک گئی ہوں آنٹی۔

ذکیہ : سُنو۔ ایسا کرتے ہیں یہاں قریب ہی یعقوب بھائی کا دفتر ہے۔ وہاں چلتے ہیں۔ ایک کپ چائے پئیں گے اور یعقوب بھائی اپنی گاڑی میں ہمیں ڈراپ بھی کروا دیں گے۔ وہ تمہیں مل کر بہت خوش ہوں گے۔

سیمیں : اچھا۔ چلیے۔

(دونوں جاتی ہیں)

سین ۳۲

(یعقوب کا دفتر۔ پی اے سے جاسوس بات کر رہا ہے۔ جاسوس کے انداز سے سخت پریشانی ظاہر ہو رہی ہے)

پی اے: صبح ان کا فون آیا تھا گھر سے کہ بڑے چوہدری صاحب نے انہیں فوراً گاؤں بلایا ہے۔ اب تو کل ہی ملیں گے۔

جاسوس: (پریشانی سے) کل —— (دروازے کی طرف مڑتا ہے) کل تو ——

(ایک دم نظر دروازے میں کھڑی ذکیہ اور سیمیں پر پڑتی ہے۔ سخت گھبرا جاتا ہے۔ سیمیں کے چہرے پر بھی شناخت کا تاثر آتا ہے۔ حیرت سے اُس کی طرف دیکھتی ہے)۔

قسط ۲۱

سین ۱

(جاسوس گھبرا کر تیزی سے باہر نکل جاتا ہے۔ سیمیں حیرت سے اُسے جاتے دیکھتی ہے۔)

سیمیں: (ذکیہ سے) یہ ..... یہ وہی تھا آنٹی ؟

ذکیہ: کون ہے ؟

سیمیں: یہ انہی میں سے ہے جنہوں نے مجھے اٹھایا تھا۔

ذکیہ: نہیں ؟ تم نے اچھی طرح پہچانا ہے۔

سیمیں: ہاں آنٹی۔ اور مجھے یقین ہے کہ میں نے پہلے بھی اسے کہیں دیکھا ہے۔

(پی اے سارا منظر دلچسپی سے دیکھ رہا ہے۔)

پی اے: فرمایئے کس سے ملنا ہے آپ کو۔

ذکیہ: یعقوب بھائی سے۔ میں ان کی بھابی ہوں۔

پی اے: (احتراماً سیٹ سے اٹھتے ہوتے) وہ تو سکندر پور گئے ہیں جی۔ کل تشریف لائیں گے۔ آپ اندر تشریف رکھیے۔ کیا پئیں گی آپ۔ کافی چائے ..

ذکیہ: (پریشانی میں) کچھ نہیں بھائی۔ یہ صاحب جو ابھی ابھی آپ سے بات کر رہے تھے ؟ کون ہیں یہ

پی اے: یہ اپنا ہیرو .. یہ بھی ملازم ہے جی چودھری صاحب کا ادھر فیکٹری میں ہوتا ہے۔ اسسٹنٹ منیجر ہے غالباً۔

ذکیہ: (گہرے غم میں ایک دم کرسی پر بیٹھ جاتی ہے) یہ ... یہ ..... یعقوب بھائی کا ملازم ہے۔

پی اے: جی ہاں ... کیوں ... کچھ کام ہے اس سے۔

ذکیہ: نہیں ..... کام .....

(سیمیں کی طرف دیکھتی ہے۔ جو حیرت میں ہے۔)

سیمیں: جی آنٹی . .

ذکیہ: (اٹھتے ہوئے) میرے خیال میں . . . . . ہم چلیں۔

سیمیں: جی آنٹی۔ ٹھیک ہے۔

پی لے: تشریف رکھیئے نا آپ لوگ۔ کچھ چائے ٹھنڈا۔ چودھری صاحب کو پتہ چلا تو مجھ پر ناراض ہوں گے۔

ذکیہ: جی نہیں شکریہ۔ . . مجھے دراصل ایک کام یاد آگیا ہے۔ آؤ سیمیں۔

(سیمیں کو تیزی سے لے کر کمرے سے نکلتی ہے۔ پی لے چند لمحے حیرت سے دیکھتا ہے پھر کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کندھے اچکاتا ہے)

سین نمبر ۲

(حشمت حقّے کا کش لیتا ہے۔ بڑے ٹھہرے لہجے میں بولتا ہے)

حشمت: خاندان درخت کی طرح ہوتا ہے۔ پتّر یعقوب جس درخت کی جڑیں مضبوط ہوں پورا پانی ملتا ہو اس کی شاخیں سدا ودھتی (بڑھتی) تے پھلتی رہتی ہیں!

یعقوب: (سنجیدگی سے) جی میاں جی۔

حشمت: اوتے تو نے کبھی لکڑی کی کرسیوں، میزوں میں لگے ہے (دروازے) باریوں (کھڑکیوں) میں پھل کھڑتے دیکھے ہیں۔ کوئی پھل لگتا دیکھا ہے، ان میں؟ (یعقوب سر نفی میں ہلاتا ہے) اوتے نہیں دیکھے نا۔ پھر مجھ کو بتا تو جو سکندر پور چھوڑ کر شہر میں جا دیا ہے۔ تو یہ کیتھوں کی عقلمندی ہے۔

یعقوب: میں نے آپ کو بتایا تھا نا میاں جی آدمی کو وہی کام کرنا چاہیئے جو اس کے مزاج سے اس کے ٹمپرمینٹ سے لگا کھاتا ہو۔ شہروں میں بڑی دولت ہے میاں جی۔

حشمت: جس کی کوئی دہشت نہ ہو اس دولت کا کیا فائدہ ہے یعقوب۔ اس حویلی کے چارے پاسے سو سو گز تک کوئی پھٹک نہیں سکتا۔ کسی میں جرأت نہیں جو اس کے اندر جھاتی مارے۔ یا دل میں خیال لیا سکے۔ اک تیرا گھر ہے شہر میں آسے پاسے کی ساری کوٹھیاں اس کی جتنی اونچی ہیں۔ اوپر سے چوی (چوبیس) گھنٹے کاروں کی بھاں بھاں ہوتی رہتی ہے۔

یعقوب: وہ تو دراصل میاں جی مین روڈ قریب ہے نا اس لئے۔

حشمت: پنڈ میں رہتا تو قدم قدم پہ لوگ تجھے سلام کرتے جدھر سے گزرتا مزارعے راہ چھوڑ کے پیچھے ہٹ جاتے۔ تیری اکھ کے اشارے کے نال نال ان کے دل اُتے تھلے ہوتے، پر تجھ کو شہر کا عشق چڑھا ہوا ہے۔

یعقوب: (شرمندہ سا ہو کر) بس میاں جی۔ چھوڑیئے اس بحث کو۔ آپ یہ بتایئے مجھے کس لئے یاد کیا ہے۔

حشمت: (اپنی دھن میں) نہ مجھ کو ایک بات تو بتاؤ۔ جب کوئی سپاہی ہاتھ دے کر یا کوئی نیلی پیلی لائٹ تمہاری موٹر کو روکتی ہے تو تمہیں غصہ نہیں آتا۔

یعقوب: آتا ہے میاں جی۔ مگر ٹریفک کنٹرول کرنے کے لئے یہ سب کچھ تو ضروری ہوتا ہے نا۔

حشمت: (جھنجھلا کر) تیری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ یعقوب (وقفہ) اچھا یہ بتا۔ ویاہ کے لئے کون سی تاریخ رکھیں۔

یعقوب: (اس اچانک سوال سے سخت پریشان ہوتا ہے) کیسا ویاہ میاں جی؟

حشمت: شکیلہ اور انور کا پگلے۔۔ نیاز علی نے بتایا نہیں تھا تجھے؟

یعقوب: (پریشان ہو کر) بت۔۔۔۔ بتایا تو تھا۔۔۔ مگر۔۔۔ میاں جی۔۔۔ شکیلہ کے کچھ امتحان وغیرہ۔

حشمت: نہ کس چیز کے امتحان۔ انور کو پڑھنے پانا ہے اس کے پاس سکول میں استانی لوانا ہے اسے ڈگری کا ٹھپہ بنا کے لانا ہے اس نے متھے پر۔

یعقوب: نہیں میاں جی مگر۔۔۔

حشمت: جتنا پڑھ لیا ہے اتنا بہت ہے یعقوب۔ انور ویسے بھی زیادہ پڑھائی سے کچھ کھاتا ہے۔ تو اللہ کے نام لے کر رخصت کر اس کو۔ آگی تاریخ ٹھیک ہے اس مہینے کی۔؟؟۔

یعقوب: (گھبرا کر) اس مہینے کی۔ اتنی جلدی!

حشمت: ویہاں ورھیاں (بیس برسوں کی) کی کڑی ہو گئی ہے تیری۔ حالاں تجھ کو اتنی جلدی لگ رہا ہے۔ زبیدہ سولہ ورھیاں کی تھی جب اس کو نونہہ (بہو) بنا کے اس گھر میں لیایا تھا۔

یعقوب: وہ زمانہ اور تھا میاں جی۔۔۔ اب۔۔۔

حشمت: نہ نئے اب کیا ہو گیا ہے۔ کون سے کھمب (پَر) جھڑ گئے ہیں زمانے کے۔

یعقوب: یہ بات نہیں میاں جی دراصل (جنجو اور جھنگے سے) تم دونوں باہر جاؤ۔

(جنجو اور جھنگا اجازت طلب نظروں سے حشمت کی طرف دیکھتے ہیں جو سر کے اشارے سے انہیں جانے کے لئے کہتا ہے۔ دونوں شکایتی نظروں سے یعقوب کی طرف دیکھ کر جاتے ہیں۔)

یعقوب: دراصل یہ رشتہ مجھے منظور نہیں ہے میاں جی۔

حشمت: (ایک دم تڑپ کر اٹھتا ہے) کیا کہا؟

یعقوب: میں نے عرض کیا ہے میاں جی میں یہ رشتہ نہیں کرنا چاہتا۔

حشمت: یہ میرا حکم ہے یعقوب!

یعقوب: آپ کا حکم میرے سر آنکھوں پر میاں جی۔ پر مجھے اس کے لئے مجبور نہ کیجئے۔ آپ کو نہیں پتہ انور.....

حشمت: مجھ کو سب کچھ پتہ ہے۔ گونگا۔ ڈورا۔ انھا نہیں ہوں میں۔ اوئے تو بیا۔ اوئے کیا نقص نظر آتا ہے تجھ کو انور میں؟

یعقوب: اس کا کردار اچھا نہیں میاں جی۔

حشمت: اوئے وہ کون سا ایسا کام کرتا ہے جو تم اس کی عمر میں نہیں کرتے تھے۔ اوئے جوانی تو کیکر پر آئے تو اس کو پھل لگ جاتے ہیں یعقوب۔ انور تو سکندر پور کے چودھریوں کا پتر ہے۔

یعقوب: ٹھیک ہے میاں جی۔ مگر..... دراصل شکیلہ اسے پسند نہیں کرتی۔

حشمت: شکیلہ اُسے پسند نہیں کرتی، واہ..... واہ تو بیا۔ کیا بات کی ہے، تو نے۔ اوئے عقل کو ہتھ پا یعقوب۔ شکیلہ تیری دھی ہے۔ تو اس کا پیو ہے۔ فیصلہ تجھ کو کرنا ہے۔

یعقوب: میں خود بھی نہیں چاہتا میاں جی۔

حشمت: پر کیوں؟ انور تیرا بھتیجا ہے یعقوب۔ تیرے پتروں بجا ہے۔ آپس میں رشتے کرنے سے خاندان مضبوط ہوتا ہے یعقوب۔

یعقوب: میں نے عرض کیا ہے نا میاں جی۔ یہ ممکن نہیں ہے۔

حشمت: میرے حکم سے انکار کا مطلب سمجھتے ہو یعقوب۔

یعقوب: میں نے ہمیشہ آپ کا ہر حکم مانا ہے میاں جی۔ لیکن یہاں میں مجبور ہوں۔

حشمت: کیا مجبوری ہے تمہاری؟

یعقوب: میری ایک ہی بیٹی ہے میاں جی۔ میں اُسے..... میں اس کی زندگی برباد نہیں کر سکتا.. میاں جی۔

حشمت: یہ تو نہیں بول رہا یعقوب۔ تیرا شہر بول رہا ہے۔ پر میری ایک بات سن لے یعقوب۔ میں نے آج تک ان بتی دندوں (بتیس دانتوں) سے جو گل کڈھی ہے اس کو پورا کر کے دکھایا ہے۔ اگر تو نے انور کے ساتھ شکیلہ کا ویاہ نہیں کیا تو میری جائداد میں سے تجھے ایک دھیلہ نہیں ملے گا... میں تجھے عاق کر دوں گا۔

یعقوب: (حشمت کے اس فیصلے سے گھبرا جاتا ہے مگر کچھ سوچ کر دوبارہ فیصلہ کن انداز میں بولتا ہے) آپ کی مرضی میاں جی؟

حشمت: (اس کے جواب سے دھچکا سا کھاتا ہے، بیٹھ جاتا ہے۔ چند لمحے حیرت سے یعقوب کی طرف دیکھتا ہے) اوئے یعقوب.... اوئے عقل کر....

یعقوب: (اس کے قریب بیٹھتا ہے اسے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے) مجھے افسوس ہے میاں جی.... گر...

حشمت: (اپنے مخصوص انداز میں، اٹھتے ہوئے) گل کر کے اس پر افسوس نہیں کیا کرتے یعقوب۔ تو مجبور ہے تو میں بھی مجبور ہوں۔ تو نے میرا پتر ہو کر میرا مان توڑا ہے۔ اب تیرا میرا کوئی رشتہ نہیں۔ آج سے میرے لئے تو بھی اسی

طرح مرگیا ہے جیسے غلام علی مرا تھا۔ تیرا میرا رشتہ اس کمرے میں دفن ہو گیا ہے۔ یعقوب آج سے میری جائداد پر تیرا کوئی حق نہیں۔

(گردن تان کر کمرے سے نکلتا ہے یعقوب اسے جاتے دیکھتا ہے پھر گہری سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ منگا اور بخشو کمرے میں جھانک کر اسے دیکھتے ہیں۔ سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔)

سین نمبر ۳

نیاز : سمجھ میں نہیں آتا۔ میاں جی کو کیا ہو گیا ہے۔ چاچا جی اب اس وقت سے بیٹھے وکیل کو نیا وصیت نامہ لکھوا رہے ہیں۔

یعقوب: اب تم ہی بتاؤ نیاز میں کیا کرتا؟

نیاز : آپ نے بالکل ٹھیک کیا ہے چاچا جی۔ میاں جی کے دماغ میں ایک ہی بات سمائی ہوئی ہے کہ انور اور شکیلہ کی شادی سے خاندان مضبوط ہو گا۔ یہ نہیں سوچتے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ میں تو خود سوچ رہا ہوں چاچا جی کہ اس ساری بک بک سے نکل جاؤں۔ کہیں دور چلا جاؤں یہاں سے۔ انور کا رویہ میرے لئے ناقابل برداشت ہو گیا ہے اور میاں جی ہیں کہ اسے مسلسل شہ دیئے جا رہے ہیں۔

یعقوب: پھر کوئی بدتمیزی کی ہے اس نے۔

نیاز : بدتمیزی، چاچا جی۔ وہ تو مجھ سے اس طرح بات کرتا ہے جیسے میں اس کا بڑا بھائی نہیں کوئی.. خیر لعنت بھیجیں۔ میں نے سوچا ہے کہ زمینوں کی سیٹلمنٹ کے مسائل طے ہوتے ہی میں اپنے حصے کی رقم کسی کاروبار میں (انوسٹ) کر دوں۔ اس میں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔

یعقوب: بالکل۔ بالکل۔ کچھ پراجیکٹ ہیں میری نظر میں لیکن سوال تو یہ ہے کہ کیا میاں جی تمہیں اس کی اجازت دے دیں گے۔

نیاز: اس کا کچھ بندوبست شروع کیا ہے میں نے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(ایک دم نظر انور پر پڑتی ہے جو دروازے میں کھڑا کینہ ور نظروں سے دونوں کی طرف دیکھ رہا ہے۔ خاموشی کا وقفہ)

نیاز : آؤ انور۔

یعقوب: (چونک کر انور کی طرف مڑتا ہے) آؤ بھئی انور میاں کیسے ہو؟

انور : (طنزیہ لہجے میں) بالکل ٹھیک ہوں چاچا۔ تم سناؤ۔ سنا ہے تم نے رشتے سے انکار کر دیا ہے۔

یعقوب: (غصے کو دباتے ہوئے) یہ بات نہیں ہے انور بیٹا۔

انور : منافقت نہیں کرو چاچا۔ جو دل میں ہے کھل کر کہو۔ بڑا حوصلہ ہے مجھ میں سننے کا۔ کیا عیب نظر آتے ہیں تمہیں مجھ میں؟

یعقوب: دیکھو انور تم میرے بیٹے کی طرح ہو۔

انور: بیٹے کی طرح ہوتا چاچا تو تم میاں جی کو اتنا کڑوا جواب کبھی نہ دیتے۔ تم نے اچھا نہیں کیا چاچا۔

یعقوب: (سخت لہجے میں) میں نیاز نہیں ہوں انور جو تمہاری بکواس کو خاموشی سے پی جائے گا۔ اس عمر میں تمہارے جیسے بے مہار شتروں کا خون بہت گرم ہوتا ہے۔ بہت چربی آجاتی ہے آنکھوں پر، لیکن میں بدتمیزی کرنے والے کی کھال کھینچ دیا کرتا ہوں۔

انور: (قدرے سٹپٹا سا جاتا ہے) واہ.... آج تو بڑے جوش میں ہو چاچا۔ لگتا ہے بھا نیاز نے کچھ لمبی ہی پٹی پڑھادی ہے۔

نیاز: مجھے بیچ میں مت لاؤ انور میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا۔

انور: چاچا مجھے اپنی بیٹی نہیں دینا چاہتا۔ تم مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتے۔ آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو۔ صلاح کیا ہے تمہاری۔

یعقوب: بات کو خواہ مخواہ بڑھاؤ نہیں انور۔ شکیلہ میری بیٹی ہے میں جہاں مناسب سمجھوں گا اس کی شادی کروں گا۔ اس سلسلے میں تمہیں یا کسی اور کو استفسار کا کوئی حق نہیں ہے۔ تم میرے بھائی کی اولاد ہو۔ میرے بھتیجے ہو۔ میں نہیں چاہتا میرے ہاتھوں سے تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ لیکن خدا کی قسم اگر اب تم نے شکیلہ کے بارے میں کوئی بات کی تو....

انور: تم شاید بھول رہے ہو چاچا۔ اپنی ذلت کا بدلہ نہ لینا ہمارے خاندان کی روایت نہیں ہے۔ مجھے شکیلہ بالکل اچھی نہیں لگتی۔۔ پر وہ میری منگ ہے اور چودھری انور کی منگ اس کی زندگی میں کسی دوسرے کی ڈولی میں نہیں بیٹھ سکتی۔

یعقوب: (چلاتے ہوئے) انور....

انور: (جانے کے لئے مڑتے ہوئے) جب میرا سر پھرتا ہے چاچا تو میں یہ نہیں سوچتا کہ میرے آگے کون کھڑا ہے۔ تم بھی سن لو بھا نیاز۔

(انور جاتا ہے یعقوب سخت غصے میں ہے۔ نیاز غصے اور افسوس کی ملی جلی کیفیت میں۔)

سین ۴۴

(ذکیہ کا گھر)

ذکیہ: (سخت دل شکنی کے انداز میں) مجھے تو اب تک یقین نہیں آتا دلاور بھائی.... کہ.... اوہ خدایا۔ (دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیتی ہے) یعقوب بھائی کیوں، کیا یہ سب کچھ؟

دلاور: جو واقعات آپ نے بتلاتے ہیں ان کی روشنی میں تو اس کا جواب کچھ ایسا مشکل نہیں ہے زرخیز سکندر پور کی جاگیر کے چار وارثوں میں سے ایک ہے چودھری یعقوب کی بیٹی سے اس کی شادی کا مطلب یہ

یہ ہے کہ آدھی جائیداد اس کے قبضے میں ہو گی۔

شیر محمد: سچ کہا ہے کسی نے سانپ کی اولاد سانپ ہی ہوتی ہے۔

دلاور: ایسی بات نہیں ہے شیر محمد صاحب، فرخ بھی تو آخر اسی خاندان کا خون ہے اور ذکیہ بہن بتا رہی تھیں کہ فرخ کے والد بھی بالکل مختلف طبیعت کے انسان تھے۔

ذکیہ: میری سمجھ میں نہیں آتا ابو... اتنی دولت ہونے کے باوجود کوئی چار دن کے فاقے سے تنگ آ کر چوری کرے تو بات سمجھ میں بھی آتی ہے مگر...

دلاور: دولت دلدل کی طرح ہوتی ہے بہن جی... بندہ ایک بار اس میں پاؤں ڈال دے تو پھر اندر ہی اندر دھنستا چلا جاتا ہے۔ سانپ کی آنکھ کی طرح بڑا جادو ہوتا ہے اس میں بھی۔

شیر محمد: پتہ نہیں کیوں مجھے یہ آدمی پہلی نظر میں ہی اچھا نہیں لگا تھا۔

ذکیہ: (دلاور سے) تو آپ کے خیال میں اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔

شیر محمد: میری مانو تو جلدی سے فرخ اور سیمیں کی شادی کر دو۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

ذکیہ: لیکن ابو پولیس تو تفتیش کر رہی ہے یہ اطلاع ان کی بہت مدد کر سکتی ہے۔

شیر محمد: پولیس نے سوہ لگا لی ہے بیٹی۔ اصل حقیقت تک بھی وہ پہنچ ہی جائے گی۔

ذکیہ: پھر بھی ابو۔ قانون کی مدد کرنا تو ہر شہری کا فرض ہے۔

شیر محمد: ٹھیک ہے بیٹی۔ میں نے تو دراصل اتنے برسوں کے بعد خوشی کا منہ دیکھا ہے نا۔ چھوٹی چھوٹی بات سے ڈر جاتا ہوں۔

دلاور: یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیجیئے۔ میں شفیق صاحب کو ساری بات سمجھا دوں گا۔

شیر محمد: انہیں یہ بھی کہہ دینا بیٹے کہ اس سلسلے میں ہمارا نام نہ آنے دیں۔ کہیں کوئی خواہ مخواہ کی مصیبت نہ پڑ جائے۔

(دلاور اثبات میں سر ہلاتا ہے۔)

سین نمبر ۵

(حویلی میں)

یعقوب: گھبراؤ نہیں زبیدہ۔ کچھ نہیں ہو گا۔ بلکہ سچ پوچھو تو میرے دماغ سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا ہے۔

زبیدہ: (تشویش کے انداز میں) الحمد بڑا ضدی ہے یعقوب صاحب۔

یعقوب: تو کیا تم چاہتی ہو کہ میں اس کی ضد سے ڈر کر شکیلہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں۔

زبیدہ: نہیں۔ یہ تو میں نے نہیں کہا۔

یعقوب: تو پھر کیا مقصد ہے اس ساری تقریر کا۔ تمہیں بتایا تو ہے کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔

میاں جی کے مزاج کو میں اچھی طرح سمجھتا ہوں ان کا غصہ صابن کے جھاگ کی طرح ہوتا ہے اور پھر ابھی فرخ کا کارڈ میرے ہاتھ میں ہے۔

زبیدہ: (اسی خوفزدہ انداز میں) صغراں بتا رہی تھی کہ انور نے نتھو چوکیدار کی لڑکی جیراں اٹھوا لی تھی اور پھر اُسے قتل کر کے کھوہ میں ڈلوا دیا تھا۔

یعقوب: وہ نتھو چوکیدار کی بیٹی تھی زبیدہ۔ میرا نام چودھری یعقوب ہے۔

سین ۶

(جیلے کی دکان)

ماسٹر: دنیا اسی کا نام ہے بھائیو۔ اللہ کی زمین پر انسان مسافر کی طرح آتا ہے۔ بس یہ دعا مانگنی چاہیے کہ مولا کریم جہاں رکھے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

خدا بخش: پنڈ تو ایسے خالی ہو رہا ہے جیسے کوئی وبا پھیلی ہو۔ ایک ہفتے میں سولہ گھر خالی ہوئے ہیں۔

ماسٹر: وقت بھی تو بہت کم رہ گیا ہے بھائی خدا بخش .... اور ڈیڑھ مہینے بعد یہاں پانی ہی پانی ہو گا۔

علم دین: ساری عمر میں نے مٹی اور پانی سے برتن بنائے ہیں ماسٹر جی۔ بڑے بڑے رنگ دیکھے ہیں میں نے ان دونوں کے۔ پر جب یہ خیال آتا ہے کہ اس پنڈ کی ساری مٹی صابن کی طرح کھر جائے گی، پانی میں مل کے پانی ہو جائے گی تو میرے دل کو ہتھ سا پڑتا ہے۔

ماسٹر: سب کا یہی حال ہے علم دین .... اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے۔ اس دنیا سے دل نہ لگاؤ اس کو چار دن کا میلہ سمجھو، دیکھو اور گزر جاؤ۔

علم دین: یہاں سے جانے کا سوچتا ہوں تو جیسے مٹی میرے پاؤں پکڑ لیتی ہے۔ اپنی طرف کھینچتی ہے مجھے۔

ماسٹر: وہ اس لئے علم دین کہ ہم سب کو آخر کار اسی مٹی کا رزق بننا ہے (آہ بھر کر) سب خاک در خاک فنا ہونا ....

جیلا: میری تو کوئی زمین بھی نہیں تھی ماسٹر جی .... پر مجھ کو ایسے لگتا ہے جیسے سکندر پور سے نکل کر میں بھی بے زمینا ہو جاؤں گا۔

جھنگا: اوئے یار، کوئی ایسی جیلے کو سمجھاؤ .... ہر وقت زمین زمین کرتا رہتا ہے۔

بخشو: بالکل ٹھیک ہے۔ تو ایسے کر جیلے مجھ سے اپنا کام دھندا لے۔ یہ جو تیرے سر پر ہر وقت زمین کا جن چڑھا رہتا ہے یہ تو کسی طرح اترے۔

جیلا: (شکایت کے انداز میں) دیکھئے ماسٹر جی .... ؟

ماسٹر: (مسکراتے ہوئے) بھئی بخشو تمہیں پتہ ہے زمین جیلے کی کمزوری ہے کیوں چھیڑتے ہو بیچارے کو۔

بخشو: بالکل ٹھیک ہے۔ پر ماسٹر جی اس کو بھی تو کچھ سمجھائیں۔ ہم سب کا حال اس کے سامنے ہے پھر بھی ہر وقت زمین زمین کرتا رہتا ہے۔

علم دین: (اداس لہجے میں) چھوڑو یار یہ وقت ایک دوسرے سے گلے شکوے کرنے کا نہیں۔ یہ تو معاف کرنے کا وقت ہے..... میں تو جانے سے پہلے گاؤں کے ہر شخص سے فرداً فرداً اپنا کہا سنا معاف کراؤں گا۔

ماسٹر: کیسی باتیں کرتے ہو علم دین۔ ہم سب نئے گاؤں میں اکٹھے رہنے کے لئے جا رہے ہیں۔ اللہ نے چاہا تو وہاں بھی اسی طرح ہم جیلے کے ہوٹل میں بیٹھ کر گپیں لگایا کریں گے۔ کیوں جیلے.....

جیلے: بالکل ماسٹر جی..... اللہ نے چاہا تو میں وہاں ان موڑھوں اور منجھیوں کی جگہ پلاسٹک کی کرسیاں لا کر رکھوں گا، آپ لوگوں کے لیے۔ لال نیلی پیلی ہری۔

علم دین: یہ ٹھیک ہے ماسٹر جی کہ سب کچھ وہاں ہو گا پر ہمارا سکندر پور تو یہیں رہ جائے گا۔

مہنگا: کمال ہے۔ وڈے چوہدری صاحب کو بھی یہی افسوس لگا ہوا ہے کہ ان کا سکندر پور گھس جائے گا۔ اور چاچے علم کو بھی یہی غم ہے..... مجھ کو تو لگتا ہے اندر سے چاچا علم دین بھی چوہدری ہے۔

بخشو: بالکل ٹھیک ہے۔

ماسٹر: یہ بات نہیں ہے برخوردار مہنگے۔ بڑے چوہدری صاحب کے نزدیک سکندر پور ایک جاگیر ہے جبکہ علم دین جس سکندر پور کا ماتم کر رہا ہے وہ..... لیکن شاید تم اس بات کو نہ سمجھ سکو۔

علم دین: چوہدری نیاز سے پھر کوئی بات ہوئی منظور علی۔

ماسٹر: ہاں علم دین۔ اس نے آج کچھ جواب دینے کا وعدہ کیا ہے۔

علم دین: شاید خدا اسی کے دل میں نیکی ڈال دے۔ پورے خاندان میں ایک وہی ہے جو انسان کو انسان سمجھتا ہے۔

(سید گل اندر آتا ہے۔ بڑا غمگین ہے۔ سب اس کی طرف دیکھتے ہیں)

ماسٹر: آؤ سید گل بیٹھو۔

سید گل: (جذبات پر قابو پانے کی کوشش میں) نہیں ماسٹر جی۔ بس اب چلیں..... میں آپ لوگوں سے اجازت لینے آیا ہوں۔

(سب اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چہروں پر ہمدردی کے تاثرات)

غوث محمد: ابھی کچھ دن رک جاتے سید گل۔

سید گل: کچھ دنوں سے کیا فرق پڑتا ہے بھائی غوث محمد۔ جب جانا ہی ہے تو کیا آج اور کیا کل..... اچھا ماسٹر جی..... خدا حافظ۔

(ماسٹر اور سید گل گلے ملتے ہیں۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔)

سین ۲۷

(یعقوب کی موٹر حویلی کے باہر کھڑی ہے۔ زبیدہ یعقوب کا انتظار
کر رہی ہے جو مولا داد سے باتیں کر رہا ہے۔ زبیدہ غور سے دیکھ رہی ہے)

یعقوب: دیکھو مولا داد' اور کچھ دنوں بعد سکندر پور کا صرف نام لوگوں کو یاد رہ جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ دس بیس برس میں وہ بھی نہ رہے ..... تم چاہو تو میرے پاس شہر آ سکتے ہو۔ میں کام کے آدمیوں کی ہمیشہ قدر کرتا ہوں۔

مولا داد: میں بہت تھک گیا ہوں چودھری جی۔ ان کاموں سے جی بھر گیا ہے میرا۔

یعقوب: تم جوان آدمی ہو مولا داد۔ اس عمر میں تھکنے کا مطلب تو یہ ہے کہ تم اپنی زندگی کو جہنم بنا لوگے لگتا ہے تم ڈر گئے ہو کچھ۔

مولا داد: ڈر ہاں... ہاں چودھری جی۔ شاید میں ڈر ہی گیا ہوں۔ لوگ کہتے ہیں زندگی کی حقیقت سے قریب آؤ تو اس کا خوف اتر جاتا ہے پر میرے ساتھ تو کچھ اور ہی ہتھ ہو گیا ہے۔

یعقوب: اچھا تم یہ کرو کہ ..... انور کو کسی طرح اتنا بھڑکا دو کہ وہ نیاز پر ایک دفعہ ہاتھ اٹھا دے۔

(مولا داد گہری نظروں سے یعقوب کی طرف دیکھتا ہے)

مولا داد: یہ بات بہت آگے تک بڑھ سکتی ہے چودھری جی۔

یعقوب: بڑھنے دو میں خود بھی یہی چاہتا ہوں۔

(اپنے آپ سے)

میاں جی سمجھتے ہیں شاید مجھے عاق کر کے وہ ....

(ایک دم مولا داد کی طرف دیکھ کر کہتا ہے)

میں اس کے عوض تم کو اتنا کچھ دوں گا مولا داد کہ تم کہیں بھی جا کر ایک نئی زندگی شروع کر سکو گے۔

مولا داد: میرے لئے یہ دنیا اتنی کھلی نہیں ہے چودھری جی۔ خیر آپ تسلی رکھو۔ میں اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کروں گا۔

یعقوب: انور پہلے سے بھڑکا ہوا ہے۔ نیاز کو میں نے پستول ساتھ رکھنے پر مجبور کر دیا ہے تمہیں زیادہ تردد نہیں کرنا پڑے گا۔

(شاطرانہ انداز میں مولا داد کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہے۔ اس کا کندھا
تھپتھپاتا ہے اور جا کر کار میں بیٹھتا ہے۔ کار سٹارٹ ہو کر مڑتی ہے۔ مولا داد
دور تک موٹر کو جاتے دیکھتا ہے۔ چہرے پر گہری سوچ کے آثار
نمایاں ہیں)

سین ر ۸

(ذکیہ کا گھر)

(ذکیہ دروازے پر دلاور کو رخصت کر رہی ہے)

ذکیہ: دیکھو دلاور بھائی جمعرات کی شام تک پہنچ ضرور جانا ۔ ۔ ۔ ورنہ زندگی بھر شکوہ رہے گا۔

دلاور: آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں بہن جی کیسے نہیں پہنچوں گا میں۔ اس گھر میں آ کر بارہ برس کے بعد پہلی بار مجھے گھر کے سکھ کا احساس ہوا ہے۔

ذکیہ: شادی کے سارے انتظام تمہیں دونوں نے کرنے ہیں ابو اور فرخ کے بعد تمہی دونوں میرے رشتے دار ہو۔۔۔ میرے سگے بھائیوں کی طرح ۔۔ سچ میرے پاس لفظ نہیں ہیں جو۔۔۔۔

دلاور: (افسردگی سے ہنستا ہے) محبت کے رشتے لفظوں کے محتاج نہیں ہوتے بہن جی۔ بلکہ سچ پوچھیں تو وہ لفظ ابھی ایجاد ہی نہیں ہوئے جو کسی جذبے کو اس کے مفہوم کی پوری گہرائی اور وسعت سمیت کسی دوسرے تک پہنچا سکیں۔

ذکیہ: کبھی کبھی میں یہ سوچ کر بہت حیران ہوتی ہوں کہ مولا داد اور تمہاری طبیعتوں میں کس قدر تضاد ہے اور اس کے باوجود تم دونوں ایک دوسرے کے اتنے گہرے دوست ہو مزاجوں کا ملاپ ہے ہوتا ہے۔

دلاور: (ہنستے ہوئے) شاید ہمارے ستارے کہیں آپس میں مل گئے ہیں۔

ذکیہ: (مسکراتے ہوئے) مولاداد بھائی کو تاکید کیجئے گا کہ بھابی اور بچے کو ضرور ساتھ لیکر آتے۔

دلاور: ہاں۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔ بلکہ ہم سب ساتھ ہی آئیں گے۔ اچھا بہن اب اجازت دیں۔۔۔۔۔ دیر ہو گئی تو بس نہیں ملے گی۔

سین ر ۹

(فون کی گھنٹی بجتی ہے بالا آ کر فون اٹھاتا ہے)

بالا: جی۔۔۔۔ جی ابھی نہیں پہنچے ہیں۔۔۔

(یعقوب اور زبیدہ انہی کپڑوں میں داخل ہوتے ہیں جن میں گاؤں سے چلے تھے۔)

آپ کا فون ہے چودھری جی۔

(یعقوب اکتاتے ہوئے انداز میں فون کی طرف بڑھتا ہے۔ زبیدہ اندر کی طرف جاتے ہوئے بالے کو حکم دیتی ہے۔)

زبیدہ: سامان نکال کے اندر رکھ۔۔۔۔۔۔ شکیلہ کہاں ہے۔

بالا: کالج گئی ہوئی ہیں جی۔

(زبیدہ سر ہلا کر جاتی ہے۔ بالا باہر نکلتا ہے)

یعقوب: ہیلو... ہاں.... کیا.... ؟

(ایک دم چہرے پر حیرت اور غصے کے آثار۔)

نکل گئی.... تم کہاں تھے..... الو کے پٹھے ہو تم۔

کیا سر پر لگا رکھی ہے...

(حیرت سے)

کیا... پولیس تمہارے متعلق تفتیش کر رہی ہے....

کیسے.... مگر تمہارا کیسے پتہ چلا انہیں..... ٹھہرو مجھے سوچنے دو.... تم اپنے گھر پہنچو..

میں جو کہہ رہا ہوں وہی کرو..... تم وہیں رک کر میرا انتظار کرو...... ڈی آئی جی صاحب میرے دوست ہیں ان سے

(فون رکھتا ہے۔ ماتھے پر آیا ہوا پسینہ پونچھتا ہے۔ کسی گہری سوچ میں ہے چہرے پر سختی اور سنگدلی کے تاثرات پیدا ہوتے ہیں۔ پھر فون کے نمبر گھماتا ہے۔)

ہیلو.... کون.... حمید ہے؟ اسے بلواؤ.... ہاں میں ہولڈ کرتا ہوں۔

(یعقوب فون پکڑے کھڑا ہے۔ چہرے پر سختی کے تاثرات نمایاں ہیں)

سین ۱۰

(پولیس کی جیپ آکر رکتی ہے۔ ایک تھانیدار اور تین چار سپاہی تیزی سے اترتے ہیں۔ ایک سپاہی اشارے سے ایک مکان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ تھانیدار ہولسٹر پر ہاتھ رکھے ہوئے تیزی سے بڑھتا ہے سپاہیوں کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہے۔)

سین ۱۱

(ایک دروازہ تیزی سے اندر کی طرف کھلتا ہے۔ انسپکٹر پستول ہاتھ میں لئے اندر داخل ہوتا ہے۔ سپاہی ساتھ ہیں۔

انسپکٹر: (اندر آتے ہوئے) خبردار۔

(ایکدم اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ابھرتے ہیں۔ تیزی سے جاسوس کی طرف بڑھتا ہے جو بستر سے آدھا زمین پر گرا ہوا ہے لمبے لمبے سانس لے رہا ہے۔ انسپکٹر بڑھ کر اس کے قریب پہنچتا ہے۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھتا ہے۔ جاسوس کے جسم میں دو گولیاں لگی ہیں۔ جاسوس کو کندھے سے

ہلاتے ہوئے پوچھتا ہے)

انسپکٹر: کس نے مارا ہے تمہیں؟

(جاسوس کچھ کہنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ بیہوش ہو جاتا ہے۔)

سپاہی: مر گیا۔

انسپکٹر: (دھڑکن دیکھ کر) نہیں۔ شاید بیہوش ہو گیا ہے۔ اٹھاؤ اسے۔

(سپاہی آگے بڑھتے ہیں۔)

سین ۱۲

(جیلے کی دکان)

(جیلا اپنے سامان کی گٹھڑیاں باندھ رہا ہے۔ نتھو ایک طرف خاموش بیٹھا خلا میں گھور رہا ہے۔ نتھو سامان باندھتے باندھتے اس کی طرف دیکھتا ہے۔)

جیلا: تم کب جاؤ گے نتھو چاچا۔

(نتھو آہستہ سے سر گھما کر اس کی طرف دیکھتا ہے پھر سامنے دیکھنے لگتا ہے)

جیلا: میرا خیال ہے تم بھی اب نکل چلو۔۔۔ آدھے سے زیادہ گاؤں خالی ہو گیا ہے۔ اور دس بارہ دن میں یہاں الو بولنے لگیں گے۔ کون خیال رکھے گا تمہارا۔

نتھو: میری جیراں دھیان رکھے گی میرا۔ بڑی چنگی ہے میری دھی۔ دھیاں رب کی نعمت ہوتی ہیں جیلے۔۔۔ گھر میں آتی ہیں تو چانن سا ہو جاتا ہے چارے پاسے۔

جیلا: (ترس آلود لہجے میں) تو بھی عجیب ہی آدمی ہے نتھو چاچا۔۔۔ آسمانوں کو جا کر کون واپس آیا ہے آج تک۔۔۔

نتھو: (سرگوشی کے لہجے میں) میری دھی تو آسمان کی طرف نہیں گئی جیلے۔۔۔ وہ تو کھرہ میں اتری ہوئی ہے۔ اس کی چنی میلی ہو گئی تھی نا۔۔۔ اس کو دھو رہی ہے۔

(جیلا ایک رحم آلود نظر اس کی طرف ڈالتا ہے پھر کپ پر چیں سنبھالنا شروع کرتا ہے۔ ریڈیو پہ ہاتھ رکھتا ہے اُسے رکھتے رکھتے رکتا ہے۔)

جیلا: ریڈیو سنے گا نتھو چاچا۔

(جواب کا انتظار کئے بغیر سوئچ دباتا ہے۔ طفیل نیازی کی گائی ہوئی شاہ حسین کی کافی "میں وی جاناں جھوک رانجھن دی نال میرے کوئی چلے۔۔۔" نتھو کی آنکھوں سے آنسو گرنے ہیں۔)

سین ۱۳ر

(حویلی)

حشمت : یہ تو نے چنگا کم نہیں کیا پتّر نیاز علی ۔

نیاز : بس میاں جی ۔ ۔ ۔ ۔ اسے میری بے وقوفی سمجھ لیجئے ۔ مجھ سے ماسٹر جی کی بات ٹالی نہیں گئی ۔

انور : اور دیکھئے سارا حساب اس کے ہاتھ میں ۔ ۔ ۔ ۔ میں پوچھتا ہوں کس نے اجازت دی تھی اسے کہ یہ حاتم طائی کا پتّر بن کے لوگوں میں زمینیں تقسیم کرتا پھرے ۔

نیاز : (غصے کو دباتے ہوئے) میں نے جتنی زمین دی ہے اپنے حصے میں سے دی ہے انور ۔ ۔ ۔ ۔ فکر نہ کرو تمہاری جیب سے کچھ نہیں جائے گا ۔

انور : کس کتاب میں لکھا ہوا ہے تمہارا حصہ ! جب تک زمین کا بٹوارہ نہیں ہو جاتا یہ ہم سب کی سانجھی ملکیت ہے اور تمہیں کوئی حق نہیں کہ تم اس میں سے ایک انچ زمین بھی ہم سے پوچھے بغیر کسی کو دو ۔ ۔ ۔ کیوں میاں جی ۔

نیاز : جب بٹوارہ ہوگا تو میرے حصے میں سے کاٹ لینا ۔

انور : کاٹیں گے تو جب اگر تم کچھ باقی رہنے دو گے ۔

نیاز : (حشمت سے) اس کو پٹہ ڈال کے رکھیں میاں جی ۔ اس کو تمیز نہیں ہے کسی چھوٹے بڑے سے بات کرنے کی ۔

حشمت : (دونوں کو گھورتا ہے) مجھے تو ایسے لگتا ہے جیسے تم دونوں کا خون سفید ہو گیا ہے ۔ اوئے ایدھر دیکھو ۔ ۔

(بزرگوں کی تصویروں کی طرف اشارہ کر کے)

اوئے دیکھو کتنے ناراض ہو رہے ہیں یہ بزرگ تم سے ۔ ۔ ۔ اب تم ہی ان کے جانشین ہو ۔ ۔ ۔ ۔ تم دونوں سے ہی اس خاندان نے اگے ٹرنا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اوئے ہم سب نے اپنے اپنے ٹیم (وقت) میں اس جاگیر کا رنبہ ودھایا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اللہ بخشے ۔ ۔ ۔

(ایک تصویر پر ہاتھ رکھتا ہے)

یہ میرے دادا جی انگریز کی طرف سے لڑے تھے سکھوں کے خلاف ۔ ۔ ۔ ۔ انہی کے زمانے میں یہ حویلی بنی تھی ۔ ۔ ۔ اوئے اپنا نہیں تو کچھ ان بزرگوں کی عزت کا ہی خیال کرو ۔ ۔ ۔ ۔ زمین میں اضافہ نہیں کر سکتے تو اس کو ٹوٹے ٹوٹے کر کے برباد تو نہ کرو ۔

انور : یہ بات تو آپ اس حکیم افلاطون کو سمجھائیں ۔ میں نے کیا کیا ہے ؟

(نیاز کا ہاتھ اس کے کوٹ کے نیچے لگے پستول کی طرف بڑھتا ہے ۔ پھر اپنے غصے پر قابو پاتا ہے ۔

حشمت: اس کو تو میں سمجھاؤں گا پتّر انور۔۔۔۔ پر توں وی کچھ عقل کر ہتھ پا۔۔ نیاز تیرا وڈا بھرا ہے ایدے بھرا بھرا کی بانہہ ہوتا ہے پتّر۔۔۔۔ بھرا کے بغیر بندے کی کنڈ ننگی ہو جاتی ہے۔

انور: پھر پوچھیں اس سے کیا ضرورت تھی کو ٹھوں کی زمین مزارعوں کے نام کرنے کی۔۔۔۔ اب جس کے پاس اپنا گھر ہو گا۔۔۔۔ وہ کیوں کرے گا ہماری نوکری۔ کیا ترسی ہوگی ہماری اس پہ۔ وہ بھی اور رعیت نے پہلے ہی ان کے دماغ خراب کئے ہوتے ہیں۔

حشمت: یہ شکایت تو مجھے بھی ہے نیاز علی سے۔

نیاز: وہ لوگ بڑی مصیبت میں تھے میاں جی۔۔۔ سر چھپانے کے لئے جگہ نہیں تھی ان کے پاس۔ نئی بستی میں جا کر وہ کہاں رہتے۔

حشمت: ہمارے پاس رہتے اور کہاں رہتے۔ اتنی پشتوں سے ہمارے آباؤ اجداد کے ٹائم سے وہ ہمارے زیر سایہ رہ رہے ہیں۔ اب کونسی قیامت آ گئی ہے۔ سو پنجاہ کو ٹھے چھتنے کی زمین تو وہاں بھی ہوگی ہمارے پاس۔

نیاز: اس سے ان کا دل بڑھ جائے گا میاں جی۔ آپ کے احسان تلے ان کی گردن ہمیشہ دبی رہے گی۔

حشمت: جب دل ودھ جائے پتّر نیاز علی۔۔۔۔ پھر گردن جھکی نہیں رہتی۔ انسان کے وجود کی سلطنت میں دل بادشاہ ہوتا ہے۔۔۔۔ سر سے پیر تک اس کی حکومت چلتی ہے۔ غریب کا دل ودھ جائے تو اس کی اکھ سے ڈر نکل جاتا ہے۔ نیاز علی۔۔۔۔۔ اس کے دماغ میں حقوق چانگڑیں مارنے لگتے ہیں۔ ہتھوں پیروں میں ہو شو کرنے لگتا ہے۔۔۔ گھوڑے کو تانگے میں جوڑنے کے لئے اس کی اکھوں پر کھوپے چڑھانے ضروری ہوتے ہیں، نیاز علی۔۔ جلکہ میں دوڑا دوڑا کر اس کا مشک مارنا پڑتا ہے۔

انور: اس سے میں نے رقم منگوائی تھی تو اس نے میرے آدمی کو لیکچر دے کر واپس بھیج دیا تھا۔ اب یہ مزارے اس کے ماملے کے پتّر ہیں جو انہیں زمینیں دے رہا ہے۔

نیاز: میں نے رقم دینے سے انکار نہیں کیا تھا انور۔۔۔۔ میں نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ ان کاموں کے لئے عمر پڑی ہے اس وقت زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ ہم مل کر بیٹھیں اور یہاں سے شفٹنگ کا پروگرام FINALISE کریں۔

حشمت: فیر بھی پتّر نیاز علی رقم مجھ کو بھیج دینی چاہیے تھی۔

انور: میرے دوست کیا سوچتے ہوں گے۔۔۔۔ چودھری انور کی اتنی حیثیت بھی نہیں کہ سکندر پور کی لاکھوں کی آمدنی میں سے تیس چالیس ہزار روپے خرچ کر سکے۔۔۔۔ وہ کچھ نہیں لگتا اس جائیداد کا۔

(ناراضگی سے منہ موڑتا ہے)

حشمت: اوئے۔۔۔۔ نہیں اوئے۔۔۔۔ نہیں پتّر اوئے۔۔۔ توں دل چھوٹا نہ کر۔۔۔

(اس کو محبت سے تھپک کر)

تیرا حق کیوں نہیں ہے اسپر۔۔۔ تم اور نیاز برابر کے حقدار ہو اس میں۔

انور: یہ بات مجھے نہیں بھانیاز کو بتائیں میاں جی . . .

حشمت: نیاز کو پتہ ہے اس بات کا پتر . . . وہ ہمیشہ اس کا خیال رکھتا ہے۔ تجھے اس لئے بلوایا تھا کہ . . . بہت سی قانونی کاروائیاں رہتی ہیں ابھی۔ پہلے کاغذوں پر تیرے دستخط ہونے ہیں۔

انور: دستخط رقم بھجوانے کے بعد بھی ہو سکتے تھے میاں جی !

حشمت: اچھا پتر۔ اب مٹی بھی پاؤ اس بات پہ۔ شام کو محمود قریشی وکیل آئے گا۔ سارے کاغذ تیار ہو جائیں گے۔ پھر جتنی رقم کی ضرورت ہو گی لے جانا۔ چل اب چل کے روٹی کھا لے۔

انور: (سوالیہ نظروں سے) یہ کن کاغذوں پہ دستخط ہونے ہیں میاں جی۔۔ جائیداد تو آپ تقسیم کرنے پر تیار نہیں ہیں۔

حشمت: یہ ساری لعنت ان زرعی اصلاحات کی ہے پتر انور . . . . زمینیں بچانے کے لئے بہت سارے چکر کرنے پڑے تھے . . . پر اللہ کے فضل سے دو سیم کے مارے ہوئے مربعوں کے سوا اک کلہ زمین نہیں دی تھی میں نے حکومت کو۔

(شاطرانہ انداز میں مسکراتے ہوئے)

اخے . . . . ہم ملک سے جاگیرداری نظام کا خاتمہ کر دیں گے . . . . . ان کے پیو کا راج ہے نا . . .

سین مر ۱۴۲

انور: نہیں مولا داد . . . . تم نہیں سمجھتے اس بات کو . . . . . میں دب کر زندہ رہنے کا قائل نہیں ہوں۔

مولا داد: پر چودھری جی . . . . چودھری نیاز آپ کا بھرا ہے . . .

انور: ہے نہیں مولا داد . . . . تھا . . . میں کبوتر نہیں ہوں جو بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لوں . . . . میں نے نیاز کو قتل نہیں کیا تو وہ مجھے مار دے گا . . . .

مولا داد: یہ آپ کا وہم ہے چودھری جی . . . . . .

انور: وہم کے اندر ۳۸ بور کی گولیاں نہیں ہوتیں مولا داد۔

مولا داد: میں۔۔میں سمجھا نہیں چودھری جی . . .

انور: نیاز نے آج کوٹ کے نیچے پستول لگایا ہوا تھا۔ اس کا مطلب سمجھتے ہو . . . . .

مولا داد: (یعقوب کا جملہ یاد ہوتا ہے۔۔ " انور پہلے سے بھڑکا ہوا ہے نیاز کو میں نے پستول ساتھ رکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔ تمہیں زیادہ تردد نہیں کرنا پڑے گا۔" چند لمحے گہری نظروں سے انور کی طرف دیکھتا ہے) پھر کیا ہوا چودھری جی . . . . پستول تو اکثر لوگ رکھتے ہیں ؟

انور: کسی سے دشمنی ہو، تب رکھتے ہیں نا . . . . . .

مولا داد: نہیں یہ ضروری تو نہیں ہوتا چودھری جی . . . . اپنا دلاور بھی ہر وقت پستول ساتھ رکھتا ہے حالانکہ اس کی کسی سے دشمنی نہیں۔

انور: بات سمجھنے کی کوشش کرو مولاداد... بھائی نیاز نے ساری زندگی پستول ساتھ نہیں رکھا... میں اس کی ایک ایک عادت سے واقف ہوں... یہ پستول... یہ پستول میرے لئے ہے مولاداد۔

(اپنی ڈبے سے پستول نکال کر میز پر مارتا ہے۔)

مولاداد: (سمجھانے کی آخری کوشش کرتے ہوئے) جلد بازی سے کئے ہوتے اکثر فیصلے غلط ہوتے ہیں چودھری جی... کہیں ایسا نہ ہو....

(پستول اس کے ہاتھ سے لے لیتا ہے اسے الٹا پلٹتا ہے)

انور: (تیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے) تجھ کو کیا ہو گیا ہے مولاداد... تُو تو بڑا جی دار تھا۔

مولاداد: بڑا فساد ہو جائے گا چودھری جی..

انور: کوئی فساد نہیں ہوتا مولاداد... تھوڑی سی عقل کی ضرورت ہے اس میں.... تجھ پر کوئی آنچ نہیں آئے گی...

مولاداد: پر چودھری جی....

انور: میں نے تجھے نوکر سے زیادہ ہمیشہ اپنا یار سمجھا ہے مولاداد..... اس کام کے لئے مجھے تیرے جیسے سمجھدار اور بہادر آدمی کی ضرورت ہے.... میں تجھے اتنا مال دوں گا مولاداد..... کہ....

مولاداد: بات مال کی نہیں ہے چودھری انور... میں .... اس کام میں پڑنا نہیں چاہتا۔

انور: گرفتاری سے ڈرتے ہو؟

مولاداد: نہیں۔

(پستول میز پہ رکھتا ہے)

انور: پھر کیا بات ہے؟

مولاداد: بس میرا دل نہیں مانتا چودھری انور..... اور جس کام کو میرا دل نہ مانے اس کے کرنے سے مجھے ہمیشہ نقصان ہوتا ہے۔

انور: تم خواہ مخواہ وہموں میں پڑ رہے ہو.... مولاداد... موقع واردات سے تمہاری عدم موجودگی کا مکمل بندوبست ہوگا.... تمہارا کام اتنا ہے کہ تم واردات کے بعد فرار ہو کر....

مولاداد: (تڑپ کر بات کاٹتے ہوئے) فرار ہو کر.... پھر فرار ہو کر..... میں کب تک فرار ہو کر پھرتا رہوں گا چودھری انور... مفرور ہونے سے تو پھانسی پر لٹک جانا بہتر ہے.... فرار تو چوبیس گھنٹے کی موت ہوتی ہے چودھری انور....

انور: (گھورتے ہوئے) تو تم.... یہ کام نہیں کرنا چاہتے....

مولاداد: (سر جھکاتے ہوئے) نہیں۔

انور: (میز سے پستول اٹھا کر انگلیوں میں گھماتا ہے، مولا داد کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھتا ہے انور کچھ سوچ کر پستول کی نال مولا داد کی طرف رکھتے ہوئے بات کرتا ہے) میں نے بھا نیاز کو راہ سے ہٹانے کا فیصلہ کیا ہوا ہے مولا داد..

مولا داد (اٹھتے ہوتے دروازے کی طرف مڑتا ہے) آپ مرضی کے مالک ہو چودھری جی..... اچھا رب راکھا۔

انور: (مولا داد کی طرف پستول تانتے ہوتے) مولا داد۔

(مولا داد مڑ کر دیکھتا ہے۔ مسکراتا ہے)

مولا داد: تو تم نے وہی کیا چودھری انور.... جو میں نے سوچا تھا۔

انور: (سختی سے) تو تمہارا کیا خیال تھا میں پھانسی لگنے کے لئے تمہیں گواہ بناؤں گا.....

مولا داد: ابھی کچھ دیر پہلے تم نے مجھے اپنا یار کہا تھا۔

انور: اس وقت تم نے میری بات سے انکار نہیں کیا تھا۔

مولا داد: تجھے مطلب کے یار ہو چودھری انور..... کس انتظار میں ہو چلاؤ گولی۔

انور: میں تمہیں ایک آخری موقع دیتا ہوں مولا داد۔

(مولا داد نفی میں سر ہلاتا ہے انور فائر کرتا ہے۔ کلک کی آواز آتی ہے گولی نہیں چلتی انور تیزی سے ٹریگر دباتا ہے حیرت سے مولا داد کی طرف دیکھتا ہے جو بغل میں سے ہاتھ نکال کر گولیاں زمین پر پھینکتا ہے)

مولا داد: میں بھی تمہیں آخری بار سمجھا رہا ہوں چودھری انور.. .. .. اس کام سے باز آجاؤ۔

(مولا داد تیزی سے باہر نکلتا ہے۔ انور ششدر کھڑا پستول اور گولیوں کی طرف دیکھتا ہے)

سین نمبر ۱۵

(جیلے کی دکان)

(جیلے کا سامان بندھا پڑا ہے۔ چاروں خاموش اور اداس بیٹھے ہیں۔ مہنگا چاروں طرف دیکھتا ہے۔)

مہنگا: کتنی خموشی ہوگئی ہے ماسٹر جی پنڈ میں... آپ والی گلی تو ساری خالی ہوگئی ہے۔

ماسٹر: بس اب تو پانچ سات گھر ہی رہ گئے ہیں برخوردار مہنگے.... یا پھر حویلی آباد ہے۔

مہنگا: حویلی بھی کیا آباد ہے ماسٹر جی... مجھے تو بڑا ڈر آرہا ہے.... لگتا ہے جیسے کوئی بہت بڑا طوفان آنے والا ہے۔

ماسٹر: (افسردگی سے ہنستے ہوئے) وہ تو سچ مچ آرہا ہے برخوردار مہنگے... یہاں چاروں طرف

پانی ہی پانی ہو گا۔

بخشو : مہنگا اس طوفان کی بات نہیں کر رہا ماسٹر جی..... حویلی میں بڑی گڑبڑ ہے... چودھری نیاز اور چودھری انور ایک دوسرے کے سخت خلاف ہو گئے ہیں۔ اتوں سے وڈے چودھری صاحب نے چودھری یعقوب کو وہ کر دیا ہے.... وہ کیا کہتے ہیں... یعنی کہ فارغ خطی دے دی ہے۔

مہنگا : فارغ خطی نہیں دی.... کیسے دکیں کے پتر.... عاق کر دیا ہے۔

ماسٹر : (حیرت سے) عاق کر دیا ہے... چودھری یعقوب کو۔ (دونوں اثبات میں سر ہلاتے ہیں) کیوں ؟

مہنگا : (سر کھجاتے ہوئے) صحیح وجہ تو معلوم نہیں ہے ماسٹر جی.... پر چکر کوئی لمبا ہی ہے....

بخشو : بالکل ٹھیک ہے۔

جیلا : اللہ چودھری نیاز کو سلامت رکھے.... مجھے تو زمین دے کر اس نے خرید لیا ہے.... میری زندگی بھر کی آرزو پوری کر دی ہے۔

مہنگا : تو بھی چکھ لے مزا زمین کا.... سر پہ ہاتھ رکھ کر نہ رو دیا تو میرا نام مہنگا نہیں۔

بخشو : بالکل ٹھیک ہے۔

ماسٹر : تو ان شیطانوں کی پرواہ نہ کر جیلے.... ان کی تو عادت ہے بکنے کی... (مسکراتے ہوئے) آج جاتی بہار کی چائے نہیں پلوائے گا... پر تو نے تو سارا سامان باندھ لیا ہے۔

جیلا : (اٹھتے ہوئے) پھر کیا ہوا ماسٹر جی... سامان پھر بندھ جاتے گا... ابھی بناتا ہوں میں...

ماسٹر : کوئی بات سناؤ برخوردار مہنگے.... دل بہت اداس ہے آج۔

مہنگا : دل تو سب کے ہی اداس ہیں ماسٹر جی... اچھا... ایک بجھارت پوچھتا ہوں بخشو سے ... کیوں بخشو۔

بخشو : بالکل ٹھیک ہے.....

مہنگا : فرض کر بخشو تو لاہور کے چڑیا گھر میں ہے (بخشو غصے سے اس کی طرف دیکھتا ہے) پنجرے سے باہر میرا مطلب ہے... تو اب فرض کر کہ شیر پنجرے سے نکل کر تیری طرف آ جاتا ہے..... تو تُو کیا کرے گا.....

بخشو : پر میں کیوں فرض کر دوں .... ؟

مہنگا : بس تو کر لے۔

بخشو : پر سارے چڑیا گھر میں سے وہ میری طرف ہی کیوں آئے گا.... میں نے قرض حسنہ دینا ہے اس کا۔

مہنگا : یار بحث نہ کر..... بس تو فرض کر لے۔

بخشو: اچھا (سوچتے ہوئے) میں بھاگنا شروع کردوں گا۔

مہنگا: فرض کر.... شیر بھی تیرے پیچھے بھاگنے لگے .... (بخشو سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے) بس تو فرض کرلے نا....

بخشو: (سوچتے ہوئے) اچھا.... میں کسی درخت پر چڑھ جاؤں گا...

مہنگا: فرض کر شیر بھی تیرے پیچھے درخت پر چڑھ جاتا ہے۔

بخشو: پر شیر درخت پر نہیں چڑھ سکتا کسے شکاری سے پتر۔

مہنگا: تو فرض کرلے نا یار....

بخشو: اچھا... پھر میں کسی دریا یا نہر میں چھلانگ لگا کر نکل جاؤں گا۔

مہنگا: فرض کر شیر بھی تیرے پیچھے چھلانگ لگا دیتا ہے پھر...

بخشو: پر شیر کو تیرنا نہیں آتا نظام سقے کے پتر...

مہنگا: تو فرض کرلے نا یار....

بخشو: اچھا یہ بھی فرض کرلوں؟ (سوچتے ہوتے ایک دم رکتا ہے) ایک بات تو بتا یار مہنگے۔ (مہنگا اشارے سے کہتا ہے بول) یار تو میری طرف ہے کہ شیر کی طرف؟

(ماسٹر مہنگا اور بخشو ہنستے ہیں دلاور آتا ہے۔)

دلاور: اسلام علیکم.... کیا بات ہے ماسٹر جی... بڑے قہقہے لگ رہے ہیں۔

ماسٹر: (ہنسی روکنے کی کوشش میں) کچھ نہیں.... یہ.... یہ بڑے بدمعاش ہیں دونوں....

بخشو: آپ کے شاگرد ہیں ماسٹر جی۔۔

دلاور: (ہنستے ہوئے) اچھے شاگرد ہو بھئی تم۔

ماسٹر: تم کب آئے ہو بیٹا....

دلاور: بس آ ہی رہا ہوں ماسٹر جی.... سید گل کی طرف گیا تھا پتہ لگا وہ نئی بستی چلا گیا ہے.... چابی شاید آپ کے پاس ہے؟

ماسٹر: ہاں.... لیکن گھر پہ ہے.... ابھی چلتے ہیں۔

نیاز : اگر انسانوں کی خواہش پر وقت رُکنا شروع کر دے صغراں، تو یہ کائنات ایک لمحے میں ختم ہو جائے۔ (وقفہ) تمہیں زمینیں جانے کا افسوس تو نہیں ہے؟

صغراں : اگر اس کے بدلے مجھے میرا نیاز مل جائے، تو میں باقی ساری زمین بھی دینے کو تیار ہوں۔

نیاز : ہاں صغراں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں بھی آج اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں۔ یُوں لگتا ہے کئی جنموں کا بوجھ تھا جو سر سے اُتر گیا ہے۔

صغراں : کافی لاؤں آپ کے لیے؟

نیاز : ہاں ۔ ۔ ۔ ۔ (پستول دیتے ہوئے) اسے بھی کہیں رکھ دو ۔ ۔ ۔ ۔ یہ آخری بوجھ بھی اُتر جائے۔

(صغراں فریم سے آؤٹ ہوتی ہے۔ کیمرہ نیاز کے کلوز سے زوم بیک کرتا ہے۔ ایک ستون کے پیچھے سے ایک پستول بردار ہاتھ نکلتا ہے۔ زوم ان کرتے ہیں۔ انور کے چہرے پر شدید تناؤ ہے۔ فائر کرتا ہے۔ کٹ کر کے نیاز پر جاتے ہیں۔ ستار اس کے ہاتھ سے گرتا ہے۔ لرزتے ہوئے ستار پر صغراں کی چیخ O/L ہوتی ہے۔ تار چند لمحے لرزتا ہے پھر رُک جاتا ہے)۔

سین نمبر B ۱۵

(یار محمد بھاگا بھاگا آتا ہے۔ سانس پھولی ہوئی ہے سخت خوفزدہ ہے)

یار محمد : اوئے بخشو۔ اوئے مہنگے

مہنگا بخشو : (گھبرا کر) کیا ہوا یار محمدا۔

یار محمد : چودھری نیاز قتل ہو گیا ہے۔

(سب حیرت سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔)

ماسٹر : چودھری نیاز۔

(جیلے کے ہاتھ سے کیتلی گرتی ہے۔)

جیلا: چودھری نیاز۔

یار محمد: ہاں۔ ۔ ۔

دلاور: کیسے ...؟

یار محمد: چودھری انور نے گولی مار دی ہے اسے۔

دلاور: انور نے؟

(دلاور کا کلوز)

سین ۱۶

(حویلی کے کمرے میں بہت سے آدمی بیٹھے ہیں۔ چہروں پر افسردگی ہے اندرونی کمرے سے عورتوں کے رونے کی آواز آرہی ہے ایک کونے میں دلاور خاموش کھڑا ہے۔ لوگ آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے ہیں۔ مولاداد اندر آتا ہے لوگوں کو دیکھ کر ایک دم رک جاتا ہے۔ دلاور پر نظر پڑتی ہے اس کی طرف آتا ہے)

مولاداد: (دبی آواز میں) تو کب آیا ہے شہزادے۔

دلاور: ابھی کچھ دیر پہلے .... آتے ہی یہ خبر سنی تو ادھر چلا آیا... بہت اچھا آدمی تھا چودھری نیاز۔ ۔ ۔

مولاداد: ہاں شہزادے .... چودھری نیاز سچ مچ اچھا آدمی تھا.... اسی لئے مر گیا ہے..... اس دنیا میں اچھے آدمی کے لئے زیادہ گنجائش نہیں ہے۔

دلاور: کچھ پتہ ہے یہ سب کیسے ہوا؟ (مولاداد اثبات میں سر ہلاتا ہے) چودھری انور کہاں ہے؟

مولاداد: پتہ نہیں... مگر وہ بچ نہیں سکتا۔ (دلاور سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے) چودھری نیاز کی وہٹی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اسے گولی چلاتے ہوئے...

دلاور: اوہ ...!

(ایک دم کمرے میں خاموشی چھا جاتی ہے۔ دونوں مڑ کر دیکھتے ہیں چودھری حشمت اندرونی دروازے سے داخل ہوتا ہے۔ صاف پتہ چلتا ہے کہ بڑی مشکل سے اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے۔ آواز میں دبدبہ ہے کڑک نہیں۔ بخشو اور مہنگا ساتھ ہیں۔)

حشمت: (بخشو اور مہنگے سے) شام سے پہلے پہلے سب کو اطلاع ہو جانی چاہیئے۔

بخشو: (سنجیدہ آواز میں) بالکل ٹھیک ہے جی...

حشمت: یعقوب کی طرف کوئی بندہ بھیجا ہے۔

مہنگا: رب نواز گیا ہے جی، جیپ لے کر۔ ۔ ۔

حشمت: مولوی صاحب کا پتہ کرو۔ ۔ ۔ کیوں نہیں آئے ابھی تک۔

مہنگا: مشک کافور نہیں مل رہا تھا جی۔ ۔ ۔ مولوی صاحب خود لینے گئے ہیں کرم آباد سے۔ ۔ ۔ سائیکل پہ گئے ہیں۔ ۔ ۔ بس پہنچنے والے ہوں گے۔ ۔ ۔ میت کا باقی سب سامان پورا ہے جی۔ ۔ ۔

حشمت: (اپنے آپ سے) میت۔ ۔ ۔ ۔ ؟ نیاز علی کی میت۔ ۔ ۔ ۔ یہ عمر مرن کی تو نہیں تھی چودھری نیاز علی۔

(بخشو اور مہنگا چند لمحے اس کی طرف دیکھتے ہیں پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں پھر جانے کے لئے مڑتے ہیں۔ حشمت اپنا منہ دیوار کی طرف کر لیتا ہے تاکہ لوگ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکیں۔ اس کا سارا جسم کانپتا ہے۔ مولا داد اور دلاور اس کی طرف دیکھتے ہیں۔)

سین ۱۷

(سید گل کے مکان کے دروازے پہ دلاور تالا کھول رہا ہے مولا داد ساتھ ہے)

مولا داد: میرا تو خیال ہے شہزادے تو اُدھر میری طرف ہی چلتا۔ ۔ ۔ یہاں اکیلا کیا کرے گا۔ ۔ ۔

دلاور: نہیں یار مولا داد۔ ۔ ۔ پتہ نہیں کیوں اس وقت کچھ دیر تنہا رہنے کو جی چاہ رہا ہے جب بھی کبھی میں قبرستان گیا ہوں میری ایسی ہی حالت ہوتی ہے۔ ۔ ۔

(دروازہ کھول کر دونوں اندر آتے ہیں)

مولا داد: موت کی بڑی دہشت ہوتی ہے دلاور۔ ۔ ۔ ابھی چند گھنٹے پہلے چودھری نیاز سکندر پور کا جاگیردار تھا۔ ۔ ۔ ۔ اب ساری جاگیر میں سے دو گز زمین آئی ہے اس کے حصے۔ ۔ ۔

دلاور: اصل کہانی دو گز زمین ہی کی ہوتی ہے بھائی مولا داد۔ ۔ ۔

مولا داد: میں نے تو بہت منع کیا تھا چودھری انور کو۔ ۔ ۔ ۔ پر۔ ۔ ۔ ۔ اس کا بچنا بھی بہت مشکل ہے۔

دلاور: ہاں۔ ۔

مولا داد: اچھا۔ ۔ ۔ تم اب آرام کرو میں چلتا ہوں۔ ۔ ۔ انشا اللہ صبح ملاقات ہوگی۔

دلاور: (اسے رخصت کرتے ہوئے) اچھا۔ ۔ ۔ رب راکھا۔

سین ۱۸

(رشید۔ زہرہ۔ زہرہ سخت پریشان ہے)

رشید: (اپنے انگوٹھے سے کھیلتے ہوئے) دیکھو ماں۔ ۔ ۔ یہ میرا انگوٹھا ہے نا۔ ۔ ۔ ۔ اس کو توڑ کے دکھاؤں؟ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ دیکھو۔ ۔ ۔

(کرتب دکھاتا ہے)

زہرہ: (پریشانی میں) سو جا رشید ۔ ۔ ۔

رشید: نیند نہیں آرہی ماں ۔ ۔ ۔ اچھا دیکھو میں تمہیں ایک اور تماشہ دکھاتا ہوں۔

زہرہ: خدا کے لئے رشید ۔ ۔ ۔ سو جاؤ ۔ ۔ ۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

(رشید کچھ کہنے لگتا ہے پھر ماں کا موڈ دیکھ کر خاموشی سے لیٹ جاتا ہے)
چند لمحوں بعد مولاداد آتا ہے۔ زہرہ بھاگ کر اس کی طرف جاتی ہے اسے
کندھے سے پکڑتی ہے دوسرے کمرے میں لے جاتی ہے۔)

زہرہ: غضب ہو گیا فتح شیر۔

مولاداد: (تڑپ کر) زہرہ ۔ ۔ ۔ جھلی ہو گئی ہے ۔ ۔ ۔

زہرہ: وہ تمہیں ڈھونڈ رہا ہے فتح شیر۔

مولاداد: کون ۔ ۔ ۔ ؟

زہرہ: دلاور۔

مولاداد: کیا بے وقوف شہزادیوں جیسی بات کر رہی ہے۔ اس کو میں خود ابھی سید گل کے گھر چھوڑ کے آرہا ہوں ۔ ۔ ۔ جنازے میں بھی وہ میرے ساتھ ۔ ۔ ۔

زہرہ: وہ تمہیں مار ڈالے گا فتح شیر ۔ ۔ ۔ یہاں سے نکل چلو۔

مولاداد: دلاور ۔ ۔ ۔ مجھے مارے گا!! جھلی ہو گئی ہے ۔ ۔ ۔ اور یہ تو بار بار مجھے فتح شیر کیوں کہہ رہی ہے ۔ ۔ ۔ فتح شیر کو تو ہم نے بارہ سال پہلے مار دیا تھا ۔ ۔ ۔ اب تو میں صرف مولاداد ہوں۔

زہرہ: دلاور۔ احمد پور کے چودھری سکندر حیات کا چھوٹا بھرا ہے۔ فتح شیر ۔ ۔ ۔

مولاداد: (شدید حیرت سے) ہیں۔

سین نمبر ۱۵۸

(نیاز علی ستار بجا رہا ہے۔ اس کے سامنے صغراں بیٹھی بڑی محویت اور لگاوٹ سے سن رہی ہے۔ چند لمحے بعد نیاز ستار ایک طرف رکھتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کے مسکراتے ہیں)

صغراں: کاش یہ وقت یہیں تھم جائے۔

قسط نمبر ۲۲

سین نمبر ۱

زہرہ : (خوف زدہ انداز میں) ہاں ۔ ۔ ۔ فتح شیر ۔ ۔ ۔ ۔ اس نے تمہیں قتل کرنے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔

مولاداد : مجھے ۔ ۔ ۔ مگر ۔ ۔ ۔ تمہیں کس نے بتایا۔

زہرہ : سویرے سید گل اور زینب آئے تھے، رخصت ہوئے ۔ ۔ ۔ باتوں میں دلاور کا ذکر آیا تو سید گل کے منہ سے نکل گیا کہ وہ تمہاری تلاش میں ہے ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے اس سے ساری بات پوچھ لی ہے۔

مولاداد : دلاور ۔ ۔ ۔ سکندر کا بھائی ہے ۔ ۔ ۔ مگر ۔ ۔ ۔

زہرہ : اُسے ابھی تک پتہ نہیں ہے کہ تمہی فتح شیر ہو لیکن ۔ ۔ ۔ یہاں سے نکل چلو فتح شیر۔

مولاداد : (سخت فکر مندی سے) ارمان سے شہزادی ۔ ۔ ۔ مجھے سوچنے تو دے ۔ ۔ ۔

(مولاداد سوچ میں پڑ جاتا ہے زہرہ سخت پریشان ہے)

سین نمبر ۲

(صغراں سیاہ چادر اوڑھے پلنگ پر گھٹنے سکیڑے خاموش بیٹھی ہے اس کی نظریں خلاء میں کسی نامعلوم مقام پر جمی ہیں جیسے سکتے کے عالم میں ہو چند لمحوں بعد حشمت خان دروازے پر آتا ہے خاموش کھڑا ہو جاتا ہے۔ بولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن لفظ نہیں ملتے۔ صغراں آہستہ سے سر گھما کر اس کی طرف دیکھتی ہے حشمت خان نظریں جھکا لیتا ہے۔ صغراں آہستہ سے سر جھکا لیتی ہے حشمت کے ہاتھ میں چھڑی کانپتی ہے اُسے جھنجھلاہٹ میں ملتا ہے جیسے بات نہ کر سکنے پر شرمندہ مڑ کر واپس جاتا ہے صغراں آنسوؤں سے بھرا ہوا چہرہ اٹھا کر کیمرے میں دیکھتی ہے۔ اس سین کے پس منظر میں ستار کا ساز یہ استعمال کیا جائے)

سین نمبر ۳

(حویلی کا کمرہ۔ یعقوب شلوار قمیض میں ملبوس چادر اوڑھے مختلف لوگوں سے باتیں

کر رہا ہے کمرے میں اداسی کی فضا۔ زیادہ تر لوگ خاموش بیٹھے ہیں۔ یعقوب ایک
چوہدری نما آدمی سے گلے ملتا ہے جو اس سے افسوس کا اظہار کر رہا ہے)

آدمی: بہت افسوس ہوا ہے یعقوب صاحب - - - -

یعقوب: (آزردہ لہجے میں) بس جی - - - مرضی ہے اُس مالک کی - - - اس کی چیز تھی، اس نے لے لی۔

آدمی: کوئی جھگڑا ہوا تھا ؟

یعقوب: کچھ پتہ نہیں چلا - - - - -

آدمی: کوئی تنازعہ ضرور ہو گا - - - ورنہ سگے بھائی کو - - - بڑا بیبا آدمی تھا چوہدری نیاز - - -

ماسٹر: (اٹھ کر قریب آتے ہوئے) اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کرے بڑا خیر خواہ تھا غریبوں کا - - - بڑا دھیما اور تحمل والا تھا - - - چوہدری انور نے بندے کا نہیں فرشتے کا خون کیا ہے۔

یار محمد: (ماسٹر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے ایک کونے میں کرتا ہے۔ سرگوشی کے انداز میں بولتا ہے) چوہدری انور کا نام مت لو ماسٹر جی - - - وڈے چودھری صاحب کا حکم ہے کہ سب لوگ اپنی زبان بند رکھیں۔

ماسٹر: مگر برخوردار یار محمد۔

(یار محمد منہ پر انگلی رکھ کر "شش" کی آواز نکالتا ہے ماسٹر حیرت سے اس کی طرف
دیکھتا ہے)

آدمی: دعا مانگیں جی۔

(ہاتھ دعا کے لئے اٹھاتا ہے سب لوگ دعا مانگتے ہیں ماسٹر بھی اِدھر اُدھر دیکھ کر ایک
دم دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے چہرے پر سخت حیرت کے آثار ہیں دعا مانگنے کے بعد بے
خیالی میں منہ پر ہاتھ پھیرتا ہے)

سین نمبر۴

(حشمت کا کمرہ۔ حشمت اور ریاست سنجیدگی سے گفتگو کر رہے ہیں)

ریاست: بات مقدمے کی نہیں ہے حشمت - - - اس میں تو انشاء اللہ جو کچھ ہو سکے گا کریں گے - - - مسئلہ تو تیری نُوں (بہو) کی گواہی کا ہے - - - میں نے انسپکٹر سے بات کی تھی وہ شام کو آئے گا - - -

حشمت: نیاز کی موت کا مجھے بڑا رنج ہے ریاست - - - پر جے انور پھنس گیا اور - - - نہیں ریاست نہیں - - - میری نسل ختم ہو جائے گی - - - انور اس خاندان کا آخری چشم و چراغ ہے - - - اسی کے ذریعے میری نسل آگے بڑھ سکتی ہے - - - میں اس کو کسی صورت قانون کے ہتھے نہیں لگنے دوں گا - - -

ریاست: یعقوب کے کتنے بچے ہیں۔

حشمت: ایک دھی ہے اس کی - - - پر خاندان تو پتروں سے آگے ودھتے ہیں ریاست علی - - - انور

پھاہے لگ گیا تو میرے ہاتھ کیا رہ جائے گا (وقفہ) جے کسی طرح یہ ثابت ہو جائے کہ نیاز کی وفات اتفاقیہ طور پر گولی چل جانے کے باعث ہوئی ہے تو...... ملک فرمان کا پتر صاف بری ہو گیا تھا...

ریاست: وہ تو اس لئے کہ موقعے کا کوئی گواہ نہیں تھا...... انور کا نام تو سارا پنڈ لے رہا ہے۔

حشمت: پنڈ کا بند وبست تو ہو سکتا ہے ریاست علی.... پسوڑی تو صغراں کی ہے.....

ریاست: انور کہاں ہے۔

حشمت: ایتھے ہی ہے...

ریاست: اس کو دوڑا دو..... باہر بھجوا دو کہیں...

حشمت: اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے ریاست.... جد تک یہ قتل اس کے نام کے ساتھ لگا رہے گا اُسے دنیا کے تختے پر کہیں پناہ نہیں ملے گی.... تم صغراں کے پیئو سے بات کرو.... اس کو سمجھاؤ جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہمیں آگے کی فکر کرنی چاہیئے.... صغراں کی گواہی کا مطلب یہ ہے کہ.... (یعقوب آتا ہے چہرے سے سنجیدگی نمایاں ہے) آ پتر یعقوب.... بیٹھ....

یعقوب: چوہدری سلطان اور اس کا بھائی باہر آئے ہیں میاں جی.... آپ کا پوچھ رہے ہیں

حشمت: اچھا.... اچھا آتا ہوں میں.... میں چوہدری ریاست سے صلاح کر رہا تھا کہ انور کو بچانے کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے۔

یعقوب: انور کو بچانے کے لئے.... ؟ اُس نے نیاز کا خون کیا ہے میاں جی؟

حشمت: آہستہ بول.... یعقوب....

یعقوب: مگر میاں جی....

ریاست: تمہارے باپ کا خیال ہے کہ اگر کسی طرح اس واقعے کو اتفاقیہ حادثے کا رنگ دے دیا جائے تو انور بچ سکتا ہے۔

حشمت: انور پھاہے لگ گیا تو ہماری نسل ختم ہو جائے گی یعقوب۔

یعقوب: وہ تو ٹھیک ہے.... مگر میاں جی.... نیاز بھی تو آپ کا ہی پوتا تھا۔

حشمت: میری طرف ایسے مت دیکھو یعقوب.... تیرا کیا خیال ہے مجھ کو نیاز کا افسوس نہیں ہے... اوئے زندگی میں پہلی بار مجھے اپنے بڈھے ہونے کا احساس ہو رہا ہے مجھے ایسے لگتا ہے جیسے میری ایک آنکھ کی روشنی چلی گئی ہے.... پر بالکل انھا ہونے سے کانا بہتر ہوتا ہے پتر اوئے.... انو نے بڑا مندا کام کیا ہے.... بڑا ظلم ڈھایا ہے اس نے.... پر وہ خون تو میرا ہی ہے.... تیرا کیا خیال ہے میں نیاز کے ساتھ اُسے بھی ضائع کر دوں۔

یعقوب: اس کا بچنا بہت مشکل ہے میاں جی.... قتل صغراں کی آنکھوں کے سامنے ہوا ہے اور حویلی کے بہت سے نوکروں نے انور کو پستول سمیت بھاگتے دیکھا ہے۔

حشمت : نوکروں کی کیا جرأت ہے کہ وہ میرے حکم کے خلاف گواہی دیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ دھی مصیبت تو صغراں کی ہے۔ ۔ ۔ ۔ میں نے ہمیشہ بندے کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بات کی ہے پر اس کی آنکھوں سے دہشت آتی ہے مجھے ۔ ۔ ۔ میرے لونکٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

یعقوب : نیاز اس کا شوہر تھا بیاں جی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تاج تھا اُس کے سر کا۔

ریاست : (حشمت کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے) کسی طرح اسے سمجھاؤ حشمت خان اور کوئی طریقہ نہیں ۔ ۔ ۔ آؤ باہر چلیں ۔ ۔ ۔ لوگ انتظار کر رہے ہیں۔

(دونوں جاتے ہیں یعقوب کا کلوز۔ سوچ میں ہے)

سین نمبر ۹

(مولاداد گہری سوچ میں گم ہے زہرہ روٹی لے کر آتی ہے۔ آگے رکھتی ہے۔ مولاداد اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا)

زہرہ : روٹی کھا لو۔

مولاداد : (چونک کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ بے خیالی میں روٹی اپنے قریب کرتا ہے۔ لقمہ لیتے ہوئے رک جاتا ہے روٹی پیچھے کھسکا تا ہے) نہیں زہرہ، جی نہیں چاہتا رہا۔

زہرہ : تم اس سے مل کر ساری بات صاف کیوں نہیں کر لیتے۔

مولاداد : یہ کہانی بڑی اُلجھی ہوئی ہے شہزادی ۔ ۔ ۔

زہرہ : دلاور پڑھا لکھا اور سمجھ دار ہے فتح شیر ۔ ۔ ۔ ۔ وہ ہماری مجبوری ضرور سمجھے گا۔

مولاداد : انتقام کی آگ دھند کی طرح ہوتی ہے۔ زہرہ ۔ ۔ ۔ اس میں بندے کو چار قدم سے آگے کی چیز نظر نہیں آتی ۔ ۔ ۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے قسمت نے مجھے برباد کرنے کی قسم کھا رکھی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ سونے کو ہاتھ لگاتا ہوں تو وہ بھی مٹی ہو جاتا ہے ۔ ۔ ۔

زہرہ : یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے ۔ ۔ ۔

(اداس ہو جاتی ہے)

مولاداد : (اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے) کیسی باتیں کر رہی ہو ۔ ۔ ۔ ۔ تمہی تو ایک خوشی ہو میری زندگی میں تم اور شیدا ہی تو اس گھپ ہنیرے میں میری روشنیاں ہو ۔ ۔ ۔ ۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ نور پور سے نکلنے کے بعد بارہ سالوں میں میں نے ایک ہی یار بنایا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ پر وہی میرا سب سے بڑا دشمن نکلا ۔ ۔ ۔ ۔ کبھی کبھی مجھے اس طرح لگتا ہے زہرہ ۔ ۔ ۔ ۔ جس طرح بارہ سال سے ہم دونوں کوئی خواب دیکھ رہے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ اک دن ہماری آنکھ کھلے گی تو ہم دیکھیں گے کہ میں روز کی طرح کتاب ہاتھ میں لیکر پڑھنے کے بہانے چھت پر آیا ہوا ہوں ۔ اور تم کپڑے سکھانے کا بہانہ ڈال کر مجھ سے ملنے آئی ہو۔

(فلیش بیک)

(بارہ سال پہلے مولاداد منڈیر پر کتاب رکھے زہرہ کو بلا رہا ہے جو دوسری طرف کھڑی ایک کپڑے کو رسی پر ڈال رہی ہے)

مولاداد : اے ۔۔۔ اے زہرہ کی بچی (زہرہ شرارت آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھے بغیر مسکراتی ہے۔ کان سے جیسے مکھی اڑاتی ہے۔ مولاداد مصنوعی غصے سے اس کی طرف دیکھتا ہے) بات نہیں سنوگی (زہرہ شرارت سے نفی میں سر ہلاتی ہے۔ خدا کی قسم دیوار سے چھال مار کر آ جاؤں گا۔

(دھمکی آمیز انداز میں منڈیر پر ہاتھ رکھتا ہے)

زہرہ : چاچاجی کے آنے کا ٹائم ہو رہا ہے ۔۔۔۔ ٹانگیں توڑ دیں گے تمہاری۔

مولاداد : (مجبوری کے انداز میں کچھ سوچ کر رک جاتا ہے) اچھا کوئی بات نہیں ۔۔۔ شادی کے بعد گن گن کر بدلے نہ لئے تو میرا نام بھی فتح شیر نہیں۔

زہرہ : اگر تم نے مجھے ذرا بھی تنگ کیا نا ۔۔۔ تو چاچاجی سے کہہ کر ایسی طبیعت صاف کراؤں گی کہ ہاتھ جوڑتے پھرو گے ۔۔۔۔

مولاداد : تڑیاں بہت دیتی ہو تم !

زہرہ : تم آرام سے کیوں نہیں بلاتے ۔۔۔ (نقل اتارتے ہوئے) اے ۔۔۔ زہرہ کی بچی ۔۔۔ ایسے بلاتے ہیں کسی کو ۔۔۔۔

مولاداد : پر تم تو میری اپنی شہزادی ہو۔

زہرہ : اپنی شہزادیوں کو ایسے بلاتے ہیں ؟

مولاداد : تو پھر کیسے بلاؤں ؟

زہرہ : کوئی آپ جناب، کوئی جی سرکار کرو ۔۔۔ منت ترلا کرو کوئی۔

مولاداد : یہ تو بہت مشکل ہے ۔۔۔

زہرہ : (منہ موڑتے ہوئے) تو پھر ٹھیک ہے، کتاب پڑھو آرام سے ۔۔۔ اگرچہ آتی اس دفعہ بھی تمہاری تھرڈ ڈویژن ہی ہے۔

مولاداد : آدمی ایک وقت بھی دو امتحانوں کی تیاریاں کرے تو یہی ہوتا ہے ۔۔۔۔

(دونوں ہنستے ہیں)

زہرہ : باتیں بہت آتی ہیں تمہیں۔

مولاداد : (کتاب کو زور سے بند کرتے ہوئے) ایک تو چاچا نے شادی سے پہلے بی اے پاس کرنے کی شرط لگادی ہے اس سے میں بڑا تنگ ہوں ۔۔۔ ایمان سے ۔۔۔ زہر لگتی ہے مجھے یہ کتابیں۔ تمہی سمجھاؤ اپنے ابے کو۔

زہرہ : (خوف اور شرم سے "ہا" کرتی ہے) میں ۔۔۔ میری تو جان نکل جاتی ہے۔ ابے کی شکل دیکھ کر ۔۔۔ ٹانگیں کانپنے لگتی ہیں ۔۔۔ پتہ نہیں یہ سارے مرد گھروں میں اتنی ڈراؤنی شکلیں بنا کر کیوں آ گئے ہیں ۔۔۔ چاچا بھی

ایسا ہی ہے۔

مولاداد: فکر نہ کرو ---- میں ایسا نہیں کروں گا ---- تمہیں اس طرح رکھوں گا جیسے شہزادے شہزادیوں کو رکھتے ہیں ---- کسی غم کو نیڑے نہیں آنے دوں گا تمہارے۔

(فلیش بیک ختم)

(مولاداد اداسی سے ہنستا ہے۔ زہرہ بھی اداس ہو گئی ہے)

مولاداد: بندہ کیسے کیسے خواب دیکھتا ہے زہرہ۔

زہرہ: ہاں۔ پر تم دل چھوٹا نہ کرو ---- ہم یہاں سے کہیں دور نکل جائیں گے ---- بہت دور جہاں ہماری پچھلی زندگیوں کا سایہ بھی ہم پر نہ پڑ سکے۔

مولاداد: (دکھ سے) اور کتنی دور جائیں گے زہرہ ---- کتنا بھاگیں گے ---- میں تھک گیا ہوں زہرہ ---- بہت تھک گیا ہوں۔

زہرہ: میں کروں گی دلاور سے بات ----

مولاداد: نہیں زہرہ نہیں ---- میں تیرا مرد ہوں ---- میرے ہوتے تجھے کسی بات کرنے کی ---- کسی کو صفائی دینے کی ضرورت نہیں ہے ---- بھاویں وہ دلاور ہی کیوں نہ ہو۔

زہرہ: پر وہ خواہ مخواہ مجھے اپنے بھائی کی ہتک سمجھتا ہے۔

مولاداد: وہ بھی ٹھیک سمجھتا ہے شہزادی ---- تیرے ابے نے ہم سے جھگڑے کے بعد سکندر کے ساتھ تیری باقاعدہ منگنی کی تھی ---- برادری میں اعلان کیا تھا اس کا۔

زہرہ: میں اسے بتاؤں گی کہ وہ منگنی ایک جھوٹ تھا ---- دھوکا تھا ---- میں تو ---- میں تو پہلے دن سے اپنے فتح شیر کی منگ تھی۔ تم اس سے بات تو کرو ---- اسے بتاؤ تو سہی کہ ہم کتنے مجبور تھے۔

مولاداد: اس دنیا میں دوجے کی مجبوری کوئی نہیں سمجھتا۔ جھلیے ---- سکندر کو کتنا سمجھایا تھا میں نے ----

زہرہ: سکندر کی بات اور تھی ---- غصے اور انتقام نے اس کی آنکھیں بند کر دی تھیں ---- دلاور تو بڑی محبت والا ہے ---- تمہارا یار ہے ---- مجھے اپنی بہن یہی بھابی سمجھتا ہے ---- شیدے پر جان دیتا ہے۔

مولاداد: (غصے اور افسوس میں ہاتھ ملتے ہوئے) اسی کا تو سیاپا ہے شہزادی۔

زہرہ: میرا دل کہتا ہے وہ ضرور ہمیں معاف کر دے گا۔

(مولاداد سوچ میں پڑ جاتا ہے)

سین نمبر ۶

(تہہ خانہ)

حشمت: ادئے یہ تو نے مجھے کس مصیبت میں ڈال دیا ہے انور ---- اک یا سے میرا جی چاہتا ہے کہ تجھے ٹالی کے ساتھ الٹا لٹکا کے تیری کھل اتار دوں گا، دوجے پاسے ---- (پریشانی سے ادھر ادھر پھرتا ہے انور دہشت کے عالم

یں خاموش بیٹھا ہے) اوئے یہ تو نے بڑا قہر کیا ہے انور۔

انور: مجھے معاف کر دیں میاں جی۔۔۔ مجھے پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا۔۔۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے مجھ پر جادو کر دیا تھا۔

حشمت: چوردی ست گھر چھڈ کے چوری کرتا ہے انور۔۔۔ اوئے تو نے۔۔۔ نیاز پر ہتھ اٹھانے سے پہلے یہ نہیں سوچا کہ تم دونوں اکو درخت کی شاخیں ہو، اکو آسمان کے تارے، اکو کلیجے کے ٹکڑے ہو۔۔۔ اوئے حشر کے دن میں اپنے پتر کو، اپنے غلام علی کو کیا منہ دکھاؤں گا۔۔۔

انور: میں بھا نیاز علی کی قبر پر جانا چاہتا ہوں میاں جی۔۔۔ اس کے پیروں پر سر رکھنا چاہتا ہوں۔

حشمت: معافیاں زندوں سے مانگی جاتی ہیں انور۔۔۔ مرن والے تو اپنے سارے حساب یہیں مکا جاتے ہیں۔

۔۔۔ نیاز علی تجھ سے بڑا پیار کرتا تھا۔۔۔ تجھ کو کسی کام سے منع اس لئے کرتا تھا کہ اُسے تیری بھلائی مقصود تھی۔۔۔

انور: اب میں کیا کروں میاں جی؟

حشمت: ایس سوال کا جواب لبھتے لبھتے (ڈھونڈتے ڈھونڈتے) میں اک رات میں دس سال بڈھا ہو گیا ہوں انور۔۔۔ اوئے انگریز کا راج ہوتا تو میں گورنر کے، وائسرائے کے پاس پہنچ کر، ان کو اپنے خاندان کی گزشتہ خدمات یاد دلا کر اپنے بزرگوں کی سندیں اور تمغے دکھا کر تیری جان بخشی کرا لیتا۔۔۔ پر تیرے ایس قائداعظم نے پاکستان بنا کے ہماری زندگی حرام کر دی ہے۔۔۔ خاندانی آدمی کی کوئی عزت، کوئی وقار نہیں ہے ان کی اکھوں میں۔

انور: صغراں بھابی کیا کہتی ہے۔۔۔؟

حشمت: کچھ نہیں کہتی۔۔۔ بس کندوں کو گھورتی رہتی ہے۔۔۔ پر میں اس کے سارے خاندان کی فطرت جانتا ہوں۔۔۔ معاف کرنے کا لفظ ان کی لغت میں ہی نہیں ہے۔ وہ تجھے معاف نہیں کرے گی انور یا۔۔۔

انور: (کچھ سوچ کر فیصلہ کن اور پرعزم انداز میں سر اٹھاتا ہے) تو پھر ٹھیک ہے میاں جی، میں نے اس کا گھر برباد کیا ہے اُسے حق ہے میری زندگی ختم کرنے کا۔۔۔ میں اس کے بیان سے پہلے خود تھانے چلا جاؤں گا۔

حشمت: اوئے نہیں پتر انور نہیں۔۔۔ موت کی بڑی دہشت ہوتی ہے۔۔۔ پھانسی پر تو بندا مرت ادھا منٹ لٹکتا ہے اصل پھانسی تو اس کا انتظار ہوتی ہے۔۔۔ صغراں کے بیان کے بعد تجھے کوئی نہیں بچا سکے گا انور۔۔۔ نیاز کو واپس لانا تو میرے اختیار میں نہیں ہے پر میں تجھ کو نہیں مرنے دوں گا۔۔۔ بھاویں۔۔۔ (سنگدلانہ انداز میں) بھاویں مجھے اس کے لئے صغراں کو یہاں کیوں نہ بند کرنا پڑے۔

انور: (ڈر کر) میاں جی؟ بھابی صغراں کے پچھلے بڑے تگڑے ہیں میاں جی!

حشمت: ہاں پتر۔۔۔ پر (سوچ میں پڑ جاتا ہے) اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں پتر۔۔۔ تو مر گیا تو میری نسل کیسے آگے چلے گی۔۔۔

انور: نہیں میاں جی۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں بھابی صغراں سے معافی مانگوں گا۔۔۔ اگر اس نے مجھے معاف نہیں کیا تو میں آنکھیں بند کر کے پھانسی کے تختے پر چڑھ جاؤں گا۔

(ایک دم تہہ خانے کا دروازہ کھلتا ہے دونوں مڑ کر دیکھتے ہیں دروازے میں صغراں کھڑی ہے۔ چند لمحے کی خاموشی۔ صغراں بڑی گہری اور مستحکم آواز میں بولتی ہے)

صغراں: میں نے تمہیں معاف نہیں کیا انور۔

(انور کا کلوز۔ چہرہ ہوتا ہے)

سین نمبر ۲

(رات کا وقت، زبیدہ بستر پر آنکھیں کھولے لیٹی ہے۔ یعقوب آتا ہے دروازے میں رک کر اطمینان کی ایک لمبی سانس لیتا ہے زبیدہ اٹھ کر بیٹھتی ہے۔ اسے دیکھ کر مسکراتا ہے۔)

یعقوب: تم جاگ رہی ہو ابھی تک۔

(زبیدہ اس کی بات کا جواب دیئے بغیر اس کی طرف دیکھتی ہے۔)

زبیدہ: پولیس کیوں آئی تھی؟

یعقوب: (ادھر اُدھر دیکھ کر دروازہ بند کرتا ہے۔ قریب آتا ہے) انور کو گرفتار کرنے۔

زبیدہ: انور کو گرفتار کرنے ۔۔۔۔۔۔ وہ کہاں تھا۔؟

یعقوب: یہیں ۔۔۔ حویلی میں ۔۔۔

زبیدہ: یہاں؟

یعقوب: ہاں ۔۔۔ اب ہماری راہ کے سب کانٹے ہٹ گئے ہیں زبیدہ ۔۔۔۔۔ اب یہ سب کچھ ہمارا ہو گا ۔۔۔ میاں جی نے زندگی بھر مجھ سے سوتیلے بیٹوں جیسا سلوک کیا ہے ۔۔۔ کبھی مجھ پر اعتماد نہیں کیا، ہمیشہ دوسروں کو مجھ پر ترجیح دی ہے۔

زبیدہ: لیکن ۔۔۔ میاں جی نے ۔۔۔۔ انور حویلی سے گرفتار ہو گیا اور میاں جی نے کچھ نہیں کیا۔

یعقوب: ان کے بس میں کچھ نہیں تھا زبیدہ ۔۔۔۔ اُن کا طریقہ کار شروع سے غلط ہے ۔۔۔ اب زمانہ بہت بدل گیا ہے ۔۔۔ نری طاقت ہر جگہ کام نہیں کرتی ۔۔۔ اس کے لئے یہاں سے (اپنے سر کی طرف اشارہ کرتا ہے) کام لینا پڑتا ہے۔

زبیدہ: بے چارا نیاز! ۔۔۔ پتہ نہیں کیوں مجھے رہ رہ کر اس کی یاد آتی ہے۔ سارے خاندان سے مختلف طبیعت تھی اس کی۔

یعقوب: قسمت کو یہی منظور تھا زبیدہ ۔۔۔ ہم سوائے افسوس کے اور کیا کر سکتے ہیں۔!

زبیدہ: صغراں کی حالت تو دیکھی نہیں جاتی ۔۔۔ ہر وقت گم صم بیٹھی رہتی ہے۔

یعقوب: اچھا اب تم دوسروں کے بارے میں سوچنا ذرا بند کرو اور چپ چاپ سو جاؤ ۔۔۔ صبح تڑکے ہمیں نکلنا ہے ۔۔۔ میری ایک دو بہت ضروری اپوائنٹمنٹس ہیں ۔۔۔ اور ہاں کل شام کو زکیہ بھابی کی طرف بھی چلنا ہے۔

۔۔۔۔ لوہا پوری طرح تپ چکا ہو گا۔ اب صرف ضرب لگانے کی دیر ہے۔

زبیدہ: کیا مطلب؟

یعقوب (مسکراتے ہوئے) تم خود دیکھ لوگی۔۔۔

زبیدہ: میں نے کتنی مرتبہ کہا ہے مجھ سے پہیلیاں نہ بجھوایا کیجئے۔۔۔۔ پریشان ہوتی ہوں تو گیس (یعقوب ہاتھ سے اوپر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ شرما جاتی ہے) میرا مطلب ہے میری طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔

یعقوب: تم زیادہ سوچ کر اپنے معدے کو تکلیف نہ دیا کرو (اعتماد اور مسرت بھرے لہجے میں) میرا خیال ہے کل اس وقت تک ہم فرخ اور شکیلہ کی شادی کی تاریخ طے کر چکے ہوں گے۔

زبیدہ: (حیرت سے) ہئیں۔۔۔ کیسے؟

یعقوب: (پر اعتماد انداز میں مسکراتے ہوئے اپنی کپنٹی پر انگلی رکھتا ہے) برین مائی ڈیر برین اس کا مناسب استعمال کیا جائے تو ہر مسئلے کا حل نکل سکتا ہے۔

سین نمبر ۸

(دلاور سید گل والے مکان میں واسکٹ پہنتا ہے پستول لٹکاتا ہے ہاتھوں سے بال ٹھیک کرتے ہوئے مڑتا ہے۔ دروازے میں مولاداد کھڑا ہے)

دلاور: (مسکراتے ہوئے) آ دیار مولاداد۔۔۔۔۔ میں تمہاری طرف ہی آ رہا تھا۔۔۔ تمہارا کب ارادہ ہے جانے کا۔

مولاداد: کہاں؟

دلاور: نئے گاؤں میں اور کہاں۔۔۔ تقریباً سارا گاؤں تو شفٹ ہو چکا ہے۔

مولاداد: میں شاید وہاں نہ جاؤں شہزادے۔

دلاور: کیوں؟

مولاداد: بس ایسے ہی۔۔۔ چوہدری انور کی نوکری کرتا تھا۔ وہ حوالات میں ہے اور شاید اب کبھی باہر نہ آ سکے۔ میں کیا کروں گا وہاں جا کر۔۔۔

دلاور: اوہ۔۔۔۔ تو گرفتار ہو گیا ہے وہ۔

مولاداد: ہاں ـــ میں حویلی سے ہی آ رہا ہوں۔۔۔۔ بخشو بتا رہا تھا کہ چوہدری نیاز کی بیوی اور اس کے رشتے داروں نے پولیس میں رپورٹ درج کرائی تھی۔۔۔۔

دلاور: (سوچتے ہوئے) چوہدری نیاز کے سسرال والے کوئی بااثر لوگ ہیں۔

مولاداد: ہاں۔۔۔ ٹھاچوٹی کا جاگیردار ہے اس کا سورا (خسر)

دلاور: تبھی۔۔۔۔؟

مولاداد: مجھے پتہ چلا ہے تم کسی آدمی کی تلاش میں ہو۔

دلاور: (چونک کر) تمہیں کس نے بتایا؟

مولاداد: کسی نے بھی بتایا ہو افسوس تو اس بات کا ہے کہ تم نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی۔ مجھ سے یہ امید نہیں تھی شہزادے۔

دلاور: ناراض نہ ہو بھائی مولاداد۔۔۔ کئی دفعہ خیال آیا کہ تم سے بات کروں مگر۔۔۔

مولاداد: اعتماد کے لائق نہیں سمجھا مجھے۔۔۔

دلاور: نہیں مولاداد یہ بات نہیں ہے۔۔۔ دراصل وہ معاملہ کچھ ایسا ہے کہ میں اس میں کسی کی بھی شمولیت نہیں چاہتا۔

مولاداد: میری بھی نہیں شہزادے۔۔۔

دلاور: میری بات کو غلط مت سمجھو مولاداد۔۔۔ دیکھو مجھے پتہ ہے کہ تم مجھ سے بہت محبت کرتے ہو اور میرے لئے جان بھی دے سکتے ہو۔۔۔ پر فتح شیر کی بات میں نے تم سے اس لئے نہیں کی کہ مجھے ڈر تھا تم میری دشمنی کو اپنی دشمنی بنا لوگے اور پھر۔۔۔ میں فتح شیر کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا چاہتا ہوں۔ مولاداد۔

مولاداد: تم تو قتل کے بہت خلاف تھے شہزادے۔

دلاور: اب بھی ہوں۔۔۔ لیکن فتح شیر انسان نہیں بھیڑیا ہے جنگلی سور ہے۔۔۔ ایک سرطان ہے۔ جس نے میرے پورے خاندان کو برباد کر دیا ہے۔۔۔ اُسے قتل کرنا انسانیت کی خدمت ہے۔

مولاداد: یہ فتح شیر اتنا بھیڑیا (بڑا) آدمی ہے شہزادے۔۔۔

دلاور: اس سے بھی زیادہ مولاداد۔۔۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں جن سے میں تمہیں اس خبیث انسان کی بابت بتا سکوں۔۔۔ کتنے برسوں سے میں اس سے نفرت کے اس جہنم میں جل رہا ہوں۔۔۔ میرے وجود کا رؤاں رؤاں اس سے انتقام لینے کے لے تڑپ رہا ہے۔

مولاداد: (اس کے سامنے آکر کھڑا ہوتا ہے) تو پھر لو نا انتقام شہزادے۔۔۔ کر لو اس آگ کو ٹھنڈا۔۔۔ سوچ کیا رہے ہو؟

دلاور: (اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے) وہ کہیں ملے تب ہے نا۔۔۔ میں نے تو اُسے آج تک دیکھا بھی نہیں۔۔۔

مولاداد: (افسردگی سے مسکراتے ہوئے) کیا الف لیلیٰ کی کہانی سنا رہا ہے شہزادے اس آدمی سے تمہیں اتنی نفرت ہے اور تم اسے جانتے تک نہیں۔۔۔ غائبانہ محبت تو سنی تھی۔ پر یہ غائبانہ نفرت آج پہلی دفعہ دیکھی ہے کیا دکھ دیا ہے اس نے تمہیں۔

دلاور: اس نے۔۔۔ اس نے میرے بھائی کا خون کیا ہے۔ شہزادے۔۔۔ اس کی منگ کو اغوا کر کے لے گیا ہے۔ اس کی وجہ سے میں نے دس سال جیل کاٹی ہے۔۔۔ اسی کی لگائی ہوئی آگ میں جل کر میری زندگی راکھ ہوئی ہے۔ اور جب کہ میں اُسے ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔ وہ یہیں کہیں میرے اردگرد مجھ سے بہت قریب میری بے بسی کا مذاق اڑا

رہا ہے مجھ پر قہقہے لگا رہا ہے ۔۔۔۔ تمہی بتاؤ مولاداد ایسے شخص کو قتل کرنا جائز ہے کہ نہیں ؟

مولاداد : جو باتیں تم نے بتائی ہیں اگر واقعی اس شخص نے یہ سب کچھ کیا ہے تو اُسے ضرور قتل کرنا چاہیئے ۔۔۔ پر شہزادے ۔۔۔ تجھ کو پورا یقین ہے کہ یہ جرائم اُس کلے آدمی نے کیے ہیں ۔

دلاور : ہاں ؟

مولاداد : اپنے بھرا کے قتل کے وقت تم کہاں تھے ۔ ؟

دلاور : میں جیل میں تھا ۔۔۔

مولاداد : اس کا مطلب یہ ہوا کہ قتل تمہارے سامنے نہیں ہوا ۔

دلاور : ایسا ہوتا تو وہ آج زندہ نہ ہوتا بھائی مولاداد ۔

مولاداد : اور اس کے بعد وہ تمہارے مقتول بھائی کی منگ کو بھی اٹھا کر لے گیا ۔

دلاور : اس کے بعد نہیں ۔ اس سے پہلے ۔۔۔۔ اسی بات پر تو جھگڑا ہوا تھا ۔

مولاداد : اچھا — تم موجود تھے وہاں ۔

دلاور : نہیں ۔۔۔۔ میں تو بعد میں پہنچا تھا ۔۔۔ میں پڑھتا تھا ان دنوں شہر میں ۔

مولاداد : یعنی تمہیں یہ نہیں پتہ کہ جھگڑا کیوں اور کیسے ہوا تھا — ؟ (دلاور نفی میں سر ہلاتا ہے) اس کے باوجود تم اس کے اس قدر خلاف ہو ؟ تم تو ہر گل کی تہہ تک پہنچن کے بعد فیصلہ کیا کرتے ہو شہزادے ۔۔۔۔ ؟ ہو سکتا ہے کہ ۔

دلاور : ہو کچھ نہیں سکتا بھائی مولاداد ۔۔۔ میں نے رہا ہونے کے بعد ایک ایک DETAIL پتہ کی ہے لوگوں سے ۔

مولاداد : پولیس نے نہیں پکڑا اُسے ؟

دلاور : یہی تو ساری مصیبت ہے وہ اس لڑکی کو لیکر تب سے ایسا فرار ہوا ہے کہ اس کا کچھ پتہ نہیں چل رہا ۔ صرف اتنا پتہ چلا ہے کہ تین چار سال پہلے وہ اس علاقے میں کہیں رہتا تھا ۔۔۔ دو تین آدمیوں نے دیکھا ہے اُسے ۔۔۔

مولاداد : یہ بھی تو ہو سکتا ہے وہ اتنا گنہگار نہ ہو جتنا تم نے اسے سمجھ رکھا ہے ۔۔۔۔ سنانے والے بھی تو اپنی طرف سے لون مرچ لگاتے ہیں کہانی میں ۔

دلاور : فتح شیر کے سلسلے میں میرا دماغ کوئی دلیل سننے اور ماننے کو تیار نہیں ہوتا مولاداد ۔۔۔۔ میرا دل ہر دھڑکن کے ساتھ ایک ہی بات کہتا ہے ۔۔۔۔ انتقام !!

مولاداد : ٹیم بہت گزر گیا ہے شہزادے ۔۔۔۔ ہو سکتا ہے اب وہ سب کچھ بھول گیا ہے یا اپنے کئے پر شرمندہ ہو یا اس نے شادی کر لی ہو اور اس کے بال بچے ہوں ۔

دلاور : کچھ بھی ہو بھائی مولاداد اُس کا جرم ایسا ہے کہ اُسے دیکھتے ہی گولی مار دی جائے ۔۔۔ بلکہ ایسے سانپ کی تو پوری نسل ختم کر دینی چاہیئے ۔

(مولاداد کا ری ایکشن)

مولاداد: تو بھی وڈے چوہدری صاحب کی طرح اس وقت سپتوں کا شہزادہ ہو رہا ہے۔ شہزادے آ ذرا حویلی کی طرف سے ہو آئیں۔

دلاور: تم ہو آؤ بھائی مولاداد ---- میرا جی نہیں چاہ رہا اس وقت ---- میں ذرا ماسٹر جی کی طرف سے ہو آؤں وہ کل ملنے کے لئے کہہ رہے تھے اور پھر آج چچا حیات محمد بھی آئے ---- جمیل کے پاس میں پیغام چھوڑ آیا تھا۔ اُس کے لئے۔

مولاداد: تیرا چاچا ---- فتح شیر کو پہچانتا ہے شہزادے۔

دلاور: ہاں پر اب اُس کی آنکھیں ذرا کمزور ہو گئی ہیں ایک دفعہ اس نے تمہاری جیب میں فتح شیر کو دیکھا تھا

مولاداد: میری جیب میں؟

دلاور: ہاں ------ پر بعد میں میں نے چیک کیا تو ان تینوں میں سے کوئی بھی فتح شیر نہیں تھا۔ (پستول پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑبڑاتے انداز میں) کوئی بات نہیں فتح شیر، بھاگ لے جتنا بھاگ سکتا ہے ایک دن اس پستول کی قسمت ضرور جاگے گی۔

(مولاداد کا کلوز ---- شدید پریشانی میں ماتھا مسلتا ہے)

سین نمبر ۹

(ذکیہ ایک شادی کا جوڑا ٹانک رہی ہے۔ یعقوب داخل ہوتا ہے۔)

یعقوب: (رسمی گرمجوشی سے) اسلام علیکم بھابی (ذکیہ حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہے۔ کھڑی ہو جاتی ہے۔ یعقوب اپنی دھن میں بولتا ہے) کیسی ہیں آپ ---- زبیدہ بھی آرہی تھی میرے ساتھ مگر آپ کو پتہ ہے ---- (ہنستے ہوئے) اس کی وہ گئیں ---- میں نے کہا چلو میں ہی ہو آتا ہوں ---- نیاز کی خبر تو آپ کو مل گئی ہوگی بڑی ٹریجک ڈیتھ ہوئی ہے بے چارے کی۔

ذکیہ: (حیرت اور افسوس سے) کیا؟

یعقوب: تو آپ کو نہیں پتہ ------ انور نے شوٹ کر دیا ہے اُسے ---

ذکیہ: اور انور ----

یعقوب: وہ حوالات میں ہے ---- پھانسی سے کم سزا نہیں ہوگی ---- دیکھئے قدرت نے آپ کو ایک ساتھ کتنی خوشیاں عطا کر دی ہیں۔ پچیس برس کے بعد آپ کے ابو مل گئے اور سکندر پور کی جاگیر کے دو حصے دار قدرت نے ختم کر دیئے ہیں مجھے تو لگتا ہے آپ کی آہ پڑی ہے۔ ان دونوں پر ---- مظلوم کی یہ دعا میں بڑا اثر ہوتا ہے بھابی۔

ذکیہ: خدا نہ کرے میں کسی کو موت کی بددعا دوں ---- میں آپ کی طرح ظالم اور سنگدل نہیں ہوں یعقوب صاحب۔

یعقوب: (منہ حیرت سے کھل جاتا ہے) بھابی۔

زکیہ: مت کہیئے مجھے بھابی براہ کرم میرے گھر سے تشریف لے جایئے ۔ ۔ ۔ ۔ میں آپ کی صورت نہیں دیکھنا چاہتی

یعقوب: بھابی ؟؟

زکیہ: آپ کی بھابی مر چکی ہے یعقوب صاحب، میں فرخ کی ماں ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ آپ نے مجھے جتنے دھوکے دیئے ہیں اور جس جس طرح میرے اعتماد کا خون کیا ہے اسے دیکھوں تو یقین نہیں آتا کہ کوئی شخص اتنا پنچ اور کمینہ بھی ہو سکتا ہے ۔ کیا بگاڑا تھا ہم ماں بیٹوں نے آپ کا ۔ ۔ ۔ ۔ کن جنموں کی دشمنی نکالی ہے آپ نے ۔ ۔ ۔

یعقوب: آپ کیا کہہ رہی ہیں ۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ۔

زکیہ: سیمیں نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے ۔

یعقوب: سیمیں ۔ ۔ ۔ ۔ وہ تو ۔ ۔ ۔ یہ، سیمیں وہی لڑکی ہے نا جو فرخ کے ساتھ پڑھتی تھی اور اب شاید کسی اور کے ساتھ فرار ہو گئی ہے ۔

زکیہ: سیمیں میری ہونے والی بہو ہے یعقوب صاحب ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے بارے میں زبان سنبھال کر بات کیجئے آپ نے اسے اغوا کرا کے جو گھناؤنی سازش کی تھی اب اس کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ آپ پلیز نکل جایئے میرے گھر سے اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کیجئے گا ۔

یعقوب: (سخت پریشانی میں) میں ۔ ۔ ۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ۔ ۔ ۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں ۔ ۔ ۔ سیمیں ۔ اغوا ۔ سازش ۔ میں ۔ ۔ ۔ ۔ یہ سب کیا ہے ؟ اور میرا اس ساری بے ہودگی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے ؟

زکیہ: میں نے عرض کیا ہے نا یعقوب صاحب ۔ آپ یہاں سے تشریف لے جائیں ۔ ۔ ۔ آپ کی موجودگی سے مجھے گھن آرہی ہے ۔ ۔ ۔ ۔

یعقوب: (شرمندگی سے) میں تو ۔ ۔ ۔ دراصل ۔ ۔ ۔ ۔ میرے پیش نظر تو فرخ کی بہتری تھی ۔ آخر وہ میرا بھتیجا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ میرے پیارے بھائی کا خون ہے ۔ ۔ زکیہ: ان کی موت اور گرفتاری پر آپ اتنے خوش کیوں ہو رہے تھے ۔ ۔ ۔ نہیں یعقوب صاحب نہیں ۔ ۔ ۔ آپ کا کوئی بھائی بھتیجا نہیں ۔ ۔ ۔ آپ کا سب کچھ دولت ہے ۔ ۔ ۔ ہمیں نفرت ہے آپ کی اس دولت سے ۔ ۔ ۔ نکل جایئے یہاں سے ۔ ۔ ۔ چلے جایئے ۔ ۔ ۔ میں کہتی ہوں نکل جایئے ۔ میرے گھر سے جایئے ۔

(چلاتی ہے یعقوب چند لمحے کچھ کہنے کی کوشش کرتا ہے پھر گھبرا جاتا ہے)

سین نمبر ۱۰

(مولاداد سنگین چہرے کے ساتھ بندوق میں گولیاں بھر رہا ہے زہرہ آتی ہے دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں ۔ مولاداد پھر اپنے کام میں مشغول ہو جاتا ہے)

زہرہ: کہیں جا رہے ہو ؟ (مولاداد اثبات میں سر ہلاتا ہے) چوہدری صاحب کا کام ہے کوئی ۔ ۔ ۔

مولاداد: نہیں شہزادی۔

زہرہ: تو پھر ---- (ایک دم خوف زدہ ہو جاتی ہے) کہیں تم ---- دلاور کو تو نہیں ----

مولاداد: (بے چینی سے اٹھتے ہوئے) میں نے بہت سوچ سمجھ کے یہ فیصلہ کیا ہے شہزادی ---- میرے اعصاب جواب دے گئے ہیں بارہ سال سے میں زخمی ہرن کی طرح اندھا دھند بھاگ رہا ہوں ---- حالات شکاری کتوں کی طرح میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں ---- رب دی سوں ہیں کلا ہوتا تے خود اپنے ہاتھوں سے اپنا سر لا کے دلاور کو دے دیتا پر ---- میں اپنے لئے نہیں تیرے اور شیدے کے لئے زندہ رہنا چاہتا ہوں شہزادی ---- تم دو وہیں رُل جاؤ گے ---- اس رات فرار ہوتے وقت میں نے تجھ سے وعدہ کیا تھا زہرہ کہ میں تیری حفاظت کروں گا ---- تیرے لئے میں آنے والی ہر دیوار کو ڈھا دوں گا۔

زہرہ: تم نے بات کی تھی دلاور سے۔

مولاداد: کی تھی شہزادی ---- پر وہ کہتا ہے کہ فتح شیر کو، اس کو آل اولاد سمیت ختم کر دوں گا۔ وہ اپنی لائن پر لگا ہوا ہے شہزادی ---- اُسے فتح شیر کے دکھ سے نہیں صرف اس کی لاش سے دلچسپی ہے ----

زہرہ: تم نے اسے بتایا کہ سکندر تمہارے ہاتھوں نہیں اپنی گولی سے مرا تھا۔

مولاداد: کون گواہی دے گا اس کی ---- تم ---- (زہرہ اثبات میں سر ہلاتی ہے) انتقام کا جذبہ بانس کے درخت کی طرح ہوتا ہے زہرہ ---- راتوں رات ودھتا ہے تے اپنے رستے میں آن والی ہر چیز کو کاٹتا ہوا گزر جاتا ہے۔

زہرہ: اپنے انتقام کی بڑی فکر ہے اُسے، اور جو اس کے بھائی نے ہماری زندگی کو دوزخ بنا رکھا تھا، ہماری ہر سانس کو سولی پہ ٹکا رکھا تھا ---- دو سال تک ہمیں در بدر پھرایا تھا ---- وہ کیا تھا ---- (چارپائی سے چادر اٹھا کر لپیٹتی ہے) میں بتاتی ہوں اُسے۔

مولاداد: (بھاری آواز میں) رُک جا زہرہ۔ یہ تیرے کرنے والا کام نہیں ہے ---- آتش فشانوں کے منہ پر دلیلوں اور باتوں کے ڈھکن رکھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ---- حالات نے ہمیں ایسے موڑ پر کھڑا کر دیا ہے جہاں میرے پاس دلاور کو قتل کرنے کے علاوہ کوئی رستہ نہیں رہا ---- اس سے پہلے کہ اسے میرا پتہ چلے اور مجھ پر وار کر دے میں اس کا سایہ تیرے اور شیدے کے سر سے ہمیشہ کے لئے ہٹا دوں گا۔

(مولاداد تیزی سے بندوق لے کر نکلتا ہے زہرہ بے تابی سے چند قدم اس کے پیچھے جاتی ہے رُکتی ہے اندرونی کمرے کے دروازے سے شیدا آواز دیتا ہے جو آنکھیں مل رہا ہے۔)

شیدا: ابا کدھر گیا ہے امی ----

زہرہ: وہ میری اور تیری خوشیاں خریدنے گیا ہے پُتر ---- (دروازے کی طرف جاتے ہوئے شیدے کو آواز دیتی ہے) تم کہاں جا رہے ہو۔

شیدا : میں چاچے دلاور کے پاس جا رہا ہوں اس نے مجھے آج ایک نیا کھیل سکھانے کا وعدہ کیا ہے۔

(زہرہ جاگ کر اس سے لپٹ جاتی ہے اُسے سینے کے ساتھ لگاتی ہے)

زہرہ : نہیں بیٹا نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ کھیل کھیل میں بات بہت آگے بڑھ گئی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ چل اندر چل میں تجھے ادرک انڈہ بنا کر دیتی ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ آجا میرا بیٹا شاباش۔

شیدا : (خطرے کا سائرن بجتا ہے۔ شیدا رک جاتا ہے) یہ گھگھو کیوں بول رہا ہے ماں ۔

زہرہ : علاقہ خالی ہو رہا ہے نا بیٹے ۔ ۔ ۔ ۔ خطرے کا گھگھو اس لئے بجاتے ہیں کہ لوگ ہوشیار ہو جائیں۔

سین نمبر ۱۱

(دلاور درخت کے نیچے بیٹھا ہے کسی گہری سوچ میں گم ہے خطرے کا سائرن بجتا ہے ایک لمحے کے لئے چونک کر دیکھتا ہے پھر سر درخت کے ساتھ ٹکا دیتا ہے پھر مولاداد جھاڑیوں سے بندوق پکڑے اس کی طرف آ رہا ہے۔ ایک مقام پر مولاداد کو دلاور نظر آنا شروع ہو جاتا ہے۔ ایک دم رک جاتا ہے اوٹ میں ہو کر بندوق سیدھی کرتا ہے۔ بندوق کی نالی سے زوم ان کر کے دلاور کے چہرے پر جاتے ہیں جو لمبے لمبے سانس لے رہا ہے)

(مولاداد کی انگلی ٹریگر پر کانپتی ہے اس پر مختلف FLASHES سپرامپوز ہوتے ہیں۔)

(۱۔ مولاداد پہلی دفعہ اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوئے دلاور کو دیکھتا ہے۔

۲۔ دلاور۔ مولاداد ہسپتال میں۔

۳۔ دلاور، رشید۔ مولاداد۔

۴۔ حشمت دلاور اور مولاداد کو جلیبیوں کی جوڑی کہہ رہا ہے۔

۵۔ دلاور۔ مولاداد۔ زکیہ۔

۶۔ دلاور، مولاداد، ۔ ۔ ۔ مولاداد اپنی AGONY کا ذکر کر رہا ہے۔

۷۔ دلاور۔ مولاداد کو شیر محمد کی کہانی سناتا ہے۔ مولاداد کی پریشانی۔

۸۔ زکیہ کے گھر کھانے کی میز پہ

۹۔ زکیہ شیر محمد کی ملاقات کے موقعے پر۔

اس دوران میں مولاداد کا چہرہ پسینے سے بھیگ جاتا ہے۔ بندوق پھینک کر سر درخت کے ساتھ ٹکراتا ہے دلاور چونک کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ پستول پر ہاتھ رکھتا ہے اٹھتا ہے۔)

دلاور : کون ہے ـــ

(اس کی طرف بڑھتا ہے۔ مولاداد درخت کے ساتھ سر لگائے لمبے لمبے سانس لے رہا ہے۔ چہرہ پسینے میں بھیگا ہوا۔ دلاور حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے)

دلاور: کیا ہوا مولاداد۔۔۔۔

(اس کے قریب بیٹھتا ہے)

مولاداد: (شدید پریشانی کے عالم میں) کچھ نہیں شہزادے۔۔۔۔

(اٹھنے کی ناکام کوشش کرتا ہے)

دلاور: (اپنی قمیض سے اس کا پسینہ پونچھتے ہوئے اسے بیٹھے رہنے کا اشارہ کرتا ہے) آرام سے بیٹھو۔ تم تو پسینوں پسین ہو رہے ہو۔ (ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے) ماتھا بھی تپ رہا ہے تمہارا۔۔ بخار ہے۔

مولاداد: ہاں شہزادے، بخار ہی ہے۔۔۔۔ کئی سالوں سے ہڈیوں میں اترا ہوا ہے۔ نکلتا ہی نہیں۔

دلاور: کبھی کبھی تم بالکل شاعروں کی سی باتیں کرنے لگتے ہو۔۔۔۔ اٹھو۔۔۔ گھر چلیں۔

مولاداد: گھر۔۔۔ نہیں دلاور۔۔۔ مجھے ایک کام ہے ذرا۔۔۔

دلاور: گولی مارو کام کو۔۔۔۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔۔۔۔ چلو۔۔۔ آؤ میرے ساتھ۔

مولاداد: (اٹھ کر ماتھے سے پسینہ پونچھتا ہے۔ دلاور کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے) میں ابھی آکر تم سے ملتا ہوں۔

(مولاداد تیزی سے جاتا ہے دلاور حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہتا ہے۔ پھر مخالف سمت میں چلتا ہے۔ کیمرہ بندوق پر جاتا ہے۔ جو جھاڑیوں میں اٹکی ہوئی جھول رہی ہے)

سین نمبر ۱۲

(ماسٹر کا گھر)

ماسٹر: (آواز سے اداسی ٹپک رہی ہے) پچاس سال۔۔۔۔ بڑا عرصہ ہوتا ہے برخوردار۔۔۔۔ آدھی صدی ہے پوری۔۔۔۔ پچاس سال میں نے اس گاؤں کی گلیوں میں گزاری ہے۔۔۔۔ کتنی نسلیں میرے ہاتھوں میں جوان ہوئی ہیں۔۔۔۔ مگر آج مجھے یہ سب کچھ چھوڑنا پڑ رہا ہے مجھے لگتا ہے جیسے جہلم میں یہ گاؤں نہیں میری زندگی کے پچاس سال ڈوبنے والے ہیں۔

دلاور: آپ ٹھیک کہتے ہیں ماسٹر جی۔۔۔۔ انسان بلی کی طرح ہوتا ہے جہاں رہتا ہے اس جگہ سے پیار کرنے لگتا ہے۔ لیکن اس سارے دکھ کا ایک روشن پہلو بھی تو ہے۔۔۔۔ چوہدری حشمت خان کے ظلم اور جبر سے نجات بھی تو مل رہی ہے لوگوں کو۔۔۔۔

ماسٹر: میرا تو ایمان ہے کہ چوہدری حشمت کو نتھو کی آہ لے ڈوبی ہے۔ اس نے جو ظلم اس پر ڈھایا ہے وہ اس کے اپنے آگے آگیا ہے۔

دلاور: نتھو چاچا آپ کے ساتھ جا رہا ہے؟

ماسٹر : زور تو بہت لگا رہا ہوں مگر یہ کسی کی سنتا ہی نہیں۔ کہتا ہے میں یہیں رہوں گا۔

دلاور : لیکن ماسٹر جی (نتھو کی طرف بڑھتے ہوئے) نتھو چاچا۔۔۔ ۔۔ تم ماسٹر جی کے ساتھ چلے جاؤ۔ یہاں پانی آنے والا ہے۔ یہ گاؤں ختم ہونے والا ہے۔

نتھو : میرے لئے تو یہ گاؤں اسی دن ختم ہو گیا تھا جب جیراں نے میرا نام لیکر چانگڑ ماری تھی۔ اور میرے کن جو ایک پنڈ دُور سے چور کے قدم کی آواز سن لیتے تھے۔ بولے ہو گئے تھے۔۔۔ ۔۔۔ میرے اپنے گھر میں سن لگ گئی تھی اور میں پنڈ کی گلیوں میں لوگوں کو کہتا پھر رہا تھا۔ جاگتے رہو، جاگتے رہو، جاگتے رہو۔

دلاور : (غم آلود لہجے میں) صبر کرو نتھو چاچا۔۔۔ ۔۔۔ اللہ تمہیں اس کا اجر ضرور دے گا۔۔۔ ۔۔

نتھو : کب دے گا۔۔۔ ۔

ماسٹر : دیکھو مولا کریم نے اس خاندان کو برباد کر دیا ہے جس نے تم پر ظلم ڈھایا تھا۔۔۔ ۔۔ ان کی اس اچی حویلی کے اُوپر سے پانی گزرنے والا ہے۔

نتھو : پانی تو جیراں کے اُوپر سے بھی گزر گیا تھا۔ ماسٹر جی۔۔۔ ۔۔ پانی تو اس دن سے میری آنکھوں میں بھی خشک نہیں ہوا۔ ۔۔۔ پانی کا کیا ہے ماسٹر جی۔۔۔ ۔۔۔ اس کا تو کام ہی گزرنا ہے۔۔۔ ۔۔۔

ماسٹر : پر اب پانی سر سے گزر چکا ہے۔ نتھو۔۔۔ ۔ قدرت نے تیرا انتقام لے لیا ہے۔۔۔ ۔۔

نتھو : مجھے انتقام نہیں، جیراں چاہیئے ماسٹر جی۔۔۔ ۔

دلاور : چوہدری انور گرفتار ہو گیا ہے اور تم دیکھنا اُسے ضرور پھانسی ہو گی۔۔۔ ۔

نتھو : اک چوہدری انور کے پھاہے لگنے سے کچھ نہیں ہوتا بیٹیا۔۔۔ ۔ پھاہے تو اس کو لگنا چاہیئے جس میں زور آور غریب کی عزت کو مٹی کا ڈھیر سمجھ کر اُسے ٹھڈا مار کر گزر جاتا ہے اور کوئی اسے روکتا نہیں۔۔۔ ۔ پھاہے تو اس سوچ کو لگنا چاہیئے جس نے جیراں کو نتھو کی دھی اور انور کو چوہدری انور بنایا ہے۔

ماسٹر : بہت پتے کی بات کی ہے نتھو نے۔ پاکستان اس لئے بنا تھا کہ یہ سب کی جان مال اور آبرو کی حفاظت کرے گا مگر افسوس ہم نے اپنے خدا اور رسولؐ کے فرمان کو بھلا دیا۔۔۔ ۔ بلالؓ حبشی اور ابو سفیان کی جو تفریق رسولِ کریم نے ختم کی تھی ہم نے اسے پھر اپنا لیا ہے۔۔۔ ۔

دلاور : حوصلہ رکھیئے ماسٹر جی۔۔۔ ۔۔۔ اللہ نے چاہا تو۔۔۔ ۔ حالات ضرور بدلیں گے۔

سیٹ نمبر ۱۳

(حشمت ایک کرسی پر نیم دراز ہے حقے کے کش لے رہا ہے کسی گہری سوچ میں مبتلا ہے ہینگا اور بخشو ایک کونے میں چپ چاپ بیٹھے ہیں۔ حشمت کچھ دیر سوچتا ہے پھر آواز دیتا ہے۔)

حشمت : اوئے بخشو۔

بخشو : (تیزی سے سامنے آتے ہوئے) جی چوہدری جی۔

حشمت : رب نواز کو آکھ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ محمد وقریشی وکیل کو بلا کے لائے ۔ (بختو تذبذب کے عالم میں وہی کھڑا رہتا ہے حشمت غصے سے اس کی طرف دیکھتا ہے) اوئے دفع کیوں نہیں ہوتا یہاں سے۔

بختو : (ڈرتے ڈرتے) رب نواز کو تو آپ نے ۔ ۔ ۔ ۔ وہ تو آپ سے اجازت لیکر چلا گیا ہے جی نویں پنڈ ۔ ۔ ۔

حشمت : (چونک کر) اچھا ۔ ۔ ۔ ہاں ۔ ۔ ۔ ہاں ۔ ۔ ۔ ہاں ۔ ۔ ۔ وہ تو چلا گیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ غوثے کو بھیج دے ۔ ۔ ۔ ۔

بختو : غوثا بھی جی ۔ ۔ ۔

حشمت : وہ کب گیا ہے۔

مہنگا : وہ تو پرسوں رات ہی کو بھیج گیا تھا جی ۔ ۔ ۔ کہتا تھا میں چوہدری انور صاحب کا آدمی ہوں ۔ کہیں پولیس مجھ کو بھی نہ پکڑ کے لے جائے ۔ ۔ ۔ پولیس مجھ کو بھی نہ پکڑ کے لے جائے ۔ ۔ ۔ ۔

حشمت (غصے سے اٹھ کر ٹہلتے ہوئے) کہیں نظر آئے تو پکڑ کر لانا اسے میرے پاس ۔ ۔ ۔ بندوں سے تو کتے اچھے ہیں ۔ ۔ ۔ خطرے کے وقت مالک سے دور نہیں ہوتے اس کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں ۔ ۔ ۔ قربان ہو جاتے ہیں اس پر ۔ ۔ ۔ یار محمد ہے ۔ ۔ ۔

مہنگا : ہاں جی۔

حشمت : اس کو بھیج دے ۔ ۔ ۔ ۔

بختو : بالکل ٹھیک ہے جی۔

حشمت : (حقے کی طرف اشارہ کر کے) اور ایس پیو کو بھی تازہ کر۔

بختو : بالکل ٹھیک ہے جی (حقہ اٹھانے لگتا ہے)

ماسٹر : (دروازے پر سے) میں حاضر ہو سکتا ہوں چوہدری جی۔

حشمت : آؤ ۔ ۔ آؤ ۔ ۔ ۔ آؤ ماسٹر ۔ ۔ ۔ کیا حال ہے تیرا۔

ماسٹر : آپ کی دعا ہے چوہدری جی ۔ ۔ ۔

حشمت : کس طرح آیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔

ماسٹر : بس ایسے ہی آ گیا ہوں چوہدری جی ۔ ۔ ۔ سارا پنڈا چاڑ پڑا ہے ۔ ۔ ۔ خاموشی سے دل گھبرا رہا ہے سوچا آپ کے پاس ہی چلا جاؤں۔

حشمت : بیٹھ ۔ ۔ ۔ خیر ۔ ۔ ۔ کتنے لوگ رہ گئے ہیں پنڈ میں۔

ماسٹر : دو چار گھر ہیں جی بس ۔ ۔ ۔ وہ بھی آج گئے یا کل ۔ ۔ ۔ اس وقت سارے گاؤں میں سوائے آپ کی حویلی کے کہیں روشنی کا نشان نہیں۔

حشمت : میری حویلی میں بھی اب بس ناں نام کی روشنی ہے ماسٹر ۔ ۔ ۔ نیاز اور انور کے بعد مجھے ہر پاسے ہنیرا ہی ہنیرا نظر آتا ہے ۔ اتنی وڈی حویلی میں ۔ ۔ ۔ ہر پاسے نوکروں کی چہل پہل ہوتی تھی ۔ ۔ ۔ اب بنج ست

بندے رہ گئے ہیں۔

ماسٹر: چوہدری نیاز کی بیوی تو۔۔۔۔ غالباً وہ بھی چلی گئی ہے۔

حشمت: گئی نہیں وہ۔۔۔۔ بھجوایا ہے اس کو میں نے۔۔۔۔ کہتی تھی میں یہ حویلی نہیں چھوڑوں گی۔۔ یہیں جان دے دوں گی۔۔۔ بڑے ترلے پائے تھے اس نے۔۔۔ پر میں نے اس کو یہاں رہنے کی اجازت نہیں دی انور کے خلاف بیان دینے کے بعد اس کا گھر پر کوئی حق نہیں رہا۔

ماسٹر: ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا چوہدری صاحب۔ (حشمت گھور کر اس طرف دیکھتا ہے) میرا مطلب ہے۔۔۔ وہ اور کیا کر سکتی تھیں۔

حشمت: کیا نہیں کر سکتی تھی وہ۔۔۔ میں مانتا ہوں، مجھ کو تسلیم ہے کہ انور نے اس کے خاوند کو قتل کیا ہے پر انور بھی کوئی اس کا غیر تو نہیں تھا۔۔۔ اس کا دیور تھا۔۔۔ اس کے بچے بھرا کی طرح تھا۔۔۔ نیاز میرے بھی جگر کا ٹکڑا تھا۔ اس کا بہت رنج ہے مجھے۔۔۔ پر انور کے خلاف بیان سے سوائے خاندان کی تباہی کے کیا حاصل ہوا ہے۔ گھر کو آگ لگ جائے تو جتنا قیمتی سامان بچ سکے وہ تو بچا لینا چاہیے۔۔ اوئے اس نے تو مجھ کو سادھ کے سواہ کر دیا ہے۔۔۔۔

ماسٹر: آپ بھی ٹھیک کہتے ہیں چوہدری جی پر جس پر پڑتی ہے وہ اتنی دور کی باتیں نہیں سوچ سکتا۔۔ اس کا دماغ ہی اس کے قابو میں نہیں ہوتا۔ اب آپ نتھو کو دیکھئے جس دن سے جیراں مری ہے اسے کچھ پتہ نہیں وہ کہاں ہے۔ کیا کر رہا ہے۔ سارا دن چپ چاپ بیٹھا رہتا تھا۔ اور اگر کبھی بولتا ہے تو ایسی عجیب عجیب باتیں کرتا ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔۔۔۔

حشمت: نتھو کی بات اور ہے ماسٹر۔۔۔ کون سا گہنوں میں اٹھایا تھا اس نے جیراں کو۔۔۔ کیا تھا اس کے پاس اُسے دینے کو۔۔۔ بیس سال سے ایک ایک پیسہ جمع کر رہا تھا۔ اس کی شادی کے لیے۔۔۔۔ اور کل دو ہزار روپے تھے اس کے پاس۔۔۔ انور تو اس ساری جاگیر کا مالک ہے۔

ماسٹر: (جذبات کو دبانے کی ناکام کوشش میں) عجیب بات ہے چوہدری صاحب۔۔۔ آپ باپ کی محبت کو بھی سونے چاندی اور جائیدادوں سے تول رہے ہیں۔۔۔ اولاد کا غم تو امیر غریب کو سب کو ایک جتنا ہوتا ہے۔

حشمت: بات غم کی نہیں ماسٹر۔۔۔ یہ ٹھیک ہے کہ اولاد کا غم سب کو ہوتا ہے پر اولاد اولاد میں بھی تو فرق ہوتا ہے۔۔۔۔ بلی کے بچے اور شیر کے پتر میں بڑا فرق ہوتا ہے ماسٹر۔۔۔ بلو نگڑے دنیا میں اتنے ہیں کہ لاکھ دو لاکھ کے مر جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔ پر شیر نایاب اور قیمتی ہوتا ہے۔ اس کی نسل اشراف کی نسل ہے۔۔۔ سچی اور خالص۔

ماسٹر: میں معافی چاہتا ہوں۔ چوہدری صاحب آپ نے بہت دفعہ مجھے سمجھانے کی کوشش کی ہے مگر میری سمجھ میں آج تک کچھ نہیں آیا کہ جب پیدائش کے وقت مولا کریم سارے بچوں کو ایک جیسا بناتا ہے تو پھر بڑے ہو کر وہ انور اور جیراں کیسے بن جاتے ہیں۔ اللہ کے نزدیک میں اور آپ دونوں ایک جیسے ہیں۔۔۔ وہ کیا شعر ہے۔

علامہ صاحب کا ۔۔۔۔۔۔ ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

حشمت: اوئے عقل کی باتوں میں شاعروں کو نہیں لاتے ماسٹر ۔۔۔۔ نماز میں تو لوگ ایک صف میں کھلو ہی جاتے ہیں ۔۔۔ یہ تو حکم ہے شریعت کا ۔۔

ماسٹر: (کچھ کہتے کہتے رک جاتا ہے پھر بولتا ہے) دولت اور طاقت کسی شخص کے پاس اللہ کی امانت ہوتی ہے چوہدری جی ۔۔۔۔۔۔ اگر ان سے اس کی مخلوق کو نقصان پہنچے تو وہ خوش نہیں ہوتا ۔۔۔۔

حشمت: ناں ماسٹر ۔۔۔ ایک بات تو بتا ۔۔۔ تیرے پاس غیب کا علم ہے ۔۔۔ کوئی چلہ کاٹ کے پتہ کیا ہے تو نے ۔۔۔۔ کسی فرشتے نے اطلاع دی ہے تجھے کہ اللہ تعالیٰ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور کن سے ناراض ۔۔۔۔ اوئے دولت اور طاقت اللہ کی رحمت ہوتی ہے ۔۔۔۔ وہ بندا کیندا پہچان کر عطا کرتا ہے ۔ تجھ کو کیوں نہیں دے دیں اس نے یہ چیزیں ۔۔۔۔

ماسٹر: مجھ پر بڑی رحمت ہے جی اس مولا کریم کی ۔۔۔۔۔ خاص نظر ہے اس کالی کملی والے کی ۔۔۔ ساری عمر اس نے مجھے بڑی عزت آبرو سے بڑے سکھ چین سے رکھا ہے ۔ میری اوقات سے زیادہ مجھے دیا ہے۔

حشمت: یہی اصل فرق ہے ماسٹر ۔۔۔ تیرے جیسے مسکینوں کو وہ ظرف بھی اتنا ہی دیتا ہے جسے تم سنبھال سکو ۔۔۔ کھوہ اور سمندر میں بڑا فرق ہے ماسٹر۔

سین نمبر ۱۴۱

(رسید گل کا گھر ۔ دلاور، رشید ۔ دلاور کچھ پڑھ رہا ہے ۔ رشید چند لمحے اپنے انگوٹھے (ADJUST) کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔ دلاور کو دکھاتا ہے۔)

رشید: یہ ٹھیک ہے چاچا۔

دلاور: ارے نہیں بھئی ۔۔۔۔ یہ انگلی یہاں رکھو ۔ دونوں انگوٹھوں کے درمیان ۔۔۔ اب یہاں سے ہلا ؤ اسے ۔۔۔ ایسے

رشید: اچھا ایک منٹ ۔۔۔۔ (دوبارہ کرتا ہے) ٹھیک ہے ۔

دلاور: ہوں ۔۔۔۔ انگوٹھے سیدھے رکھو ذرا ۔۔۔ ہوں ۔۔۔ شاباش ۔

(رشید چند لمحے انگوٹھوں سے کھیلتا ہے ۔ اطمینان کے انداز میں سر ہلاتا ہے)

رشید: کوئی کہانی سناؤ چاچا ۔۔۔

دلاور: نہیں پھر سہی ۔۔۔۔۔ تم ایسے کرو ۔۔۔ مولا داد سے کہنا ۔۔۔۔ میں آرہا ہوں اور روٹی وہیں کھاؤں گا ۔۔۔۔

رشید: ٹھیک ہے ۔۔۔۔۔ (جاتے جاتے رک جاتا ہے) مجھے گلی کی نکر تک چھوڑ آؤ چاچا۔

دلاور: (حیرت سے) کیوں ؟

رشید: وہ ۔۔۔ ساری گلی خالی ہوتی ہے نا ۔۔۔ مجھے بڑا ڈر آتا ہے ۔۔۔ ہم کب جائیں گے

چاچا - - - -

دلاور : بس دو چار دن میں - - - - - لیکن رشید میاں یہ بات ہے بہت بری -

رشید : کیا چاچا -

دلاور : یہی کہ مولاداد کا بیٹا ہو اور خالی گلی سے ڈر جائے -

(رشید چند لمحے کچھ سوچتا رہا ہے پھر بھاگتا ہوا دروازے سے باہر نکل جاتا ہے

دلاور مسکراتا ہے - دروازہ بند کرکے پلٹتا ہے پھر بھاگتا ہوا دروازے سے نکل

جاتا ہے -)

(سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر چارپائی پر لیٹتا ہے - چند لمحے بعد دروازے پر دستک

ہوتی ہے - حیات محمد کی آواز آتی ہے -)

آواز : دلاور - - - اوئے پتر دلاور -

دلاور : (حیرت سے چونک کر اٹھتا ہے - دروازہ کھولتا ہے سامنے حیات محمد کھڑا ہے) آؤ چاچا - - -

میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا - - -

حیات : آج سویرے ہی میں واپس آیا ہوں پاک پتن شریف سے - شام کو جمیل نے دفتر سے آکر تمہارا پیغام دیا -

- - میں سیدھا ادھر چلا آیا ہوں -

دلاور : بہت اچھا کیا ہے تم نے چاچا - -

حیات : خیر تھی پتر - - -

دلاور : تمہیں کچھ دنوں کے لئے نویں پنڈ لے کر جانا ہے میں نے

حیات : بسم اللہ - - ضرور چلوں گا - - - پر بات کیا ہے -

دلاور : اردگرد بہت سارے پنڈوں کے لوگ وہاں جاکر آباد ہوئے ہیں - میرا دل کہتا ہے کہ فتح شیر بھی وہیں

ہوگا - تمہیں ایک دفعہ مجھے اس کی شناخت کرادو - - - تم اسے پہچان لوگے نا چاچا - - -

حیات : ہاں پتر اوئے - - - میں نے اس کو پہچان لیا ہے - - - اچھی طرح پہچان لیا ہے -

دلاور : دراصل اس دن جیپ میں - تمہیں دھوکا ہو گیا تھا نا - - -

حیات : مجھے دھوکا نہیں ہوا تھا پتر - - - - فتح شیر اس دن اسی جیپ میں تھا -

دلاور : (بے چینی سے) کمال کرتے ہو چاچا - چوہدری انور اور مولاداد کے علاوہ اس میں صرف تین آدمی تھے اور

تینوں میں سے کوئی بھی فتح شیر نہیں تھا - - - - میں نے اچھی طرح پتہ کرلیا ہے -

حیات : چوہدری انور کے علاوہ کس کا نام لیا ہے تم نے - - -

دلاور : مولاداد -

حیات : یہ وہی ہے نا میاں - - - مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا رہتا ہے -

دلاور : (رکتے رکتے سے انداز میں) ہاں ۔۔۔ پر

حیات : وہی فتح شیر ہے ۔۔۔ (BANG)

دلاور : نہیں ۔۔۔ نہیں چاچا نہیں ۔۔۔۔۔

حیات : وہی فتح شیر ہے پتر ۔۔۔۔ اور شاید تجھے پتہ نہیں وہ ابھی یہیں ہے ۔۔۔۔ سکندر پور میں ۔۔۔۔ میں نے ابھی آتے ہوئے اُسے حویلی کے دروازے پر دیکھا تھا ۔۔۔۔

دلاور : تمہیں پورا یقین ہے چاچا کہ وہی فتح شیر ہے ۔۔۔

حیات : ہاں پتر ۔۔۔

دلاور : نہیں چاچا ۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔۔۔۔ مولاداد تو ۔۔۔ (ایک دم رُک جاتا ہے جیسے سوچ رہا ہو کہ مولاداد فتح شیر ہو سکتا ہے کہ نہیں ۔۔۔۔ ایک دم اس کی آنکھیں اس انکشاف کی حقیقت سمجھ کر پھیل جاتی ہیں) اوہ خدایا ۔۔۔

حیات : تم اُسے جانتے ہو؟

دلاور : اس پوری دنیا میں اُسی کو تو جانتا ہوں چاچا ۔۔۔۔ پر وہی فتح شیر ہوگا یہ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا ۔۔۔ تمہیں دھوکا تو نہیں ہوا چاچا ۔۔۔۔

حیات : اس کی شکل خاصی بدل گئی ہے پتر ۔۔۔ پر مجھے پورا یقین ہے کہ وہی فتح شیر ہے ۔۔۔ سکندر کی منگنی کے دنوں میں میں نے کئی بار اُسے دیکھا تھا ۔

دلاور : (ہسٹریائی انداز میں ہنستے ہوئے) تو میرا یار مولاداد ۔۔۔۔ میرا سب سے بڑا دشمن ہے ۔۔۔ میرے بھائی کا ۔۔۔۔ میری خوشیوں کا قاتل ۔۔۔۔ اور میں اس کے ساتھ بیٹھ کر روٹی کھاتا رہا ہوں ۔۔۔ اُسے اپنے گلے سے لگاتا رہا ہوں ۔۔۔۔ اُسے ۔۔۔۔

(دروازے کے ساتھ سر لگا کر کھڑا ہو جاتا ہے ۔ جیسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے حیات خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہتا ہے ۔ دلاور چند لمحوں بعد سر اٹھاتا ہے لال انگارہ جیسی آنکھوں سے حیات محمد کی طرف دیکھتا ہے پستول پر ہاتھ رکھتا ہے چہرے پر سخت کشمکش کے آثار ہیں ۔ پستول ہولسٹر سے نکالتا ہے مڑتا ہے ۔)

حیات : دلاور ۔۔۔ رُک جا پتر دلاور ۔

(دلاور سخت نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے ۔ دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکلتا ہے ۔)

سین نمبر ۱۵

(مولاداد کا گھر ۔۔۔۔ رشید مولاداد کو اپنا نیا سیکھا ہوا ٹرک سکھا رہا ہے ۔ مولاداد کی پشت دروازے کی طرف ہے ۔ دروازہ بند ہے مولاداد سنجیدہ ہے ۔)

رشید : یہ دیکھو بابا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ میرا انگوٹھا ہے نا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسے توڑوں ۔ ۔ ۔ ۔ (مولاداد اپنی دھن میں مست ہے رشید لاڈ سے کہتا ہے) دیکھو تو سہی ابا ۔

مولاداد : (چونک کر) تنگ نہ کر شہزادے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(رشید اداس سا ہو کر بیٹھ جاتا ہے ۔ زہرہ دونوں کی طرف دیکھتی ہے)

زہرہ : سن لو نا اس کی بات ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مولاداد : (تیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر کچھ سوچ کر نرم آواز میں رشید سے مخاطب ہوتا ہے) اچھا بھئی سنا، کیا بات ہے ۔ ۔ ۔ ۔

سین نمبر ۱۶

(دلاور بڑے T E N S E انداز میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہے ۔ مولاداد کے دروازے پر آ کر رکتا ہے چہرے پر سخت کشیدگی کے آثار ہیں ۔ ایک لمبی سانس لے کر دروازے پر ہاتھ رکھتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ہاتھ کا بگ کلوز)

آخری قسط

سین نمبر ا

(دلاور دروازے پر ہاتھ رکھتا ہے۔ دروازہ ذرا سا کھلتا ہے۔ رشید کی آواز دلاور پر L/O ہوتی ہے)

رشید : چاچے دلاور نے سکھایا ہے مجھے یہ ٹرک۔

زہرہ : جس طرح جادوگر کی جان طوطے میں ہوتی ہے نا اس طرح تیری جان دلاور چاچا میں ہے۔

رشید : دلاور چاچا ہمارے ساتھ جائے گا نا ابا۔

(دلاور کے چہرے پر مختلف گزرے ہوئے سین فلیش کی شکل میں S/W ہوتے ہیں)

۱۔ شہر کے ہسپتال میں رشید کے سرہانے۔
۲۔ رشید کے ساتھ کھیلتے ہوئے۔
۳۔ یعقوب کے پاس۔
۴۔ دلاور کے گھر مولاداد آتا ہے۔
۵۔ دلاور اور مولاداد انور کو بچانے جاتے ہیں۔
۶۔ دلاور، مولاداد۔ چودھری حشمت سے تعریف وصول کرتے ہیں۔
۷۔ دلاور مولاداد۔ مولاداد اپنی کہانی سناتا ہے۔
۸۔ دلاور۔ مولاداد کو شیر محمد کے بارے میں بتاتا ہے۔
۹۔ ایس پی کے پاس۔
۱۰۔ ذکیہ شیر محمد ملاپ۔ دونوں کمرے سے باہر نکلتے ہیں۔
۱۱۔ ذکیہ کے گھر کھانے کی میز پر۔

اس کے بعد مولاداد۔ رشید۔ سکندر۔ ماں۔ سعیدہ کی تصویریں آپس میں گڈمڈ ہوتی ہے۔ میوزک، دلاور کے اندرونی خلفشار کی ترجمانی کرتا ہے۔ ایک دم مکمل خاموشی چھا جاتی ہے۔ دلاور کے جبڑوں کی ہڈیاں اس قدر تنی ہیں جیسے ابھی

ٹوٹ جائیں گی۔ اس پر زہرہ کی آواز O/S ہوتی ہے۔

زہرہ : رشید !

رشید : ہاں ماں

زہرہ : چاچے کو کہہ آ کے روٹی کھالے۔ کمنا ماں نے تمہارے لیے خاص طور پر مصالحوں والی کھچڑی پکائی ہے گرم گرم کھالیں ٹھنڈی ہو گئی تو مزہ نہیں آئے گا۔

رشید : اچھا ماں۔

(دلاور ایک دم پیچھے ہٹتا ہے اور دروازے کی اوٹ میں ہوتا ہے۔ رشید اس کی طرف دیکھے بغیر بھاگتا ہوا دروازے سے نکلتا ہے۔ جاتا ہے۔ دلاور شدید غصے اور مایوسی کے عالم میں پستول والا ہاتھ اپنے گھٹنے پر مارتا ہے۔ سر جھٹک کر فیصلہ کن انداز میں دوبارہ دروازے کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے کہ رشید کی آواز آتی ہے)

رشید : نہیں چاچا نہیں . . . میرے ابا کو نہ مارو چاچا۔

(دلاور تیزی سے پلٹ کر دیکھتا ہے۔ وہاں رشید چند لمحوں کے لیے نظر آتا ہے۔ پھر غائب ہو جاتا ہے۔ پریشانی میں آنکھیں ملتا ہے۔ اب وہاں زہرہ کھڑی ہے جس کی آنکھوں میں آنسو ہیں . . . . رشید اس کے ساتھ سہما ہوا کھڑا ہے۔)

زہرہ : (روتے ہوئے) مولا داد مر گیا تو ہم دونوں بھی مر جائیں گے۔ دلاور بھائی۔

(دلاور کے ہاتھ پر کٹ کرتے ہیں جو آہستہ آہستہ دروازے پر نرم پڑتا ہے۔ ایک لمبی سانس لیتا ہے۔ پستول کو دونوں ہاتھوں سے مسلتا ہے۔ آہستہ آہستہ کیمرے کی کی طرف منہ کر کے چلنا شروع کرتا ہے۔ ایسے جیسے نیند کے عالم میں کھلی آنکھوں سے چل رہا ہو۔ اس کے پیچھے دروازہ کھلتا ہے۔ مولا داد دروازے میں کھڑا TENSE انداز میں دلاور کو جاتے ہوئے دیکھتا ہے۔ زوم ان کر کے اس کے چہرے پر جاتے ہیں۔ بڑبڑاتا ہے۔)

مولا داد : تو بہت وڈا آدمی ہے شہزادے . . . . .

سین نمبر ۲

(دلاور گھوڑے پر بیٹھا پاگلوں کی طرح گھوڑ دوڑا رہا ہے۔ چہرے پر سخت کشیدگی کے آثار ہیں۔ گھوڑے کی ٹانگوں سے TIME LAPSE DISSOLVE کر کے بناتے ہیں۔ آہستہ آہستہ گھوڑے کی رفتار سست پڑتی ہے۔ دلاور کے چہرے پر کٹ کرتے ہیں۔ جس نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور گھوڑے کی باگیں ڈھیلی چھوڑ رکھی ہیں۔ اس کے کانوں میں اذان کے الفاظ پڑتے ہیں۔ آنکھیں کھولتا ہے۔ گھوڑا موڑتا ہے

چاروں طرف صبح کا دھند لکا ہے۔ مسجد کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اترتا ہے
اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا مسجد کی سیڑھیوں کے پاس آتا ہے اور سیڑھیوں میں بیٹھ جاتا
ہے۔ چند لمحوں بعد اذان ختم کرکے ماسٹر منظور باہر آتا ہے۔ دلاور کو دیکھ کر رکتا ہے۔
دلاور خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔)

ماسٹر: برخوردار دلاور ۔۔۔۔ خیریت تو ہے۔
(دلاور اثبات میں سر ہلاتا ہے)
مولوی صاحب پرسوں سے نئے گاؤں چلے گئے ہیں۔ سوچ رہا تھا۔ اذان دے کر آج شاید اکیلے
ہی نماز پڑھنی پڑے۔۔۔۔۔

دلاور: اور کوئی نہیں آتا ماسٹر جی۔

ماسٹر: اور ہے کون بیٹا ۔۔۔۔ تم ہو ۔۔۔ مولا داد ہے۔
(دلاور کا REACTION)
نتھو ہے اور میں ہوں۔ چند لوگ حویلی میں ہیں۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

دلاور: آپ کب جا رہے ہیں۔ ماسٹر جی۔

ماسٹر: اللہ نے خیر کی تو آج دوپہر کے بعد میں بھی نکل چلوں گا۔ برخوردار محمد رشید آئے گا مجھے لینے۔

دلاور: سب کو میرا سلام کہئے گا ماسٹر جی۔

ماسٹر: (حیرت سے) تم نہیں چلوگے؟

دلاور: (نفی میں سر ہلاتا ہے) نہیں ماسٹر جی میں وہاں گیا، تو شیدا یتیم ہو جائے گا۔

ماسٹر: (حیرت سے بڑبڑاتے ہوئے) شیدا یتیم ہو جائے گا۔؟
(ماسٹر جی کے چہرے پر سے TILT کرکے نتھو پر جاتے ہیں۔ جو ایک پگڈنڈی پر لاٹھی
ٹیکتا جا رہا ہے آواز دیتا ہے۔)

نتھو: جاگتے رہنا جاگتے رہنا۔

سین نمبر ۳

(یعقوب اخبار کے مختلف صفحے اس طرح جلدی جلدی دیکھ رہا ہے۔ جیسے کسی خاص
خبر کی تلاش ہو۔ زبیدہ چائے بنا رہی ہے۔ ساتھ ساتھ فکر مند نگاہوں سے یعقوب
کی طرف دیکھتی جا رہی ہے۔ یعقوب اس سے بے نیاز اپنی دھن میں صفحے الٹ رہا
رہا ہے۔ مایوس ہو کر اخبار ایک طرف رکھتا ہے۔ گہری سوچ میں پڑ جاتا ہے۔

زبیدہ: (چائے اس کے سامنے رکھتے ہوئے) چائے۔

یعقوب: (چونک کر) اوہ تھینک یو۔

(جلدی سے گھونٹ بھرتا ہے اور اس طرح کپ پیچھے کرتا ہے، جیسے چائے بہت گرم ہو)

زبیدہ: (سوالیہ انداز میں) کوئی خاص پریشانی ہے؟

یعقوب: نہ ..... ن .... نہیں تو .....

زبیدہ: تین چار دن سے آپ ہر وقت کھوئے کھوئے سے رہتے ہیں۔

یعقوب: (پریشانی میں) میں ...... وہ نہیں .... وہ ..... کوئی خاص بات نہیں۔

(زبیدہ کی آنکھوں میں بے اعتباری کی جھلک دیکھ کر نروس انداز میں ہنستا ہے)

ایک تو تم وہمی بہت ہو۔

زبیدہ: بیس سال میں تو گھر کے دروازے بھی مالک کی آہٹ پہچاننے لگتے ہیں۔ یعقوب صاحب! میں تو آپ کی بیوی ہوں۔

(سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہے۔)

یعقوب: (اسی نروس انداز میں ہنستے ہوئے) لگتا ہے گیس پھر .....

زبیدہ: (بات کاٹتے ہوئے) گیس واقعی میرے دماغ کو چڑھ رہی ہے یعقوب صاحب ... لیکن اس کی وجہ میرے پیٹ کی خرابی نہیں۔ میں آپ کی وجہ سے پریشان ہوں۔

یعقوب: اے بھئی لاحول ولا قوۃ۔ تم تو خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنا لیتی ہو۔ کہا نا۔ کوئی ایسی بات نہیں۔

(دروازے کی گھنٹی بجتی ہے)

ذرا بالے سے کہنا، دیکھے، کون ہے!

(زبیدہ بے اطمینانی کے انداز میں سر جھٹک کر اٹھنے لگتی ہے کہ اندرونی دروازے سے بالا آتا ہے اور دروازے کی طرف جاتا ہے۔ زبیدہ اسے دیکھ کر دوبارہ بیٹھ جاتی ہے۔)

زبیدہ: پتہ نہیں کیوں۔ آپ مرد لوگ عورتوں سے مشورہ کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔

یعقوب: یہ اصول میاں جی کا بنایا ہوا ہے۔ زبیدہ اور میرے خیال میں بہت اچھا ہے۔ عورتوں میں فیصلے کی قوت نہیں ہوتی۔ بے کار بحث بہت کرتی ہیں۔

بالا: (آتے ہوئے) کوئی انسپکٹر صاحب ملنا چاہتے ہیں جی آپ سے۔

زبیدہ: (قدرے گھبرا کر) انسپکٹر!

یعقوب: دیکھا اسی لیے میں کہتا ہوں مردوں کی باتوں میں دخل نہ دیا کرو۔ ایکسائز انسپکٹر جمالی ہوگا۔ میں نے اس سے کہا تھا گھر آنے کو۔

بالا: جمالی صاحب نہیں ہیں جی۔ پولیس والا انسپکٹر ہے۔

یعقوب: (ایک لمحے کے لیے پریشان ہوتا ہے) اچھا، ہاں، بلاؤ۔ (بالا جاتا ہے۔

زبیدہ سے شیو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے: ذرا میرا شیو کا سامان رکھوا دو۔ (زبیدہ جاتی ہے۔

انسپکٹر نوکر کے ساتھ آتا ہے۔)

یعقوب: (رسمی مسکراہٹ کے ساتھ انسپکٹر سے ہاتھ ملاتا ہے) تشریف رکھیے۔

انسپکٹر: شکریہ۔

(بیگ میز پر رکھ کر اسے کھولنے لگتا ہے۔)

یعقوب: فرمائیے۔

انسپکٹر: (بیگ سے ایک تصویر نکالتے ہوئے) اس آدمی کو پہچانتے ہیں آپ؟

(یعقوب تصویر دیکھتا ہے ایسے بن جاتا ہے، جیسے کوئی خاص بات نہ ہو۔ تصویر
پر ایک نظر ڈال کر واپس انسپکٹر کو دیتا ہے۔)

یعقوب: جی ہاں . . . . میرا ملازم ہے۔ صادق۔

(کٹ کر کے جاسوس کی تصویر پہ آتے ہیں)

انسپکٹر: کہاں مل سکے گا یہ؟

یعقوب: (بے نیازی سے) اس طرح تو بتانا بہت مشکل ہے۔ انسپکٹر میرے دفتر اور فیکٹری میں تقریباً
تین سو آدمی کام کرتے ہیں۔ سب کے ایڈریس مجھے زبانی یاد تو نہیں ہو سکتے۔

انسپکٹر: (سنجیدگی سے آگے کی طرف جھکتے ہوئے) اس آدمی کو قتل کر دیا گیا ہے یعقوب صاحب۔

یعقوب: (تیزی سے) تو مر گیا یہ . . . . . .

(ایک دم اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے)

میرا مطلب ہے . . . . . اس سے . . . . کسی کو کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔

انسپکٹر: تو آپ کو اس کی موت کے بارے میں علم نہیں تھا۔

یعقوب: مجھے؟ مجھے کیا علم ہو سکتا ہے۔ کس نے مارا ہے اسے!

انسپکٹر: یہی معلوم کرنے تو میں آپ کے پاس آیا ہوں۔

یعقوب: (نروس انداز میں ہنستے ہوئے) میرا جاسوسی کا علم صرف جاسوسی ناولوں تک ہے۔ انسپکٹر مجھے افسوس
ہے، میں اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

انسپکٹر: ہمیں آپ کی مدد کی نہیں، آپ کی ضرورت ہے یعقوب صاحب۔

یعقوب: (اپنی چھپائی ہوئی گھبراہٹ کے پردے سے باہر نکلتا ہے) کیا مطلب۔ میں سمجھا نہیں . . . یعنی . . .

انسپکٹر: صادق نے مرنے سے پہلے آج صبح ایک بیان دیا ہے یعقوب صاحب

یعقوب: (صوفے کی پشت پر سر رکھتے ہوئے) اوہ۔

(چند لمحے کچھ سوچتا ہے پھر پھیکی ہنسی ہنستا ہے)
تو آپ کا مطلب ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
(انسپکٹر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہے۔ انسپکٹر اثبات میں سر ہلاتا ہے۔
یعقوب صوفے سے اٹھتا ہے۔)
آپ نے ریکارڈ کیا ہے۔ اس کا بیان ؟
انسپکٹر : جی ہاں۔ اسی لیے میں ہسپتال سے سیدھا آپ کی طرف آیا ہوں۔
یعقوب : (کچھ سوچ کر آنکھیں چمک اٹھتی ہیں) چند منٹ کی مہلت دیں گے مجھے !
شکریہ۔
(انسپکٹر اثبات میں سر ہلاتا ہے اندر کی طرف مڑتا ہے)

سین نمبر ۴

(یعقوب کشیدہ چہرے کے ساتھ ایک الماری کھولتا ہے۔ ایک طرف سے پستول اٹھاتا ہے۔ کھول کر گولیاں چیک کرتا ہے۔ مڑتا ہے دروازے پر زبیدہ بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کھڑی ہے۔ دونوں چند لمحے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ زبیدہ منع کرنے کے انداز میں سر ہلاتی ہے۔ یعقوب فیصلہ کن انداز میں پستول پر گرفت سخت کرتا ہے۔)
زبیدہ : نہیں یعقوب صاحب نہیں (سسکی بھرتی ہے)
یعقوب : مجھے جانے دو زبیدہ۔ وہ ہسپتال سے سیدھا یہاں آیا ہے۔ صادق کا بیان اس کے پاس ہے ابھی کسی کو اس کا پتہ نہیں۔
زبیدہ : نہیں، میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گی۔
یعقوب : پاگل نہ بنو زبیدہ۔ وہ بیان مجھے پھانسی پر لٹکوا سکتا ہے۔ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں۔
زبیدہ : ایک غلطی کا جواب دوسری غلطی سے نہ دیں۔ یعقوب صاحب یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔
یعقوب : خدا کے لیے بحث نہ کرو زبیدہ۔ ہٹ جاؤ میرے راستے سے۔
(انسپکٹر دروازے کے پردے سے نکل کر سامنے آتا ہے۔ پستول ہاتھ میں ہے)
انسپکٹر : آپ کی بیگم ٹھیک کہہ رہی ہیں یعقوب صاحب پستول رکھ دیجیے۔
(یعقوب چند لمحے بے یقینی کے عالم میں اس کی طرف دیکھتا ہے۔ اس کا پستول والا ہاتھ جھکتا ہے۔ پستول نیچے گرتا ہے۔ یعقوب کا کلوز۔ چہرہ FREEZE ہو جاتا ہے۔)

سین نمبر ۵

(دلاور اپنے مخصوص درخت کے نیچے بڑے اداس انداز میں بیٹھا کچھ سوچ رہا ہے۔)

سین نمبر ۶

(حویلی کے صحن میں مختلف قسم کے آٹھ دس کتے اِدھر اُدھر پھر رہے ہیں۔ حشمت حقے کے کش لیتے ہوئے غور سے ان کی طرف دیکھ رہا ہے۔ بخشو، ہہنگا ماسٹر، یار محمد اردگرد کھڑے اور بیٹھے ہیں۔)

حشمت: اوئے . . . . اس بگھے کو ذرا سامنے کر میرے۔

(ہہنگا ڈرتا ڈرتا ایک کتے کو حشمت کے سامنے لاتا ہے۔ حشمت غور سے اس کا جائزہ لیتا ہے)

حشمت: اس کی ٹانگ کو کیا ہوا ہے۔

یار محمد: میں گیا تھا جی اس کو لے کر ڈاکٹر صاحب کے پاس۔ وہ کہتے تھے اس کا علاج لمبا ہے۔ نئے پنڈ آ گے تو کر دوں گا۔ عملہ چلا گیا ہے جی ان کا سارا۔

حشمت: یہ ڈاکٹر وہی ہے نا تر کونے کے سر والا۔

(ہہنگا اور بخشو اثبات میں سر ہلاتے ہیں۔)

اسی وقت جاؤ اور اسے بتاؤ کہ اگر شام سے پہلے وہ ساز و سامان لے کر نہیں پہنچا تو نویں پنڈ سب سے پہلے جس شخص کی ٹانگیں ٹوٹیں گی، وہ وہی ہوگا۔ اوئے یہ چودھری حشمت کا شیر ہے۔ اصیل نسل کا جانور ہے۔ اس ڈاکٹر کی تنخواہ سے زیادہ اس کا مہینے کا خرچ ہے۔ اوئے بلا اوس سلوتری کے پتر کو۔

بخشو: بالکل ٹھیک ہے جی۔

حشمت: اوئے یار محمد۔

یار محمد: جی چودھری جی۔

حشمت: تو جا اس کے ساتھ۔ موٹر لے جا اور طوفان میل کی طرح واپس آ۔

بخشو: بالکل ٹھیک ہے جی۔

(بخشو اور یار محمد جاتے ہیں)

حشمت: اوئے ہہنگے . . . . اوئے وہ کرسٹل کدھر ہے۔

ہہنگا: اس کی طبیعت ذرا ڈھیلی تھی جی . . . . آرام کر رہا ہے۔ لاؤں جی۔

حشمت: نہیں . . . . اسے آرام کرن دے . . . . اوئے چیتے کو پکڑ ذرا۔

ہہنگا: (تھوک نگلتے ہوئے) چیتے کو جی۔ بڑا بدلحاظ ہے جی یہ۔

حشمت: اوئے چیتا جو ہویا ہہنگیا۔ چل شاوا کچھ نہیں کہتا تجھے۔

(منہگا ایک کتے کی زنجیر پکڑ کر حشمت کے پاس لاتا ہے۔ حشمت کتے کو
پیار کرتا ہے اور داد طلب نگاہوں سے ماسٹر کی طرف دیکھتا ہے۔)

کیوں ماسٹر ...... کیسا تحفہ ہے یہ!

ماسٹر: میں کیا عرض کروں چودھری صاحب ...... کتوں کے بارے میں میرا علم نہ ہونے کے برابر ہے۔

حشمت: جو آدمی کتوں کے متعلق کچھ نہیں جانتا ماسٹر اس کو آدم زاد کی بھی پہچان نہیں ہوتی۔ بندے اور کتے میں بڑی سانجھ ہوتی ہے۔ اچھی نسل کا کتا تے اُچی نسل کا انسان دونویں بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔ بندہ مالک کو دغا دے جاتا ہے پر کتا اکھ نہیں پھیرتا۔ مالک موجود ہو تو میدان میں جان دے دیتا ہے قدم پیچھے نہیں ہٹاتا..... کتے کی اکھ میں بڑی شرم ہوتی ہے ماسٹر۔

ماسٹر: میری سمجھ میں تو یہ نہیں آتا چودھری جی کے اتنے بڑے   کے باوجود آپ ...... میں آپ کی جگہ ہوتا، تو شاید اب تک روتے روتے مر چکا ہوتا۔

حشمت: اتھرو دوں کا ہڑ میرے اندر بھی آیا ہوا ہے ماسٹر، پر مرد کو رونا زیب نہیں دیتا۔ میں نے گردن اُچی کر کے جینا سیکھا ہے۔ اوئے ماسٹر تو نے کبھی سرو کے درخت کو طوفان کے آگے جھکتے دیکھا۔ پر کبھی شکاریوں کے آگے شیر کی اکھ نیویں ہوتی دیکھی ہے۔ جھگی کی دیوار اور قلعے کی فصیل میں بڑا فرق ہوتا ہے ماسٹر۔

ماسٹر: پتہ نہیں کیوں مجھے ابھی تک یقین نہیں آتا کہ چودھری نیاز فوت ہو چکا ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے وہ ابھی کسی طرف سے اچانک نکل آئے گا۔ اللہ بخشے بڑی پیار والی طبیعت تھی اس کی۔

حشمت: یہی تو خرابی تھی اس میں ماسٹر۔ حکومت کرنے والے کا دل اتنا نازک اور مرد نہیں ہونا چاہیے۔ چیتے کو کوٹ پینٹ پوا کے چھری کانٹے کے ساتھ روٹی کھانا سکھا دو، تو وہ چیتا نہیں رہتا۔ دُوجے چیتے اس کو بکری کی طرح کھا جاتے ہیں۔ یہ قدرت کا قانون ہے ماسٹر۔ باز کو کبوتروں کی طرح رہنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

ماسٹر: (ماسٹر ڈرتے ڈرتے) چودھری اللہ کا ...... وہ ...

حشمت: حوالات میں ساری سہولیتیں مل رہی ہیں اس کو۔ پنج چوٹی کے وکیل کیے ہیں۔ میں تے اس کے لیے اللہ نے چاہا، تو کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔

(حشمت کی آواز میں زور ہے، مگر اعتماد کا فقدان ہے)

تم دعا کرو ماسٹر۔

ماسٹر: ہم غریبوں کی دعاؤں میں اثر کہاں ہوتا ہے چودھری صاحب ہمارا تو وہ حال ہے کہ ؎

لہو ہے کس کا مقتل کی زمین، نہ دامن پر نہ ان کی آستیں پر

حشمت: اچھا شعر بولا ہے تو نے ماسٹر۔ اس سے مارنے والے کے ہاتھ کی صفائی ظاہر ہوتی ہے ...... کوئی بڑے ستھرے ہتھ والا آدمی ہوگا۔

(ماسٹر اس تشریح پر کچھ کہنے لگتا ہے پھر ایک لمبا سانس بھر کر رہ جاتا ہے۔ حشمت

ایک کتے کو چیک کرنے لگتا ہے۔ بالا پریشانی میں تیز تیز چلتا آتا ہے۔)

بالا : چودھری صاحب۔ چودھری صاحب۔
(حشمت غصے سے اس کی طرف دیکھتا ہے)
چودھری یعقوب صاحب کو پلس پکڑ کر لے گئی ہے جی۔
(حشمت ایک دم اٹھتا ہے)
بی بی جی بہت پریشان ہیں جی۔

حشمت : کیا بکواس کر رہا ہے؟

بالا : میں صحیح بکو اس عرض کر رہا ہوں جی۔ آپ فوراً چلیں۔

حشمت : پر کس جرم میں پکڑا ہے اسے ...... کون سے مال پٹے ہیں اس نے حکومت کے۔ وہ تو بڑا ڈرو بڑا امن پسند شہری ہے۔ موٹر کا چالان ہوا ہے کوئی۔

بالا : ان پر قتل کا الزام ہے جی۔

ماسٹر : قتل کا؟
(حشمت غور سے بالے کی طرف دیکھتا ہے۔ بالا گھبرا کر نظریں چراتا ہے۔)

حشمت : دیکھ سوچ کر بولے مہنگے۔

مہنگا : جی چودھری جی۔

حشمت : دیکھو کوئی موٹر چلانے والا ہے۔

بالا : میں موٹر لے کر آیا ہوں جی۔
(حشمت غصے سے اسے کچھ کہنے لگتا ہے۔ رک جاتا ہے۔ ایک طرف چلنا شروع کرتا ہے)

حشمت : آ میرے ساتھ۔
(تینوں جاتے ہیں۔ ماسٹر کتوں کے درمیان اکیلا رہ جاتا ہے۔ گہری سوچ میں ہے۔
ایک کتا اس کے قریب آتا ہے۔ ماسٹر "ہش" کر کے اسے بھگاتا ہے۔)

سین نمبر ۲

(مولا داد کا گھر۔
مولا داد چارپائی پر پاؤں لٹکائے خاموش بیٹھا ہے۔ زہرہ چولہے پر روٹی پکا رہی ہے۔ کبھی کبھی نظر اٹھا کر پریشانی ملی نظروں سے مولا داد کی طرف دیکھ لیتی ہے چند لمحوں بعد رشید آتا ہے۔ تھکے ہوئے انداز میں ماں کے پاس بیٹھتا ہے۔)

رشید : (دادا اس انداز میں) چاچا گاؤں سے چلا گیا ہے ماں۔

زہرہ : ہمیں بتائے بغیر کیسے جا سکتا ہے وہ . . . . . حویلی گئے تھے۔

رشید : وہیں سے تو پتہ چلا ہے ماں . . . . ماسٹر جی نے بتایا ہے . . . وہ خود بھی جا رہے ہیں آج۔

زہرہ : مگر . . . . . یہ کیسے ہو سکتا ہے . . . . . تم ذرا جا کر پتہ کرو نا . . . مولا داد ــــ فتح شیر۔

مولا داد : شیدا ٹھیک کہتا ہے شہزادی . . . . دلاور ہمیشہ کے لیے ہم سے دور چلا گیا ہے۔

زہرہ : تم تو کل سے اسی منجھی پر بیٹھے دیوار کو گھور رہے ہو، تمہیں کیا پتہ، کون کہاں ہے ؟

مولا داد : میں صرف دلاور کی بات کر رہا ہوں شہزادی۔

زہرہ : جب اسے یہ نہیں پتہ کہ تم . . . . فتح شیر ہو تو وہ کیسے ہم سے ملے بغیر جا سکتا ہے۔

مولا داد : اسے پتہ لگ چکا ہے شہزادی۔

زہرہ : معلوم ہوتا ہے گاؤں کی ویرانی کا تمہارے دماغ پر اثر ہو گیا ہے . . . (مزاحیہ انداز میں) دلاور آیا تھا تمہیں بتانے۔

مولا داد : (سرگوشی کے انداز میں) ہاں، شہزادی (زہرہ غصے اور بے اعتباری کی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہے) کل رات آیا تھا وہ۔

زہرہ : (طنزیہ انداز میں) میں اس وقت میلہ دیکھنے گئی ہوئی تھی۔

دلاور : توں ایتھے ہی تھی شہزادی . . . (زہرہ بے اعتباری سے ہنستی ہے۔) وہ تجھے بیوہ اور شیدے کو یتیم بنانے آیا تھا شہزادی۔

زہرہ : (جیسے اس بات پر بحث نہیں کرنا چاہتی) چلو اٹھو روٹی کھا لو۔

مولا داد : تم اور شیدا کھا لو . . . . موت کے انتظار میں کل رات سے میری آنتیں اس طرح کھینچی رہی ہیں کہ اب شاید مجھے ساری عمر بھوک نہ لگے . . . . . دلاور مجھے معاف کر کے مجھے جیتے جی مار گیا ہے۔

زہرہ : (سمجھانے کے انداز میں) دلاور کل ہماری طرف نہیں آیا تھا مولا . . . فتح شیر۔

مولا داد : جس بات کا پتہ نہ ہو شہزادی، اس پر زیادہ بحث نہیں کرتے . . . کل جس وقت شیدا مجھے بتا رہا تھا کہ ایک انگوٹھا کس طرح دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ اسی وقت وہ آیا تھا۔

سین نمبر ۸

(مولا داد۔ زہرہ۔ رشید۔ گذشتہ رات کا سین۔ سین نمبر ایک کے مکالموں سے یہ سین شروع ہوتا ہے۔ رشید مولا داد کو انگوٹھے والا ٹرک دکھا رہا ہے۔)

رشید : چاچے دلاور نے سکھایا ہے مجھے یہ ٹرک۔

زہرہ : جس طرح جادوگر کی جان طوطے میں ہوتی ہے نا . . . . اسی طرح تیری جان دلاور چاچے میں ہے۔

رشید : دلاور چاچا ہمارے ساتھ جائے گا نا ابا۔

(کنڈی کے ہلنے کی ہلکی سی آواز آتی ہے۔ دروازہ چرچراتا ہے۔ مولا داد ایک دم چونک کر سامنے

دیوار پر دیکھتا ہے۔ جہاں دلاور کا ہیولا سا کھلے ہوئے دروازے میں سے
جھانک رہا ہے۔ ایک دم اس کا چہرہ TENSE ہو جاتا ہے۔ مٹھیاں بھینچ
کر اور دم سادھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے سامنے رشید اور زہرہ کے ہونٹ ہلتے
ہیں، مگر کوئی آواز نہیں آتی۔ زہرہ اور رشید حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہیں
مولاداد کے ماتھے پر پسینے کے قطرے جھلملاتے ہیں۔)

سین نمبر ۹

(واپس سین نمبر ۷ پر آتے ہیں۔ مولاداد کے ماتھے پر پسینے کے قطرے جھلملا رہے ہیں)

مولاداد: وہ دروازے پر بہت دیر کھڑا رہا تھا شہزادی ... بہت دیر ... مجھے ایسا لگتا تھا جیسے یہ مدّت کئی صدیوں تک پھیل گئی ہے .... موت کو اتنا قریب دیکھ کر پتہ نہیں کیوں میرا سارا ڈر دُور ہو گیا تھا۔ میں اس کی گولی کھانے کے لیے ایسے تیار بیٹھا تھا جیسے وہ مجھے قتل کرنے نہیں کوئی تحفہ دینے آیا تھا.... پر اس شہزادے نے پتہ نہیں کیوں نیت بدل لی ... وہ چلا گیا ہے شہزادی .... اب یہ گھر اس کے یار مولاداد کا نہیں رہا .... وہ یہاں کبھی نہیں آئے گا ... پتہ نہیں کیوں میرا جی رون کو چاہ رہا ہے ... اُچی اُچی رون کو چاہ رہا ہے۔

سین نمبر ۱۰

(یعقوب کا گھر حشمت۔ زبیدہ۔ شکیلہ۔ زبیدہ اور شکیلہ کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔
حشمت کسی گہری سوچ میں ہے .... کچھ سوچ کر زبیدہ سے مخاطب ہوتا ہے۔)

حشمت: ضمانت کی درخواست ردّ ہونے کا مطلب یہ ہے۔ دھیے کہ پولیس کے پاس یعقوب کے خلاف بڑے مضبوط اور ٹھوس ثبوت ہیں .... وکیلوں کو میں نے بلوایا ہے پر جب تک پورے واقعات کا علم نہیں ہو گا .... کیس لڑن کی تیاری نہیں ہو سکتی .... قتل کا کیس قلعے پر حملے کی طرح ہوتا ہے۔ جب تک کوئی دروازہ نہ کھلے بندہ اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ تم مجھ کو ساری گل شروع سے سناؤ۔

زبیدہ: میں نے بتایا تو ہے میاں جی .... مجھے اس کے متعلق کچھ پتہ نہیں۔

حشمت: یعقوب سے مجھے اتنے کچے کم کی امید نہیں تھی .... ایسے لئی میں اس کے شہر میں رہنے کا مخالف تھا .... قتل بڑا سوچ سمجھ کر کرنے کی چیز ہوتی ہے .... اچھا یہ بتاؤ یہ کڑی کون ہے جس کے اغوا کی بات ہو رہی تھی۔

زبیدہ: اس کا نام سیمیں ہے میاں جی .... یعقوب صاحب .... (شکیلہ سے) تم ذرا اندر جاؤ بیٹی (شکیلہ اداس) چہرے کے ساتھ اٹھتی ہے جاتی ہے۔) دراصل یعقوب صاحب شکیلہ کی شادی فرخ سے کرنا چاہتے تھے۔ جب کہ فرخ سیمیں کو پسند کرتا تھا۔ اس لیے یعقوب صاحب نے ....

حشمت: آرام سے دھیے، آرام سے .... اس طرح میری سمجھ میں گل نہیں آئے گی، یہ فرخ کون ہے ؟

زبیدہ : فرخ ..... (سوچتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں بولتی ہے۔) فرخ بھا غلام علی کا بیٹا ہے میاں جی۔
حشمت : (ایک بے اعتباری اور بے زاری کی Look دیتا ہے) عقل کو ہتھ پاد جیسے..... یہ غلام علی بیچ میں کیسے آگیا ہے.....
زبیدہ : میں ٹھیک کہہ رہی ہوں میاں جی..... فرخ بھا غلام علی کا ہی بیٹا ہے..... انہوں نے یہ شادی آپ سے چھپ کر کی تھی.....
حشمت : (چونک کر حیرت سے زبیدہ کی طرف دیکھتا ہے۔ سخت حیران ہے چند لمحے سارا معاملہ سمجھنے کی کوشش کرتا ہے) تم سب لوگوں کو اس کا پتہ تھا ؟
زبیدہ : صرف مجھے، ذکیہ بھابی اور یعقوب صاحب کو علم تھا..... باقی
حشمت : (سوچتے ہوئے) ہوں..... تو یعقوب شکیلہ کی شادی انور کی بجائے فرخ سے کرنا چاہتا تھا۔..... کیوں ؟
زبیدہ : انہیں..... انور کی عادتیں پسند نہیں تھیں۔
(حشمت سمجھنے کے انداز میں ہنکارا بھرتا ہے۔ چند لمحے کچھ سوچتا ہے۔)
حشمت : غلام علی کی عورت زندہ ہے۔ ؟
زبیدہ : جی ہاں۔
حشمت : اسے بلواؤ۔
زبیدہ : (جھجکتے ہوئے) وہ۔ وہ شائد نہ آئیں میاں جی۔
حشمت : (بے قراری آمیز غصے میں) کیسے نہیں آئے گی وہ..... میں اس کے خاوند کا پیو ہوں۔
زبیدہ : یعقوب بتا رہے تھے کہ انہوں نے ہم سب سے قطع تعلق کر لیا ہے..... شائد آپ نے..... ان کے والد کے ساتھ..... کچھ زیادتی کی ہے۔
حشمت : کیسی بیوقوفی کی بات کر رہی ہے دھیئے..... غلام علی نے شہر میں کوئی شادی کی ہوئی تھی اس کی اطلاع تو مجھے اب تم سے مل رہی ہے..... اپنی نوں (بہو) کو میں نے آج تک دیکھا نہیں..... فیر اس کے پیو نے میری واقفیت کیسے نکل آئی۔
زبیدہ : ذکیہ بھابی..... شیر محمد کی بیٹی ہیں میاں جی۔
حشمت : (BANG) نہیں۔
(بے تابی سے چاروں طرف زخمی شیر کی طرح پھرتا ہے۔)
زبیدہ : ہاں میاں جی۔
حشمت : (زخمی آواز میں) کہاں رہتی ہے وہ !
سین نمبر ۱۱

(ذکیہ کا گھر۔ ذکیہ تسلی اور ہمدردی زدہ حیرت کے ساتھ سن رہی ہے۔)

دلاور: (بڑے اداس لہجے میں بولتا ہے) میں نے بڑی کوشش کی بہن، مگر میرا ہاتھ ان پہ نہیں اٹھ سکا..... میرا پورا وجود جیسے خلا میں معلق ہو گیا تھا..... ایک طرف اس شدید نفرت کی تیز آندھی تھی جس میں بارہ سال سے میرا وجود تنکوں کی طرح اڑ رہا تھا اور دوسری طرف..... دوسری طرف کوئی نادیدہ طاقت بار بار میرا ہاتھ روک رہی تھی..... (پستول کو ہاتھ میں مسلتا ہے) میری انگلیاں شل ہو گئی تھیں..... میری سمجھ میں اب تک نہیں آ رہا کہ میں نے اسے کیوں چھوڑ دیا..... (مٹھیاں بھینچتا ہے) کیسے چھوڑ دیا ہے۔

ذکیہ: شائد اس لیے دلاور بھائی کہ تم بنیادی طور پر ایک اچھے انسان ہو..... اللہ تعالیٰ اچھے انسانوں کے دلوں میں خود اپنے وصف ڈال دیتا ہے..... وہ بڑا معاف کرنے والا ہے دلاور بھائی..... معاف کر دینے والوں کو بہت پسند کرتا ہے وہ۔

دلاور: مگر بہن..... وہ..... وہ..... معاف کرنے کے لائق نہیں تھا۔

ذکیہ: یہ تو میں نہیں کہہ سکتی لیکن اتنا جانتی ہوں تم سے وہ بے حد محبت کرتا ہے۔

دلاور: اسی کا تو رونا ہے سارا..... اور پھر وہ شیدے کا باپ بھی ہے..... (ایک دیوار کے ساتھ بازو لگا کر سرگوشی کے انداز میں بولتا ہے) مجھے اس سے بے انتہا نفرت ہے بہن۔ لیکن پتہ نہیں کیوں جس وقت اس کی شکل میرے دھیان میں آتی ہے۔ میرے اندر کوئی چیز ٹوٹ سی جاتی ہے..... کاش فتح شیر مولاداد نہ ہوتا۔

ذکیہ: شائد تقدیر کو یہی منظور تھا دلاور بھائی.....

دلاور: (سر جھٹکتے ہوئے) شائد۔ لیکن بہن اگر آپ نے بارہ سال تک کسی درخت کو اپنے خون پسینے سے سینچا ہو، اور جب اس پر پھل آئے تو آپ کے دونوں ہاتھ باندھ دیے جائیں، وہ درخت آپ کے سامنے جھومتا رہے تو آپ کیا محسوس کریں گی۔ اس نے مجھ سے زندہ رہنے کا جواز چھین لیا ہے بہن..... میں اس دنیا میں بالکل اکیلا رہ گیا ہوں۔

ذکیہ: (قریب آ کر اس کے کندھے پر شفقت سے ہاتھ رکھتی ہے) تم اکیلے نہیں ہو دلاور بھائی..... ہم سب جو ہیں تمہارے ساتھ۔

(دلاور غم زدہ انداز میں ذکیہ کے ہاتھ پر اپنا سر رکھتا ہے۔ ذکیہ اسے محبت سے تھپکتی ہے اندرونی کمرے سے فرخ اور سیمیں ہنستے ہوئے آتے ہیں۔ لباس سے لگتا ہے جیسے شادی کے بعد ہونے والی کسی دعوت میں بن ٹھن کر جا رہے ہیں دلاور کو دیکھ کر ایک دم رکتے ہیں۔)

فرخ: دلاور بھائی آپ۔ آپ کب آئے؟

دلاور: (جلدی جلدی آنکھوں سے آنسو پونچھتا ہے) میں..... میں..... ابھی آیا ہوں..... تم کیسے آئے ہو۔

فرخ : فائن۔ بلکہ ویری فائن۔ (سیمیں سے) ارے سلام کرونا دلاور بھائی کو . . . . یہ نہ ہوتے تو تم گیئں تھیں میرے ہاتھ سے!

ذکیہ : (پیار سے جھڑکتے ہوئے) فرخ۔

سیمیں : (شرما کر سلام کرتی ہے) آداب۔

دلاور : خوش رہو۔

(سیمیں کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتا ہے۔)

فرخ : خوش کیوں نہیں رہے گی دلاور بھائی . . . ایسا . . . (اپنی طرف اشارہ کر کے) میرا مطلب ہے اتنا سمارٹ قسم کا دولہا بڑی مشکلوں سے ملتا ہے۔

سیمیں : (شرما کر مسکراتے ہوئے) بلکہ آرڈر پر بنوانا پڑتا ہے۔

(سب ہنستے ہیں دلاور بھی افسردگی سے مسکراتا ہے۔)

ذکیہ : (مسکراتے ہوئے) واپسی کب ہوگی جناب کی۔

فرخ : واپسی . . . . . بس یہی کوئی . . . . .

ذکیہ : (شرارت آمیز انداز میں) دو بجے تک۔

فرخ : (لاڈ سے) ارے نہیں امی . . . آپ تو ایمان سے حد کر دیتی ہیں . . . . انشاءاللہ ۔ پونے دو بجے تک آجائیں گے . . . . کیوں سیمیں ؟

(سب لوگ پھر ہنستے ہیں. ذکیہ محبت سے ان کی طرف دیکھتی ہیں۔)

فرخ : اچھا امی . . . . دلاور بھائی خدا حافظ۔

سیمیں : (جاتے ہوئے) خدا حافظ۔

دلاور : خدا حافظ

(دونوں کے جانے کے بعد چند لمحوں کی خاموشی)

دلاور : اچھا بہن . . . . اب مجھے بھی اجازت دیجیے . . . شیر محمد صاحب آئیں تو انہیں میرا سلام کہیے گا۔

ذکیہ : کھانا تیار ہے کھا کر چلے جانا . . . . شائد اس وقت تک ابو بھی آجائیں۔

دلاور : نہیں۔ اب میں چلوں گا۔ ایک دو چھوٹے چھوٹے کام ہیں۔

ذکیہ : (دروازے تک اس کے ساتھ جاتے ہوتے ہوئے) پھر کب آؤ گے . . .

دلاور : پھر . . . اب تو (کچھ سوچ کر رک جاتا ہے — آنکھیں ملائے بغیر بات کرتا ہے) آؤں گا کسی وقت . . . . اچھا خدا حافظ۔

(تیزی سے جاتا ہے ذکیہ حیرت اور افسوس سے اسے جاتے دیکھتی ہے۔ دروازہ

بند کرکے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی صوفے پر بیٹھتی ہے۔ TIME LAPSE

ذکیہ کی آنکھیں بند ہیں۔ دروازے پر دستک کی آواز۔ آہستہ سے آنکھیں کھولتی ہے۔۔۔۔ آنکھیں ملتی ہوئی دروازے کی طرف جاتی ہے۔ دروازہ کھولتی ہے۔ ایک دم حیرت سے پیچھے ہٹتی ہے سامنے حشمت خان کھڑا گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ چند لمحوں کی خاموشی۔ حشمت اندر قدم رکھتا ہے۔ کمرے میں چاروں طرف دیکھتا ہے۔ ذکیہ سحر زدہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہی ہے۔ کارنس سے ذکیہ اور غلام علی کی تصویر اٹھاتا ہے۔ غلام علی کی شکل دلاور سے ملتی ہے۔ گٹ اپ کے بعد دلاور کی ہی تصویر بنوائی جائے۔ ایک نظر تصویر کو پھر غور سے ذکیہ کو دیکھتا ہے۔ اس کی طرف مڑتا ہے۔)

حشمت: تو، تم سے شادی کی تھی غلام علی نے۔ (ذکیہ بے خیالی میں جلدی سے دوپٹہ سر پر رکھتی ہے۔ اثبات میں سر ہلاتی ہے۔) میں۔۔۔ تمہارا سوہرا ہوں۔۔۔۔ چودھری حشمت خان (ذکیہ پھر اثبات میں سر ہلاتی ہے جیسے کہہ رہی ہو، مجھے پتہ ہے) بیٹھو ___ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ (حشمت خان بیٹھتا ہے ذکیہ کھڑی رہتی ہے آہستہ آہستہ حشمت کی آمد کے SHOCK سے سنبھلتی ہے۔ حشمت خان حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے) میں نے تمہیں بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔

ذکیہ: حشمت کے تحکم سے خوف زدہ ہوئے بغیر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بات کرتی ہے) یہ گھر ___ میرا ہے چودھری حشمت صاحب (حشمت تنک کر اس کی طرف دیکھتا ہے) آپ کو اندر آنے سے پہلے مجھ سے اجازت لینی چاہیے تھی۔

حشمت: (حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے) آخر شیر محمد کی دھی ہے نا تو۔۔۔۔ بڑی انکھ ہے تجھ میں بھی۔۔۔۔ میں تیرے ساتھ ایک سودا کرنے آیا ہوں دھیئے۔۔۔ تیری نوں (بہو) جے یعقوب کے حق میں گواہی دے دے تو وہ بچ سکتا ہے ___ اور۔

ذکیہ: کیوں دے وہ جھوٹی گواہی۔ !!

حشمت: جب کوئی بڑا بات کر رہا ہو، تو بیچ میں نہیں بولتے کڑیے۔ اس کے بدلے میں، میں تمہیں اور تمہارے پُتر کو اپنا قانونی وارث تسلیم کرنے کو تیار ہوں۔۔۔۔ بولو منظور ہے یہ سودا؟

ذکیہ: (چند لمحے اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہے) اس طرح کا ایک سودا آپ نے میرے ابے بھی کرنے کی کوشش کی تھی چودھری صاحب! ان کا جواب یاد ہے آپ کو ___!

حشمت: اس نے بھی بے وقوفی کی تھی دھیئے ___ میری بات مان لیتا تو آج تم لوگ محلوں میں رہ رہے ہوتے۔۔۔۔ سارے علاقے میں دہشت ہوتی تمہاری دولت کی!

ذکیہ: (نوکیلے انداز میں) اس کے بعد کیا ہوتا چودھری صاحب!

حشمت : اس کے بعد . . . . (ایک دم لاجواب سا ہو جاتا ہے) اس کے بعد تو بندہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

ذکیہ : ایسا نہیں ہوتا چودھری صاحب . . . . ہر چیز دولت سے نہیں خریدی جا سکتی۔

حشمت : مجھے پتہ ہے تم سکول میں پڑھاتی ہو۔ حساب کے سوال بہت آتے ہیں تمہیں . . . . میں تم سے بحث کرنے نہیں آیا . . . . تُوں میری کُوں ہے . . . . میرا حق ہے تجھ پر۔

ذکیہ : (ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے) آپ کا مجھ پر کوئی حق نہیں ہے چودھری صاحب . . . . آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔

حشمت : (تڑپ کر کھڑا ہوتا ہے۔ اس کی طرف مڑتا ہے۔) میری جائیداد سے تیری سات پشتیں سنور جائیں گی . . . . کرٹیے . . . . تیرا پتر میری دولت کا، میرے نام کا وارث ہو گا۔

ذکیہ : آپ کی دولت اور آپ کا نام دو سانپ ہیں، چودھری صاحب میں انہیں اپنے بیٹے کے گلے میں نہیں ڈالنا چاہتی۔

حشمت : اوئے عقل کو ہتھ پا دھیئے . . . . گھر آئی لکشمی کو ٹھکرانا نہیں چاہیے پُل کے تھلے سے گزرا ہوا پانی اور ہاتھ سے نکلی ہوئی دولت مُڑ واپس نہیں آتی . . . . دولت کمان کے تیر کی طرح ہوتی ہے دھیئے . . . ضد نہ کر . . . . بلا میرے پُتر کو . . . . میں خود اس سے بات کرتا ہوں . . . . اچھا نام رکھا ہے۔ اس کا تم نے . . . . فرخ . . . . چودھری فرخ . . . . سکندر پور کا چودھری فرخ !!

ذکیہ : وہ صرف فرخ ہے چودھری صاحب . . . . میرا بیٹا . . . . . اس کی نسل چودھری حشمت سے نہیں، شبیر محمد سے چلے گی۔

حشمت : تم اس کو بلاؤ تو سہی۔

ذکیہ : وہ اس وقت گھر پر نہیں ہے . . . . اور اگر ہوتا بھی تو میں اُسے کبھی آپ سے نہ ملواتی . . . . آپ کیوں آئے ہیں یہاں . . . .

حشمت : (ذکیہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا ہے) چودھری حشمت ہارنے کے لیے پیدا نہیں ہوا کرٹیے . . . . تیرا پتر میرا قانونی وارث ہے۔ نیاز گزر گیا ہے . . . . انور اور یعقوب دو دیں جیل میں ہیں . . . . اب فرخ ہی میرے نام کو آگے چلائے گا . . . . میں نے اپنی ساری جائیداد اس کے نام کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ کوئی معمولی جائیداد نہیں ہے . . . . دو کروڑ روپیہ ہے . . . . دو کروڑ۔

ذکیہ : دو ارب بھی ہو تو ہم اسے ہاتھ نہیں لگائیں گے۔

(حشمت حیرت اور بے اعتباری سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔)

آپ کی دولت آپ کو مبارک ہو۔

حشمت : (پریشان سا ہو کر بیٹھ جاتا ہے) اد . . . . پر . . . . دھیئے . . . . یہ اس کا جائز اور

قانونی حق ہے۔

ذکیہ : یہ دولت جس طرح آپ کے خاندان میں جمع ہوئی ہے .... اس کا مجھے اچھی طرح پتہ ہے چودھری صاحب .... میں خون کے اس دریا میں اپنے اور اپنی اولاد کے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتی .... یہ دولت انہی کو دے دیجیے جن سے آپ نے چھینی ہے ....

حشمت : ادئے ، جھلی ہوگئی ہے .... کیسی نالائقی کی باتیں کر رہی ہے .... یہ تم سکولوں میں پڑھانے والوں کے ڈھڈ میں ہر وقت دوسرے لوگوں کے مروڑ کیوں اٹھتے رہتے ہیں ....

ذکیہ : اس لیے کہ وہ دوسرے لوگ نہیں ہیں .... ہمارے وجود کا حصّہ ہیں .... وہ ہم "خود" ہیں ...

حشمت : لگتا ہے تجھے بھی اس علمے کمہار کے پُتر (ایک دم مڑ کر بولتا ہے) ادئے کیا نام ہے اس کا بخشو۔

(پیچھے کوئی وجود نہیں ہے ایک دم چپ سا ہو جاتا ہے۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہتا ہے پھر تھکی ہوئی آواز میں بولتا ہے)

ضد نہ کر دھیئے۔

ذکیہ : دیکھئے میں نے آپ کو بتا دیا ہے کہ ہمیں آپ کی جائیداد کی ضرورت نہیں ہے .... اور نہ ہی مجھے یا میرے بیٹے کو آپ کا نام چاہیے ...

حشمت : تو پھر میں .... کیا کروں ؟

ذکیہ : وہ کیجئے جو آپ نے آج تک نہیں کیا .... اپنے علاقے میں اس پیسے سے کوئی ہسپتال بنوا دیں .... سکول کھلوا دیں .... کالج بنوا دیں .... شائد اس طرح آپ کے گناہوں کا بوجھ کچھ ہلکا ہو سکے۔

(حشمت خان غصّے سے اس کی طرف دیکھتا ہے، لیکن ذکیہ کی آنکھوں میں استقامت دیکھ کر اس سے نظریں چراتا ہے۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہتا ہے پھر مڑ کر کمرے سے نکل جاتا ہے۔)

سین نمبر ۱۲

(یعقوب کا گھر۔ حشمت کسی گہری سوچ میں پڑا ہے۔ جھنگا اور بخشو آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کرتے ہیں۔ حشمت، بخشو کی طرف دیکھتا ہے۔ بخشو ایک دم سہم سا جاتا ہے۔)

بخشو : (ڈر کر) بالکل ٹھیک ہے جی۔

(حشمت ہاتھ سے حقّے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ بخشو سمجھنے کے انداز میں سر ہلاتا ہے جلدی سے چلم اٹھا کر جاتا ہے۔ حشمت پھر سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ دروازے کی گھنٹی بجتی ہے۔ بالا تیزی سے آ کر دروازہ کھولتا ہے۔ دروازے میں دلاور

کھڑا ہے اندر آتا ہے۔ حشمت اس کی آمد سے بے خبر ہے دلاور اس کے
قریب آتا ہے۔)

دلاور: سلام چودھری جی۔

(حشمت چند لمحے خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ ایک دم
مسکراتا ہے۔)

حشمت: اوئے توں کہاں تھا دلاور..... ایک دم کدھر غائب ہو جاتا ہے تو۔

دلاور: میں جا رہا ہوں چودھری جی.... (چودھری کا استفسار) اپنے گاؤں۔ کچھ چیزیں پڑی ہیں یہاں.... وہ لینے آیا تھا.... چودھری یعقوب صاحب کا بڑا افسوس ہوا ہے جی۔

حشمت: (بے خیالی میں) ہاں.... ہاں.... ہاں۔

دلاور: آپ شہر آئیں گے چودھری جی یا نئے پنڈ جا رہے ہیں۔

حشمت: میں.... شہر میں تو میرا گزارہ نہیں ہو سکتا دلاور.... نویں پنڈ ہی جاؤں گا۔

دلاور: مگر اب تو بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں چودھری جی.... شاید بائیس تاریخ کو چھوڑا جا رہا ہے پانی....

حشمت: ہاں۔

دلاور: آپ کب جائیں گے۔

حشمت: اسی دن جاؤں گا دلاور.... میں ایں اخیری ٹائم تک اپنے علاقے میں۔ اپنی حویلی میں رہنا چاہتا ہوں.... یہ تماشا اپنی اکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔

دلاور: قوم آپ کی یہ قربانی یاد رکھے گی۔ چودھری صاحب جن لوگوں نے ملک کی بہتری کے لیے گھر بار اور زمینیں چھوڑی ہیں.... پوری قوم ان کی احسان مند ہے۔

حشمت: (طنز یہ آزردگی کے ساتھ ہنستا ہے۔) احسان مند.... میرے اور علمے کمہار کی ایک جیسی احسان مند ہے، اوئے یہ کھتوں کا انصاف ہے پتر دلاور.... گھوڑے اور کھوتے میں کوئی فرق ہی نہیں کرتے.... جن اور تاریوں کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں نظر آتا ان کو.... مگر مچھ اور مچھیوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کرتے جا رہے ہیں۔

دلاور: ایسا کرنا ضروری ہے چودھری صاحب.... دیکھیے نا....

حشمت: (ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے۔) بس.... بس.... تقریریں سن سن کر میرا دماغ پولا ہو گیا ہے۔ اوئے.... دلاور.... اوئے تو ایک کم کیوں نہیں کرتا....

دلاور: فرماؤ چودھری جی۔

حشمت: تو میرے پاس کیوں نہیں رہتا....

دلاور: نہیں چودھری جی ۔ ۔ ۔ ۔ میرا آپ کے ملاقات سے پہلے جانا بہت ضروری ہے۔

حشمت: (کچھ سوچتے ہوئے) اچھا ۔ ۔ ۔ فیر پانی آنے سے پہلے سکندر پور کا ایک گیڑا (چکر) ضرور لگانا۔ ایک کام ہے تجھ سے

دلاور: اچھا جی۔

حشمت: بلکہ بائیس تاریخ کو ہی آنا ۔ ۔ ۔ ۔ دونوں اکٹھے ہی نکلیں گے پنڈ سے ۔ ۔ ۔ ۔ تیری شکل میرے پتر غلام علی سے بہت ملتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ تو ساتھ ہوگا تو ذرا ڈھارس رہے گی ۔ ۔ ۔ ۔ میری اولاد میں سے تو کوئی نہیں ہوگا میرے پاس ۔ ۔ ۔ ۔ آئے گا نا۔

دلاور: (رحم انگیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے) آؤں گا چودھری جی۔

(کمرے میں مہنگے کی موجودگی رجسٹر کرانے کے بعد Tilt کرتے ہیں)

سین نمبر ۱۳

(ڈیم کے کچھ شاٹ ۔ ۔ ۔ ۔ پانی کھولنے کی تیاریاں کی جارہی ہیں۔)

سین نمبر ۱۴

(بیل گاڑی پر بہت سامان لدا ہوا ہے زہرہ اور رشید بیٹھے ہیں۔ دروازے سے مولا داد آتا ہے۔ چہرے پر گہری سنجیدگی کے آثار ہیں۔ دروازہ بند کر کے تالا لگانے لگتا ہے ایک دم رک جاتا ہے۔ چند لمحے تالے کی طرف دیکھتا ہے پھر اسے ایک طرف پھینکتا ہے۔ ٹھوکر مار کر دروازہ کھولتا ہے۔ مڑتا ہے آ کر بیل گاڑی پر بیٹھتا ہے۔)

سین نمبر ۱۵

(حویلی کے صحن میں کتے پھر رہے ہیں۔ مہنگا اور بخشو ڈرتے ڈرتے انہیں دروازے سے باہر نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کتے پھر اندر آ جاتے ہیں حشمت کرسٹل کو گود میں لیے بیٹھا ہے۔ اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ خطرے کا سائرن بجتا ہے۔)

بخشو: (ایک کتے کو باہر نکالنے کی کوشش میں ناکام ہو کر ہانپتا ہے) یہ نہیں نکلتے چودھری جی۔

حشمت: اصیل نسل میں یہی خرابی ہوتی ہے۔

بخشو: ۔ ۔ ۔ ۔ چھوڑ دے اس کو ۔ ۔ ۔ ۔

(بخشو جلدی سے کتے کو چھوڑتا ہے۔ مہنگا ایک دوسرے کتے کے ساتھ برسرِ پیکار ہے)

مہنگا: میں بھی چھوڑ دوں چودھری جی ۔ ۔ ۔ ۔

حشمت: ہاں ۔ ۔ ۔ ۔ ادھر آؤ تم دونوں ۔ ۔ ۔ ۔ (دونوں اس کے پاس آتے ہیں۔ وہ پیکٹوں کی طرف اشارہ کرتا ہے) ایک اٹھالو (دونوں اٹھاتے ہیں) اب جاؤ۔

بخشو: بالکل ٹھیک ہے جی . . . . پر نہیں جی . . . . بالکل ٹھیک کیسے ہے . . . یہ تو بالکل غلط ہے چودھری جی . . . . ہم کہاں جائیں۔

حشمت: جدھر جی چاہے چلے جاؤ . . . . خدا کی زمین بہت بڑی ہے . . . .

مہنگا: پر جی چودھری صاحب جی . . . . ہم تو آپ کی زمینوں کے نوکر ہیں جی . . . . آپ کے تابعدار ہیں جی۔

حشمت: تمہاری نوکری آج سے ختم ہو گئی ہے مہنگے . . . . جاؤ . . . . میں نے تمہیں اتنا کچھ دے دیا ہے کہ تم آرام سے زندگی گزار سکتے ہو۔

بخشو: بالکل ٹھیک ہے جی . . . . مگر . . . .

حشمت: (دھیمے انداز میں) مجھے پتہ ہے بخشو، یہ اگر مگر والے فقرے مجھے زہر لگتے ہیں . . . جاؤ . . . . چلے جاؤ دونوں۔

مہنگا: پر چودھری جی آپ . . . . آپ کے بغیر ہم . . . .

حشمت: میں تم لوگوں کا محتاج نہیں ہوں مہنگے . . . . اپنی فکر میں خود کر لوں گا . . . . تم جاؤ . . .

بخشو: بالکل ٹھیک ہے جی. پر پانی آنے والا ہے جی . . . . آپ کا سامان کون اٹھائے گا۔

حشمت: مجھے بات دوہران کی عادت نہیں ہے مہنگے . . . . دفع ہو جاؤ یہاں سے۔

(بخشو اور مہنگا ایک دوسرے کی طرف بے چارگی سے دیکھتے ہیں . . . . حشمت پہلے غور سے پھر نرمی سے ان کی طرف دیکھتا ہے۔)

حشمت: یہ میرا حکم ہے بخشو . . . . .

بخشو: بالکل ٹھیک ہے جی۔

حشمت: (کرسٹل اس کو دیتے ہوئے) اس کو بھی لے جاؤ . . . . کبھی صولت مرزا ملے تو اسے دے دینا۔

مہنگا: آپ کب آئیں گے چودھری جی . . . .

حشمت: پرسوں۔

مہنگا: پرسوں تو پانی آ رہا ہے جی۔

حشمت: میں اس سے پہلے نکل جاؤں گا . . . . . اب تم جاؤ شاباش۔

سین نمبر ۶

(رات کے وقت کسی سنسان گاؤں سے کیمرہ PAN کرتا ہوا حشمت خان پر آتا ہے جو حویلی کی منڈیر پر کھڑا خلا میں دیکھ رہا ہے۔ پس منظر میں پانی کا شور سنائی دیتا ہے۔)

سین نمبر ۷

(نئے گاؤں میں ایک جگہ پرانے گاؤں کے کچھ لوگ جمع ہیں۔ مولا داد۔ ماسٹر۔ رشید مہنگا۔ بخشو۔ علم دین۔ وغیرہ سب لوگ بہت اداس بیٹھے ہیں۔)

ماسٹر: کیا عجیب احساس ہے یہ بھائیو کہ اب سے کچھ دیر بعد وہ سارا علاقہ دریا بُرد ہو جائے گا جس کی ہوا میں ہم نے زندگیاں گزاری ہیں۔

رشید: مگر ماسٹر جی یہ بھی تو دیکھیے کہ چند دیہاتوں کو ڈبونے والا یہ پانی کتنے ہزار دیہاتوں کی تقدیر بدل دے گا ۔ ۔ ۔ کتنے چہروں میں رنگ کتنی آنکھوں میں روشنی آئے گی اس سے۔

علم دین: ماسٹر منظور ٹھیک کہتا ہے برخوردار محمد رشید ۔ ۔ ۔ تم آنے والے کل کا خواب دیکھ رہے ہو۔ پر وہ گزرے ہوئے کل کا ماتم کر رہا ہے ۔ ۔ ۔

بخشو: کل گزرا ہوا ہو وے ماسٹر جی بھاویں آن والا ۔ ۔ ۔ بندے کو سکھ کا ساہ نہیں لینے دیتا۔

مہنگا: چودھری صاحب نہیں پہنچے اب تک۔

ماسٹر: پتہ نہیں انھوں نے کیوں سب سے بعد میں آنے کا فیصلہ کیا ہے ۔ ۔ ۔ وہ ہمارے سامنے حویلی کو ڈوبتا نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

بخشو: بالکل ٹھیک ہے جی ۔ ۔ ۔ پر مجھے ڈر ہے کہیں وہ پانی میں پھنس نہ جائیں ۔ ۔ ۔ ان کے پاس کوئی ہے بھی تو نہیں۔

مہنگا: اللہ کرے دلاور پہنچ گیا ہو ۔ ۔ ۔ اس نے وعدہ تو کیا تھا چودھری صاحب سے۔

مولا داد: (ایک دم چونک کر) کیا ۔ ۔ ۔ دلاور ۔ سکندر پور میں ہے شہزادے۔

مہنگا: جب ہم وہاں سے نکلے ہیں بھائی مولا داد۔ اس وقت تک وہ نہیں پہنچا تھا پر شہر میں اس نے چودھری صاحب سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بائیس تاریخ کو ان کے پاس سکندر پور آئے گا۔

مولا داد: (مہنگے کو جھنجھوڑتے ہوئے) یہ تجھے کس نے بتایا ہے شہزادے؟

مہنگا: (گریبان چھڑاتے ہوئے) بتانا کس نے تھا بھائی مولا داد ۔ ۔ ۔ یہ بات تو میرے سامنے ہوئی تھی۔ ۔ ۔ ۔ میری عدم موجودگی میں۔

ماسٹر: (مسکراتے ہوئے) عدم موجودگی میں نہیں مہنگے ۔ موجودگی میں۔

مہنگا: (جھینپ کر مسکراتے ہوئے) اب تو پنڈ بھی بدل گیا ہے ماسٹر جی اب تو غلطیاں نکالنا چھوڑ دیں۔

مولا داد: (اپنے آپ سے) دلاور سکندر پور میں ہے۔ (چند لمحے کچھ سوچتا ہے فیصلہ کن انداز میں مڑتا ہے باہر جاتا ہے۔ سب اس کی طرف حیرت سے دیکھتے ہیں۔)

ماسٹر: یہ مولا داد کو کیا ہو گیا ہے۔

علم دین: جب سے یہاں آیا ہے۔ کچھ بدل سا گیا ہے۔

سین نمبر ۱۸

(حشمت کی حویلی۔حشمت اپنے بزرگوں کی تصویروں کے پاس خاموش کھڑا ہے
دلاور تیزی سے چلتا ہوا آتا ہے۔حشمت مڑ کر اس کی طرف دیکھتا ہے مسکراتا ہے)

حشمت: توُں بڑا نر آدمی ہے دلاور ۔مجھے یقین تھا تو ضرور آئے گا۔

دلاور: میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا چودھری جی۔

حشمت: وعدے تو دنیا میں بہت ہوتے ہیں دلاور.... گل گل پر لوگ وعدے کرتے ہیں... اصل کھیڈ تو نبھان کی ہوتی ہے۔

دلاور: اچھا آپ جلدی کیجئے... پانی آنے والا ہے۔

حشمت: (بیٹھتے ہوئے) بیٹھ جا دلاور... پانی آنے میں ابھی بہت دیر ہے..... (دلاور نیم رضامندی کے عالم میں کندھے جھٹکتا ہے بیٹھتا ہے) تیرے خیال میں۔میں کیسا آدمی ہوں دلاور؟

دلاور: (براہِ راست سوال سے گھبرا کر) آپ.....آپ بہت اچھے ہیں چودھری صاحب۔

حشمت: جھوٹ نہ بول دلاور۔تجھے جھوٹ بولنا نہیں آتا... جھوٹ بولتے وقت تیری اکھیں تیری زبان کا ساتھ نہیں دیتیں۔

دلاور: (شرمندہ سا ہو کر) نہیں چودھری جی۔وہ۔

حشمت: (گہری سنجیدگی سے) جے اس دن شیر محمد کے بعد میں نے تیری اکھوں میں دیکھ لیا ہوتا دلاور تو یہ سب کچھ نہ ہوتا جواب ہوا ہے۔(دلاور کا (REACTION) تو نے یہ سب کچھ کیوں کیا ہے دلاور.... کیا رشتہ تھا تیرا شیر محمد سے۔!

دلاور: (اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے گہری آواز میں بولتا ہے۔) آپ کو کس نے بتایا ہے چودھری جی۔

حشمت: کسے نے نہیں بتایا دلاور.....میں نے دس بارہ دن اس حویلی میں کلیاں بیٹھ کر بہت ساری باتیں سوچیں ہیں.... بڑے سوالوں کے جواب ملتے ہیں مجھ کو...ان میں یہ تیرے والا سوال بھی تھا۔پر اس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔

دلاور: اگر آپ کچھ غور کریں گے چودھری صاحب تو آپ کو اس کی وجہ بھی معلوم ہو جائے گی۔

حشمت: نہیں معلوم ہوئی دلاورا۔ میں نے بڑا سوچیا ہے!

دلاور: چودھری حشمت بن کر سوچنے سے اس سوال کا جواب آپ کو کبھی نہیں ملے گا۔چودھری صاحب۔ اس کے لیے....آپ کو نیچے اتر کر انسانوں کی بھیڑ میں آنا ہو گا۔...

حشمت: بھیڑ میں بندہ گواچ جاتا ہے دلاور۔

دلاور: یہیں تو سارا سوچ کا پھیر ہے چودھری صاحب۔آپ کے نزدیک بندہ بھیڑ میں گم ہو جاتا ہے اور میرے خیال میں بندے کی پہچان ہی بھیڑ میں آکر ہوتی ہے۔

حشمت: (چند لمحے دلاور کی طرف دیکھتا ہے۔دلاور بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا ہے)

تیری اکھیں کہہ رہی ہیں دلاور! کہ توں سچ بول رہا ہے۔ پر میرا قارورہ تیرے سچ کے ساتھ نہیں ملتا.... عقاب کی تقدیر میں قدرت نے ازل سے اُچا اُڈنا لکھیا ہے.... چڑیوں، کبوتروں کے ساتھ رہنا اس کے اختیار میں نہیں ہوتا....

دلاور: (اس کی طرف دیکھتا ہے۔ پھر ایسے انداز میں سر جھٹکتا ہے جیسے بحث بے فائدہ ہو) مجھے آپ نے یہی بتانے کے لیے بلایا تھا۔

حشمت: اوئے نہیں دلاور... یہ بات تو اس کے بعد میری سمجھ میں آتی ہے۔ پر میں تجھے اس کی سزا نہیں دوں گا.... توں پہلا بندہ ہے دلاور... جس نے میرے ساتھ اتنا بڑا ہتھ کیا ہے اور میں اس کو معاف کر رہا ہوں.... اب میں سچ مچ بڈھا ہو گیا ہوں دلاورا۔ پر میں ہمیشہ دھون اُچی کر کے.... دنیا کی اکھ میں اکھ پا کے اس سے بات کی ہے.... میرے جیتے جی یہ دھون نیویں نہیں ہو سکتی....

(خطرے کا سائرن۔ آواز قریب آتی ہے۔)

دلاور: (گھڑی دیکھتے ہوئے) وقت بہت کم رہ گیا ہے چودھری جی۔

حشمت: وقت.... ہاں... (ہاتھ اپنے کسی بزرگ کی تصویر پر رکھتا ہے) آ ان کو کسی محفوظ مقام پر رکھ دیں....

دلاور: محفوظ مقام یہاں کون سا ہے چودھری صاحب یہاں تو سب پانی ہی پانی ہو گا۔ انہیں ساتھ لے چلیں۔

حشمت: نہیں، نہیں، نہیں۔ دلاورا۔ ان کو کہیں اور لے گئے تو ان کی روحیں ناراض ہوں گی.... تکلیف پہنچے گی انہیں... چل انہیں تہہ خانے میں رکھ دیں۔

دلاور: (بڑھ کر تصویریں سمیٹنے لگتا ہے) جیسے آپ کی مرضی جی۔

سین نمبر ۱۹

مولاداد: میرا جانا بہت ضروری ہے شہزادی۔

زہرہ: نہیں مولاداد... نہیں....

مولاداد: چودھری حشمت کے خاندان کی تباہی نے اسے زخمی چیتے کی طرح خطرناک کر دیا ہے شہزادی۔ ... دلاور کا ایسے ٹائم میں اس کے پاس ہونا بڑے خطرے کی بات ہے۔

زہرہ: پانی آنے والا ہے۔ فتح شیر۔

مولاداد: اس لیے تو میں جا رہا ہوں... پانی اِک واری سروں لنگھ جائے تے فیر کچھ نہیں ہو سکتا زہرہ میں دلاور کو لے کر ابھی آتا ہوں۔

زہرہ: وہ... کہیں.... وہ تمہیں...

مولاداد: اگر میری تقدیر میں اس کے ہاتھوں مرنا لکھا ہے زہرہ... تو مجھے کوئی نہیں بچا سکتا۔ بازی

اس کی یاری اور میری جان کے درمیان ہے۔ ۔ ۔ ۔ اب آگے میری قسمت۔

(تیزی سے نکل جاتا ہے زہرہ کپکپاتے ہوئے ہاتھ دعا کے لیے اٹھاتی ہے)

سین نمبر ۲۰

(تہہ خانے۔ تصویریں قدرے بلندی پر دیوار کے ساتھ انگیٹھی پر رکھی ہیں۔ حشمت ایک کپڑے سے ان کی گرد جھاڑتا ہے۔ دلاور کچھ دیر بے چینی سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔)

دلاور: چلیے چودھری صاحب (حشمت ایسی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے کہ دلاور ایک لمحے کے لیے سہم سا جاتا ہے گھبرا کر اسے دوبارہ آواز دیتا ہے) چودھری صاحب!

حشمت: (چونکتے ہوئے) ہاں ۔ ۔ ۔ کیا ۔ ۔ ۔ کیا بات ہے دلاور!

دلاور: پانی آنے والا ہے چودھری صاحب۔

حشمت: (فیصلہ کن انداز میں) تم جاؤ دلاور!

دلاور: مگر!

حشمت: جو میں کہہ رہا ہوں ۔ ۔ ۔ وہی کرو ۔ ۔ ۔ جاؤ۔

(دلاور کی آنکھیں اس کی بات کا مطلب سمجھ کر پھیلتی ہیں۔)

دلاور: میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ ۔ ۔ یہ خودکشی ہے۔

حشمت: یہاں سے چلا جا دلاور! ۔ ۔ ۔ جا۔ شاباش۔

دلاور: (دلاور قریب آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ چودھری ایک دم پیچھے ہٹتا ہے) اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا ہے چودھری صاحب۔ ۔ ۔ انسان کو غلطی کا احساس ہو جائے تو۔۔۔

حشمت: کس غلطی کی بات کر رہا ہے دلاور! ؟ تو بڑا عقل والا ہے، پر تیری سمجھ میں یہ بات نہیں آسکتی۔ یہ معاملہ ہی کچھ اور ہے (ایک دم اس طرح خاموش ہوتا ہے جیسے کچھ سن رہا ہو۔ پھر کندھے سے پکڑ کر دلاور کو دروازے کی طرف کھینچتا ہے۔) پانی آرہا ہے۔ ۔ ۔ بھاگ جا یہاں سے۔

(مجنونانہ انداز میں دلاور کو کھینچ کر دروازے سے باہر کرتا ہے۔ دروازہ بند کرتا ہے۔ دلاور کی آواز آتی ہے۔)

دلاور: (دستک دیتے ہوئے گھبرائے ہوئے انداز میں) چودھری صاحب ۔ ۔ ۔ چودھری صاحب۔ دروازہ کھولو۔

(گھر کے دروازے کے باہر آتے ہیں، جہاں دلاور دروازے سے ٹکریں مارتا ہے۔)

(دروازہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا۔ ماتھے سے پسینہ پونچھتا ہے۔)

سین نمبر ۲۱

(مولاداد گھوڑے پر بیٹھا تیزی سے جا رہا ہے۔)

سین نمبر ۲۲

(وے سے پانی چھوڑا جا رہا ہے۔)

سین نمبر ۲۳

(تہہ خانے میں حشمت اپنے بزرگوں کی تصویروں کے سامنے کھڑا کچھ سوچ رہا ہے۔ اس کے چہرے پر مختلف سین SUPER IMPOSE ہوتے ہیں۔ جن میں وہ مختلف لوگوں سے حاکمانہ انداز میں بات کر رہا ہے۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایک جگہ پر بیٹھتا ہے۔ ایک دم چونک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھتا ہے جہاں سے پانی آ رہا ہے۔ اپنے پاؤں ذرا سا اوپر اٹھاتا ہے۔ چھت پر پانی جمع ہو رہا ہے جس کے بوجھ سے چھت ٹپکنے لگتی ہے۔ ایک قطرہ حشمت کی دستار سے ہوتا ہوا اس کی اچکن پر گرتا ہے اوپر دیکھتا ہے، دستار اتار کر ہاتھ میں لیتا ہے۔ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ اس اثنا میں چند اور قطرے گرتے ہیں۔ دستار ہاتھوں میں لے کر اِدھر اُدھر دیکھتا ہے۔ پانی کا شور . . . . دستار کو ایک بلند جگہ پر لٹکاتا ہے۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایک ستون کے قریب آتا ہے۔ بازو کے سہارے کھڑا ہوتا ہے۔ اس پر شیر محمد اور اس کا سین S/I ہوتا ہے۔)

حشمت کی آواز: تجھے پانی کی قبر کیسی لگتی ہے شیر محمد۔

(پانی کا شور بڑھتا ہے۔ ایک دم دروازہ پانی کے دباؤ سے کھلتا ہے۔ پانی ایک ریلے کے ساتھ آتا ہے اس ریلے سے MIX کرتے ہیں۔ چاروں طرف ٹھاٹھیں مارتا ہوا پانی ہے۔ حدِ نظر تک پانی ہی پانی نظر آتا ہے۔)

سین نمبر ۲۴

(مولاداد گھوڑے پر بیٹھا ہے دلاور کو آوازیں دیتا آ رہا ہے . . . . تھوڑی دور جا کر وہ ایک ٹیلے پر چڑھتا ہے۔ ایک دم حیرت زدہ رہ جاتا ہے چاروں طرف پانی ہی پانی ہے۔ سخت غمزدہ لہجے میں بڑبڑاتا ہے۔)

مولاداد: شہزادے۔

(کٹ کر کے دکھاتے ہیں۔ نیچے چند قدم کے فاصلے پہ دلاور پانی کے کنارے لمبے لمبے سانس لے رہا ہے اس کے P/H سے مولاداد کو دکھاتے ہیں جو شروع میں سے F/O نظر آتا ہے۔ دلاور آہستہ آہستہ اٹھتا ہے مولاداد کی نظر اس سے ملتی ہے۔)

مولاداد: شہزادے۔

(دو قدم بڑھ کر رک جاتا ہے۔ دلاور گہری سنجیدگی سے اپنے کپڑے نچوڑتا ہے آہستہ آہستہ چلتا ہوا مولاداد کے قریب آتا ہے۔ مولاداد خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہتا ہے دلاور چند لمحے مولاداد کو گھورتا ہے۔ آہستہ سے پستول بازو سے اتار کر اسے پیٹی سے نکالتا ہے، چند لمحے اسے دیکھتا رہتا ہے۔ پھر گھما کر پستول پانی میں پھینک دیتا ہے، پیٹی ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔ بغیر کچھ کہے مڑ کر چلنا شروع کرتا ہے۔ کیمرہ پستول کی پیٹی سے دونوں پر جاتا ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ ریل کی پٹڑیوں کی طرح جا رہے ہیں، دونوں کے درمیان دور سورج ڈوب رہا ہے۔ آہستہ آہستہ کیمرہ زوم آؤٹ کرتا ہے۔)